بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچہ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی سید المرسلین وعلی آلہ الطیبین واصحابہ اجمعین

قبضہ ہو دلوں پر کیا اور اس سے سوا تیرا ۔۔۔ اک بندۂ نافرماں ہے حمد سرا تیرا
گو سب سے مقدم ہے حق تیرا ادا کرنا ۔۔۔ بندے سے مگر ہوگا حق کیونکر ادا تیرا

اسلاف پرستی کا اثر اخلاق میں

اب سے بیس برس پہلے آنریبل سر سید احمد خاں صاحب بہادر مرحوم نے المامون (مصنفہ علامہ شبلی نعمانی) کے دیباچہ کو مندرجۂ ذیل مقولہ سے شروع کیا تھا۔ "یہ نہایت سچا مقولہ ہے کہ وہ قوم نہایت بدنصیب ہے جو اپنے بزرگوں کے اُن کاموں کو جو یاد رکھنے کے قابل ہیں بھلا دے، یا اُن کو نہ جانے۔ بزرگوں کے قابل یادگار کاموں کو یاد رکھنا اچھا اور بُرا، دونوں طرح کا پھل دیتا ہے۔ اگر خود کچھ نہ ہوں اور نہ کچھ کریں اور صرف بزرگوں کے کاموں پر شیخی کیا کریں، تو استخوان جد فروش کے سوا کچھ نہیں۔ اور اگر اپنے میں بھی ویسا ہونے کا چسکا ہو پھر تو وہ امرت ہے۔"

مقولہ مذکورۂ بالا کی تائید میں ایک دوسرے بزرگ قوم کا یہ ارشاد ہے[1]: "ہم مسلمانوں میں

[1] رپورٹ ایجوکیشنل کانفرنس اجلاس چہاردہم بمقام رامپور سنہ ۱۹۰۰ء صفحہ ۶۴-۷۰ اڈریس نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی

آج کل ایک مرض شائع ہو گیا ہے جس کو **اسلاف پرستی** کہتے ہیں انگریزی داں لوگوں
ہمارے خصوصاً علی گڑھ کے طلبا اس میں بکثرت مبتلا ہیں اور اس مرض کی اشاعت کے
بانی اول دو چار یوروپین مورخ ہیں مگر زیادہ تر بعض ہمارے ہی گروہ کے بزرگوار ہیں ان
حضرات نے آفت برپا کر دی ہے کوئی مسلمانوں کی علمی دولت کو شمار کر رہا ہے کوئی تمدنی جوش بتا رہا
ہے کوئی ہمارے مدارس اور یونیورسٹیوں کی فہرست طیار کر رہا ہے، کوئی ہماری یونانی کتابوں کے
ترجموں کا حساب دے رہا ہے، کوئی اندلس کی حکومت کا زور دکھاتا ہے، کوئی ہارون اور مامون کی شان
بیان کر رہا ہے"

اس محسن قوم کے نزدیک سب مسلمانوں کی بیماریاں ہیں، مگر جب ناصح مشفق دیکھتا ہے کہ قوم
اس مرض میں پڑ رہی ہے اور کسی کے روکے نہیں رکتی ہے تو خود ہی مہربان طبیب بنکر اس لا علاج مرض
کے لیے نسخہ تحریر کرتا ہے۔ "اس میں شک نہیں کہ اسلاف پرستی بہت عمدہ شیوہ ہے، مگر
اسی حد تک کہ ہم اپنے بزرگوں کی خدمات کی داد دیں، اور ان کی عزت کریں، اور بہترین طریقہ
ان کی بزرگیوں کی داد دینے، اور قدر کرنے کا یہ ہے کہ ہم ان کے قدم بقدم چلیں، ان کی محنت
ان کی تگ و دو، ان کی نفس کشی کی تقلید کریں، اور ان کا سا صبر و تحمل، ان کا سا انہماک
طلب علم میں پیدا کریں، اور جس فن کو اختیار کریں اس میں ان کی سی تحقیق حاصل کریں۔ یہ کہ
ہمارے بزرگوار جو کچھ اپنے وقت میں کر گئے ہیں، اس پر غرہ کریں، اور مثل **زن بیوہ** کے
ان کے نام پر بیٹھے رہیں اور ان کی علمی بزرگیوں کا تذکرہ دوسروں سے سن کر زمانہ حال کی
دولت علمی کو حقیر سمجھیں اور اس کے دریافت سے اغماض کریں۔ مختصر یہ کہ اسلاف پرستی کو

اپنی جہالت یا کاہلی یا نفس پروری کا بہانہ گردانا ہرگز جائز نہیں ہی۔ اور نہ یہ جائز ہے کہ اُن کی بزرگیوں کو یاد کرکے ہم اپنے عیوب سے غافل ہوجائیں۔ اُس شخص نے تاریخ پر بالکل کورانہ نظر ڈالی ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہی کہ اُس وقت کے لوگوں میں کوئی عیب نہ تھا اور ہمارا ہی زمانہ بدیوں سے بھرا ہوا ہے۔ کوئی وقت عیب سے خالی نہیں ہوا کرتا جو نقصانات ہم میں اس وقت کسیقدر مبالغہ کے ساتھ موجود ہیں اُس وقت بھی موجود تھے۔ اور ہماری ناکامی کا تخم بو رہے تھے "من عرف نفسه فقد عرف ربه" خداشناسی کیواسطے اول خودشناسی ضرور ہے، جب تک ہم اپنے عیوب سے واقف نہوں اور اُن کو صداقت کے ساتھ تسلیم نہ کرلیں کبھی ہماری حالت میں اصلاح نہیں ہوسکتی مگر بے شک "یہ آخر العلاج الکی" کا حکم رکھتا ہی۔ اس سے اذیت بہت ہوتی ہی۔ نفس انسانی جو بالطبع خوشامد پسند ہی اپنے عیب چینی کے گزند سے چیخ اُٹھتا ہے۔ اور ناصح صادق سے ہمیشہ ملول رہتا ہے۔ عین الرضا ہر فروبشر کو پسندیدہ ہی، عین السخط کی نقادیوں سے ہر کوئی گھبراتا ہے کیونکہ [1]

وعین الرضا عن کل عیب کلیلة ولکن عین السخط تبدی المساویا

ایک عیبوں پر پردہ ڈالتا ہی دوسرا اُن کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکالتا ہے۔ مگر یاد رہے کہ عین السخط ہی ہمارا دوست ہے۔ دوسرا جو عیب پوشی کرتا ہی وہ دراصل ہمارا دشمن ہی۔ والعاقل تکفیه الاشارة۔

بزرگان قوم کی جو نصیحت ہم نے نقل کی ہے۔ یہ غور سے پڑھنے اور عمل کرنے کے

[1] خوشنودی کی آنکھ عیب کے دیکھنے سے قاصر ہوتی ہی وہ تو غصہ ہی کی ہی جس کو بُرائی ہی بُرائی سوجھتی ہی۔

لائق ہے کیونکہ یہ واقعہ نفس الامری ہے کہ ہم اسلاف کے کارنامے پڑھ لیتے اور اظہار فخر کے
لیے ڈہا کرتے ہیں اور ہمارا ذہن کبھی اس طرف منتقل نہیں ہوتا کہ ہمارے بزرگوں کی ترقی
کے اسباب اور کامیابی کے راز کیا تھے؟ اور آیا ہم کو بھی ویسا ہی ہونا چاہیے یا نہیں؟

تاریخ و سیرت میں اعلیٰ تصنیفات کی ضرورت

لیکن اس مسئلہ کے حل ہو سکنے کے بعد ایک سوال یہ ہے کہ
ایسی کتابیں کہاں مل سکتی ہیں جو اسلاف کے صحیح حالات
کا مرقع ہوں؟ اس کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ علمائے مشرق و مغرب کی نئی تاریخیں پڑھنا
چاہیے مگر افسوس ہے کہ مشرقی علما میں ایسے مصنفین کا قحط ہے جو فلسفیانہ نکتہ سنجی سے تاریخ
لکھیں اور صحیح تنقید سے لکھیں۔ اب رہے علمائے مغرب وہ بے شک تاریخ نویسی میں کمال
رکھتے ہیں مگر اس کا کیا علاج ہے کہ تاریخ اسلام لکھتے ہوئے جناب بیدردی، اگر
کمال دور اندیشی سے بہت تصرف کرتے ہیں لیکن ایک بہتر صورت یہ ہے کہ جدید تعلیم
یافتہ مغربی مذاق میں تصنیف کریں۔ یہ سب سے بہتر شکل ہے، مگر دقت یہ ہے کہ ان نوجوانوں
میں بہ استثنائے بعض عربی زبان دانی کا عنصر نہیں ہے، اور ان کی نظر صرف انگریزی علم ادب
تک محدود ہے، لہٰذا تصنیف بھی ناقص ہوگی۔ لیکن یہ ایسا مرض نہیں ہے جو علاج پذیر نہ ہو۔
ہمارے نوجوان عربی کی تحصیل کر کے اس نقص کو دور کر سکتے ہیں۔ مگر بقول غالب مرحوم ؎

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد　　پر طبیعت ادھر نہیں آتی

جس نوبت پر اب ہیں وہ تو اردو میں بھی ادبی، تاریخی، مذہبی اور اخلاقی تصنیفات نہیں پڑھتے ہیں
جس کا یہ نتیجہ ہے کہ کسی موقع پر اگر قومی شجاعت، ہمت عرب، یا کسی اہل علم کا ذکر آتا ہے تو نام تک ان

اسلام کے بجائے مشاہیر یورپ کے نام گنائے جاتے ہیں! ندوۃ العلما کے ایک جلسہ میں شمس العلما شبلی نعمانی نے نوجوانان قوم کو مخاطب کرکے حسب ذیل اشعار پڑھے تھے جس کا اعادہ کرنا ہم بھی ضروری سمجھتے ہیں۔

نکتہ شرع بافسانہ برابر بنہی	یورپ ار گپ زند آں نیز مسلم باشد
حل ہر مسالۂ فقہ زیورپ طلبی	شرع پیش تو ز تقویم کہن کم باشد
از ابوبکر و عمر ہیچ بیادت ناید	گرمی بزم تو از سیزر اعظم باشد
در سخن بگذری واز سیرت شان نبوی	ہر چہ گوئی ہمہ از گفتہ ولیم باشد

لیکن ان خیالات کا یہ سبب نہیں ہے کہ نوجوانان قوم سے خدانخواستہ قومی حمیت اور مذہبی جوش کا مادہ سلب ہو چکا ہے۔ بلکہ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ تعلیم جدیدہ میں اول سے آخر تک اس کا موقع ہی نہیں ملتا ہے کہ تاریخ اسلام سے صحیح واقفیت حاصل کی جائے۔ ایسی صورت میں ان کی زبان سے جو لفظ نکلیگا وہ مغربی ٹکسال کا ہوگا۔ لیکن انشاء اللہ امید ہے کہ قومی یونیورسٹی قائم ہونے پر یہ شکایت باقی نہ رہیگی۔

سبب تالیف کتاب نظام الملک طوسی

تاریخ اور سیرت نگاری کے متعلق، جو مشکلات ہیں، وہ تم اوپر پڑھ چکے ہو۔ لیکن باوجود ان اسباب کے صرف اس خیال سے جسارت کی گئی ہے کہ مشرقی یا ہندوستانی ہوکر ہندی (اردو) علم ادب اور ملکی زبان کی خدمت نہ کرنا، داخل کفران نعمت ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ دنیا کی تمام مہذب اقوام کی طرح، ہمارا بھی فرض ہونا چاہیے کہ ان اسلاف کو جو صفات خاص سے

اِس زمانہ میں ضرب المثل ہے بقائے دوام کی زندگی سے محروم رہیں اور یہ زندگی
اُن کو اس طرح میسر آسکتی ہے کہ انھوں نے اپنی حیات مستعار میں جو معرکۃ الآرا کام کئے
ہیں ہم اُن کو منظر عام پر لاویں اور گمنامی کے ساتھ صفحۂ ہستی سے مٹنے نہ دیں کیونکہ معمولی
مرنا تو وہ مر چکے، لیکن اصلی موت کا وہ دن ہوگا جس دن اُن کے کارنامے ہماری غفلت
سے مٹ جائیں گے جو لوگ حیات انسانی کے معنی بارہ گھنٹے میں دو مرتبہ پیٹ بھر لینا
یا چند گھنٹے فکر معاش میں مبتلا رہنا، اور رات کو آرام سے پڑ کر سو رہنا سمجھتے ہیں، وہ
دائرۂ انسانیت سے خارج ہیں اور اُن کی مثال حشرات الارض و نباتات کے سبزۂ خودرو
سے زیادہ نہیں حقیقی زندگی اور حیات جاوید کے یہی معنی ہیں کہ انسان اپنے اعمال حسنہ
اور خصائل حمیدہ سے قیامت تک زندہ رہے چنانچہ **خواجہ حسن نظام الملک طوسی**
بھی اُنھیں نامورانِ اسلام کے طبقہ میں ہیں جن کے مساعی جمیلہ سے صفحاتِ تاریخ گرانبار
احسان ہو رہے ہیں چنانچہ سلسلہ وزرائے اسلام میں برامکہ کے بعد دوسرے درجہ پر یہی
شمار وزیر ہیں جن کو ہم نے انتخاب کیا ہے۔

مسلّمہ ہے کہ اُردو علم ادب میں آجکل بجائے سنجیدگی کے عامیانہ نظمیں، ناول، افسانے،
اور قصص و حکایات شائع ہوتی ہیں اور بقیہ نصف میں قانون، مذہب، اخلاق، طب،
ریاضی، فلسفہ، سائنس، تاریخ، اور سیر کی کتابیں ہیں اس میں ترجمہ کا حصہ تصنیف اور
تالیف سے بہت زیادہ ہے لیکن یہ امر تعجب انگیز ہے کہ مسلمانوں نے اپنے علمی دور میں
یونان، مصر، ایران، اور ہند سے جو کتابیں ترجمہ کیں وہ عموماً علوم و فنون کی کتابیں

تھیں قصص وحکایات میں **کلیلہ دمنہ** جیسی مفید چند کتابیں انتخاب کی تھیں لیکن ہمارے زمانے کے مترجم آج یورپ کے علمی سرمایہ سے **رینالڈز** کے ناول ترجمہ کر رہے ہیں۔ اور سلسلہ تصنیف میں بھی یہی حال ہے کہ حروف تہجی میں سے کوئی حرف ثقیل بھی باقی نہیں ہے جس میں دو ایک ناول موجود نہ ہوں۔ باقی اعلیٰ درجے کی تصنیفات تمام سال میں دو چار سے زیادہ نہیں ہوتی ہیں۔ اور مغربی علوم وفنون میں جو کتابیں ترجمہ ہوئی ہیں وہ انگلیوں پہ شمار کی جا سکتی ہیں۔ اور ہنوز سیکڑوں مفید شاخیں باقی ہیں جن کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی ہے۔ اگر علمی مسائل کی ابتدائی کتابیں ترجمہ ہو جائیں تو حصول علم میں طلبہ کو آسانی ہو جائے۔ لہٰذا غیر مفید کتابوں کے مقابلے میں سلسلہ وزرائے اسلام فائدہ سے خالی نہیں ہے جس میں وزارت کے ساتھ سلطنت کی بھی تاریخ (ضمیمہ میں) ہوئی ہے۔

اُردو کی مختصر تاریخ

اس کتاب کی تالیف سے ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ ملک کی عام مشترکہ زبان میں ترقی ہو۔ اور اس کے علم ادب میں معلومات جدیدہ اور قدیمہ کا اضافہ ہو۔ اور آیندہ ترقی کے وسائل پر بھی غور کیا جائے لیکن عرض مطلب سے پہلے اُردو کی ابتدائی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

ہندوستان جنت نشان میں مہاراجہ بکرماجیت (۵۶ برس قبل مسیح علیہ السلام) کے عہد میں درباری زبان سنسکرت (دیوبانی یا زبان الٰہی) اور بازاری زبان پراکرت (طبعی غیر مہذب) تھی جس کا ثبوت ملک الشعرا کالیداس کا ناٹک شکنتلا ہے۔ بعد ازاں

مذہب کی رنگ سے گنگ دیس کی پراکرت کا ہندوستان میں عروج ہوا اور یہ
حالت دسویں صدی عیسوی تک قائم رہی لیکن ۵۸۷ھ / ۱۱۹۱ء (عہد شہاب الدین غوری) میں
جب ہندوستان پر ظلال اسلام متوفگن ہوا تو ملک کی لٹریری زبان پراکرت کے
درجے سے گر کر ہندی بھاشا ہو چکی تھی (جس کا دوسرا نام برج بھاشا ہے) گو جب ترکی،
افغانی اور ایرانی نسلوں سے ہندوؤں کا میل جول ہوا تو بھاشا میں فارسی، عربی،
الفاظ داخل ہو گئے جس کی نظیر چند کوی شاعر کی کتاب "پرتھی راج راسا" ہے بعد
ازاں خلجیوں کے عہد میں حضرت امیر خسرو (المتوفی ۷۲۵ھ / ۱۳۲۴ء) نے پہیلیاں، کہہ مکرنیاں،
سخنے، غزلیں اور خالق باری، لکھ کر اس مذاق کو اور ترقی دی ۸۹۴ھ / ۱۴۸۸ء میں (عہد حکومت
بہلول لودھی) کائستھوں نے فارسی شروع کی اور زیور علم سے آراستہ ہو کر شاہی دفتر
میں داخل ہوئے اب تمام ملک پر عربی، فارسی الفاظ کی حکومت تھی اور ہندی نظم
میں بھی یہ رنگ غالب تھا (کبیر داس بانی کے دوہرے، گرو نانک صاحب
کی تصنیفات، اور راما تلسی داس کی رامائن دیکھو) سرکاری دفتر بھی فارسی میں تھے
لودھیوں کے بعد بابر نے ہندوستان پر قبضہ کیا اور اکبر اعظم کے عہد میں جب
قومی منافرت میں کمی ہوئی تو مسلمانوں نے بھی ہندوستان کو اپنا گھر سمجھ کر سنسکرت
اور بھاشا میں مہارت کی چنانچہ اس زمانے کے تراجم کتب سنسکرت، شاہزادہ
دارا شکوہ اور عبد الرحیم خانخاناں کی بھاشا نظمیں ہمارے دعوے کی دلیل ہیں اور
ملک محمد جائسی کی پدماوت تو رامائن کے ہم پلہ مانی جاتی ہے، اور آج تک اس کی

بازاروں میں مانگ ہی۔ جہانگیر نے بھاشا کی اعلےٰ نظموں پر انعام دیکر شاعروں کے حوصلے بڑھائے۔ اس قدر دانی کا یہی نتیجہ تھا کہ بھاشا میں غواصی، ملا نوری، شیخ شاہ محمد بلگرامی جیسے نامور شاعر ہوئے۔ اور محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے میں تو بھاشا مسلّم کمال پر پہنچگئی۔ مختصر یہ ہے کہ ہندوستان کی ملکی زبان نے سلاطین اسلام کے آغوش تربیت میں پرورش پائی اور شاہجہاں کے عہد دولت میں (جبکہ سنہ ۱۰۵۸ھ میں دلی آباد ہوئی) ترقی کرکے "اردوے معلےٰ" کے خطاب سے ممتاز ہوئی۔ اور یہ بھی شاہجہاں کی بلند اقبالی ہے کہ اُردو کا سکہ آج تک اُس کے نام سے چل رہا ہی۔ ورنہ اس فخر کے مستحق سلطان محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری تھے۔

عالمگیر کے عہد میں متعدد شاعر ہوئے لیکن علم و فضل اور شاعرانہ کمالات کے لحاظ سے شاہ ولی اللہ دکھنی (ولی تخلص)، اپنے ہم عصروں میں نامور ہیں۔ شاہ صاحب نے سب سے اول ریختہ (اسی زبان کا دوسرا نام ہی) میں دیوان مرتب کیا۔ اور آیندہ نسلوں کے لیے ایک شاہراہ قائم کرگئے۔ ولی کے بعد میر، سودا اور انشا کا دور آیا، جنھوں نے شاہان اودھ کی سرپرستی میں اُردو کو اُردوے معلےٰ بنا دیا۔ اور انصاف یہ ہی کہ دلی کے بعد زباندانی کی یہ دوسری ٹکسال تھی جو لکھنؤ میں قائم ہوئی۔ اس کے بعد طبقہ متاخرین میں مومن، ذوق، غالب دہلوی اور ناسخ و آتش لکھنوی پر نظم اُردو کا خاتمہ ہوگیا۔ لیکن علمی زبان کا درجہ نثرنگاروں کی بدولت حاصل ہوا جس کی مختصر کیفیت یہ ہی کہ ۱۸۵۷ء کے بعد گردش فلکی نے جب تیموری تاج و تخت کا مالک

دولت برطانیہ کو سیادت اور سکہ کی طرح زبان بھی وراثت میں آئی جس کو برٹش حکام کی
دستگیری سے اوج کمال پر پہنچا دیا لیکن اس زمانے کی تصنیفات میں سے مسٹر گلکرسٹ[1]،
اور جنرل ولیم پاٹرک کے لغات اردو، اور میر محمد[2] عطا حسین خاں تحسین کی کتاب نو طرز مرصع
کے سوا دوسری کتابیں نایاب ہیں لیکن انیسویں صدی کا شروع ہوا تھا کہ اردو کی قسمت
جاگ اٹھی اور دار السلطنت کلکتہ سے مشرقی علم ادب کا آفتاب طلوع ہوا یعنی فورٹ ولیم
میں اردو کا بیش بہا محکمہ قائم ہوا جس کے ناظم و سکریٹری، ڈاکٹر جان گلگرسٹ صاحب
تھے ڈاکٹر صاحب نے دہلی اور لکھنؤ کے حسب[3] ذیل مشہور ادیب کلکتہ میں جمع کیے اور
اشاعت کتب کے لیے ایک عمدہ نستعلیق ٹائپ بھی ایجاد کیا

(۱) میر شیر علی افسوس لکھنوی (۲) سید محمد حیدر بخش حیدری

۱؎ مسٹر گلکرسٹ کا اردو لغت [illegible] میں اور جنرل صاحب کے لغت کا ایک حصہ (یعنی اردو لغت جو ہندوستانی
فارسی سے ہندی میں ہے) سنہ [illegible] میں [illegible] شائع ہوا

۲؎ میر صاحب اٹاوہ کے رہنے والے تھے نواب آصف الدولہ کے عہد میں [illegible] میں امیر خسرو کی کتاب
چہار درویش کا ترجمہ کیا تھا

۳؎ ان بزرگوں کی تصنیفات حسب ذیل ہیں

(۱) آرائش محفل (ہندوستان کے مختلف تاریخی حالات) طبع ا، و ترجمہ گلستان (۲) توتا کہانی آرائش محفل
(قصہ حاتم طائی)، گل مغفرت [illegible] ترجمہ [illegible] (۳) باغ و بہار یعنی قصہ چہار درویش
دلی کی زبان میں، گنج خوبی (۴) نثر بے نظیر (میر حسن کی مثنوی سحر البیان کا نثر میں) اخلاق ہندی
(۵) خرد افروز ترجمہ عیار دانش ابو الفضل (۶) [illegible] (۷) [illegible] وغیرہ ترجمہ

(۳) میر امن دہلوی (میر صاحب کی نثر میر کی نظم کے ہم پلہ مانی جاتی ہے)
(۴) میر بہادر علی حسینی (۵) حفیظ الدین احمد پروفیسر فورٹ ولیم کالج۔
(۶) میر کاظم علی جواں دہلوی (۷) سری للوجی پنڈت گجراتی۔
(۸) نہالچند لاہوری (۹) میر اکرام علی (۱۰) مظہر علی ولا۔

گورنمنٹ کا مقصد اس محکمہ سے یہ تھا کہ ہندوستانی زبان میں ایسی کتابیں طیار ہوں جو ہندوستان کے رسم و رواج کا آئینہ ہوں۔ اور جن کو پڑھ کر یورپین ہندوستان کی طرز معاشرت سے واقف ہو جائیں۔ چنانچہ حسب منشا سرکار تصنیف و تالیف اور ترجمہ سے مفید کتابیں طیار ہوئیں اور وہ یورپین میں خصوصاً اور تمام ملک میں عموماً مقبول ہوئیں ۱۲۲۲ھ میں میر انشاء اللہ خاں انشا نے دریائے لطافت (قواعد اردو) لکھکر ملک پر عام احسان کیا۔ انداز تحریر میں اگرچہ ظرافت و شوخی ہے مگر زباندانی کا پورا حق ادا کیا ہو اور عجیب و غریب نکتے لکھے ہیں۔ اسی سال حضرت شاہ عبد القادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن شریف کا اردو میں ترجمہ کیا۔ یہ وہ فیض تھا کہ جو تمام ہندوستان پر چھا گیا۔ اور اردو میں عام تصنیفات کا دروازہ کھل گیا۔ ڈاکٹر جان گلکرسٹ جان شکسپیر، اور ڈاکٹر فیلن صاحبان نے اردو ہندوستانی لغت شائع کیے۔ ۱۸۳۵ عیسوی میں شاہی دفتر فارسی سے اردو ہوگیا۔ اور یہ زبان تعلیمی قرار پائی ۱۸۳۷ عیسوی میں

(بقیہ نوٹ صفحہ ماقبل) (۸) مذہب عشق (گل بکاؤلی کا قصہ، عزت اللہ بنگالی کی فارسی کتاب سے ترجمہ کیا) (۹) مناظرہ انسان و حیوان (اخوان الصفا کے ایک عربی رسالہ کا ترجمہ ہے) (۱۰) بیتال پچیسی (طرز سنگھاسن بتیسی)۔

لیتھوگراف پریس دلی میں جاری ہوا یہ اسباب تھے جنھوں نے اُردو کو علمی درجہ پر
پہنچا دیا۔ اس زمانے میں ملکی بحث سے اُردو زبان "ہندی" کہلاتی تھی (اس زمانے
کے نثر اور نظم کتابوں کے دیباچے پڑھو) حالانکہ وہی ہندی ہے جو آج تک اُردو کے
لباس میں جلوہ گر ہے۔ اور جس کو بعض ناعاقبت اندیش صفحہ ہستی سے مٹانا چاہتے ہیں
اور یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ یہ زبان قدیم ہندوؤں مسلمانوں اور انگریزوں کی ایک متحدہ یادگار
ہے مگر انشاء اللہ جب تک برٹش راج قائم ہے اس کا مٹانا محال ہے کیونکہ مسلمانوں کی
طرح انگریزوں کے بزرگوں نے بھی اس زبان کی اصلاح اور ترقی میں غیر معمولی حصہ لیا
تھا اور ہندوؤں پر تو اُردو کا سب سے زیادہ حق ہے کیونکہ اس کی بنا سنسکرت و بھاشا
پر قائم ہوئی ہے اور مقتضائے فطرت یہ ہے کہ ماں بچے پر باپ سے زیادہ مہربان ہو۔

زبان اُردو کی موجودہ حالت اور آئندہ ترقی کے وسائل

جو کچھ بیان ہوا یہ عہد گزشتہ کی تاریخ تھی لیکن اُردو نے اُنیسویں صدی میں جس قدر ترقی
کی ہے، علمی حیثیت سے وہ ضرور بہت قابل قدر ہے، اور تصنیفات و تراجم کے ذخائر سے
اُردو کا دائرہ وسیع ہو گیا ہے لیکن باوجود اس ترقی کے اگر السنہ مشرقیہ سے مقابلہ
کیا جائے تو اُردو ابھی ابتدائی حالت میں ہے مثلاً ہم چار زبانوں سے مقابلہ کریں گے

۱۔ **ترکی** ہر ایک ٹرکی اسلامی سلطنت کی زندہ یادگار ہے اور اس زبان کا علم ادب
مغربی علوم و فنون کے سرمایہ سے معمور ہے اور اخبارات بکثرت جاری ہیں۔

۲۔ **عربی** مسلمانوں کی مذہبی زبان ہے، اور زندہ قوم کی یادگار ہے [illegible]

اور حجاز میں اگرچہ کی تعلیم سے جمود کی حالت میں ہے لیکن مصر، بیروت، شام اور ممالک بربر میں نمایاں ترقی کر رہی ہے۔ علمی رسائل اور اخبارات میں بھی غیر معمولی ترقی ہے

۳۔ **فارسی**، زندہ قوم اور سلطنت کی زبان ہے۔ **شہنشاہ ناصرالدین شہید** کے زمانے میں ترجمہ کے لیے بیت الحکمۃ قائم ہوا، اور مفید کتابیں ترجمہ اور تصنیف کے ذریعہ سے طیار ہوئیں۔

۴۔ **بنگلہ**، ہندوستان کی زبانوں میں سے علمی درجہ صرف بنگلہ کو حاصل ہے اور نوجوان بنگالیوں نے اپنے کتب خانوں کو علمی کتابوں سے مالا مال کر دیا ہے، اور ہر روز ترقی کا قدم آگے ہے۔ بنگلہ کے مقابلہ میں صوبہ متحدہ اگرہ و آودہ میں اب سنسکرت اور بھاشا کی طرف خاص توجہ ہو رہی ہے، اور ترقی کے اسباب مہیا ہو چکے ہیں۔ چنانچہ ان زبانوں کے مقابلے میں کون کہہ سکتا ہے کہ اردو ترقی کر رہی ہے۔ اب اگر اُس کے ذاتی سرمایہ پر نظر کی جائے تو عیش و طرب کی داستانوں اور عاشقانہ نظموں کے سوا اور کچھ نہ ملیگا کیونکہ تاریخ ولادت سے عالم شباب تک شعر و سخن سے زیادہ تعلق رہا ہے۔ باقی جسقدر سرمایہ ہے وہ زمانہ انگریزی کی پیداوار ہے۔ دوسری زبانوں سے اُردو میں جو ترجمہ ہوا ہے ہم اُس کا ذکر کر چکے ہیں۔ لہذا اُردو کی بقا اور ترقی کے لیے انجمن تعلیم مسلمانان (ایجوکیشنل کانفرنس) اور انجمن اُردو (کانفرنس اردو) اور تمام قوم کو حسب ذیل امور پر غور کر کے عملی کام شروع کر دینا چاہیئے۔

۱۔ مغربی اور مشرقی زبانوں سے علوم و فنون کی کتابیں ترجمہ ہوں اور ہر تعلیم یافتہ

کسی علم و فن کی ایک معتد کتاب ترجمہ کرے اور ترجمہ کے صلہ کا سلطنت یا اُمرائے دول سے استمرار ہو بلکہ ترجمہ کی آمدنی سے تجارتی اصول پر نفع اُٹھایا جائے

۲۔ انجمن ترقی اُردو کا دائرہ ہندوستان کے تمام صوبوں میں عملی حیثیت سے وسیع کیا جائے۔

۳۔ مسلم یونیورسٹی قائم ہونے پر ابتدائی مدارس میں اُردو کے ذریعہ سے علوم و فنون کی تعلیم ہو۔

۴۔ کتابوں کی اشاعت کے لیے نستعلیق ٹائپ کو ترقی دی جائے اور فی الحال بیروت کے ٹائپ سے کام لیا جائے۔

۵۔ ہر صوبے اُردو میں متعدد اخبارات جاری ہوں اور علمی رسائل کو ترقی دی جائے۔

۶۔ ہر ضلع اور قصبات میں انجمن اور سوسائٹیاں قائم ہوں جس کے ساتھ کتب خانہ اور اخبارات کا انتظام لازمی ہے۔

۷۔ ہندوستان کے جن صوبوں میں اردو کمزور حالت میں ہے مثلاً بنگالہ، بمبئی، مدراس، ممالک وسط، راجپوتانہ وغیرہ وہاں اردو کی عام اشاعت کی جائے۔

نظام الملک کے اُصول حکومت اور آئین وزارت پر ایک سرسری نظر

بنی اُمیہ کے نامور تاجدار سلیمان بن عبد الملک (متوفی ۹۹ھ) کا مقولہ ہے: "عجبت لهؤلاء الأعاجم ملكوا ألف سنة، فلم يحتاجوا إلينا ساعة، وملكنا مائة سنة لم نستغن عنهم ساعة (تاریخ آل سلجوق صفحہ ۵) یعنی ہم

تعجب انگیز ہے کہ عجمیوں کو ایک ہزار برس کی حکومت میں ایک ساعت کے لیے بھی عربوں کی ضرورت نہ ہوئی۔ اور عرب ایک صدی کی حکومت میں بھی عجمیوں کی اعانت سے بے نیاز نہ رہ سکے" ہماری رائے میں اس مقولہ کا ثبوت خود سلجوقی حکومت ہے۔ سلجوقی ترکوں نے اپنی فطری شجاعت و جلاوت سے اطراف و جوانب کے ممالک کو فتح کر لیا۔ اور وہ چاہتے تو مفتوح اقوام کو پامال اور ملک کو خاک سیاہ کر دیتے۔ مگر نہیں، انھوں نے رعایا کے دلوں پر حکومت کی اور سلجوقی حکومت سے ملک میں ایک نئی زندگی پیدا ہو گئی۔ اس کا باعث یہ تھا کہ الپ ارسلاں کو خواجہ حسن نظام الملک طوسی جیسا فاضل مدبر وزیر مل گیا تھا۔ اور باوجودیکہ وہ ایک خودمختار بادشاہ کے ماتحت تھا، لیکن اپنی عاقلانہ حکمت عملی اور حکیمانہ ضوابط سے تمام ملک کو مسخر کر لیا تھا جس کی تفصیل اس کتاب میں موجود ہے۔

خواجہ حسن خود شافعی تھا۔ مگر فوجداری، دیوانی عدالتوں میں فقہ حنفی کے مطابق فیصلے ہوتے تھے جس کا اپیل قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) سنتا تھا۔ اور صیغہ مال، خزانہ، تعمیرات، سررشتہ تعلیم، پولیس، اور رفاہ عام کے تمام صیغے ماتحت وزراء کے سپرد تھے۔ اور فوجی انتظام، فیوڈل سسٹم (قانون جاگیرداری) کے تحت میں تھا۔ الغرض کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جو اُس زمانے کے مطابق اعلےٰ پیمانہ پر نہ ہو۔ اور اس بنا پر فخریہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اسلام میں ہر طرح کے سیاسی، قانونی، معاشرتی ترقی کی عام صلاحیت ہے

تصاویر کا ماخذ

خواجہ نظام الملک، حکیم عمر خیام، اور حسن صباح کی شبیہ ایک

ادم مرحوم کا عکس ہیں جس کے لیے ہم مولانا سید محمد صادق مرحوم کابلی کے شکر گزار ہیں
اور ملکسا ہ کی تصویر علامہ شبلی نعمانی کے سفر روم و شام کا ہدیہ ہے۔ اور اس کے ہمارے
کرم مخدوم مستری محمد رحمت اللہ صاحب رعد کے قلم اعجاز رقم نے زندہ کیا ہے جس کا دلی
شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

ملک معظم ہندوستان میں اور دلی کا عظیم الشان دربار

دیباچہ کتاب میں بادشاہ وقت کا تذکرہ
ایک قدیم اسلامی طریقہ ہے مگر رسم تیموری کے
برہم ہونے کے بعد ۱۲ دسمبر ۱۹۱۱ء میں لال قلعہ شاہجہانی کو یہ فخر حاصل ہوا کہ مہابلی نے رعایا
کو اپنے درشن کرائے اور دلی کو دار السلطنت ہونے کا دوبارہ افسر اربعیت ہے۔ لہذا
دستور قدیم کے مطابق نہایت فخر و مسرت سے "نظام الملک" کا دیباچہ اعلیٰ حضرت
ہز امپریل مجسٹی ملک معظم جارج پنجم (دامت ساہ) خلد اللہ ملکہ و سلطانہ و علیا حضرت حضور
ملکہ معظمہ میری دامت اقبالہا کے نام نامی پر ختم کیا جاتا ہے خدا کرے کہ سایہ اقبال کی
روشنی میں نظام الملک کا ستارہ، آسمان شہرت پر آفتاب بن کر چمکے۔ آمین ثم آمین دعا گو ہیں

دولت برا متابع و اقبال یار باد
ذات تو در حمایت پروردگار باد

نوٹ تحریر تاریخ دیباچہ یوم جمعہ ۱۵ دسمبر ۱۹۱۱ء مطابق ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ مقام کاکوری

حصۂ اوّل

طوس کی مختصر تاریخ

اس حصہ کے آغاز پر طوس کی مختصر تاریخ لکھنا صرف اسوجہ سے موزون ہے کہ دنیا ئی اسلام کے جغرافیہ مین طوس کا نام داخل ہے۔ بلکہ اس خاک سے ایسے مشاہیر اور صاحب فضل وکمال پیدا ہوے ہین جنکے خیالات اور تصنیفات سے ہمارے کتبخانے مالا مال ہین۔ اور جس ناموَر کا یہ تذکرہ ہے اُسکے نشو ونما اور جاہ وجلال کا مرکز بھی یہی خطہ پاک ہے

بانی طوس ' مورخین عجم کا قول ہے کہ جسنے شہر طوس کی بنیاد ڈالی ' وہ سلطنت عجم کا نامور شہنشاہ جمشید پیشدادی[1] ہے لیکن انقلاب روزگار سے کیانیون کے عہد حکومت تک یہ شہر برباد

[1] طبقہ پیشدادیان مین جمشید چوتھا تاجدار ہے یہ طہورث کا بھتیجا تھا اور اُسکے بعد ہی تخت نشین ہوا۔ اسکا عہد حکومت عدل وانصاف اور تمدن ومعاشرت کی اعلیٰ ترقیون کی وجہ سے ضرب المثل ہے حکمرانی مین طہورث اور ہوشنگ کے آئین پر عمل تھا۔ عمارت سے خاص ذوق تھا۔ چنانچہ فارس کے آثار قدیمہ مین تخت جمشید (پرسی پولیس) آج تک موجود ہے۔ مفصل تاریخ کے لیے دیکھو فائل معارف سنہ ۱۹۱۰ء وکتاب قدیم نقش ایران، و سفرنامہ میرزا فرصت شیرازی جمشید کے اولیات حسب ذیل ہین (۱) جشن نوروز (۲) انگور سے شراب بنائی گئی اور "شاہ دارو" نام رکھا گیا (۳) لوہا گلا کر آلات حرب تیار کرائے (۴) روئی اور ریشم کا کپڑا تیار ہوا (۵) خیاطی اور تنا وری ایجاد ہوئی (۶) غوطہ لگا کر سمندر سے موتی نکالے گئے (۷) پانی اور مٹی سے اینٹ تیار ہوئی (۸) معدنیات سے جواہرات نکالے گئے (۹) مفرد دواؤن سے مرکبات تیار ہوے (۱۰) بخور اور خوشبو کا استعمال (باقی در صفحہ آئندہ)

اور اُسکے بنا کی یہ وجہ بیان کی تھی کہ "جب کیخسرو نے طوس کو افراسیاب کے مقابلے پر روانہ کیا ہے تب رخصت کے وقت نصیحتاً کہا تھا کہ خبردار براہ کلات، توران کو نہ جانا کیونکہ اس راستے مین فرود سے جو میرا بھائی ہے لڑائی ہوجانیکا خدشہ ہے" لیکن جب سپہ سالار طوس سرحد توران پر پہونچ گیا تو اُسنے کلات ہی کا راستہ اختیار کیا اور آخرکار جری خونریزی کے بعد فرود قتل ہوا اور روانگی کے وقت کلات وجرم کے متصل طوس کی نیباڈ ڈالی۔"

قدیم تاریخ | اسمین کوئی شبہ نہین ہے کہ صوبۂ خراسان مین قدامت کے لحاظ سے طوس "شیخ البلاد" کے خطاب کا مستحق ہے کیونکہ یزدگرد کے زوالِ سلطنت تک اُس کی عمر ۴۴۳۰ سال کی ہوچکی تھی۔

سلاطینِ عجم کے وقت مین طوس کی کیا حالت تھی اور فتوحاتِ اسلام تک اسپر کیا انقلاب آئے؟ ہم اس افسانہ کو چھیڑنا نہین چاہتے ہین۔ البتہ تاریخی حیثیت سے یہ ظاہر کرنا ضروری ہے کہ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت مین طوس ۲۹ھ ہجری مین فتح ہوا۔ اور خدا کا شکر ہے کہ اُس مبارک زمانہ سے آج تک اسلامی علم کے زیر سایہ ہے۔ گر جو شان و شوکت خلفائے عباسیہ کے عہد مین تھی وہ باقی نہین۔ اور شاہانِ سامانیہ،

ؔ سلسلہ کیانی مین کیخسرو بن سیاوش بیسرا تاجدار ہے افراسیاب سے جو معرکے ہوئے ہین انکی تفصیل شاہنامہ در معجم مین درج ہے۔ ۶۰ برس حکومت کرکے لہراسپ کو اپنا جانشین بنایا اور خود غائب ہوگیا سہ لہراسپ داد افسری خسروی، ولیعہدی و تاج کیخسروی" نامہ خسروان و معجم ۲ۃ "کلات وجرم" نمبر ایک قلعہ کا نام ہے جو اپنے استحکام مین ضرب المثل تھا۔ اور نمبر ۲ قصبہ کا نام ہے جسکے نیچے یہ قلعہ واقع تھا۔ نزہت القلوب صفحہ ۱۹۹۔ ۳ۃ یزدگرد ساسانیون کا سب سے آخر تاجدار ہے اور خراسان کے فتح کے بعد جو ۲۲ھ میں ہوئی یزدگرد کی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔

جنمین دو شہر بڑے تھے اور دو چھوٹے"[۱] مگر حصص مذکورۂ بالا کے علاوہ دو حصون کے نام نہین لکھے
فتوحات اسلام تک شاہان عجم کی کوئی یادگار قابل تذکرہ طوس مین باقی نہ تھی مورخین اور
جغرافیہ نویسون کی تحقیقات کے مطابق اس شہر کو جو عروج ہوا وہ دولت اسلام کے متعلق ہے۔
حمید[۱] بن قحطبہ کا وہ عالیشان محل (جو ایک میل مربع مین تھا) جسکے پائین باغ مین امام
علی رضا (رضی اللہ عنہ) اور ہارون الرشید کے مزار ہین، اسی طوس مین تھا۔
ابو عبداللہ[۲] شریف ادریسی نے اپنے مشہور جغرافیہ "نزہت المشتاق فی اختراق الآفاق" مین

بقیہ صفحہ ۲۰۔ یاقوت کی سب سے لاجواب کتاب "معجم البلدان" ہے عربی مین جسقدر جغرافیہ لکھے گئے ہین کوئی اس سے بہتر اور مکمل نہین ہین یہ کتاب تقریباً چار ہزار صفحات پر ختم ہوئی ہے اور حکومت اسلامیہ کی ایک مکمل لغت ہے۔ ہر شہر کا حال بہ ترتیب حروف تہجی لکھا ہے۔ علامہ وستفلد جرمنی کے اہتمام سے ۶ جلدوں مین بمقام لیپرگ (۱۸۶۶ تا ۱۸۷۳ء) چھپکر شایع ہوئی ہے۔ اس کتاب کا ایک خلاصہ علامہ جلال الدین سیوطی نے کیا تھا جسکا نام "مراصد الاطلاع علی اسماء الامکنۃ والبقاع" تھا مگر افسوس ہے کہ وہ خلاصہ ناتمام رہ گیا۔ دوسری کتاب یاقوت کی "المشترک فی البلدان" ہے یعنی ایک نام کے جسقدر شہر و مقامات ہین وہ سب اسمین موجود ہین ۱۸۴۶ء مین بمقام گاٹنگن یہ کتاب بھی چھپ گئی ہے اور تیسری کتاب "مراصد الاطلاع علی اسماء الامکنۃ والبقاع" ہے یہ معجم کا خلاصہ جو یاقوت نے مرتب کیا تھا۔ یہ کتاب مصر بیروت لیڈن مین چھپ گئی ہے۔ ان کتابون کے علاوہ "ارشاد الالباء الی معرفۃ الادباء" (۴ جلدین) اخبار الشعراء القدماء والمتاخرین کتاب معجم الشعراء کتاب معجم الادباء کتاب المبدا والمآل فی التاریخ۔ کتاب الدول ہین۔ یہ کتابین مصر ایران یورپ کے کتب خانون مین موجود ہین۔ اور یقین ہے کہ علماے مصر و یورپ کی توجہ سے چھپکر شایع ہونگی۔ انتخاب از اکتفاء القنوع۔ کشف الظنون۔ دیباچہ مراصد الاطلاع "تمدن عرب"۔

[۱] مراصد الاطلاع فی معرفۃ الامکنۃ والبقاع مصنفہ یاقوت حموی مطبوعہ ایران صفحہ ۲۶۷ [۲] یہ وزارت کا مشہور خاندان تھا اور خواجہ نظام الملک کی والدہ اسی خاندان سے تھی [۳] ابو عبداللہ شریف محمد بن محمد ادریس عرب کا سب سے مشہور جغرافی ہے۔ مغربی افریقہ مین ادریس بن عبداللہ علوی جسنے حکومت ادریسیہ قائم کی تھی شریف کا مورث اعلیٰ ہے۔ اور اسی نسبت سے ادریسی کہلاتا ہے ۴۹۳ھ ۱۱۰۰ء مین شریف بمقام سبتہ پیدا ہوا اور عالم شباب مین وطن سے قرطبہ چلا آیا۔ یہان سے سیاحت کو روانہ ہوا اور ایک عرصہ تک (باقی در صفحۂ آیندہ)

بموجب طوس کا سالانہ خراج سینتالیس ہزار آٹھ سو ساٹھ درہم تھا۔ (۱۹۶۵۱ روپیہ)
قدیم طوس کی عظمت و شان سے انکار نہیں ہوسکتا ہے لیکن موجودہ زمانہ مین ٹوٹے پھوٹے
قلعے، پرانے محل، پلون کے آثار یا شہرپناہ کی دیوارون کے سوا، اور کچھ باقی نہین ہے اور
انھی کھنڈرات سے عمارت کے استحکام اور صنعت کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ قدیم آبادی کا

بقیہ صفحہ ۲۲۔ جغرافیہ کی بہت سی ضروری فروگذاشتون کی اصلاح ہوگئی ہے۔ اور ہر شہر کے طول البلد او رعرض البلد بھی لکھدیے گئے ہین۔ ابو الفدا نے یہ طرز ترتیب ابن خرلہ کی تقویم البلدان سے اخذ کیا ہے ۱۸۴۲ء مین مع ترجمہ فرنچ ۲ جلدوں مین بمقام پیرس یہ جغرافیہ چھپ گیا ہے۔ تقویم البلدان کے علاوہ مصر کا جغرافیہ بھی ابو الفدا نے لکھا ہے جو ۱۸۳۱ء مین بمقام گاٹنگن چھپا ہے "کشف الظنون" تمدن عرب' اکتفاء القنوع۔ ۹۵ ابو القاسم ابن حوقل مشہور تاجر اور سیاح ہے۔ ۳۳۱ھ/۹۴۳ء مین بغداد سے بغرض سیاحت روانہ ہوا اور پورے ۲۸ برس کے بعد ۳۵۸ھ/۹۶۹ء مین واپس آیا۔ بلاد بربر' اندلس' عراق' فارس وغیرہ کی سیر کی بعد اُسنے اپنا سفرنامہ مرتب کیا جس کا نام "المسالک و الممالک والمفاوز والمہالک" ہے اس سفرنامہ کا ماخذ کتاب الاقالیم (مصنفہ ابو اسحاق اصطخری) ہے اور قدامہ وغیرہ کی کتابون سے بھی مدد لی گئی ہے ممالک یورپ کے نامور سیاح آج جن چیزون کو اپنے سفرنامہ مین درج کرتے ہین۔ ابن حوقل نے وہ تمام امور اپنے سفرنامہ مین لکھے ہین۔ تفصیل کے واسطے تمدن عرب دیکھنا چاہیے جسمین اس سفرنامہ کے دیباچہ کا اقتباس درج کیا گیا ہے اس سفرنامہ کے بعض ٹکڑے مع ترجمہ انگریزی ۱۸۲۷ء مین بمقام لیڈن اور لندن چھپ گئے ہین اور فارسی مین بھی ترجمہ ہوگیا ہے۔ المسالک والممالک کے نام سے متقدمین اور متاخرین نے متعدد جغرافیہ اور سفرنامے لکھے ہین جن کی تفصیل کشف الظنون مین ہے۔ ابن حوقل کی وفات کی صحیح تاریخ نہین معلوم ہوسکی لیکن ۳۶۷ھ/۹۷۷ء کے قریب انتقال کیا ہے۔ اکتفاء القنوع وغیرہ

۹۶ ابو القاسم عبد اللہ بن احمد بن خرداد بہ خراسانی (حاکم طبرستان) مشہور مورخ اور جغرافی ہے اسکے جغرافیہ کا نام "المسالک و الممالک" ہے اسکا طرز تقسیم اور اصول ترتیب نزہۃ المشتاق ادریسی کے مطابق ہے۔ ۳۰۰ھ ہجری کے قریب ابن خرداد بہ کا انتقال ہوا۔ اکتفاء القنوع ۔ مذکورہ بالا جغرافیون کے پورے خلاصے گنج دانش میں درج ہین بشرط ضرورت شائقین اصل کتاب ملاحظہ فرمائین۔

ایک محل باقی ہے جسکی عمارت بشکل مربع متساوی الاضلاع ہے جسکا ہر ضلع ۱۲ گز ہے اور سطح زمین سے گنبد تک دیوار کی بلندی ۱۸ گز ہے پھر زمین سے ۵ گز کی بلندی تک بشکل مربع ہے اسکے بعد صناعوں نے اسکو ہشت دست پہلو کر دیا ہے اور پھر ہر گوشہ میں عجیب و غریب صنعت سے طاق بنائے ہیں علاوہ اسکے فن عمارت کی جو صناعیاں ہیں وہ بغیر فوٹو کے قلم سے ادا نہیں ہو سکتی ہیں اور چند مقامات پر خط نسخ و رقاع تحریر ہے کہ الدنیا ساعۃ" موجودہ زمانہ میں اس جملہ سے اُس عہد کے مسلمانوں کے خیالات کا پتہ لگ سکتا ہے۔

اس محل کے علاوہ شہر کے شمالی جانب شاہی قلعہ کے بھی نشانات باقی ہیں یہ قلعہ بشکل مربع متساوی الاضلاع تھا اور اسکا محیط ۵ گز تھا اور قلعہ کے سامنے خندق ہے جسکا عرض ۱۵ گز ہے اور باوجود امتداد زمانہ کے فصیل بارہ برجوں کے بعض برج بھی ابتک قائم ہیں شہر پناہ کی دیوار بھی موجود ہے جسکا عرض سطح زمین کے برابر ۵ گز ہے اور فصیل ۱۵۶ برج کے بعض آج تک برقرار ہیں

تمام عمارتوں میں پتھر اینٹ اور چونہ سے کام لیا گیا ہے قدیم آبادی کے دو مربعے مشہور باقی ہیں اور طوس کے نام سے مشہور ہیں مگر مجموعی آبادی پچاس خانوں سے زیادہ نہیں ہے

معجم البلدان یاقوت حموی میں طوس کا طول البلد ۸۰ درجہ اور عرض البلد ۲۷ درجہ درج ہے اور نیشاپور سے فاصلہ دس فرسخ ہے

طوس کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اُن چیزوں کا تذکرہ تھا جو ملنے والی ہیں لیکن حقیقت میں

طوس کی شہرت عام اور بقاے دوام کے باعث خود اُسکے نامور بیٹے ہین جنکا فضل و کمال قیامت تک اُسکو زندہ رکھیگا۔

طوس کے جن نامور لوگون کے مفصل حالات تذکرہ، طبقات، انساب، رجال، اور کتب تواریخ مین تحریر ہین۔ انکی مجمل سوانح عمری کے لیے بھی ایک مستقل کتاب چاہیے لیکن ناظرین کی اطلاع کے لیے ایک مختصر فہرست پیش کی جاتی ہے جس سے برای العین معلوم ہوگا کہ بقاے دوام کے دربار مین کس کس طبقے کے باکمال جلوہ افروز ہین۔

مشاہیر طوس کی مختصر فہرست

۱۔ائمہ　　۱۔امام محمد غزالی۔ امام احمد غزالی۔

ملہ امام محمد غزالی محمد بن محمد بن احمد حجۃ الاسلام غزالی ۴۵۰ھ مین پیدا ہوے۔ ۱۴ جمادی الثانی ۵۰۵ھ مین بمقام طابران انتقال کیا۔ امام الحرمین کے شاگرد تھے۔ ختم تعلیم کے بعد درس و تدریس مین مصروف رہے پھر گوشہ نشین ہو گئے اور تصوف کا رنگ غالب ہوا شیخ ابو علی فارمذی کے مرید ہوے۔ بیت المقدس، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، مصر، اسکندریہ کا سفر کیا مختلف علوم و فنون مین۔ ۸۰ کتابین متعدد جلدون مین تصنیف کین جنمین سے صرف یاقوت التاویل فے التفسیر ۴۰ جلدون مین ہے۔ احیاء العلوم، کیمیاے سعادت مشہور کتابین ہین۔ انکے علاوہ متعدد کتابین علوم و فنون کی مصر وغیرہ مین چھپ گئی ہین مفصل سوانح عمری کے لیے دیکھو الغزالی شمس العلما شبلی نعمانی۔ ملے ملک الابدال مجد الدین ابو الفتوح امام احمد غزالی مختصر تعریف یہ ہے کہ آپ امام غزالی کے چھوٹے بھائی ہین جامع العلوم تھے گر فقہ مین خاص پایہ رکھتے تھے۔ کچھ دنون نظامیہ کے مدرس رہے۔ مگر پھر ملازمت چھوڑ کر وعظ مین مصروف ہوے۔ کیونکہ قومی خدمت کا امام کے نزدیک یہ سب سے عمدہ ذریعہ تھا۔ ۵۲۰ھ مین بمقام قزوین انتقال فرمایا اور وہین دفن ہوے۔ محمد شاہ قاچار متوفی ۱۲۶۴ھ کے عہد سلطنت مین ایک نامور مجتہد کے فتوے سے مزار پر انوار برباد کر دیا گیا اور ضریح کے ٹکڑے کر دیے گئے۔ افسوس "تصنیفات مین سے سوانح ایک عمدہ کتاب ہے۔ جسکے طرز پر شیخ فخر الدین عراقی نے لمعات لکھی ہے اور کرساج سے بیعت تھی نظم مین یہ قطعہ مشہور ہے ؎ چون چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد، با فقر اگر بود ہوس تاج سنجرم (باقی آیندہ)

شعرا | ۴- فردوسی۔ اسدی خواجہ منصور۔ سلطان علی۔ مولانا عبد الصمد۔ ملا نامی۔ محمد میرک صالحی۔ ملا غزالی۔ شیخ رباعی۔ نجاتی۔ اقدسی۔ قاسم ارسلان۔ محمد رضا۔ غرمی۔ نسبتی۔ بدیعی۔ الفتی۔ نادری۔ قدسی۔ شیدا۔

بقیہ صفحہ ۲۶ ۔ ۵ ابو علی فارمدی فضل بن محمد بن علی المشہور شیخ ابو علی فارمذی یہ حقیقت میں شیخ الشیوخ کا درجہ رکھتے تھے علوم ظاہری میں امام ابوالقاسم قشیری کے شاگرد تھے تا ان سلاجقہ اور دو را شیخ کے واسطے اپنی مسند خالی کر دیتے تھے۔

۵ ابو بکر نساج شیخ ابوالقاسم گرگانی کے سلسلہ میں نہایت نامور عارف ہیں۔ ۱۲۰ برس کے ہو کر انتقال فرمایا۔ ذریعہ معاش کپڑا بننا تھا۔ اور ہمارے زمانہ کے صوفیون کی معاش مریدون کے نذرانہ پر ہے ؎ ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔

۱۰ محمد بن منصور۔ مولانا جامی نے آپ کو صوفی اور محدث لکھا ہے۔ بغداد میں اکثر قیام رہتا تھا بڑے مشہور عارف ہیں عثمان بن سعید الدارمی ابوالعباس مسروق ابو جعفر حداد ہیں ابو سعید خراز اور جنید آپ کے شاگردون میں ہیں"

۱۱ بابا محمود شیخ عبد اللہ کے مرید ہیں حلقہ تعلیم سے بھاگ سکتے تھے۔ لہذا مجذوب ہو کر رہ گئے۔

انتخاب از نفحات الانس جامی مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۸ء و تذکرہ فرید الدین عطار مطبوعہ لاہور و گنج دانش تذکرہ طوس مطبوعہ اصفہان

۱ شاید ہی کوئی ہو جو حسان العجم حکیم ابوالقاسم منصور فردوسی یا اسدی طوسی سے واقف نہ ہو۔ شاہنامہ اور گرشاسپ نامہ نے دونون کو حیات جاویدبخشی ہے اور فردوسی کی مدح میں ذیل کے اشعار کافی ہیں۔ سلہ

سکہ اندر سخن فردوسی طوسی نشاند کاو رم گر بیکسل رحلہ فرسی نشاند اول از بالائے کرسی زمین آسخن اوو گردستش گرفت باز بر کرسی نشاند

۲- در شعر سہ تن پیمبرانند ہر چند کہ لا نبی بعدی

اوصاف و قصیدہ و غزل را فردوسی و انوری و سعدی ۳- اب حکیم انوری کا قول سنیے ؎

آفرین بر روان فردوسی آن ہمایون نہاد فرخندہ او نہ استاد بود و ما شاگرد او خداوند بود و ما بندہ

فردوسی کی سوانح عمری اردو میں چھپ گئی ہے اسلیے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہین ہے اور شاہنامہ ہر کتب خانہ مین موجود ہے ۱۸۲۹ء میں کپتان ٹرنر نے ایک انگریزی ترجمہ بمقام کلکتہ شایع کیا اور ۱۸۳۱ء میں ٹی ایٹکس نے دوبارہ شایع کیا اور ۱۸۷۸-۱۸۳۸ء میں فرینچ ترجمہ ۷ جلدون میں زیر نگرانی نہل صاحب شایع ہوا ہو جلد ۹ صفحہ ۲۵۸ نیو یا پولر انسائیکلوپیڈیا۔ اور بقیہ شعرا کے حالات تذکرون میں موجود ہیں۔ البتہ صالحی محمد میرک خواجہ نظام الملک کی اولاد میں ہے طوس کو چھوڑ کر اصفہان میں سکونت اختیار کی تھی اول شاہ عباس صفوی کا وظیفہ خوار تھا اسکے بعد شاہنشاہ ہندستان (باقی آیندہ)

اور کسی شاعر نے ذیل کے اشعار میں انھی نامور بزرگون کی طرف اشارہ کیا ہے۔

صبذا آب و خاک بقعہ طوس۔ کہ ہمیشہ آرامگاہ اہل نظر

بقیہ صفحہ ۲۸۔ ابی منصور محتشم حاکم قہستان (گورنر منجانب شاہان اسمعلیہ) نے خواجہ سے ملنے کا ارادہ کیا۔ اور آخر کار بست ساجت اپنے پاس بلا لیا۔ چنانچہ اسی زمانہ مین تہذیب الاخلاق و تطہیر الاعراق ابن مسکویہ (المتوفی سنہ ۴۲۱ھ) کا خواجہ نے ترجمہ کیا تھا اور امیر مذکور کے نام پر بطور تہدیہ (ڈیڈیکیشن) اخلاق ناصری نام رکھا (دیکھو دیباچۂ ناصری) اور اسی جگہ سے خواجہ نے موید الدین محمد بن العلقمی وزیر مستعصم باللہ خلیفہ بغداد سے خط و کتابت شروع کی۔ اور خلیفہ کی مدح میں ایک عربی قصیدہ لکھا لیکن ابن العلقمی چونکہ خواجہ کے فضل و کمال سے واقف تھا لہذا اُسے یہ گوارا نہین ہوا کہ دربار خلافت مین کوئی سہیم و شریک پیدا ہو۔ اور خواجہ کی آمد کو اپنے زوال کا باعث سمجھا لہذا اصل خط کی پشت پر حسب ذیل عبارت لکھکر امیر ناصر الدین کے ملاحظہ کے لیے بھیجدیا "نصیر الدین طوسی را دوری درگاہ تو در خاطر خلیدہ و مدحی در حق خلیفہ عصر سرودہ و نامہ مین رقم نمودہ تا مسطور را در پیشگاہ خلافت یاد نمتمنی سازم و از انجا کہ انجام این معنی منافی مقام محبتی و دوستداری بود لازم شد کہ اعلام نمایم تا غافل نباشی" امیر مذکور یہ خط پڑھکر مشتعل ہوگیا اور خواجہ کو قید کر دیا۔ اور پھر قہستان سے دار السلطنت قزوین مین علاؤ الدین محمد بادشاہ اسمعیلیہ کی حضور مین بھیجدیا۔ خواجہ قلعۃ الموت مین رہا کرتا تھا۔ اور اپنی زندگی تصنیفات مین بسر کرتا تھا چنانچہ قاضی شمس الدین احمد قزوینی کی تحریک پر جب منکوقاآن نے اپنے بھائی ہولاکو خان کو ملاحدہ اسمعیلیہ پر تعینات کیا ہے اُسوقت خواجہ رکن الدین خورشاہ کی خدمت مین حاضر تھا جو آخری بادشاہ اسمعیلیہ کا تھا گو یہ بادشاہ کمسن تھا مگر خواجہ کی بہت بڑی عزت کرتا تھا لیکن قید سے چھوڑنا نہین چاہتا تھا اسلیے خواجہ اور رئیس الدولہ وغیرہ امرائے دربار نے ہولاکو خان سے سازش شروع کی۔ اور دریردہ خورشاہ کو بھی اطاعت پر رضامند کر لیا اور بالآخر خواجہ نے متعدد سفارتون کے آمد و رفت کے بعد خورشاہ کو ہولاکو خان کے سامنے لاکر کھڑا کر دیا چنانچہ اس واقعہ کو خود ہی خواجہ نے نظم کیا ہے ؎

سال عرب چو ششصد و پنجاہ و چار شد ۶۵۴ — یکشنبہ روز اول ذیقعدہ بامداد
خورشاہ بادشاہ اسماعیلیان ز تخت — برخاست پیش تخت ہلاکو بایستاد

چنانچہ جب قلعۃ الموت فتح ہوگیا اور سنہ ۶۵۵ھ ۱۲۵۶ء مین تمام ملاحدہ کا استیصال ہوگیا تو خواجہ کو ہولاکو خان اپنے ہمراہ لے گیا اور چونکہ محض خواجہ کی حکمت عملی سے (بغیر خونریزی کے) خورشاہ قبضہ مین آگیا تھا لہذا اس (باقی آیندہ)

کز افاضل زمبد، فطرت | تا باکنون چو او نخواست دگر
این چنین شہر با چنین فضلا | سر دارد بر فلک فراز و سر

ایک دوسرے شاعر کا یہ قول ہے۔

۲۔ ہر و بیرد شاعر و مفتی کہ او طوسی بود | چون نظام الملک و غزالی و فردوسی بود

طوس کا موجودہ نام | طوس کا موجودہ نام "مشہد مقدس یا مشہد رضوی" ہے۔ اور یہ تقدس امام علی رضا علیہ السلام کی ذات پاک سے ہے لیکن مشہد حقیقت میں فی زمانا صوبۂ خراسان کا ایک مشہور شہر ہے جس میں امام صاحب کا مزار پُرانوار ہے۔ اور یہ جگہ طوس سے پندرہ میل کے فاصلہ پر جانب شمال و مشرق واقع ہے۔ اور یہی موقع موضع دسنا باد کا ہے جہاں ہرون الرشید

بقیہ صفحہ ۳ اور خواجہ کی زندگی کا یہ مہتم بالشان واقعہ ہے اس رصد کی بدولت خواجہ کو علاوہ جاگیر اور منصب کے اسقدر دولت ہاتھ آئی جسکا شمار غیر ممکن ہے۔" یہ رصد بمقام مراغہ بنائی گئی تھی اور خواجہ کے علاوہ موید الدین عروضی دمشقی۔ اور نجم الدین مراغی، فخر الدین خلاطی اور نجم الدین قزوینی قطب الدین شیرازی محی الدین معربی جیسے حکما شریک تھے۔ اور جو زیچ تیار کی تھی اسکا نام زیچ ایلخانی تھا۔ بہرحال خواجہ اُن مشاہیر میں داخل ہیں کہ جنکی مستقل سوانح عمری کی ضرورت ہے ۶۷۲ھ میں انتقال کیا اور بغداد میں بمقام کاظمین دفن ہوے۔

نصیر ملت و دین پادشاہ کشور فضل | یگانۂ کہ چو او در زمانہ نہ زاد
بسال ششصد و ہفتاد و دو بذیحجہ | بروز ہیجدہم در گزشت در بغداد

انتقال کے وقت خواجہ کے تین بیٹے موجود تھے جنکے نام یہ ہیں۔ صدر الدین علی۔ اصیل الدین حسن فخر الدین احمد۔ انتخاب از ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۱۴۹۔ جامع التواریخ رشیدی مطبوعہ پیرس ۱۸۳۶ء عہد ہولاکو۔ گنج دانش صفحہ ۲۴۳۔ طبقات ناصری مطبوعہ سوسائٹی کلکتہ ۱۸۶۳ء۔ مجمع الفصحا جلد اول صفحہ ۶۲۳۔ کشف الظنون صفحہ ۱۴ جلد ۲۔ اکتفاء القنوع صفحہ ۱۹۷۔

خواجہ حسن کا خاندان اور وطن

نسب نامہ | خواجہ حسن کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ حسن بن علی بن اسحاق بن عباس طوسی

(بقیہ صفحہ ۴۲) نشام حاکم اکبر قوام شرع پیغمبرا — فروغ دیدۂ حیدر سرور سینۂ زہرا
امام ثامن ضامن حریمش چون حرم آمن — زمین از حرم او ساکن سپہر از عزم او پویا

مشہد کی اصلی عظمت و شان و شوکت امام صاحب کی ذات سے وابستہ ہے۔ مشہد مشرقی طرز کا شہر ہے جسکے چاروں طرف کچی مٹی کی فصیل ہے اور اسپر برجیاں بنی ہوئی ہیں۔ شہر پناہ چھ دروازوں پر تقسیم ہے۔ اور ایک خوبصورت نہر شہر کے اندر آئی ہوئی ہے جسکے کنارے خوشنما اور سرسبز درخت نصب ہیں۔ اور سب سے زیادہ دلفریب منظر ایک بڑے بازار کا ہے جسکا نام خیابان ہے یہ بازار بخط مستقیم پونے دو میل لمبا ہے اور شمال و مغرب سے جنوب مشرق کی سمت میں شہر کو دو حصوں پر تقسیم کرتا ہے۔ نواب لارڈ کرزن بہادر موجودہ ویسرائے ہندوستان اس بازار کو پیرس کی "شانزے لیزے" سے تشبیہ دیتے ہیں مردم شماری پینتالیس ہزار ہے جنمیں مسلمان عیسائی۔ یہودی۔ شامل ہیں اور مسلمانوں میں سب سے بڑی جماعت طبقہ امامیہ کی ہے شاذ و نادر اہل سنت و جماعت بھی ہیں البتہ یہ خوشی کا مقام ہے کہ مذہبی تعصب میں روز بروز کمی ہو رہی ہے صنعت اور حرفت میں صرف ریشمی سوتی کپڑے اور مخمل تیار ہوتی ہے چھ سو تیس ریشم کے اور تین سو تیس تلابافی کارخانے ہیں۔ قالین کی بھی تجارت اچھی ہوتی ہے دمشقی وضع کے تلوار کے پھل بھی تیار ہوتے ہیں۔ گورنمنٹ برطانیہ اور دولت روس کا کانسل رہتا ہے۔ آٹھ سو جوانوں کی تین پیدل پلٹنیں یہاں رہتی ہیں اور شاہی قلعہ میں بیس توپیں ہیں۔ ایرانی گورنر جنرل ارک قلعہ میں رہتا ہے تجارت میں ہر قسم کی آسانی ہے۔ ۱۴۴ بڑے ساہوکاروں کی دکانیں ہیں جسکے سرمایہ کا اندازہ چھ لاکھ چھیاسٹھ ہزار پونڈ انگریزی کیا جاتا ہے۔ علاوہ اسکے "امپیریل بنک خراسان" کی ایک شاخ بھی کھلی ہوئی ہے۔ روس کے نوٹ اور انگریزی روپیہ پوری قیمت پر بکتا ہے مشہد سے اصفہان تک تار برقی جاری ہے اور ایک شاخ قلات، درگز اور سرخس تک گئی ہوئی ہے۔ سیستان کی شاخ زیر تیاری ہے عمارت میں امام صاحب کا مزار اور مساجد مشہور ہیں۔

امام صاحب کا مزار اگرچہ تاریخ دفن سے مرجع خلائق ہے لیکن اسمیں شان و شوکت کے جلوے آہستہ آہستہ پیدا کیے گئے ہیں ابتدا میں تیمور کے سب سے چھوٹے بیٹے اور اسکی نامور بیگم گوہر شاد نے اسکو مزین و آراستہ کیا ہے لیکن سولھویں صدی عیسوی کے شروع میں جبکہ ایران کی حکومت صفویہ خاندان میں آئی (باقی در صفحۂ آئندہ)

جنکا سلسلۂ نسب محمد بن حمید بن عبد الحمید طوسی پر ختم ہوتا ہے - اسلامی تاریخ مین آل حمید[1] کا
خاندان بہت مشہور ہے - کیونکہ اس خاندان کے اکثر نامور عہد خلافت عباسیہ مین وزیر ہوے ہین"
خاندان | علامہ تاج الدین ابن سبکی سمعانی اور ابن خلکان کے خواجہ حسن کے خاندان کی نسبت یہ
یہ الفاظ ہین " وکان من اولاد الدھاقین ای الذی یعملون فی البساتین بنواحی طوس
یعنی خواجہ دہقان زادہ تھا اور اُسکے بزرگ نواح طوس مین باغبانی کا پیشہ کرتے تھے -
ہندوستان کے مسلمانون نے چونکہ کسب معاش کے جائز ذریعون کو چھوڑ رکھا ہے اسلیے انکی
نظر مین باغبانون کی شاید کچھ عظمت نہو یا خواجہ اور اُسکے بزرگون کی نسبت اُنکا خیال حقارت
آمیز ہو - مگر اس عہد مین جسکی یہ تاریخ ہے شاید ہی کوئی ایسا بدنصیب مسلمان ہوگا جسنے محض علم
کو معاش کا آلہ بنایا ہو - ورنہ قوم کا ہر فرد پیشہ ور تھا - حتی کہ ایمہ اور مجتہدین بھی پیشون کے
انتساب سے خالی نہ تھے اور پھر لطف یہ تھا کہ ترقی تجارت انکی علمی مشاغل پر کبھی غالب
نہین ہوئی - اور اسی ذوق شوق کا نتیجہ تھا - کہ معمولی دہات کے طلبہ کیمبرج اور اکسفورڈ یونیورسٹی
کے تعلیم یافتون سے بڑھکر ہوتے تھے -
مسلمانون کی علمی تاریخ کا یہ باب نہایت پُر فخر ہے کہ اسمین جیسے باغبانون کے نونہال
گلستان حکمت و فلسفہ مین سر برآوردہ ہوا کرتے تھے - ویسے ہی اعلی طبقہ کے ہونہار علمی

بقیہ صفحہ ۳۴ - سفرنامۂ ایران لارڈ کرزن ویسرائے ہند موسومہ خیابان فارس مترجمہ ظفر علی خان - بی اے
صفحہ ۲۰۷ - سفرنامہ پروفیسر ویمبری باب ۲۷ - ردۃ الاخبار حالات متعہد صفحہ ۲۰۲ - جغرافیہ واڈیک امیریکائی
صفحہ ۱۰۶ سفرنامہ ابن بطوطہ حالات متعہد -
[1] دستور الوزرا نسخۂ قلمی حالات خواجہ نظام الملک -

شاگردوں میں شمار ہوتے تھے خصوصاً طوس کی تاریخ میں یہ واقعہ نہایت مہتم بالشان ہے اور اسکے اس فخر کو کون مٹا سکتا ہے کہ فردوسی بھی وہاں زادہ اور ایک اعیان کا لڑکا تھا مگر ایسا شاعر ہوا کہ دو سو برس میں کسی فصیح و بلیغ شاعر سے اُسکی کتاب شاہنامہ کا جواب ہو سکا اور دوسرا مامور خواجہ حسن تھا جو وزیر ہوا اور وزیر بھی کیسا کہ ضرب المثل کے درجہ تک ہو گیا

خواجہ حسن کا شجرۂ نسب حسب ذیل ہے

عباس

اسحاق

علی	عبداللہ (فقیہ)
حسن (نظام الملک)	عبدالرزاق شہاب الاسلام -
خواجہ حسن کی اولاد کی تفصیل اپنے موقع پر تحریر ہو	عبداللہ دوام (وزیر سنجر سلجوقی)

علامہ سمعانی نے کتاب الانساب میں لکھا ہے کہ نواح طوس میں رادکان[1] ایک چھوٹا شہر ہے جو خواجہ حسن (نظام الملک) کا وطن ہے"

---

[1] خراساں جاتے ہوئے مشہد کے قریب رادکان واقع ہے قدیم شہر کی مرمت دیوان ملاحظہ سے میرزا رضا قلی مرزا نصرالله شاہ نے اسکو آباد کیا تھا موجودہ آبادی ایک گاؤں سے زیادہ نہیں تاریخ میں واقعہ [illegible] خواجہ حسن امام ثانی بن رادکان میں امراء کا علم گذرے ہیں جیسے ابو محمد عبداللہ بن ہاشم حسین بن احمد بن محمد الوالا زہراد و سعد رادکانی مشہور علماء ہیں۔ رادکان سے ایک برج کے فاصلہ پر مشہور مرغزار واقع ہے سکرات کو کل اب کہتے ہیں۔ اور قدیم نام الانگ رادکان ہے الگ برج میں [illegible] دو سرو از گوشتے میں [illegible] دنیا کی آئینہ)

بہرحال خواجہ حسن کا اصلی وطن طوس ہے۔ جسکے ایک حصہ کا نام **نوقان** ہے۔ اور نوقان کے متصل

راد کان ہے جسکو غالباً آب وہوا کی عمدگی کی وجہ سے خواجہ کے بزرگون نے اپنی مستقل سکونت

کے لیے انتخاب کیا ہوگا اور یہی سبب ہے کہ کتب انساب مین خواجہ کو راد کانی لکھا ہے۔

بہرحال یہ مسلم ہے کہ خواجہ کے بزرگ باغبان تھے۔ اور یہی پیشہ معاش کا ذریعہ تھا۔ مگر اسحٰق اور

عباس جو خواجہ کے دادا اور پردادا تھے۔ اُنکے حالاتِ زندگی بالکل نامعلوم ہین۔ اور

یہ نہین کہا جاسکتا کہ یہ دونون بزرگ باغبانی کرتے تھے یا کیا؟

خواجہ حسن کی ولادت اور ابتدائی حالات

ابن خلکان کی روایت کے مطابق جمعہ کے دن اکیسوین ذیقعدہ ۴۰۸ھ مین بمقام نوقان

خواجہ حسن کی ولادت ہوئی۔[۱]

وجہ تسمیہ | ولادت کے بعد علی اور زمرد خاتون نے اپنے پیارے بیٹے کا نام "حسن"

رکھا اور اس وجہ تسمیہ کے متعلق ایک دلچسپ روایت ہے جسکو زمرد خاتون نے اس طرح پر

روایت کیا ہے[۲] کہ خواجہ کی ولادت کے دو دن بعد مین نے خواب دیکھا کہ ایک پاک اور

ستھری جگہ مین رحل پر کلام مجید رکھا ہوا ہے۔ اور سجادہ پر ایک بی بی بیٹھی ہوئی بچہ کو دودھ

بقیہ صفحہ ۳۶ (انجمن آرائے ناصری) یہ جگہ لطافت آب وہوا میں مشہد سمرقند وغیرہ کے ہم پلہ ہے اسکا طول ۱۲ فرسنگ اور عرض ۵ فرسنگ ہے۔ شاہانِ ایران تبدیل آب وہوا کی غرض سے یہان جایا کرتے تھے۔ اور ترکان خاتون بیگم ملکشاہ سلجوقی اکثر یہان رہا کرتی تھی۔ ناصرالدین شاہ مرحوم نے بھی خراسان جاتے ہوئے اس جگہ قیام فرمایا ہے گنج دانش صفحہ ۳۲۶ و ۳۲۲

[۱] ابن خلکان صفحہ ۱۴۳۔ جلد اول حالات خواجہ حسن۔

[۲] دستور الوزرا مصنفہ خواجہ نظام الملک نسخہ قلمی صفحہ ۷۰۔

دہی ہیں میں نے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ فرمایا کہ میرا نام فاطمہ زہرا ہے میں نے بڑے
ادب سے سلام کیا میرے سلام کا بڑی اور مہربانی سے جواب دیا لیکن چونکہ میں نا امیدی کا
شکست رو ہو گئی تھی اسلیے خواجہ کو گود میں لیے ہوئے الگ کھڑی رہی خاتون جنت نے مجھ کو
بلاکر اپنے قریب بٹھا لیا اور ارشاد فرمایا کہ میں نے ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے
عرض کیا تھا کہ کاش میری بھی ایک بہن ہوتی آپ نے فرمایا کہ میری امت کی تمام نیک
بیبیاں تمہاری بہنیں ہیں اور میں تجھ میں بھی نیکی کے آثار پاتی ہوں" پھر خواجہ کو اپنی گود میں
اور حضرات کو جسے آپ گود میں لیے ہوئے تھیں مجھے دیدیا اور خواجہ کو کمال محبت سے
اور مجھ سے پوچھا کہ اس بچے کا کیا نام رکھا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اس وقت تک کوئی نام تجویز نہیں
ہوا ہے۔ فرمایا اسکے باپ کا نام "علی" ہے لہذا اسکا بھی نام "حسن" رکھنا کیونکہ میرے لخت جگر
کا بھی یہی نام ہے جب صبح کو میں نے یہ خواب خواجہ علی سے بیان کیا تو وہ خوشی سے
اچھل پڑا اور اس شکریہ میں بہت کچھ خیرات کی اور خواجہ کا نام "حسن" رکھا۔[1]
زمرد خاتون کا یہ خواب سچا تھا یا جھوٹا ہمکو اس سے کوئی بحث نہیں ہے مگر زمرد
نام ایسا مبارک تھا کہ وہ اسم بامسمی ثابت ہوا اور حسن حقیقت میں آسمان شہرت پر آفتاب
ہو کر چمکا اگرچہ کہہ سکتے ہیں کہ زمرد خاتون کے خواب کی تعبیر پوری ہوئی لیکن ہمارے خیال میں
خواجہ کا نام حسن علیہ السلام کا ہمنام ہونا جو ایک نیک شگون تھا جو دنیا میں اس کی نیکنامی
کا باعث ہوا ہے[1]

[1] چونکہ خواجہ کا نام حسن ہے لہذا مسلسل ذکر ہونے تک ہر جگہ خواجہ حسن لکھا جائیگا

فی الجملہ نسبتے بتو کافی بود مرا ۔ بلبل ہمین کہ قافیۂ گل شود بس ست

عورتون کے عقیدہ کے مطابق زمردخاتون نے جو خواب دیکھا تھا۔اسکا یہ لازمی اثر دل پر ہوگا کہ میرا بچہ آگے چلکر خوش نصیب ہوگا۔کیونکہ کسی بچہ کو حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا دودھ پلانا بڑی خیر وبرکت کی بات ہے۔مگر افسوس ہے کہ اپنے اس ہونہار بچہ کی جوانی کی بہار دیکھنا زمردخاتون کی قسمت مین نہ تھی اور ہنوز حسن کی دودھ بڑھائی کی تقریب بھی نہونے پائی تھی کہ زمردخاتون اپنے کلیجہ کے ٹکڑے کو قسمت کے حوالے کرکے خود دنیا سے چل بسی۔اور حسن بے ماں کا بچہ ہوگیا۔خواجہ علی کو اپنی رفیق بی بی کی جدائی کا سخت صدمہ ہوا مگر صبر کرکے خاموش ہورہا اور حسن کو اُسکی تقدیر پر چھوڑ دیا اور خاص توجہ سے حسن کی پرورش کا اہتمام کیا مگر ماں کی گود کچھ ایسی بری ساعت مین خالی ہوئی تھی کہ ایک دایہ کا دودھ بھی حسن کو نصیب نہوا بلکہ ایام رضاعت مین یہ چمکتا سیارہ مختلف دائیون کی گود مین چلتا پھرتا رہا۔اور اسی طرح سے دورِ طفلی ختم ہوگیا[1]۔

ایک مورخ[2] نے لکھا ہے کہ "حسن کی ولادت کے قبل طوس مین چار برس سے بارش نہین ہوئی تھی اور خدا کی مخلوق قحط کی مصیبت سے تباہ حال ہورہی تھی لیکن جسدن خواجہ حسن پیدا ہوا اُسی دن بارانِ رحمت کا نزول ہوا اور خشک سالی کی بلا دور ہوگئی اور عوام نے اس مولود سعید کی ولادت کو ایک مبارک سال سمجھا" اس روایت کی تحریر سے یہ مطلب نہین ہے کہ اسے خواہ مخواہ سچ سمجھو بلکہ یہ دکھانا منظور ہے کہ بلند اقبال لوگون کی سوانح عمری مین انشاپرداز

[1] کامل ابن اثیر جلد دہم صفحہ ۱۰ [2] دیباچہ وصایا نظام الملک نسخہ قلمی۔

اور ابن خلکان[1] میں ہے واشتغل بالحدیث والفقہ"

ایسی کمزور بنیاد پر مستحکم عمارت نہیں اٹھ سکتی ہے کیونکہ صرف یہی چند لفظ ہیں جو خواجہ کی ابتدائی اور انتہائی تعلیم کے متعلق ہمارے نامور مورخوں نے لکھے ہیں لیکن واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ خواجہ اسحق کے خاندان میں علمی مذاق کافی طور سے موجود تھا۔ کیونکہ دستورالوزرا[2] کی روایت ہے کہ "خواجہ حسن کا والد خواجہ علی طوسی ایک فیاض اور کریم النفس شخص تھا اور سلطان چغر بیگ داؤد سلجوقی کی طرف سے طوس میں وصول مالگذاری کا مہتمم (صاحب الخراج[3]) تھا" یہ عہدہ کوئی معمولی نہ تھا جسطرح فی زماننا تحصیلدار ہوا کرتے ہیں۔ بلکہ اسلامی قانون کے مطابق صاحب الخراج کو علم فقہ، حساب، مساحت وغیرہ جاننا لازمی تھا۔ کیونکہ وصول مالگذاری کے علاوہ وصول جزیہ کا بھی یہی عہدہ دار ذمہ دار ہوتا تھا۔ لہذا یہ قیاس غلط نہیں ہو سکتا ہے کہ خواجہ حسن کا باپ فقیہ اور ایک تعلیم یافتہ شخص تھا۔ اور بیٹے کو سب سے پہلے کلام مجید حفظ کرانا۔ پھر فقہ و حدیث کی تعلیم دلانا اس قیاس کا موید ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ خواجہ علی کا بھائی عبداللہ مشہور فقیہ تھا۔ ابن سبکی نے خواجہ نظام الملک کے تذکرہ میں خواجہ علی کو بلفظ فقیہ یاد کیا ہے۔ اور جو عظمت اس لفظ کی ہے وہ شرح کی محتاج نہیں ہے

بقیہ صفحہ ۴۰۔ جمال الدین ابن نباتہ اور صلاح الدین صفدی نے مرثیہ لکھا۔ تفصیل کے لیے دیکھو حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ۔ جلد اول صفحہ ۱۴۵-۱۵۰۔

[1] ابن خلکان جلد اول صفحہ ۱۴۳ [2] دستورالوزرا نسخہ قلمی صفحہ ، [3] آثار الاول فی ترتیب الدول صفحہ ۸۔ مطبوعہ مصر حاشیہ سیوطی۔ [4] آیندہ واقعات سمجھنے کے لیے یاد رکھنا چاہیے کہ ۴۲۹ھ / ۱۰۳۷ء میں سلجوقیوں نے اول اول طوس پر قبضہ کیا اور ۴۴۷ھ / ۱۰۵۵ء میں کل عراق پر قبضہ ہو گیا تھا۔

جو سکہ خواجہ اسحٰق کے دونوں بیٹے علی اور عبداللہ صاحب فضل و کمال تھے اور اسی شان سے اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کرنا چاہتے تھے۔ اسلیے خواجہ حسن کو اول قرآن شریف اور پاک اور گیارہ برس کی عمر میں حفظ قرآن سے فراغ حاصل کیا لیکن خواجہ کے آئندہ حالات سے معلوم ہوگا کہ وہ محض دینیات ہی کا عالم نہ تھا بلکہ علوم عقلیہ کا بھی ماہر تھا۔

ظرافت کی ماہری دستور الوزراء کی روایت ہے کہ خواجہ حسن کا پہلا استاد اور اتالیق فقیہ عبدالصمد توبی (توب دیبتاور کا ایک گاؤں تھا) جو اپنے زمانے کے صلحاء اور علماء میں مشہور تھا اور ابتدائی تعلیم فقیہ کی نگرانی میں ہوئی تھی اور جب شاگرد درجۂ وزارت پر پہنچا تو اُسنے بھی حق شاگردی ادا کیا یعنی فقیہ کو اوقاف نظامیہ کا افسر کر دیا تھا۔

حافظہ فقیہ عبدالصمد کی روایت ہے کہ خواجہ کا حافظہ نہایت قوی تھا جو سبق ہم مکتب مشکل رٹ کر یاد کرتے تھے وہ خواجہ کو دو تین دفعہ میں یاد ہو جایا کرتا تھا اور اُسکے بشرے سے ایسے آثار نمایاں تھے کہ جنکا خردسال بچوں میں کہیں پتہ بھی نہیں ہوتا تھا۔

ہمت کا ایک خاص راستہ ایک دن خواجہ نے اپنے استاد عبدالصمد سے کہا کہ مکتب میں طلبہ کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے اسلیے ناظرہ اور حفظ دونوں کا سلسلہ درہم برہم ہے اور مشکل ہی طلبہ کی نسبت یقین ہو سکتا ہے کہ انھوں نے اپنا سبق یاد کر لیا ہے اور باقی کا پتہ نہیں چلتا ہے۔ فقیہ نے کہا کہ پیارے بیٹے پھر اسکا تم نے کیا علاج تجویز کیا ہے؟

خواجہ نے کہا کہ صورت یہ ہے کہ طلبہ میں اپنے چند کو انتخاب کر لیا جائے۔ اور پھر ہر ایک دن اُن

۱؎ آثار الوزراء سیف الدین محمد عقیلی دیکھو ذکر حالات خواجہ حسن ۔ ۲؎ دستور الوزراء محمد عقیلی

طلبہ سپرد کیے جائین۔ اور یہ اپنے ماتحتون کے سبق سنین۔ اگر سبق مین کوئی مشکل مسئلہ ہو تو صرف یہی پوچھ دریافت کرین اور اپنے ماتحتون کو سمجھائین۔ اور اُنکے سبق مین کوئی خامی ہو تو انھی کو سزا دیجائے۔ اِس انتظام سے کل خرابیان دور ہو جائینگی۔ علاوہ اسکے ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ آبا جان ہمیشہ مکتب کے لڑکون کو انعام تقسیم فرماتے ہین اور تقسیم انعام کے وقت آپ کو بڑی تکلیف ہوتی ہے اس انتظام سے آپ کو کل رقم کے صرف چھ حصے کرنا پڑینگے اور بقیہ لڑکون کی تقسیم اُنکے ہاتھ سے ہو جائیگی خصوصاً عیدین اور نوروز کے موقع پر بہت آسانی ہو گی۔"

یہ واقعہ خواجہ کے بچپن کا ہے۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نہایت طباع اور ذہین تھا۔ اور اُسکا دماغ مدبرانہ واقع ہوا تھا۔ اور کیا عجب ہے کہ مکتب خانے کی خلافت کی ابتدا بھی اسی واقعہ سے ہوئی ہو جو آج تک مکاتب مین جاری ہے۔

نیشاپور کا سفر خواجہ حسن کی تعلیم پر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ گویا خانگی تعلیم تھی جو والدین کی نگرانی مین بمقام طوس ہوئی۔ لیکن واقعات سے ظاہر ہے کہ تحصیل علمی اس حد تک پہونچ گئی تھی کہ خواجہ کو تکمیل علوم کے لیے وطن کو الوداع کہنا پڑا۔ اُس مبارک زمانہ مین علوم و فنون کے دریا نہ صرف شہرون مین موجزن تھے۔ بلکہ معمولی دہات اور قصبات مین بھی فیض کے چشمے جاری تھے۔ ہر مسجد اور زاویہ سے قال اللہ اور قال رسول اللہ کی صدائین بلند تھین۔ لیکن پھر بھی عراق عرب مین بغداد اور صوبہ خراسان مین نیشاپور کو خاص فضیلت تھی کیونکہ یہ دونون شہر علم کے مرکز تھے۔ ایرانی طلبہ کے قافلے عموماً نیشاپور کو

تھے کیونکہ نیشاپور اور بصرہ جیسے درس گاہوں کے دروازے عام وخاص پر کھلے ہوئے تھے اور بزرگان علما اسکے مدرس تھے اور باشندگان طوس کے لیے بمقابلہ بغداد نیشاپور قریب تھا اسلیے خواجہ حسن نے بھی نیشاپور کا سفر کیا اور یہ سفر محض تحصیل علم کے لیے تھا چنانچہ کتاب الوصایا میں خواجہ نے اس سفر کا حال یوں لکھا ہے کہ علمائے خراسان میں امام موفق بڑے مقدس اور نامور عالم تھے (عمر کی ۸۵ منزلیں طے کر چکے تھے) اور تمام اطراف میں انکی شہرت تھی یقین کا یہ عالم تھا کہ جسنے امام صاحب سے قرآن و حدیث کا سبق لیا وہ دنیاوی مراتب میں ضرور بڑے درجہ پر پہونچ جاتا تھا اسلیے والد بزرگوار نے مجکو فقیہ عبدالصمد کی اتالیقی میں طوس سے نیشاپور روانہ کردیا اور میں امام محترم کے حلقۂ درس میں شریک ہوا امام صاحب میرے حال پر خاص طور سے توجہ فرماتے تھے اور مجھے بھی شاگردانہ خلوص تھا چنانچہ چار برس تک امام موفق کے درس میں شریک رہا اسی زمانہ میں عمر (خیام) اور حسن (صباح) بھی امام صاحب کی شاگردی میں داخل ہوئے یہ دونوں نہایت فہیم اور ذکی الطبع تھے اور چونکہ میرے ہم عمر تھے اسلیے میں انکا ہم درس ہوا اور میرا ربط ضبط انسے بہت بڑھ گیا حلقہ درس سے اٹھکر میں انہی رفیقوں کے ساتھ سبق کی تکرار کیا کرتا تھا"

حسن صباح اور عمر خیام سے معاہدہ

انہی[1] دنوں کا تذکرہ ہے کہ ایک دن حسن (صباح) نے عمر (خیام) اور مجھسے کہا کہ یہ مشہور بات ہے کہ امام موفق کے شاگرد بڑے رتبے پر پہونچتے ہیں اور اسمیں شک

[1] سیاحت جمعیت میں ایک سال بعد اور افسوس مجکو خبر بھی کہ حسن صباح کی ہمیں کوئی پوری ہوئی شکل نہیں ہے ... خواجہ حسن درجہ وزارت پر سرفراز ہوا اور اُسنے اسی عالی ظرفی سے معاہدہ کو پورا کیا تفصیل اسکے موقع پر لکھی جائیگی۔

نہین ہے کہ اگر ہم سب جاہ و دولت کے مرتبے پر نہ پہونچین تو کوئی ایک تو ضرور کامیاب ہوگا اسلیے ہم تینون معاہدہ کرین۔ مین نے کہا شرائط کی تکمیل کیونکر ہوگی حسن نے کہا کہ ہم مین سے خدا جسکو جاہ و حشم کے درجے پر پہونچائے اسپر فرض ہوگا کہ وہ باقی دونون دوستون کو بھی اپنی دولت مین برابر کا شریک کرے اور کسی کو یہ حق ہوگا کہ وہ اپنی ذات کو کسی معاملہ مین ترجیح دے۔ چنانچہ سب نے اس معاہدے کو تسلیم کر لیا اور معاہدہ تحریر ہو کر مہر و دستخط سے مزین ہوا۔ اور درس کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔[1]

بحارا کا سفر | چار برس کامل امام موفق کے درس مین خواجہ حسن شریک رہا پھر واپس آیا اور اسمین کوئی شک نہین ہے کہ حدیث و فقہ کا بہت بڑا ذخیرہ خواجہ کو امام موفق کی درگاہ سے ہاتھ آیا ہوگا۔

مصنف دستور الوزرا لکھتا ہے کہ جب خواجہ فارغ التحصیل ہو کر طوس مین آیا تو گردش ایام سے خواجہ علی کا کارخانہ درہم برہم ہو گیا تھا۔ اور اس تباہی کا یہ سبب ہوا کہ خواجہ ابو علی بن شاذان جو بلخ کا عمید تھا اپنے عہدے سے موقوف کر دیا گیا اور خواجہ علی جو اُسکا ماتحت تھا وہ بھی اس زد سے نہ بچ سکا اور طوس کی مالگذاری جو عرصہ سے باقی چلی آتی تھی یکایک طلب ہوئی خواجہ علی نے بیباقی مین بڑی کوشش کی اور گھر کا اسباب تک بیچ ڈالا مگر مطالبہ پورا نہوا۔ لیکن خواجہ علی کو بد حواس دیکھکر رعاے طوس نے باقی رقم کو اپنے ذمہ لے لیا۔ اور خواجہ علی سے یہ شرط کی کہ وہ تین برس تک اُنکے خدمات بلا معاوضہ انجام دے۔ خواجہ حسن کو یہ شرط

[1] ترجمہ انگریزی رباعیات عمر خیام مصنفہ مُاگر کار مطبوعہ بمبئی۔

زن دستے تھے اور میہنہ مبارک کی خانقاہ مین وعظ فرمایا کرتے تھے ایک دن مجلس مین سعادت شقاوت اور امارت کی علامتون پر وعظ ہو رہا تھا کہ شیخ نے فرمایا جو شخص دین و دنیا کے سردار کو دیکھنا چاہیے وہ کل صبح کو ارجاہ کی سڑک پر جا ٹھہرے" چنانچہ چند باصفا مرید مقام مذکور پر گئے، سب سے پہلے جو مسافر انکو ملا وہ خواجہ حسن تھا، اُنھون نے خواجہ کو سلام کیا، اور چونکہ ایک قسم کا غیر معمولی استقبال تھا لہذا خواجہ نے اسکا سبب پوچھا تو مریدون نے شیخ کا مقولہ دُھرایا اُسوقت خواجہ طوس سے چلکر میہنہ پہنچ چکا تھا جب شیخ کے حالات سنے تو خواجہ زیارت کا مشتاق ہو کر حاضر مجلس ہوا، اور ایک گوشہ مین بیٹھ رہا، دوران وعظ مین ایک سائل نے آواز لگائی، خواجہ نے کمر سے ٹپکا اور طلائی پیٹی کھولکر سائل کو دیدی شیخ نے فرمایا کہ "جسنے میری مجلس مین اپنی کمر سے ٹپکا کھولا ہے وہ دن قریب ہین کہ ارباب دنیا اُسکی حضور مین کمر باندھکر کھڑے ہونگے" جب وعظ ختم ہوگیا تو شیخ ابوسعید نے خواجہ پر اپنی شفقت کا اظہار کیا اور مژدہ سنایا کہ تم عنقریب بڑے مرتبے کو پہونچوگے، پھر فرمایا کہ "حسن! اب تجھسے بظاہر ملاقات نہو گی جس مجلس مین

بقیہ صفحہ ۴۶ چشمم ہمہ اشک گشت و چشمم بگریست | در عشق تو بے چشم ہمی باید زیست
از من اثرے نماندہ این عشق ارچیست | چون من ہمہ معشوق شدم عاشق کیست
اے برہمن آن عارض چون لالہ پرست | رخسار نگار چار دہ سالہ پرست
گر چشم خدائے بین نداری بارے | خورشید پرست شو نہ گوسالہ پرست
رفتم بطبیب و گفتمش از درد نہان | گفتا کہ ز غیر دوست بربند زبان
گفتم کہ غذا؟ گفت ہمین خون جگر | گفتم پرہیز؟ گفت از ہر دو جہان

لہ تاثل معارف جلد ۳ نمبر ا سلسلہ ۱۹ لہ کشف المحجوب صفحہ ۷ و لہ انسائیکلوپیڈیا جلد ۱ صفحہ ۱۲ ، ۷ حالات عمر خیام۔

تو پہلے دن آیا ہے آج اس مجلس کا آخری دن ہے میری باتوں کو بھول نہ جانا ان پر ہمیشہ
عمل کرنا اور رکھو کہ جب تک تمہاری دولت سے مستحق بہرہ یاب ہوتے رہینگے اسوقت
تک تمہاری دولت اور امارت قائم رہیگی اور جب نیکی کے دروازے بند کردوگے اور
خدا کے بندے مہربانی سے محروم ہوجائینگے تو وہی زمانہ تمہاری امارت کے زوال کا ہوگا'
اور بعد بزرگانہ نصیحت کے شیخ ابوسعیدؒ نے خواجہ کو رخصت کردیا۔"

شیخ سے رخصت ہوکر خواجہ نے بخارا کا رخ کیا اور منزل مقصود پر پہونچکر خواجہ نے اکتساب
فنون اور تکمیل علوم میں محنت شروع کی اور فضیلت کی سند حاصل کرکے بخارا سے مرو کو
رخصت ہوگیا۔"

بخارا میں کتنے دنوں خواجہ کا قیام رہا یہ بتانا مشکل ہے مگر بخارا سے وطن کی جانب
پھر خواجہ کی واپسی نہیں پائی جاتی ہے بلکہ تکمیل علوم کے بعد خواجہ مرو گیا مرو سے،
ماوراء النہر دیکھتا ہوا بارہ برس میں کابل پہونچا اور سیر و سیاحت کے بعد بلخ واپس آیا
بلخ[عہ] پہونچکر خواجہ حسن کی سوانح عمری کا ایک حصہ ختم ہوجاتا ہے اور وہ دور شروع
ہوتا ہے جس سے ترقی پاکر خواجہ وزارت پر پہونچتا ہے اور چونکہ خواجہ سے محض اپنی

عہ کتاب الوصایا خواجہ نظام الملک صفحہ ۵۲ سفر ماوراء النہر اور بخارا کے حالات کتاب الوصایا سے لکھے گئے ہیں
صوبہ خراسان میں یہ اول درجہ کا شہر تھا اور آبادی کے لحاظ سے بہت قدیم ہے گو مدت اسکا الپ ارسلان
سے سو برس تک اسکی آبادی میں کوشش کرتے رہے میں آتشکدہ نوبہار کی وجہ سے بلخ کا شمار معبدوں
شہروں میں تھا اب معمولی درجہ کا شہر ہے اور حکومت افغانستان میں داخل ہے یعنی ترکستان کے اس
حصہ میں جو داخل افغانستان ہے دیکھو نقشہ افغانستان عرض بلد شمالی ۳۶° ۴۸
طول بلد شرقی ۶۶ - ۴

لیاقت سے وزارت کا عہدہ حاصل کیا تھا۔ اسلیے اب جس قدر حالات اور واقعات مین وہ عہد وزارت کے سلسلہ مین بیان کیے جائینگے خواجہ حسن کی وزارت کی ابتدائی تاریخ مین شاہان سلجوقیہ کے نام آوینگے علاوہ اسکے۔ اس کتاب مین مختلف مقامات پر آل سلجوق کا تذکرہ ہے لہذا واقعات کے سمجھنے کی غرض سے اول شاہان سلجوقیہ کا شجرۂ نسب لکھا جاتا ہے ناظرین کو یہ نسب نامہ اپنے حافظہ مین محفوظ رکھنا چاہیے۔

شجرۃ النسب آل سلجوق

دقاق ملقب بہ تیمور تالیغ

سلجوق (اعظم)

اسرائیل ملقب بہ بیغو — یونس — ینال — موسیٰ — میکائیل

قتلمش (اول سلاطین سلاجقہ روم) — ابراہیم — حسن — طغرل بیگ محمد — جغری بیگ داؤد

قاورد — سلیمان — الپ ارسلان

بوری برس — آیاز — ارسلان شاہ — ارغون — تکش — تتش — ملک شاہ

احمد — محمود — سنجر — محمد[1] — برکیارق
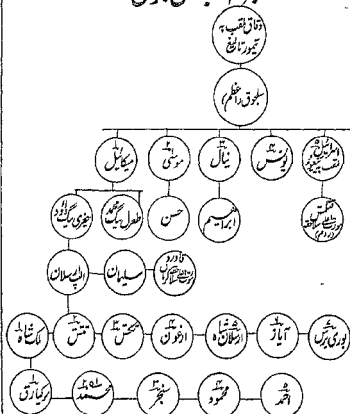
[1] محمد کی اولاد مین ۱۲ بادشاہ حکمران ہوئی جنکے ناموں کی تفصیل کی اس شجرہ مین ضرورت نہین ہے۔

چنانچہ خواجہ کو خوش قسمتی سے عمید بلخ کے میرمنشی (کاتب) کا عہدہ مل گیا۔ اور خواجہ کو دنیاوی اشغال مین جو جاہ و منصب ملا اسکا پہلا زینہ یہی تھا۔

کاتب کا عہدہ ہر عہد مین معزز رہا ہے بلکہ زمانۂ سابق و حال کا تجربہ شاہد ہے کہ گورنروں کے دفتر مین جو محرر منتظم (کلرک و سکریٹری) ہوتے ہین۔ وہ اس درجہ قابل و لائق ہوجاتے ہین کہ کسی زمانہ مین خود ترقی پاکر نیابت سے وزارت تک پہونچ جاتے ہین۔ اگر خواجہ اپنے عہدے پر ایک عرصہ تک قائم رہتا تو ضرور تھا کہ کسی اعلی درجہ پر پہونچتا لیکن ابوعلی کے خسیسانہ حرکات اور دنارت نے خواجہ کو ناراض کردیا چنانچہ خواجہ کی روایت ہے کہ "جب میرے پاس کچھ سرمایہ ہوجاتا تو ابن شاذان مجھپر جرمانہ کرکے وصول کرلیتا تھا، اور یہ تو اسکا ایک معمولی فقرہ تھا کہ "حسن اب تو خوب فربہ ہوگئے ہو"

غرضکہ ہر سال یون ہی تمام نقدی چھین لیجاتی تھی اور عذر کرنے پر جواب ملتا تھا کہ "کاتب کو صرف قلم کافی ہے" جب عرصہ تک خواجہ سے ابن شاذان نے یہی برتاؤ کیا تو آخر برداشتہ خاطر ہوکر خواجہ بلخ سے فرار ہوگیا۔ اور سلطان چغربیگ داؤد سلجوقی کے دربار مین بمقام مرو پہونچا۔ اور سلطان کی حضور مین اپنا مختصر حال بیان کیا چغربیگ خواجہ کی خوش بیانی سے بہت

(بقیہ صفحہ ۵۰)

خواجہ چون بوعلی شاذان وزیر نامدار	عالمے چون اسعد مہسہ رہبر شرع مری
صوفی صافی چو سلطان طریقت بوسعید	شاعر قادر چو مشہور خراسان انوری

از تذکرۂ دولت شاہ سمرقندی۔ وطبقات الشافعیہ سبکی حالات نظام الملک۔

[1] گنج دانش صفحہ ۲۰۵ جہانتک ممکن تھا تحقیقات کیگئی مگر کسی تاریخ سے یہ نہین معلوم ہوا کہ خواجہ کس سنہ مین حاضر دربار ہوا ہے مگر غزنویہ اور سلجوقیہ کے تاریخی واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ خواجہ ۴۳۲ھ اور ۴۴۴ھ کے مابین آیا ہے۔

خوش ہوا اور چونکہ خود منصر تھا سمجھ لیا کہ یہ نوجوان ہونہار ہے لہذا شاہزادہ الپ ارسلان
کے سپرد کر دیا اور یہ تحریر بھیجی کہ حسن تمہارا کاتب، مدبر، مشیر اور مصاحب ہے تم اسکو اپنے
باپ کے برابر سمجھنا۔ جب عمید الملک کو معلوم ہوا کہ خواجہ حسن مرو میں ہے تو اُسے دربار میں
عرضیہ بھیجا کہ میرا کاتب بھاگ گیا ہے فرمان شاہی بغرض واپسی صادر ہو ورنہ یہاں کے
دفتر میں بہت ابتری پڑ جائیگی۔

چغر بیگ نے جواباً لکھ بھیجا کہ میں نے خواجہ کو الپ ارسلان کے سپرد کر دیا ہے لہذا شاہزادے
سے براہ راست درخواست کرنا چاہیے لیکن پھر عمید نے ضد نہیں کی اور خواجہ حسن
الپ ارسلان کی خدمت میں رہنے لگا"

گو یہ سچ ہے کہ خواجہ کو ابو علی سے کوئی نفع نہیں ہوا لیکن اس نامور مدبر کی شاگردی یا فیض
صحبت نے خواجہ کو حقیقت میں نظام الملک بنا دیا اور جسقدر ملکی و مالی تجربہ خواجہ کو ہوا
وہ علی بن شاذان کے طفیل ہے اس نیکی کی بات ہے کہ اخیر عمر میں اس شاذان نے
الپ ارسلان سے یہ سفارش کی تھی کہ خواجہ حسن کو وزارت کا عہدہ دیا جائے چنانچہ
الپ ارسلان نے مستقل حکمران ہونے کے بعد ہی خواجہ کو وزیر مقرر کر دیا تھا

بہرحال یہ قابل تسلیم ہے کہ ابو علی کی سفارش بھی منجملہ اسباب حصول وزارت کے ایک قوی
سبب ہے لیکن حکمت نظام الملکی کو بھی اسباب وزارت میں بہت کچھ دخل ہے جس کی
تفصیل یہ ہے کہ خواجہ نے الپ ارسلان پر اپنی خداداد قابلیت اور کارگزاری سے پورا
قبضہ کر لیا تھا زمانۂ ولیعہدی میں الپ ارسلان کا مصاحب، کاتب، مشیر، اتالیق، اور

باوفا رفیق غرضکہ جو کچھ تھے صرف خواجہ تھا۔ رزم ہو یا بزم ہر جگہ خواجہ ہمراہ رہتا تھا لیکن اسوقت تک الپ ارسلان صاحب اختیار نہ تھا بلکہ باپ اور چچا کی مشترکہ حکومت تھی کیونکہ طغرل بیگ اور جغر بیگ دونوں حقیقی بھائیون مین ازحد محبت تھی اور سلطنت کے تمام کام ایک دل ہوکر انجام دیتے تھے مساجد مین دونوں کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ البتہ اخیر دورِ حکومت مین انتظاماً جغر بیگ نے مرو اور طغرل بیگ نے نیشاپور کو دارالسلطنت قرار دیا تھا۔ چنانچہ [۱]۴۵۲ھ مین بمقام بلخ جغر بیگ نے انتقال کیا اور الپ ارسلان ولیعہد سلطنت اسکا جانشین ہوا لیکن الپ ارسلان کے دوسرے بھائی سلیمان نے بھی بحیثیت دعویدار تاج وتخت رے مین اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا لیکن [۲]۴۵۵ھ مین جب طغرل بیگ نے انتقال کیا تو حسب وصیت طغرل، وزیر عمید الملک کندری نے سلیمان کو تخت نشین کر دیا۔ طغرل بیگ اگرچہ لاولد فوت ہوا اور ولیعہد سلطنت الپ ارسلان موجود تھا مگر طغرل بیگ اپنی بھاوج (زوجہ جغر بیگ والدۂ سلیمان) کے اصرار سے سلیمان کے حق مین وصیت کر گیا تھا جسکی تکمیل مین عمید الملک کندری نے بڑی سرگرمی دکھائی۔ مگر خواجہ کو یہ کب گوارا تھا کہ الپ ارسلان کے ہوتے ہوے سلیمان تخت اُڑا لے جائے قطع نظر اسکے قومی قبائل بھی سلیمان سے ناراض تھے اسلیے مساجد کا معمولی خطبہ تخت نشینی کے واسطے کافی نہ تھا۔ الپ ارسلان اور خواجہ کو سلیمان کی بغاوت سے ہنوز دم لینے کا موقع نہین ملا تھا کہ قتلمش جو قلعۂ گردکوہ مین مقیم تھا وہ بھی دعویدار سلطنت ہو کر اُٹھا۔ اور دوسری طرف سے فاورد فتوحات کے ذوق مین چلا۔

---

[۱] روضۃ الصفا ونخبۃ العصرہ عماد الدین اصفہانی از صفحہ ۲۸۔ [۲] مطبوعۂ ہالینڈ ۱۸۸۹ء ۵ واسماں سے سیل کے (باقی آیندہ)

خطاب مرحمت فرمایا۔ اور عمید الملک و نظام الملک نے ملکر سلطنت کا کام شروع کیا۔ مگر خواجہ
کو شرکت فی الوزارت منظور نہ تھی۔ اور نہ وہ عمید الملک کو دیکھ سکتا تھا۔ مگر مجبوراً کیا کرتا موقع کا

بقیہ حاشیہ ۵۴ حسین سے ابوالحسن الباخرزی اور ابو منصور ابن ثعالبی کا کلام جاسکر قابل ملاحظہ ہے۔ طغرل بیگ کے زمانہ
میں جو نمایاں کارنامے اس وزیر کے ہیں وہ حالات طغرل بیگ میں لکھدیئے گئے ہیں اسکے مذہب میں اختلاف ہے بعض نے
شافعی لکھا ہے اور بعض نے حنفی۔ مگر اسکا تعصب مذہب ضرب المثل ہے۔ اسکی عمر کا اخیر حصہ نہایت رنج والم میں گذرا
طغرل بیگ کے انتقال پر چند روز کے واسطے الپ ارسلان کا وزیر مقرر ہوگیا تھا۔ مگر یہ عہد اُسکے حق مین کچھ مفید ثابت
نہوا۔ اور بہت جلد قتل کردیا گیا۔ مورخین کا بیان ہے کہ خواجہ نظام الملک اسکے قتل میں بہت ساعی ہوا کیونکہ وہ
اسکی زبردست چالون سے ڈرا کرتا تھا۔ اگر خواجہ چاہتا تو ابونصر کی جان بخشی ہوسکتی تھی مگر شوق وزارت نے خواجہ کو اس
نیکی سے محروم رکھا۔ جب ابونصر کو قید میں ایک سال گذر گیا۔ تو الپ ارسلان نے دو غلام اسکے قتل کے واسطے روانہ کیے
جب یہ غلام ابونصر کی خدمت مین حاضر ہوے اُسوقت وہ بخار مین پڑا تڑپ رہا تھا۔ اسی حالت مین اسکو قتل کا حکم سنایا گیا
جب ابونصر کو معلوم ہوا کہ اب موت دم لیکے ٹلیگی تو اُسنے غسل کیا اور عرصہ تک توبہ استغفار کرتا رہا پھر اپنے حرم سرا
مین گیا اور سب عزیزون سے ہمیشہ کے واسطے رخصت ہوآیا۔ اسکے بعد مسجد میں داخل ہوا اور دو رکعت نماز
پڑھی پھر مرنے پر تیار ہوگیا اور ایک غلام نے تلوار سے سر اڑا دیا۔ اور غریب مقتول کا سر مقام کریان الپ ارسلان کے
سامنے لاکر رکھا گیا۔ آثار الوزرا کی روایت ہے کہ جب جلاد تلوار لیکر سر پر کھڑا ہوا تو عمید الملک نے ایک غلام سے کہا کہ مجھ
عاجز کی طرف سے الپ ارسلان سے کہدینا کہ تمھارے چچا طغرل بیگ نے مجھکو قلمدان وزارت عطا کیا تھا اور تو شہادت کی
عزت دیتا ہے جسکا مجھے آخرت میں صلہ ملیگا اور وزیر نا قدر دان سے کہنا کہ تو نے بہت بُرا کیا وزیرکُشی کی بدعت تیری
جانب سے ہوتی ہے۔ سلطان کو تو نے یہ رسم سکھائی ہے اور وہ زمانہ قریب ہے کہ خود تو اور تیری اولاد اس آفت
مین مبتلا ہوگی اور آخر مین فارسی کا یہ شعر پڑھا۔

ما سیلئے روزگار خوردیم و شدیم   تا خود بکجا رسد سرانجام شما

عمید الملک بمقام کندر اپنے باپ کے پہلو مین دفن ہوا۔ اور خوش نصیبی سے چادر موی کا کفن میسر آیا۔ یہ چادر آب
زمزم کی دھوئی ہوئی تھی اور خلیفہ مقتدی باللہ عباسی نے اُسکو مرحمت فرمائی تھی اور جو کفنی گلے میں ڈالی گئی وہ ایک
قمیص دیبی تھا جو خود خلیفہ قائم باللہ نے اسکو دیا تھا۔ عجب عبرت کا مقام ہے کہ عمید الملک کا عضو   اسکی
حیات میں خوارزم میں دفن ہوا (ایک خیانت کے جرم میں طغرل بیگ نے یہ سزا دی تھی) اور قتل کے (باقی آیندہ

منظر رہا چنانچہ محرم ۴۵۵ھ کا واقعہ ہے کہ ایک دن عمید الملک خواجہ کی ملاقات کیلیے اُسکے گھر گیا اور پانسو دینار بطور نذرانہ پیش کیے لیکن ملاقات کے بعد اکثر ترکی سردار عمید الملک کی خدمت میں حاضر ہوئے الپ ارسلان کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اُسنے اس کارروائی کو شبہہ کی نظر سے دیکھا اور خواجہ کے اشارے سے عمید الملک کو گرفتار کرکے مرورود بھیجدیا جہاں ایک سال تک یہ جیلخانہ میں پڑا رہا اور مرورود میں ایک شحنہ ۱۶ ذی الحجہ ۴۵۶ھ میں الپ ارسلان کے حکم سے قتل کردیا گیا

شاید بعض لوگوں کے نزدیک عمید الملک کی موت اور خواجہ حسن کی وزارت مستقل ہونے کی ایک ہی تاریخ ہے اور یہ بالکل صحیح ہے کیونکہ خواجہ جب تک عمید الملک قتل نہیں ہوگیا ایسے ہی مستقل وزیر نہیں تھا

اب انشاء اللہ جو واقعات تحریر ہونگے اُنکا تعلق خواجہ حسن کی وزارت سے ہوگا اور اُن واقعات کی ابتدا ۱۶ ذی الحجہ ۴۵۶ھ سے ہوگی

تبصرہ

ہم اوپر پڑھ چکے ہو کہ خواجہ حسن کس ملک کا باشندہ تھا اور اسکے خاندان کی کیا حالت تھی

لہ صفحہ ۵۵ [illegible] مرورود میں [illegible] اس حکم کے [illegible] میں اور کا سر جسم سے [illegible] چالیس برس کی عمر میں [illegible]

[illegible] رخصت والسلام

[illegible] گفت عمر کا ناما [illegible]

تاریخ [illegible] صفحہ ۲۹ [illegible]

حالات [illegible] الملک [illegible] صفحہ ۵ حالات [illegible]

اور ولادت کے بعد کس عنوان سے اسکی تعلیم و تربیت شروع ہوئی۔ اور نیز یہ بھی معلوم ہے کہ طالب علمانہ زندگی کے بعد اُسنے کن ممالک کا سفر کیا اور دار السلطنت غزنین سے نکلکر آل سلجوق کے دربار مین کیونکر آیا۔ اور پھر دفتر انشا کی ملازمت سے ترقی پاکر مسند وزارت پر پہنچا اور ایسا بیٹھا کہ مرکر اُٹھا۔

لیکن اِسپر بہت کم غور کیا ہوگا کہ جو تاریخ اُسکے مستقل وزیر ہونے کی ہے اُسوقت وہ اپنی عمر طبعی کی کتنی منزلین طے کر چکا تھا۔ اور تاریخ ولادت سے تاریخ وزارت تک اُسپر انقلاب کے کسقدر طوفان آچکے تھے۔ چونکہ اس طلسم کی پردہ کشائی سوانح نگار کے لیے ایک ضروری امر ہے لہذا ظاہر کیا جاتا ہے کہ خواجہ حسن کو اڑتالیس[۴۸] برس کی عمر مین خلعت وزارت عطا ہوا تھا۔ اور کچھ کم اٹھائیس[۲۸] سال وزارت کرکے دنیا سے رخصت ہوا جسکی تفصیل یہ ہے۔

صحیح روایتون کے مطابق خواجہ حسن کی ولادت بروز جمعہ اکیسوین[۲۱] ذیقعدہ سنہ ۴۰۸ھ مین ہوئی اور سنہ ۴۱۳ھ مین یعنی تقریباً پانچ برس کی عمر مین مکتب نشینی کی رسم ادا ہوئی۔ اور سنہ ۴۱۹ھ مین حفظ کلام مجید سے فراغ حاصل کیا۔ کم سن بچون کے واسطے حفظ قرآن سے زیادہ مشکل اور کوئی کام نہین ہے۔ اسلیے یہ ناممکن ہے کہ بجز حفظ کے خواجہ نے دوسرے علوم و فنون کی بھی تعلیم پائی ہو۔ قطع نظر اسکے خواجہ کا چچا عبداللہ خود فقیہ تھا۔ اور خواجہ کا باپ بھی ایک دیندار اور مذہبی شخص تھا اسلیے یہ بعید معلوم ہوتا ہے کہ کلام مجید کو ناتمام چھوڑ کر دوسری طرف توجہ کی گئی ہو۔ غرضکہ بارھوین سال سے فقہ اور حدیث کی باضابطہ تعلیم شروع ہوئی اور دار العلوم نیشاپور کی روانگی تک خانگی طور پر یہ سلسلہ جاری رہا۔ اگرچہ کسی مورخ نے یہ نہین لکھا کہ فقہ اور

حدیث وغیرہ کی تحصیل کس عمر تک ہوئی لیکن واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ سلسلۂ درس
تک یہ علمی سلسلہ جاری رہا کیونکہ سنہ ۴۲۹ھ کے خاتمہ پر یا سنہ ۴۳۰ھ کے ابتدا میں خواجہ حسن نے
نیشاپور کا سفر کیا تھا اگرچہ تاریخوں میں روانگی سفر کی تاریخ درج نہیں ہے مگر مندرجہ ذیل
قرائن سے اسکا پتہ چلتا ہے

اول یہ کہ سنہ ۴۲۹ھ میں سلجوقیوں کا طوس پر قبضہ ہوا اور خواجہ علی (خواجہ حسن کا باپ) سلطان
جغربیگ داؤد سلجوقی کی طرف سے طوس میں صاحب الخراج کے عہدے پر مقرر کیا گیا سلجوقیوں کا
اگرچہ طوس پر قبضہ ہو چکا تھا مگر عراق کا وسیع ملک فتح کرنے کو پڑا ہوا تھا اور تاتاراں غزنویہ
کی چھیڑ چھاڑ چلی جاتی تھی اسلئے خواجہ نیشاپور بھیجدیا گیا تاکہ امن وعافیت کے ساتھ تعلیم ہو
اور گھر کی تعلیم کے مقابلے میں کالج کی تعلیم جو فضیلت رکھتی ہے وہ ظاہر ہے۔

دوسرے یہ کہ حکیم عمر خیام کے حالات[1] میں لکھا ہے کہ سنہ ۴۳۰ھ میں وہ داخل مدرسۂ نیشاپور
ہوا ہے اور داخلہ کے بعد حسن صباح اور خواجہ حسن اور عمر خیام ہم درس ہوئے ہیں اور
فراغ کے بعد ایک ساتھ ان دوستوں نے مدرسہ چھوڑا ہے اور بقول خواجہ حسن دارالعلوم
نیشاپور میں کل ۴ برس تعلیم پائی ہے لہذا مدرسہ کی تعلیم سنہ ۴۳۴ھ میں ختم ہو جاتی ہے
اب کسی نسبتی سے حساب لگایا جائے تو پوری اکیس برس کی مدت ہوتی ہے اور اُس
عہد کی تعلیمی مدت کا پیمانہ اوسط درجہ کچھ بیس سال تھا اور جب عمر کا اسقدر قیمتی حصہ
خواجوں کی روشنی اور مساجد ومدارس کے حجروں میں صرف کیا جاتا تھا تو سارا تحصیلت

[1] رسالہ رباعیات عمر خیام مطبوعہ بمبئی

میسر ہوتی تھی۔ اور جو طالب علم نکلتا تھا وہ آسمان شہرت پر آفتاب ہو کر چمکتا تھا۔
بہر حال طوس اور نیشاپور مین خواجہ نے جسقدر فضل وکمال حاصل کیا وہ خواندگی اور مدت کے لحاظ سے کچھ کم نہین ہے۔ مگر نہین خواجہ نے ہنوز کتاب بند نہین کی ہے۔ اور اُسکو ابھی مدت تک ورق گردانی کرنا باقی ہے۔
کتاب اوصایا مین جسقدر حالات خواجہ نے اپنی تعلیم وتربیت کے لکھے ہین اُنسے معلوم ہوتا ہے کہ دار العلوم نیشاپور سے خواجہ سیدھا طوس کو آیا ہے۔ کیونکہ دوسرے شہرون کی سیر وسیاحت کا کوئی ذکر خواجہ نے نہین کیا ہے۔ البتہ اسکی صراحت کہین نہین کی ہے کہ نیشاپور سے واپس ہوکر خواجہ کس شغل مین مصروف ہوا۔ اور کس مدت تک طوس مین ٹھہرنا پڑا یہان قیاسات سے کام لینا بیکار ہے لیکن خواجہ نے جب طوس سے بخارا کا سفر کیا ہے۔ تو مختصر الفاظ مین اس سفر کا ذکر کیا ہے گو سنہ وسال کی صراحت نہین کی ہے لیکن یہ معما اسطرح پر حل ہو جاتا ہے۔ کہ "رستہ مین خوش نصیبی سے شیخ ابو سعید ابو الخیر سے ملاقات ہوئی ہے اور شیخ نے پند ونصائح کے بعد فرمایا ہے کہ خواجہ آج تو جس مجلس مین پہلے دن آیا ہے وہ اس مجلس کا آخری دن ہے۔ اور اب تجھسے بظاہر ملاقات نہ ہوگی"
جسکے معنی بطور رمز وکنایہ یہ تھے کہ یہ دن شیخ کے وصال کا تھا۔ اور عالم فانی سے عالم جاودانی کو کوچ کرنا تھا۔ یہ تحریر خود خواجہ حسن کی ہے۔ جسکے لیے مزید شہادت کی حاجت نہین اور صحیح[1] روایت کے مطابق شیخ موصوف نے ۴۴۰ھ مین انتقال فرمایا ہے۔ اسلیے ظاہر ہے

[1] جنوری ۱۰۴۹ء مطابق ۴۴۰ھ انسائیکلوپیڈیا برطانیکا جلد نمبر ۱۰۔ حالات عمر خیام۔

کہ خواجہ کا یہ دوسرا سفر ملک کہ میں ا اور یہی تحصیل علم کے لیے تھا جیسا الیے موقع پر
لکھا جا چکا ہے آگے چلکر درس علوم دماکہ بخارا میں کیسے دن خواجہ کا قیام رہا ہے لیکن
کم ازکم اگر ہیں برس درس کرتے جاویں اور واپسی نیشاپور سے سمرقند تک جستہ جستہ رہا مگر
ت اسکو درس کرلیں کہ کئی میں باہمی تحقیقات پر صرف ہوا خواجہ حسن کی مسلسل طالبعلمی کا
زمانہ تیس برس قرار پاتا ہے اور یہ مدت ایک جید عالم ہونے کے لیے کم نہیں ہے اور بعدہ
وزارت کے واسطے بھی اسقدر فضل وکمال و اظہار مسائل کا ترمیم مع وزارت کافی ہے
خواجہ نظام الملک نے مستقل تدبیر وکرد ماتین ارت کو کیونکر انجام دیا اور کیا کارنامے چھوڑے
یہ واقعات اپنے موقع پر لکھے جاوینگے اب ہم اُن کے ذاتی فضل وکمال کا تذکرہ لکھتے ہیں

خواجہ نظام الملک کا فضل وکمال فقہ حدیث
شاعری کا تذکرہ انشا کا وہ تصنیفات۔

اسلام کے وسطی عہد حکومت میں ایک ہی بیت سے اکثر امور قرار دادہ تاں وحدت سکے او
در اصل وزارت کے الگ ہونے میں بعض جیسے آحاد فضل وکمال میں فرد ہوتے تھے
ویسے ہی وزیر بھی اسی شان کمالی میں بیل نظر آتے تھے اور سلاطین عجم کو یہ خاص عزت
حاصل ہے کہ سطرح سلطان ابن سلطان و اتفاقیہ طور پر وزیر ابن وزیر ہوا تھا اور یہ وراثت
صدیوں تک قائم رہی ہے۔

وزیر ملک اسبات میں ہر عہد میں خاص اہتمام کیا گیا ہے حتی کہ جاہل اور وحشی حکمرانوں سے بھی

اپنے لیے ایسا وزیر منتخب کیا ہے۔ جسکو زمانہ نے فلاسفر اور حکیم کے معزز لقب سے یاد کیا ہے۔

مؤرخین کا اسپر اتفاق ہے کہ یحییٰ[۱] برمکی اور صاحب[۲] ابن عباد کے بعد کوئی وزیر جامعیت

---

[۱] ابو الفضل یحییٰ بن خالد بن جعفر بن جاماسب برمکی خلیفہ ہرون الرشید عباسی کا نامور وزیر ہے ۱۱۹ھ ۷۳۷ع مین پیدا ہوا۔ ۳۔ محرم ۱۹۰ھ ۸۰۵ع مین بمقام رقہ انتقال کیا۔ ہرون الرشید کے عہد کی ملکی، مالی، علمی ترقیاں یحییٰ کے عہد وزارت مین ہوئیں۔ یحییٰ کی فیاضی اور علمی قدردانی کے واقعات سے تاریخ اور ادب کی کتابیں مالامال ہین۔ فضل اور جعفر یحییٰ کے دو بیٹے اسکے بعد وزیر ہوے۔ اور جعفر کے قتل کے بعد برامکہ پر تباہی آگئی اور اُسکے حالات آیندہ نسلوں کے واسطے عبرت ہوگئے تفصیلی حالات کے لیے ہماری کتاب البرامکہ دیکھنا چاہیے۔

[۲] ابو القاسم اسمٰعیل بن ابو الحسن عباد طالقانی ملقب بہ صاحب۔ ۳۲۶ھ ۹۳۸ع مین بمقام طالقان (قزوین) پیدا ہوا اور ۳۸۵ھ ۹۹۵ع مین بمقام رے انتقال کیا۔ وزرائے اسلام مین صاحب ایسا باکمال اور نادر روزگار شخص ہے۔ کہ خود نظام الملک اسکا مداح ہے فضل وکمال کے لحاظ سے طبقۂ علما مین شمار کیا جاتا ہے۔ مؤید الدولہ بن منصور بویہ بن رکن الدولہ دیلمی کا وزیر تھا۔ اور اُسکے انتقال پر فخر الدولہ کا وزیر ہوا۔ یہ زمانہ اسکی وزارت کا نہایت کامیاب تھا۔ ابو القاسم اسمٰعیل وزرا مین پہلا شخص ہے جو صاحب کے لقب سے ممتاز ہوا۔ اور اسکے بعد دیگر وزرا بھی صاحب کہلائے۔ ہر علم وفن کے باکمال اسکے دربار مین موجود رہتے تھے لیکن شعرا کی تعداد سب پر غالب تھی۔ صاحب کی مدح مین جسقدر قصائد اور متفرق اشعار ہین انکے انتخاب کے واسطے ایک مجلد چاہیے۔ نوح بن منصور سامانی نے صاحب سے یہ خواہش کی تھی کہ وہ اسکی وزارت اختیار کرے لیکن صاحب نے فخر الدولہ کے دربار سے جانا پسند نہین کیا اور معذرت نامہ بھیجدیا منجملہ عذرات کے ایک عذر یہ تھا کہ اگر مین حاضر خدمت ہونیکا قصد کرون تو صرف کتب خانہ کے واسطے چار سو اونٹ درکار ہونگے" یہ واقعہ صاحب کی علمی زندگی کا ایک مختصر خاکا ہے۔ ادبی کتابون سے ذوق وشوق کا یہ عالم تھا کہ ملک کے دورہ کے زمانہ مین صرف تیس اونٹون پر کتابین ہمراہ ہوتی تھین علامہ ابو الفرج اصفہانی کی کتاب الاغانی (یہ کتاب پچاس برس مین مرتب ہوئی تھی اور اب مصر مین ۲۰ جلدون مین چھپ گئی ہے) کی نقل سب سے پہلے صاحب کے واسطے لکھی گئی تھی۔ تصنیفات مین المحیط (لغت ۷ جلدین) کتاب الکافی فی الرسائل۔ کتاب الاعیاد وفضائل النیروز۔ کتاب الامامۃ۔ کتاب الوزرا کتاب الکشف عن مساوی شعر المتنبی۔ مشہور ہین۔ جسدن صاحب نے انتقال کیا ہے اُس دن (باقی آیندہ)

لیکن کسی مورخ نے خواجہ کو عیش و طرب کی مجلس مین رندانہ وضع سے نہین دیکھا ہے بلکہ خواجہ کو ہمیشہ مذہبی رنگ مین پایا ہے۔

خواجہ کی ابتدائی حالات مین بھی تم پڑھ چکے ہو کہ اسکا چچا عبداللہ فقیہ تھا اور اُسنے سب سے پہلے خواجہ کو فقہ کی تعلیم دلوائی تھی۔ اور یہی شوق خواجہ کو امام موفق نیشاپوری کی درسگاہ مین لیگیا تھا

حدیث

فقہ کی طرح حدیث مین بھی اگرچہ خواجہ نظام الملک محدث مشہور نہین ہوا۔ مگر یہ تحقیق ہے کہ حدیث مین خواجہ محدثانہ درجہ رکھتا تھا اور بزرگان سلف کے تذکرے اگر بنظر غور ملاحظہ کیے جائین تو ہمین ہزارون ایسے باکمال ملین گے جو محدث کا درجہ رکھتے تھے۔ لیکن انکی شہرت اس معزز لقب سے نہین ہوئی بلکہ کمال غالب کے لحاظ سے مشہور ہوے اور بقیہ علمی جوہر چھپے رہگئے۔ چنانچہ اسی استثنا مین خواجہ بھی داخل ہے۔

ابن خلکان نے خواجہ کے حالات لکھتے ہوے علم حدیث کے متعلق حسب ذیل فقرے لکھے ہین "وسمع نظام الملک الحدیث واسمعه وکان یقول انی لا اعلم انی لست اهلا لذلك ولکنی ارید ان اربط نفسی فی قطار نقلة الحدیث رسول الله صلی الله علیه وسلم"

ابن خلکان کی شہادت خواجہ کی محدث ہونے کی کافی دلیل ہے۔ اور چونکہ رسول اللہ صلعم سے دلی ارادت رکھتا تھا۔ لہذا بمقتضاے ادب کہتا ہے کہ "بھلا مین اس قابل کب ہون کہ حدیث کی روایت کرون لیکن میرے لیے یہی فخر کیا کم ہے کہ مین رسول اللہ کے راویان حدیث کے زمرے مین داخل ہو جاؤن"

طبقات الکبری کی روایت ہے کہ خواجہ نظام الملک نے حسب ذیل مقامات پر مشہور محدثین سے حدیثیں سیکھیں

اصفہان محمد بن علی بن مہرہ ادیب۔ ابو منصور شجاع بن علی بن شجاع۔

نیشاپور۔ اُستاد ابو القاسم قشیری۔

بغداد۔ ابو الخطاب بن البطر وغیرہ

مذکورۂ بالا شیوخ حدیث کے علاوہ خواجہ نظام الملک نے خاص دار الخلافت بغداد میں مجالس حدیث سے بھی فائدہ اٹھایا۔

حدیث کی تعلیم کا طریقہ بغداد وغیرہ میں اس طرح پر جاری تھا کہ شیخ مجمع عام میں ایک بلند مقام پر بیٹھ جاتا تھا اور شاگرد قلم دوات لیکر سامنے بیٹھتے اور شیخ کے الفاظ قلمبند کرتے جاتے اور جب طلبہ کا ہجوم ہوتا تو ایک مستملی کھڑا ہو کر شیخ کی روایت کے الفاظ بلند آواز سے دور کے بیٹھنے والوں تک پہونچاتا ایسی مجالس کو مجالس املا کہتے تھے چنانچہ خواجہ نے جامع مہدی عباسی اور مدرسہ کی مجالس املا سے نفع اٹھایا ان مجالس میں مامور الملک حدیث تشریف لاتے تھے اور بلا وہ مقامات مذکورۂ بالا کے طالب علمی کے سب سے آخیر زمانہ میں خواجہ نظام الملک بخارا گیا تھا اور اس سفر سے صرف حدیث کی تکمیل مقصود تھی اور چونکہ بخارا کو حدیث شریف سے خاص ادبی مناسبت ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔

روایت حدیث طبقات الکبری میں خواجہ نظام الملک سے صرف ایک حدیث روایت ہے جسکو ہم بھی تبرکاً نقل کرتے ہیں۔

اخبرنا عبد الغافر بن محمد بن عبد القاهر المکی بقراءتی علیہ بدمشق انا عبد الرحیم
ابن یحیی بن ابراہیم الزہری الخطیب انا ابو عبد اللہ محمد بن ابی المعالی عبد اللہ
ابن جامع بن البناء الصوفی فی سنۃ ثمان وستمائۃ انا نصر بن نصر الطبری انا نظام الملک
ابو علی الحسن بن علی بن اسحق الوزیر انا ابو بکر احمد بن منصور بن خلف انا ابو طاہر
ابن خزیمۃ ثنا محمد بن اسحق السراج ثنا قتیبۃ ثنا مالک بن انس عن عامر بن عبد اللہ
ابن الزبیر عن عمرو بن سلیم الانصاری عن ابی قتادۃ السلمی۔ ان رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم قال اذا جاء احدکم المسجد فلیرکع رکعتین قبل ان یجلس ''

یعنی رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب تم مسجد مین داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز ادا کرو''
افسوس ہے کہ مورخین نے نظام الملک کے مذہبی حالات لکھنے مین زیادہ توجہ نہین کی ورنہ ایک
سے بہت زیادہ حدیثین ملتین لیکن یہ طے شدہ مسئلہ ہے کہ قلت روایت سے کسی صحابی یا امام پر
کوئی شخص قلت نظر کا الزام نہین لگا سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ اور حضرت عبد اللہ ابن
عباس کے مقابلہ مین جنسے ہزارون حدیثین روایت ہین حضرت ابو بکر صدیق فاروق اعظم
حضرت عثمان اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جو حدیثین روایت ہین انکی مجموعی تعداد دو سو سے کم ہے
حالانکہ رسول اللہ صلعم سے جسقدر قرب و اختصاص خلفاے اربعہ کو تھا وہ اور اصحاب کو میسر نہین
آیا۔ لیکن مقابلہ کی نظر سے کون کہہ سکتا ہے کہ ان ارکان اسلام کو صرف معدودی چند حدیثین
یاد تھین۔ غرضکہ روایت حدیث مین اس اصول کے لحاظ سے یہ لازم نہین آتا ہے کہ خواجہ
نظام الملک حدیث مین کم مایہ تھا۔ بلکہ اپنے زمانہ کا وہ بھی ایک شیخ تھا۔ اور خواجہ کی

رباعی | یہ رباعی[1] ایک خاص موقع پر عمید منصور کو لکھی تھی جس کی تفصیل آداب الوزارت میں مفصلاً درج ہے۔

از سر بنہ این نخوت کاؤسی را | بگذار بجبرئیل - طاؤسی را
یعنی ہمہ صوفہائے قیروسی را | پیش آر - و گرگا و گوطوسی را

قطعہ | یہ قطعہ اُسوقت موزون کیا ہے کہ ایک ظالم فدائی نے خواجہ نظام الملک کو چھری سے زخمی کر دیا ہے اور ملک شاہ سرہانے بیٹھا ہے۔ اور نزع کا وقت قریب آتا جاتا ہے۔

سی سال باقبال تو ای شاہ جوان بخت | گرد ستم از چہرۂ ایام ستردم
منشور نکونامی و طغرای سعادت | پیش ملک العرش بتوقیع تو بردم
چون شد ز قضا مدت عمرم نود و شش | اندر سفر از ضربت یک کارد بمردم
بگذاشتم این خدمت دیرینہ بفرزند | او را بخدا و بخداوند سپردم

نثر فارسی

خواجہ نظام الملک کے متفرق مضامین یا کوئی مستقل تصنیف نثر عربی میں موجود نہیں ہے جس سے اُسکے زور قلم کا اندازہ ہوسکے۔ البتہ فارسی میں ایک بڑا ذخیرہ نثر کا موجود ہے۔ جو خواجہ کے فضل و کمال کی ایک زندہ یادگار ہے۔ خواجہ کے نثر کا طرز وہی ہے جو عموماً پانچویں صدی کے علما اور انشا پردازون کا تھا۔ چنانچہ جسنے امام غزالی وغیرہ کی فارسی تصنیفات پڑھی ہیں اُسکو

[1] وصایاے نظام الملک نسخہ قلمی ص ۱۵ آثار الوزرا نسخہ قلمی ص ۱۲۵ دوسرا مصرعہ عماد الملک رازی تاجر کی جانب منسوب ہے کہ خواجہ کے انتقال کے بعد اسنے یہ مصرعہ کہکر قطعہ پورا کر دیا تھا اور بعض تذکرون میں اس شعر کا شان نزول کچھ اور ہی لکھا ہے جسکی تفصیل امیر معزی کے حالات میں ہمنے لکھدی ہے

در مسائل و آداب انچه توانی بر خاطر میگیر و پس از نماز پیشین باید که طبع را بمسائل نحو و تصریف و اشکالِ ہندسہ و قیاساتِ منطقی ریاضت دہی - و بمشق خط قیام نمائی تا خط مستقیم گردد و انچه ہست قناعت نکنی - و در اول شب باید که ساعتی نیک بمباحثه و استفادت و مذاکرت با ہنرمندان و ظریفان بنشینی، و از لطائف آداب و حکایات و امثال و ابیات چیزی یاد گیری چون برین جملہ پیش گیری زود از اقران خود راجح شوی - باید که زبان از دروغ و غیبت نگاہ داری، و عیب کسان نگوئی، و در ظرافت ترکیبِ سخن از مقدار نگذرانی که بحرمت و مال کسی از زبان باز دہ چه اگر کسی براست گوئی معروف شود اگر وقتی از برای مصلحتی دروغ بگوید قبول کنند و اگر به دروغ گوئی معروف گردد اگر چه نیز راست گوید قبول نکنند و کارش بسته باشد و باید که بعہود و مواثیق وفا کنی، و عزم درست داری تا در چشم ہمه کس عزیز باشی و زشت نامی بسود دنیائی خریدن زیان سہگین بود و ہر درمی که از مکاسب دون بحاصل آید حجاب صد ہزار دینار گردد و اگر کسی بخلاف این ابواب پیش تو تقریر کند از غیبت و عیب مردم و پدید آوردن تو فیر از زشت نامی کاہلی کردن در تحصیل ہنر و از دیو مردم شمری و از خویشتن دور کنی البته غماز و نمام ساعے را بپیش خود راه ندہی، و برانی و از ندیمان و دوستان دو روی متملق اجتناب کنی که بضحکه و حدیث نرم و خوش نشینی ترا از راه ببرند و زیان کار دینی و عقبیٰ شوی و خدمتگاران را ادب مشفق نگاه داری و با دوستان که صاحب مکارم اخلاق باشند اختلاط کنی، تا تواضع و خدمت تو با استحقاق باشد و طمع در محارم و حرمت مردمان نکنی بہیچ وجه و ہر کس که ترا بران تحریص کند خصم جان خویش دانی و در ہمه اوقات تازه روئے و خوش خلق باشی تا ہمه کس بتو میل کند وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ) و بر ظلم اقدام ننمائی چه

اگر ہیچ مصلحت فساز دو دران آہستگی کار فرماید تا بداند کہ آن متظلم را شکایت از چیست و تدارک آن
چگونہ می باید کرد تا انچہ فرماید از سر حقیقت و بصیرت باشد۔ (دیگر) باید کہ امرائے لشکر و خاصگیان
مخدوم را عزیز و محترم دارد و ہمچنین شیوخ و موالی و ائمہ را بچشم حرمت بیند و ہمہ را تفقد نماید و تعہد
کند و سبب غیبت بپرسد و اگر بیمار شوند بعیادت رود و اگر مصلحتے سازند و مہم در پیش گیرند مدد و معاونت
دہد ہم بمال و ہم بخدمتگار و تجمل و رسمی کہ آن مہم را شاید و ہمگنان را تبنا سد و لقب ایشان را محفوظ
دارد و با ایشان کشادہ روئی باشد تا بر متابعت و خدمت وی حریص گردند و مشفق شوند کہ
"اَلْاِنْسَانُ عَبِیْدُ الْاِحْسَانِ" و ہر روز معروفان را بر خوان خود نان دہد و باندیمان و نزدیکان
بادشاہ زندگانی بجا کند و عزیز دارد و چیزہا بخشد (دیگر) در ہفتہ دو بار باید کہ پیش ارکان دولت
و اصحاب مناصب طعام خورد و حکایتہا گوید کہ متضمن مصالح باشد و اگر از دو روز بیشتر خورد ہتک
حشمت بود و ہمہ کس را در حق مرتبت و مصلحت تعہد کند و نوروز و عید ہمہ کس کہ ملازمان و دوستان
و حریفان و یاران وے باشند صلت و خلعت رساند و خوان نکو نہد (دیگر) نزدیکان و ندیمان
کہ در حق کسی سخنی باسم شفاعت گویند یا حاجتی خواہند کہ ممکن گردد بباید شنود و عذر باید خواست
کہ خدمت کنم و بنویسم اگرچہ مصلحت نباشد بقدر دلداری باید کرد و بہیچ حال بر منع اصرار نباید
نمود (دیگر) بباید دانست کہ ہیچ کس مال بدان جہان نگیرد مگر انچہ دران نام نیکو حاصل گردد و
جرایت و جاگی حشم و خدمتگاران بوقت خود برساند بی احتباس۔ از حال روسائے نواحی و
عمال غافل نباید بود کہ از ایشان بر رعایا حیفہائے عظیم باشند و درویشان ازین سبب رنجور
و گران بار باشند چون دفع ایشان کند نیکونامی بہمہ آفاق برسد از راہ روان و کاروان غافل

اُس سفر کے حالات تحریر ہین جو خراسان سے (براہ ماوراالنہر) کابل تک کیا گیا ہے۔
لیکن یہ سفرنامہ مفقود ہے۔

وصایا ملقب بہ دستور الوزرا (۱)

اسکا سنہ تصنیف معلوم نہین ہے۔ گر مضامین سے ثابت ہے کہ یہ کتاب وزارت کے اخیر زمانہ مین لکھی گئی ہے۔ یہ مختصر مجموعہ چند قیمتی اور کثیر الفوائد مضامین کا ہے جسمین روے سخن فخر الملک کی جانب ہے۔ اور یہ خواجہ کا عزیز ترین فرزند ہے جسکی نسبت خواجہ چاہتا ہے کہ میرے بعد وزارت منظور نہ کرے۔ اسلیے ناصح مشفق بنکر اپنے بیٹے کو نصیحت کرتا ہے۔ یہ دستور العمل ایک مقدمہ اور دو فصل پر ختم ہو جاتا ہے۔ مقدمہ مین خواجہ نے اپنے بچپن کے بعض حالات لکھے ہین۔ اور پہلی فصل مین وزارت کی اُن مشکلات کا تذکرہ ہے جن کے پڑھنے سے خواہ مخواہ دل پر یہ اثر پڑتا ہے کہ وزارت سے استعفا دینا ہی بہتر ہے اور دوسری فصل مین وزارت کے وہ آداب و قواعد لکھے ہین جسکی ہر وزیر کو ضرورت ہے۔

غرضکہ وصایاے نظام الملک معاملاتِ سلطنت اور وزارت مین ایک مکمل اور مستحکم قانون ہے اور لطف یہ ہے کہ جیسا وہ پانچوین صدی مین کار آمد تھا ویسا ہی آج بھی مفید ہے۔ ہمنے باب الوزارت مین ان قوانین کو مفصل لکھا ہے۔ جسکے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ مسلمانون مین کس دماغ کے مقنن وزیر گزرے ہین۔

سیاست نامہ (۲)

یہ کتاب بھی خواجہ نے اپنی وزارت کے اخیر زمانہ مین یعنی انتقال سے ایک سال قبل

تصنیف کی ہے اور باعث تصنیف دیباچہ میں یوں لکھا ہے کہ ۴۸۴ھ ہجری میں سلطان سعید
ابوالفتح ملک شاہ نے دربار کے چند دیرینہ سال ارکان سلطنت کو مخاطب کر کے فرمایا کہ امور دولت
کے عہد سلطنت پر غور کریں اور سوچیں کہ ہمارے زمانہ میں کس صیغہ کا انتظام اعلیٰ درجہ کا نہیں
اور وہ کون سے آداب ہیں جو ہماری مجلس اور دیوان میں ماخذ نہیں ہیں اور وہ کیا حالات
ہیں کہ جو مجھ پر مخفی ہیں اور سلاطین سابق کے جو اصول ہمارے زمانہ میں چھوڑ دیے گئے ہیں وہ کیا تھے
جو حکمرانان سلوق کے تمام رسم و رواج اور آئین قلمبند ہو کر حضور میں پیش ہوں تاکہ بعد غور
کامل اُن قوانین کے اجرا کا حکم دیا جائے جس سے دین و دنیا کے سب کام درست ہو جائیں۔
اور ساری خرابیاں دور ہوں چونکہ خدائے برتر نے مجھ کو عظیم الشان سلطنت مرحمت فرمائی ہے
اور تمام نعمتیں بخشی ہیں اور میرے دشمنوں کو پامال کر دیا ہے تو پھر کوئی انتظام ما دولت کا
ناقص ہونا چاہیے اور نہ مجھ سے کچھ چھپایا جائے ۔

سلطان کا روئے سخن نظام الملک شرف الملک[1] تاج الملک مجد الملک وغیرہ کی طرف تھا
چنانچہ ان امرا میں سے ہر ایک نے اپنی استعداد اور خیالات کے مطابق ایک ایک دستور العمل
لکھ کر ملک شاہ کی حضور میں پیش کیا مگر صرف نظام الملک کا مسودہ پسند آیا جس کی نسبت
سلطان نے فرمایا کہ یہ کتاب نہایت جامع ہے اور میرے خیال میں اب اس پر اضافہ کی
ضرورت نہیں ہے اور آئندہ یہی میرا دستور العمل ہوگا۔"

یہ کتاب پچاس فصلوں پر ختم ہوئی ہے اور ہر فصل میں ایک جداگانہ مضمون ہے۔ اور

[1] شرف الملک وغیرہ کے حالات دوسرے حصہ میں تحریر ہیں

اس کتاب مین (سوانح عمری خواجہ نظام الملک) باستثناے چند ابواب تمام مضامین کا مع مختصر حاشیہ کے ترجمہ کردیا گیا ہے۔ سیاست نامہ کے ہر مضمون مین قرآن، حدیث، اور فقہ سے استدلال کیا گیا ہے اور تمام واقعات بہ سند تاریخی بیان ہوئے ہین۔ اس کتاب کی عظمت وشان کی یہ ادنی دلیل ہے کہ سول سروس[1] کورس مین داخل ہے۔ مسلمانون کو پروفیسر شیفر (مدرس مدرسۃ السنۃ شرقیہ پیرس) کا شکرگزار ہونا چاہیے کہ جنھون نے ہندوستان، لندن، برلن اور سینٹ پیٹرسبرگ کے کتبخانون سے صحت کرکے اس کتاب کو فرانس مین چھپوایا ہے۔ اور کئی بار چھپ چکی ہے اب ہم سیاست نامہ کا ایک پورا باب (مع ترجمہ) نقل کرتے ہین جس سے خواجہ کی طرز تحریر کا جو اس کتاب مین ہے نمونہ معلوم ہوگا۔ اور جو مضمون اس باب مین ہے وہ بھی ایک تاریخی واقعہ ہے کہ جسکی تفصیل ہر تاریخ مین موجود نہین ہے۔ امید ہے کہ یہ صفحات دلچسپی سے پڑھے جائین گے۔

سیاست نامہ باب ۴۳

اندر بازنمودن احوال بدمذہبان کہ دشمن ملک و اسلام اند

بندہ خواست کہ فصلی چند در معنی خروج خارجیان یاد کند تا جہانیان بدانند کہ بندہ را درین دولت چہ شفقت بودہ است، و بر مملکت سلجوق چہ ہوا و ہمت دارد (خاصہ بر خداوند عالم خلد اللہ ملکہ و بر فرزندان و خاندان او کہ چشم بد از روزگار او دور باد)

[1] سول سروس کا امتحان لندن مین ہوتا ہے اور اس امتحانکی کامیابی پر ہندوستانکے بڑے عہدے کلکٹری وغیرہ ملتے ہین۔

همه روزگار خوارج بوده اند از روزگار آدم علیه السلام تا اکنون خروجها کرده اند و در هر کشوری
که در جهان است بر پادشاهان و پیغمبران هیچ گروهی نیست شوم تر و بد فعل تر ازین قوم
اند که از پس دیوارها بد این مملکت می سگالند و فساد این دولت می جویند و گوش آواز نهاده اند و چشم
بر زخم نهاده اگر نعوذ بالله هیچ این دولت قاهره ثبتها الله تعالی را از آسمانی حادثه رسد یا آسیبی
والعیاذ بالله پیدا شود این سگان از نهانخانه ها سر برآرند و برین دولت خروج کنند و بر چه گویند
باشند از فساد و میل و قتال و بدعت چیزی باقی نگذارند به قول دعوی مسلمانی کنند و به معنی فعل
کافران دارند و باطن ایشان لعنهم الله بخلاف ظاهر باشد و قول بخلاف عمل و دین محمد مصطفی را
صلی الله علیه وسلم هیچ دشمن از ایشان شوم تر و نفرین تر نیست و ملک خداوند عالم را هیچ خصمی از
ایشان ترسیده تر نیست و کسانی که امروز درین دولت قوی حال اند و دعوی شیعت میکنند ازین قوم
اند و در سر کار ایشان می سازند و قوت می دهند و دعوت میکنند و خداوند عالم را بر آن می دارند که
خاندان بنی العباس بر دارد و اگر بنده غطا از سر این دیگ بر دارد ای بسا رسوائی بیرون آید
ولیکن اما کما ازین ای ایشان خداوند عالم را مالی حاصل شده است در معنی میخواهند که بنده
کند نسبت توفیر که بنده خداوند عالم را بر مال حریص کرده اند بنده را صاحب غرض شد و نصیحت بنده
درین حال دلپذیر نیاید آنگاه معلوم گردد فساد و مکر ایشان که بنده از میان رفته باشد بدانند
که هواخواهی بنده بر این دولت بوده است و دولت قاهره را و از احوال و سگالش این طایفه
غافل نبوده است و هر وقت برای عالی اعلاها الله میگذرانیده است و پوشیده نداشته
و چون می دید که درین معنی قول بنده قبول نمی افتاد دیگر تکرار نکرد لیکن اینجا در معنی ایشان

برسبیل اختصار درین کتاب سیر آورد که از مهمات بود که این بواطنه چه قوم اند و مذهب ایشان
چگونه بوده است و اول از کجا خاستند و چند بار خروج کرده اند و هر وقت بدست خداوند مقهور
گشته اند تا از پس وفات بنده تذکره باشد در زمین شام و یمن و اندلس خروجها بوده است
و قتلها کرده اند ولیکن بنده آنچه یاد نکند و اگر خواهد که بر همهٔ احوال ایشان واقف شود تاریخها
باید خواند خصوصاً تاریخ اصفهان و آنچه در زمین عجم کرده اند (که خلاصهٔ ملک خداوند عالم است)
بنده از صدیکی یاد خواهد کرد تا معلوم رای عالی دام عالیاً گردد از ابتدای تا انتهای کار ایشان۔

باب ۴۴

اندر خروج مزدک و مذهب او و چگونگی کشته شدن او بر دست نوشیروان عادل

نخستین کسی که اندر جهان مذهب معطلهٔ آورد مردی بود که اندر زمین عجم بیرون آمد او را موبد موبدان
گفتندی نام وی مزدک بامداد آن بروزگار ملک قباد بن فیروز پدر نوشیروان عادل خواست
که کیش گبرگی برگبرگان بزیان آرد و راه بد در جهان گسترد و سبب آن بود که مزدک نجوم نیکو
دانستی و از روش اختران چنان دلیل میکرد که اندرین عهد مردی بیرون آید و دینی آرد چنانکه
کیش گبران و کیش جهودان و کیش ترسا آن و بت پرستان را باطل کند و بمعجزات و زور کیش
خود در گردن مردمان کند و تا قیامت دین او بماند۔ او را تمنا چنان افتاد که مگر این کس
او باشد پس دل در آن بست که چگونه مردم را دعوت کند و مذهب نو پدید آرد و نگاه کرد خویشتن
را بمجلس بادشاه حرمتی تمام دید و بنزدیک همه بزرگان و هرگز کس او را محالی نشنیده بودند۔

پس اراکه دعوی پیغمبری کرد پس علامان جوش را فرمود تا از جای مهان لقی گرفتند و
سید مدتی دیریع جا که بر سوراخ میان آسکاه برآورده راست آنجا که آتش میکرد سوراخ
سخت حرد پس دعوی پیغمبری کرد و گفت مرا فرستاده اند و از زردشت باره گردانم که خلق معنی زند
واستا را فراموش کرده اند فرمانهای یزدان چنان میگزارد که زردشت آورده است
همچنانکه هر یک یعنی بنی اسرائیل فرمانهای موسی علیه السلام که در توریت از خدای عزوجل
آورده است ماستندی وخلاف کردندی پیغمبری فرستادهم بر حکم توریت تا خلاف از بنی اسرائیل
بگسستندی وحکم توریت را باز گردانیدی و خلق را بطریق راست می آوردی۔
این سخن گوش ملک قباد افتاد و دیگر بزرگان و موبدان را بخواند و مظالم کرد و مردک را
بخواند و بر ملا مردک را گفت تو دعوی پیغمبری میکنی گفت آری و بدان آمده ام که دین زردشت
را خلاف بسیار در وی شده بسیار گشته من این صلاح را آرم و معنی زند و استا نه آنست
که بکار بسیار مدار ایم معنی آن پس قباد گفت معجزه تو چیست گفت معجزه من آنست که
آتش را که قبله و محراب شما است من سخن آرم و از خدای تعالی درخواهم تا آتش را
فرمان دهد که به پیغمبری من گواهی دهد چنانکه ملک و جماعت آواز بشنوند
ملک گفت ای بزرگان و موبدان درین معنی چه گویید موبدان گفتند اول چیز آنست که
ما را کیش و کتاب ما میخواند و زردشت را خلاف میکند و در زند و استا سخنها است که هر سخن
ده معنی دارد و هر موبدی و دانائی را در وی دلیلی و تعبیری است مگر باشد که قول زردشت پیاکو
و عبارتی جو سر بیارد و اما اینکه میگوید آتش را که معبود است سخن آرم این شگفت است

مفسدت خویش از مصلحت باز نمیدانند در تدبیر معالجۀ او باشید تا سخن مزدک نشنوند و بقبول او کار
نکنند و شما نیز چون پدرم فریفته نشوید که او بر حق نیست و بر باطل ست و باطل را بقا نشود و فردا شما را سود ندارد
و بزرگان از سخن او بشکوهیدند و اگرچه بعضی قصد کرده بودند که در مذهب او شوند از جهت نوشیروان
پای کشیدند و در مذهب او نشدند گفتند بنگریم تا کار مزدک کجا رسد و نوشیروان این سخن از کجا میگوید
نوشیروان دران وقت هژده ساله بود پس بزرگان و موبدان جمع شدند و پیش قباد رفتند و گفتند
ما از عهد دراز باز تا اکنون در هیچ تاریخ نخواندیم و از چندین پیغمبر که در شام بودند نشنیدیم اینک
مزدک که میگوید و میفرماید ما را عظیم منکر می آید۔
قباد گفت با مزدک بگوئید تا چه گوید مزدک را بخواند و گفت چه حجت داری درین که میگوئی و
میکنی مزدک گفت زردشت چنین فرموده است و در زند و استا چنین ست و مردمان تفسیر
این نمیدانند اگر استواری ندارید از آتش بپرسید بار دیگر با تشکده شدند و از آتش پرسیدند
از میان آتش آوازی آمد که چنین ست که مزدک میگوید چنانکه شما میگوئید نیست۔ دیگر بار موبدان
خجل بازگشتند و دیگر روز پیش نوشیروان شدند و احوال باز گفتند نوشیروان گفت این مزدک
دست بران می برد که مذهب او در همه معانی مذهب زردشت ست الا این دو معنی۔
چون برین حدیث مدتی بگذشت روزی میان قباد و مزدک حدیثی میرفت بر زبان مزدک
چنان رفت که مردمان برغبت درین مذهب در آمدند و اگر نوشیروان رغبت کردی درین مذهب
فرا نیز رفتی نیک بودی قباد گفت او درین مذهب نیست گفت نه گفت نوشیروان را بیار ید و
هرچه زودتر بخوانید چون بیامد او را گفت ای جان پدر تو بر مذهب مزدک نیستی گفت نه الحمد لله

الف چرا گفت از سر آنکه او دروغ میگوید محال سـ گفت چون محال باشد که آتش بسحر
می آرد گفت بیار چیرا از امهات ست آب و آتش و باد و خاک ساکه آتش بسحر آورد گویش
آب و باد و خاک را بسحر آرد باس بوی گروم دریغیه توم گفت او هرچه میگوید از تعبیر
واستا میگوید تو تیر ان گفت او لعرمود که ال ورں مردماں سلح ست از عهد زردشت
تا امروز هیچکس از دانایاں این تفسیر کرده است دین ارسرال وحرم نکارست چوں این
هر دو سلح ست آنکه چه فرق باشد میاں چهارپای و آدمی که این روش و طریق بهائم ست
که در حرمدں و کردں یکساں باشد به مردم عاقل گفت ازین مرا که پدر تو ام حرا
حلاف کنی گفت من این از تو آموخته ام اگرچه هرگز این تو دـستـه و چوں دیدم که تو پدر خویش
را حلاف کردی من نیز ترا حلاف کردم تو ازاں بازگرد تا من ازین باز گردم پس سخن قباد و
نوشیرواں و مزدک بجای رسید که خلق گفتند که حجتی بیار که این مذهب رو کند و سخن مزدک
باطل گرداند یا کسی را بیار که حجت او از حجت مزدک قوی تر و درست تر باشد الا ترا سیاست
فرمایم تا دیگر عبرت گیرند۔

نوشیرواں گفت مرا مهل روز زماں دهید تا حجتی بیارم یا کسی را بیارم که جواب مزدک
باز دهد گفتند یک آیدرماں دادیم بریں جمله پراگنده شدند نوشیرواں از پیش پدر باز گشت
هم در روز قاصد و نامه بپارس فرستاد بشهر گول بموبدی که آنجا ساکنستی مردی پیر دانا که
هرچه زودتر بیائی که چنین و چنین کاری رفته است میان من و پدر و مزدک چوں چاشت
برآمد قباد بار داد و در تخت بنشست و مزدک بیامد و در تخت رفت و بر کرسی نشست و

نوشیروان بیاوردند مزدک قباد را گفت بپرسش تا چہ آوردہ ست قباد بپرسید تا چہ جواب
آوردی نوشیروان گفت دران تدبیرم قباد گفت کار از تدبیر گذشت مزدک گفت برگیرید
او را و سیاست فرمائید قباد خاموش گشت مردم در نوشیروان آویختند نوشیروان دست در
دار بزین ایوان زد و پدر را گفت اینچہ تعجیل ست کہ در کشتن من بستہ کہ ہنوز وعدہٴ من تمام
نشدہ ست گفت چون گفت من چہل روز تمام گفتہ ام امروز آن من ست تا امروز بگذرد آنگہ شما
دانید پس سپہ سالار و موبدان بانگ برآوردند و گفتند راست میگوید قباد گفت امروزش
نیز رہا کنید دست از وی بداشتند و از چنگال مزدک برست چون قباد برخاست و موبدان
پراگندند و مزدک بازگشت نوشیروان بسرای خویش آمد این موبد کہ نوشیروان او را از پارس
خواندہ بود در رسید بر جمازہ نشستہ تا بدر سرای نوشیروان فرود آمد و در سرای شد خادمی گفت
برو و نوشیروان را بگوی کہ موبد پارس در رسید خادم سبک در حجرہ رفت نوشیروان را بگفت
نوشیروان از حجرہ بیرون آمد نوشیروان از شادی پیش او دوید و او را در کنار گرفت و گفت
ای موبد چنان دان کہ من امروز آن جہان می آیم و احوال پیش موبد بگفت موبد گفت ہیچ
دل مشغول مدار کہ ہمہ چنان ست کہ تو گفتہٴ حق با تو ست و خطا با مزدک و من نیابت تو جواب
مزدک دہم و قباد را از مذہب او باز گردانم و لیکن چارہٴ کن کہ پیش از آنکہ مزدک خبر آمدن من
بشنود ملک را بہ بینم گفت این سہل ست پس بار دیگر نوشیروان بسرای پدر رفت و بار خواست
چون پدر را دید ثنا گفت پس گفت موبد من از پارس در رسید کہ جواب مزدک بدہد و لیکن
میخواہد کہ نخست ملک را بہ بیند تا ملک سخن بخلوت بشنود گفت شاید بیاور او را نوشیروان

بار گشت و چون بار یک شد موبد را پیش یزدگرد و موبد قباد را آفرین کرد و پدران او را بستود
پس ملک گفت این مزدک را خطا ماده است این کار را و درا بهاده داد که من او را یک تباه
نه دانش او را مام وار علوم توام امد کی داد و لیکن در احکام او را خطا افتاد و در پس فرآن که در آید
مردی سرون آید و دعوی پیغمبری کند و کتابی عرب آرد و معجزهای عجیب نماید و داد در آسمان
ندوم کند و خلق را براه حق خواند و دین پاکیزه آرد و کیش گبرگی و دیگر کیشها باطل کند و نفرو ...
وعده کند و وعید سر ساند و ما را حرام حکم شریعت در حبس کند و مردم را از دیو برهاند و اسرو ...
بلا کند و آتشکده ها ویران کند و دین او همه جهان رسد و تا قیامت بماند و در پیش آسمان
رد عوت گواهی دهد اکنون این مزدک را تماجیان اماده است که این مرد او باشد و مزدک
اولا عجمی ست و او خلق را از آتش پرستی نهی کند و رد و دست را شکر باشد و مزدک هم رد دست
امد امیکند و هم آتش پرستی می فرماید و اور خصت دهد که کس گرد حرم کس گرد و با کس مال احق
نتاید و مرد دی دست برین فرماید و مزدک مال و زن مردم مباح کرده است و آن معا مرا
فرمان از آسمان آید و از سروش سخن آید و مزدک از آتش میگوید مذهب مزدک هیچ اصل ندارد
و من فردا او را پیش ملک رسوا کنم که او بر باطل است و میخواهد که خسروی از خانه نوشیروان بردد
گنجهای تو تلف کند ترا اگر کسی معامل کند و پادشاهی بدست فرو گیرد.
ماد ... آمد و در پذیر ور دیگر قباد و بارگاه آمد و مزدک بیامد و بر کرسی نشست و
نوشیروان پیش تخت بایستاد و موبدان و بزرگان حاضر آمدند آنگه موبد نوشیروان بیامد و مزدک
را گفت بحث تو پرسی یا من مزدک گفت چون سائل تو خواهی بود من مسئول پس تو اتحاں

کہ منم و من آنجا رو دم کہ تو ئی مزدک خجل شد و گفت ملک مرا اینجا نشاندہ است تو سؤال کن
تا من جواب دہم موبد گفت[1] مال مباح کردہ و این رباطہا و پلہا و آتشکدہا و خیرات کہ بکنند
از جہت آن جہان میکنند بگفت بلی گفت چون مال یکدیگر مباح گردد و خیرات کنند مزد آن
کرا بود مزدک از جواب فروماند دیگر گفت تو زنان را مباح کردہ چون زن آبستن شود و بزاید فرزند کرا
باشد مزدک فروماند دیگر گفت این ملک کہ بر تخت نشستہ است و پادشاہ است و پسر ملک فیروز
است و پادشاہی از پدر میراث دارد و ملک فیروز ہمچنین از پدر میراث داشت چون دہ مرد
با زن ملک...... د فرزندی بیارد و آن فرزند از قبل کہ باشد نسل ملک بریدہ باشد چون
نسل بریدہ گشت نہ از پادشاہی تخمہ ماند و مہتری و کہتری در توانگری و درویشی بستہ است

---

[1] فردوسی نے ذیل کے اشعار میں یہ مباحثہ لکھا ہے۔

چنین گفت موبد بہ بیش گروہ | مزدک کہ ای مرد دانش پژوہ
یکے دین نو ساختی در جہان | نہادی زن و خواستہ در میان
چہ داند پدر کش کہ باشد پسر | پسر ہمچنین چون شناسد پدر
چو مردم برابر بود در جہان | نباشند پیدا کہان از مہان
کہ باشد کہ جوید در کہتری | چگونہ توان ساختن مہتری
کہ باشد مرا و ترا کارگر | چو مردم جدا ماند از بہتر
ہمہ کدخدایند و مرد ور کیست | ہمہ گنج دارند و گنجور کیست
جہان زین سخن پاک ویران شود | نباید کہ این بد بایران شود
زدین آوران این سخن کس نگفت | تو دیوانگی دارے اندر نہفت
ہمہ مردمان راند و تلخ برسے | ہمہ کار بد را بہ بدگستری
چو بشنید گفتار موبد قباد | بر آشفت و اندر سخن داد داد

چون مرد درویش باشد او را رحمت باگریه در بایست خدمت و مرد دوری توانگری باید کرد
وچون ان مباح کرد دختری دکتری از جهان برخیزد و یاد ساری اهل تو دو آدمی او تمامی
از جا ماں ملوک عجم بعماری مردک هیچ گفت وخاموش ماند قباد گفت خواهش از وه گست
خواهش آنست که هم اکنون نوای اگر دلش رسد قباد گفت لی حجت گردن کسی نتوان رد
گفت از آتش بر بیم تا چه فرماید که من از خویشتن سخن گویم و مردمان که سست و سیر دل اند مگس
بود بدسا گشتند که از کشتن برست و مردک با قباد دست کرد او را گفت موبد را کس دو فرمان مرد
با خویشتن گفت که امروز خویشتن را از بام و مراتب مسار رست از رعیت و لشکری تدبیر آن کنم
که قباد را از میان بردارم پس تو تیر دان را دو همه محالفان را با ران سپاه که فردا آتشکده روید
تا آتش چه فرماید و دیں حمله برانگیزید چون شب در آمد مردک دو تن را از رمانا ان هم رهبان
خویش خواند و در زحمتند و وعده داد و گفت سما را سپهسالاری رسانم و سوگند ایشان داد
که این سخن با کس گوید و دو شمشیر ایشان داد و گفت که چون فردا قباد و آتشکده با بزرگان
و مومدان آید اگر آتش قباد را کشتن فرماید شما هر دو سک شمشیر ار کشید و قباد را بکشید که
هیچکس با شمشیر در آتشکده نیاید گستند فرماں برداریم۔
روز دیگر بزرگان و موبدان آتشکده شدند و قباد در رفت و موبدو تیر دان را گفت گوئی ا
مردان از جا صگیان تو شمشیر در جامه پنهان کنند و با تو در آتشکده شوند و هر وقت که مردک
آتشکده خواستی شد آن رهی را پیا موختی که در زیر سوراخ چه گوید چون آتشکده شد و این موبد
را گفت تو از آتش بپرس تا با تو سخن گوید موبد بر آتش بپرسید جواب یافت نیں مردک

گفت یا آتش میان ما حکمی بکن و براستی من گواہی دہ از میان آتش آوازی آمد کہ من ازدی باز ضعیف شدہ ام نخست مرا از دل و جگر قباد دہید تا پس سخن گویم کہ چہ باید کرد مزدک راہنماییست شما را براہ ہای جاودانی آنجہانی پس مزدک گفت آتش را ز ور دہید و دہ مرد شمشیر کشیدہ آہنگ قباد کردند موبد نوشیروان را گفت در باب پدر را آن دہ مرد شمشیر کشیدند و پیش آن دو مرد باز شدند و نگذاشتند کہ او را بکشد و مزدک ہمیگفت کہ آتش بفرمان یزدان میگوید مردم دو گروہ شدند بعضے گفتند قباد را زندہ یا مردہ در آتش افگنیم و گروہی گفتند درین تامل کنیم در آخر آن روز باز گشتند قباد گفت گر از من گناہی در وجود آمدہ است کہ آتش روزی از من میخواہد پس با آتشش بدین جہان سوختہ شوم بہ کہ بدانجہان۔

دیگر بارہ موبد با قباد خلوت کرد و از موبدان و پادشاہان گذشتہ سخن گفت و از ہر کسی دلیل آوردہ حجت نمود کہ مزدک پیغامبر نیست و دشمن خاندان ملوک ست و دلیل برین کہ اول قصد نوشیروان کرد و ظفر نیافت قصد خون تو کرد و اگر من تدبیر نکردہ بودمی امروز ترا ہلاک کردہ بودے و تو چہ دل دران می بندی کہ از آتش آواز می آید من چارہ کنم کہ این نیرنگ را نیز بکشاییم و ملک را معلوم می گردانم کہ آتش سخن نمیگوید با کسی دیگر و ملک را چنان کرد کہ از کردہ پشیمان شد گفت نوشیروان را خرد میپندار او بر ہمہ جہان فرمان دہد و ہر چہ رای او بیند تو ازان مگذر اگر خواہی کہ ملک در خاندان تو بماند نہان دل ہیچ با مزدک پیدا مکن پس موبد نوشیروان را گفت جہد آن کن کہ از خدمتگاران مزدک یکی را بدست آری و او را بمال بفریبی تا احوال آتش را معلوم گرداند یکبارگی شک از دل پدرت خیزد۔

ومزدک برکرسی و هریک از موبدان سخن گفتند موبد پارسی گفت مرا عجب آمد از سخن گفتن آتش
مزدک گفت از قدرت این عجب نیست نه بینی که حضرت موسی علیه السلام از پارهٔ چوب اژدها
شود واز پارهٔ سنگ دوازده چشمهٔ آب روان کرد وگفت یارب فرعون را با همه لشکرش آب
غرقه کن خدای تعالی غرق کرد وزمین بفرمان او کرد تا گفت ای زمین قارون را فرو برد
عیسی علیه السلام مرده را زنده کرد این همه آنست که در قدرت آدمی نیست خدا میکند مرا نیز
فرستاده است وآتش را بفرمان من کرده آنچه میگویم وآتش میگوید بفرمان برید والا عذاب
خدای تعالی در شما رسد وهمه را هلاک کند موبد پارسی برپای خاست وگفت مردی که او سخن از
خدای تعالی وآتش گوید وآتش در فرمان او باشد من جواب ندارم ومرا جز باشم بیش ازین
دیری نه کنم من رفتم شما دانید پس موبد رفت وراه پارس برگرفت وقباد از بارگاه برخاست
وموبدان بازگشتند ومزدک شاد شد وبآتشکده رفت که هفت روز خدمت آتش کند چون شب
در آمد قباد ونوشیروان را بخواند وگفت موبد رفت ومرا بتو حوالت کرد که نفی کردن این مذهب
را تو کفایت باشی تدبیر این کار چیست نوشیروان گفت اگر خداوندگار این شغل بمن بازگذارد
وبا کس نگوید تدبیر این کار بکنم وبوجهی بسر برم چنانکه مزدک ومزدکیان را از جهان گم کنم قباد
گفت من این معنی جز با تو نخواهم گفت نوشیروان گفت موبد پارسی رفت واصحاب مزدک
شاد شدند وقوی دل گشتند هرچه ما بعد ازین با ایشان سگالیم رد باشد ومزدک را کشتن
آسان ست لیکن تیغ او بسیار اند چون او را بکشتم مزدکیان بگریزند وپراگنده شوند ومردمانرا
دعوت کنند وجایگاهی بدست آرند وما را ومملکت ما را کار دهند ما را تدبیری باید کرد چنانکه

ملاحظه

سکبار گشته بود و یک تن از ایشان زنده نماند و جان از شمشیر ما سر ندا قباد گفت چه رای
می بینی اندرین کار نوشیروان گفت مدبیر آنست که چون مردک از آتشکده بیرون آید پیش
ملک آید مرتبت افزاید و گرامی تر از آن دارد که داشت ما او در خلوت گوید که نوشیروان در
بارگه و مدبیر جنگ بسیار برم برگشت و رای دارد که سو گردد و از آنچه گفت پشیمان شد چون سرهفته
بگذشت مردک پیش قباد آمد او را گرامی کرد و تواضع نمود بحد و حدیث نوشیروان بران خلوت
گفت مردک گفت مهر مردان چشم و گوش باشارت او میدارند چون درین مذهب آمده
جهان این مذهب مگر بدوش آتش را تسبیح کردم تا یزدان این مذهب او را روزی کند۔
قباد گفت نیک کردی که ولیعهد من ست و لشکر و رعیت او را دوست میدارند و هر وقت که
او درین مذهب درآید هیچکس را سخن نماند من از برای او بسیار اندیشه کنم و مرا اکنون که
درین کم چیا کمله را تمام روشن تر باشد چنانکه آفتاب از هر ردیف کو شکی بدید مردک
گفت تو مدتی دو ماه بدعا کنم و امیدم واثق ست که یزدان مستجاب کند چون شب درآمد
هرچه رفته بود باد داد نوشیروان گفت نوشیروان بخندید و گفت چون سرهفته گردد و ملک
مردک بخواهد او را گوید که نوشیروان دوش خوابی دیده است و ترسیده و بامدادگاه پیش
من آمد و گفت در خواب چنین دیدم که آتشی عظیم قصد من کردی و من بیاری همی جستمی تحصیلی
سخت خوب پیش من آمدی من او را گفتمی این آتش از من چه خواهد گفتی آتش با تو خشم دارد
که تو او را دروغ زن آوری گفتم تو چه میدانی گفت سروش سالار همه چیز آگاهی باشد از خواب
درآمدم اکنون آتشکده خواهم شد و چیزی مشک و عود و عنبری بردم با سوز دود و سه روز

مر آتش را خدمت کند و یزدان را ستایش کند پس قباد با مزدک ہمچنین کرد و مزدک عظیم شاد گشت
چون یک ہفتہ ازین حدیث بگذشت نوشیروان پدر را گفت مزدک را بگو کہ نوشیروان با من
گفت کہ مرا درست شد کہ این مذہب حق ست و مزدک فرستادۂ یزدان ست ولیکن می ترسم کہ
مردمان بیشتر مخالف مذہب اند نباید کہ بر ما خروج کنند و بتغلب مملکت از ما بربندکا نشکی بدانی
کہ عدد مردم کہ در مذہب اند چندست و چہ کسانی اند اگر قوتی دارند و بسیار اند من نیز درآیم وگرنہ
صبر کنم تا زور گیرند و بسیار شوند و ہرچہ ایشان را در باید از برگ و سلاح بدہم آنگاہ بقوتی تمام این
مذہب آشکارا کنم و بہ شمشیر و بقہر در مردم کنم اگر مزدک بگوید عددی با بسیار شدہ است گو عدد را
جریدہ کن و اسامی ایشان بنویس تا ہیچ کس نماند کہ من ندانم مزدک ہمچنین کرد و پیش قباد آورد و
بشمردہ دوازدہ ہزار مرد برآمد از شہری و لشکری قباد گفت من امشب نوشیروان را بخوانم و
جریدہ برا و عرض کنم و نشان آنکہ در این مذہب آمد آنست کہ ہر حال بفرمایم تا کوس و بوق زنند
و آوازہ چنان بیرون افگنم کہ چون تو بسرای خویش باشی و آواز بوق و دہل بشنوی بدانی کہ نوشیروان
ایمان آوردہ چون مزدک باز گشت و شب در آمد قباد نوشیروان را بخواند و جریدہ بوی نمود و
گفت کہ با وی برین وجہ نشان نہادہ ام نوشیروان گفت سخت نیک آمد بفرمائی تا کوس زنند
و فردا کہ مزدک را بینی بگو کہ نوشیروان بتو ایمان آورد و سبب آنکہ مردم و جریدہ بدید اگر پنج ہزار
بودی کفایت نبود اکنون دوازدہ ہزار مرد دارد باکی نبود اگر ہمہ عالم خصم باشند چون ہر سہ
با ہم باشیم باک نیست چون پاسی از شب بگذشت مزدک بانگ کوس و بوق شنید خرم شد
گفت نوشیروان بگروید دیگر روز مزدک بہ بارگاہ آمد قباد ہرچہ نوشیروان گفتہ بود با مزدک گفت

وتیروان پیش پدر آمد و پدر و مردک گفت همه را خلعت پوشانیدم و در میدان آراسته
پیاده اند و تیر و نظاره کنند تا هر کس ریتی ازین جو تر پدید آید قباد و مردک هر دو برخاستند و
بودند آن سرای سه در داشت سرای سه در میدان سه در چون میدان آمد نگاه کرد همه میدان
سرتاسر پا دیده بود و تیروان روی مردک کرد و گفت لشکری را که پیش روی تو آمدی
خلعت ایشان ازین بهتر بود اند تو آمدی که آن وقت ما همه ساده بی پادشاهی از خانه ما رون
بری تا آن همه خلعت را بیم در میدان دو کانی بسته فرموده بود و چاهی ژرف دوکان کنده
فرموده تا مردک را سرنگون درین چاه کردند و خاک برانباشتند و گفت ای مردک درگرویدگان
خود نگر و نظاره میکن و پدر را گفت دیدی رای فرزانگان اکنون مصلحت تو در راست که چندی
در خانه بنشینی تا مردم ولشکر بیار آسودند که این فساد از سست رای تو برخاست پدر را در خانه
بنشاندند و مردم روستا که از هر جا به گردن آمده بود بدوست ما رواستند و در میدان
کشاوند مردم شهر و ولایت ولشکر در آمدند و نظاره کردند و نوشیروان پدر را بر سریر نشاند و
بزرگان را بخواند و گفت سلطنت ساده سست دوست ما و دو بهتر برکشادند و این حکایت
در روی یادگار بماند تا خداوند عقل بخوانند و یاد گیرند۔

ترجمہ عبارت فارسی یہ چند اوراق مخالفین مذہب اسلام کے خروج کی تاریخ میں لکھتا ہوں تاکہ ناظرین
کو معلوم ہو جائے کہ دولت سلجوقیہ میں کسقدر رہزن ہوئی (خصوصاً خداوند عالم اور اُسکے خاندان اور
اولاد پر) اور کسقدر اُسکی خیرخواہی کا دم بھرا ہوں
حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے آج تک ہر عہد میں خوارج کا زور رہا ہے اور دنیا کے کسی کسی

شہر سے انھون نے بادشاہون اور پیغمبرون پر خروج کیا ہے۔ اس گروہ سے زیادہ کوئی منحوس اور بدکار نہین سمجھا جاتا ہے۔

یہ وہ لوگ ہین جو اس سلطنت کے **بدخواہ ہین** اور مذہب مین فساد اُٹھانا چاہتے ہین اور ہر وقت اسکے منتظر ہین کہ سلطنت کو صدمہ پہونچے۔ اگر خدانخواستہ دولت قاہرہ پر کوئی وقت پڑ جائے تو یہ سگ ناپاک گھات سے نکلکر سلطنت پر حملہ آور ہونگے۔ اور جہانتک ہوسکیگا فساد و بدعت اور قیل و قال مین کچھ اُٹھا نہ رکھینگے۔ ظاہر مین اسلام کا دعوی کرتے ہین اور باطن مین پورے کافر ہین۔ خدا کی اُنپر لعنت ہو جنکا باطن ظاہر کے خلاف اور جنکا قول عمل کے برعکس ہو اسلام کے حق مین اُنسے زیادہ کوئی دشمن قابل نفرین نہین ہے۔ اور نہ دولت سلجوقیہ کا کوئی اُنسے بڑھکر دشمن ہے۔ جو لوگ اس سلطنت میں کمزور ہین اور فرمانبرداری کا دعوی کرتے ہین وہ یہی ہین اور اس گروہ سے میل جول کر کے اپنے بل پر اُنکو دعوت دیتے ہین۔ اور خداوند عالم کو اُبھارتے ہین کہ آل عباس کا خاندان مٹا دیا جائے۔ اگر مین اس طلسم کی پردہ کشائی کرون تو معلوم نہین ہے کہ کیا کچھ رسوائی ہو؟ لیکن چونکہ اس مجمع سے مالی فائدہ ہوا ہے اسلیے مین چاہتا ہون کہ اُکی مالی کارگزاری دکھاؤن۔ ان لوگون نے سلطان کو مال پر حریص بنا رکھا ہے اور مجکو خود غرض کہتے ہین گو میری نصیحت اسوقت نہ سُنی جائے گر انکا مکر و فریب اُسوقت کُھل جائیگا کہ جب مین موجود نہونگا۔ اور جب میری خیرخواہی کا اندازہ ہوسکیگا۔ اور یہ بھی معلوم ہوگا کہ اس گروہ کے دریافت حال سے مین غافل نہین رہا ہون اور اکثر اوقات اس گروہ کے حالات عرض کرتا رہا ہون۔ اور کبھی کوئی واقعہ چھپا یا نہین گیا ہے؟ البتہ جب مین نے دیکھا کہ میری عرض داشت قبول نہین ہوتی ہے تب مین بھی چپ ہو رہا لیکن تمہم باشان

بنیاد ڈالنی چاہی۔ اور اِس تحریک کا باعث یہ تھا کہ مزدک کو علم نجوم مین کمال تھا۔ اور سیارون کی چال سے اسنے یہ نتیجہ نکالا تھا، کہ اس عہد مین ایک شخص ایسا پیدا ہونے والا ہے جس کا مذہب

(بقیہ صفحہ ۹۶) عقائد مزدک کا قول ہے کہ جہان کے دو صانع ہین ایک خیر کا فاعل ہے اور وہ نور محض ہے جسکا نام یزدان ہے۔ یہ سلاطین کی طرح کرسی پر بیٹھتا ہے۔ دوسرا شر کا فاعل ہے اور وہ ظلمت ہے۔ جسکو اہرمن کہتے ہین۔ چنانچہ یزدان اور اہرمن ہر وجود کی علت ہیں۔ نور کے تمام اعمال اختیاری اور ظلمت کے اتفاقی ہیں۔ یزداں نے عقول، نفوس، آسمان، کواکب، ہشت عناصر، معادن، اشجار میوہ دار، حیوانات اور انسان کو پیدا کیا ہے۔

آگ کا جلانا، پانی کا کشتی کو ڈبو دینا، جانداروں کا لوؤں کی لپیٹ سے جلکر خاک سیاہ ہو جانا اور ہر قسم کی جسمانی تکلیف دینا۔ غرضکہ اہرمن کی کرتوت اسی قسم کی ہین۔ اور عالم عنصری کی حکومت اُسکے ہاتھ میں ہے اہرمن کی تمام مخلوقات فانی ہے۔ اور یزدان حیات جاودانی بخشتا ہے عبادت کا سزاوار صرف یزداں پاک ہے۔

مسئلہ قیامت مین مزدک کا قول ہے کہ جب ظلمت سے نور کے اجزا علیحدہ ہو جائینگے اور پرانی ترکیب بدل جائے گی اُسوقت قیامت آجائیگی۔

اس عالم مین (عالم فردین) یزداں کی چار قوتین ہین۔ اوّل مارکستار (قوت تمیز) دوم یادہ (قوت حافظہ) سوم (۱) (قوت فہم) چہارم سور (بہجت و سرور) اور ان قوتون کا عملدرآمد چار شخصون کی ذات سے ہوتا ہے اور وہ یہ ہین (۱) موبد موبدان (۲) ہیربد ہیربدان (۳) سپہبدان (۴) رامشگران۔ پھر ان چار طبقۂ اعلی کے سات رکن اور ہین جو عزت و مرتبہ میں اُنسے کمتر ہین یعنی سالار، پیشکار، بانو، وسیران، کاردان، دستور، کودک۔ پھر یہ سات عالم ملکر بارہ روحوں پر حکومت کرتے ہین۔

خوانندہ۔ دہندہ۔ ستانندہ برندہ خورندہ۔ دوندہ پرندہ۔ کشندہ۔ زنندہ۔ آیندہ۔ شوندہ۔ پایندہ۔

جب کسی انسان مین یہ تینتیس قوتین مجموعی طور پر جمع ہو جائین تو عالم سفلی مین اُسکا نام پروردگار اور رب ہی اور وہ تمام تکالیف سے چھوٹ جاتا ہے گویا کمال کا یہ وہ درجہ ہے کہ جس مرتبہ پر پہونچکر اس ذات کو دیبی دیوتا، گاڈ رب النوع وغیرہ سمجھنے لگتے ہین (ہندوستان اور یونان بھی اسی قسم کے خیالات سے مالامال ہے) جدال وقتال سے نور بیزار اور اہرمن خوش ہوتا ہے اور تمام مفاسد کی بنیاد زن اور زر ہے (باقی آیندہ)

آتش پرستوں، یہودیوں، عیسائیوں اور بت پرستوں کے مذہب کو باطل کردیگا اور اپنے معجزات
اور طاقت سے مذہب کی اشاعت کریگا اور اُسکا مذہب قیامت تک باقی رہیگا اسلئے مزدک کی
خواہش ہوئی کہ وہ ہونے والا شخص میں خود ہی کیوں نہ بن جاؤں؟ لہٰذا اُس نے غور کرنا شروع کیا کہ کیونکر لوگوں کو
مذہب کی دعوت کروں اور ایک نیا مذہب ایجاد کروں تاجدار نے دیکھا تو بادشاہ کی
مجلس میں اپنے تئیں معزز و محترم پایا اور لوگ بھی سب اُسکو عزت کی نظر سے دیکھتے تھے کیونکہ
پیغمبری کے دعوے سے پہلے اُسکے رذیل خیالات کسی نے اُسکی کوئی بات بری نہیں سنی تھی اسلئے اُسنے
اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ وہ ایک مخفی جگہ سے سرنگ لگائیں چنانچہ اُنھوں نے آہستہ آہستہ
اس کام کو ختم کر دیا اور ٹھیک آتشکدہ کے نیچے ہو کر اُس میں ایک باریک سوراخ کر دیا اسکے بعد
مزدک نے پیغمبری کا دعویٰ کیا اور یہ اعلان کیا کہ میں اسلیے مبعوث ہوا ہوں کہ زردشت کے

(صفحہ ۹۷) اسلئے ہر کسی کی حاجت روائی کے واسطے عورتوں کو آزاد مطلق کر دینا چاہیے اور جس طرح آگ پانی ہوا کی
دھرم میں تمام آدمی شریک ہیں اسطرح مال میں بھی سب کا حصہ برابر ہونا چاہیے مزدک نے گوشت خواری کو
حرام کر دیا تھا فساد کی وجہ سے اشاعت مذہب میں بڑی ترقی ہو گئی تھی اور عام طور پر بھی خاص
کوشش اسکی اشاعت کے واسطے کی گئی تھی چنانچہ خسرو کا امور سرکار سے [illegible]
اسی حکومت سے اسلئے معزول کر دیا گیا تھا کہ اُسنے مزدک کا مذہب قبول نہیں کیا تھا مگر نوشیرواں نے تخت
اور سلطنت پر بیٹھتے ہی موبدوں کی رائے سے مزدک کا قطعی استیصال کر دیا ایک لاکھ مزدکی صرف ایک دن میں قتل
ہوئے اور سرداران و مالک کے ملازم ہزاروں کو پھانسی دی گئی اور کامل سلطنت کے عہد میں اصلی شوہروں کو
واپس ہوئیں اور اسی طرح مال و اسباب بھی واپس ہوا (ناسخ التواریخ جلد دوم صفحہ ۴۰۳ ۔ ۱۰ و فرہنگ
انجمن آرائے ناصری ملل و نحل شہرستانی صفحہ ۱۱۰ جزو اول مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۱۷ھ دو لسان [illegible] مطبوعہ
ملل و نحل مطبوعہ مصر صفحہ ۲۰ حاشیہ الفصل)

مذہب کی تجدید کروں۔ کیونکہ لوگوں نے استا اور زند کے معنی بھلا دیے ہیں اور یزدان کے احکام کی ٹھیک تعمیل مطابق ہدایت زردشتؑ کے نہیں کرتے ہیں۔

ملہ زردشت منوچہر بن ایرج بن فریدون کی نسل سے ہے اور فردوسی کی روایت کے موجب زردشت پینتیس (۳۵) واسطوں سے آدم تک اسکے نسب کا سلسلہ چلتا ہے۔ زراتشت، زرتشت، زرہشت کے نام سے بھی مشہور ہے لیکن اصلی نام "سیستان" ہے زردشت کا باپ پورشسب بن پیترسپ آذربائیجان کا باشندہ تھا۔ اور اسکی ماں خاندان فریدون سے تھی جسکا نام "دغد" یا "دغدویہ" تھا۔ اور فرہنگ میں زردشت کے معنی حسب ذیل ہیں آزیدہ اول، نفس کل، نفس ناطقہ، عقل اول، فلک عطارد، نور مجرد، عقل فعال، رب النوع، راست گو، یزدان، نام حضرت ابراہیمؑ، دخشور سیمیاری (پیغمبر مرگوی) اور اہل عجم اپنے عقیدے کے مطابق اسکو اپنا پیغمبر کہتے ہیں۔ لیکن اسمیں کوئی شبہ نہیں ہے کہ وہ اپنے زمانہ کا ایک مشہور حکیم تھا۔ اُسپر جو کتاب (بخیال اسکے) آسمان سے اتری تھی اُسکا نام اَوِستا تھا۔ یہ کتاب قدیم پہلوی میں تھی زردشت نے خود اُسکا ترجمہ کیا اور اُسکا نام پاژند رکھا اور دوسری کتاب کا نام زند (زند) تھا اُسکے دو حصے ہیں جو احکام مطابق کتاب مہ آباد کے ہیں اُسکا نام "بہ زند" ہے اور جو اُسکے مخالف ہے اُسکا نام "کہ زند" ہے۔ اور انھی کتابوں کو وہ اپنے معجزے کے اظہار میں پیش کرتا تھا پھر موبدوں نے پازند کی شرح لکھی جسکا نام یاردہ تھا۔ اور ایک دوسرے موبد نے جسکا نام آذر بردہ تھا زند اور پازند سے احکام انتخاب کرکے ایک کتاب (مشتمل صد در) تیار کی اور اسکا نام "صد در" رکھا جیسا کہ کسیکا قول ہے

زراتشت بنگر چہ دیں پرور است ... کہ در شہر علمش رہ از صد در است

مجوسی اس تمام سلسلہ کو آسمانی اور وحی الٰہی خیال کرتے تھے۔ یہ شرح الشرح تو سکندر کے ہاتھوں برباد ہوگئی لیکن اَوِستا اور زند اور پازند کا سلسلہ جابجا رہ گیا۔ اور وہی مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ اوستا میں کل ۲۱ سورتیں تھیں اور ہر سورت تقریباً چار چار سو صفحوں پر لکھی جاتی تھی۔ ان سورتوں میں سے ایک سورت کا نام جستر شت تھا جسمیں دنیا کے آغاز اور انجام کا حال بیان کیا گیا ہے۔ ایک سورت کا نام ہادوخت تھا جسمیں نصائح اور پند تھے۔ چنانچہ مورخ مسعودی نے تصریح کی ہے کہ چوتھی صدی کے آغاز تک یہ کامل نسخہ موجود تھا۔ اور سیستان میں ایک شخص کو یہ کتاب تمام وکمال حفظ یاد تھی۔ اوستا کا ترجمہ عربی زبان میں ہوا اور چوتھی صدی کی تصنیفات میں اس عربی ترجمے کے حوالے ہوتے تھے۔ (باقی آیندہ)

اور اُسکی مثال یہ ہے کہ جب بعض افرادِ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے احکام (جو توریت مقدس کے مطابق تھے) کے خلاف عمل کرنے لگے تب خدا نے ایرمیا دوسرا پیغمبر بھیجا کہ وہ توریت مقدس کے احکام کی تجدید کرے اور گمراہوں کو سیدھے رستے پر لے آئے" چنانچہ جب یہ خبر قباد کے کانوں تک پہونچی تب اسنے دربار میں بزرگانِ قوم اور علماء مذہب کو جمع کیا اور سب کے سامنے مزدک سے اسطرح گفتگو شروع کی۔

قباد کیا تو پیغمبری کا مدعی ہے؟ **مزدک** ہاں اور میں اسلیئے بھیجا گیا ہوں کہ زردشت کے مذہب میں جو آمیزش ہوگئی ہے اُسکو صاف کرکے اصلی حالت پر لے آؤں اور زند و اوستا کی صحیح تفسیر کروں کیونکہ آج جن معانی پر عملدرآمد ہے تو بالکل غلط ہیں

قباد کوئی معجزہ بھی رکھتے ہو؟ **مزدک** میرا معجزہ یہ ہے کہ آگ کہ جسکا تم سجدہ کرتے ہو وہ مجھسے باتیں کرتی ہے اگر میں خدا سے عرض کروں تو وہ آگ کو حکم دیگا کہ میری پیغمبری کی گواہی دے اور

لہ صفحہ ۹۹ اشکانیہ کے چوتھے سن جلوس ۲۴۹ قبل ولادت مسیح میں زردشت عاصر ہوا اور مولد اور [illegible] اور اظہار معجزات کے بعد گشتاسپ ایمان لایا اور گورنمنٹ ایران کی مدد سے اشاعت مذہب میں زیادہ کوشش کی [illegible] اسفندیار پسر گشتاسپ کے عہد میں بھی زردشت کا عروج ہوا اور اطراف سلطنت میں آتشکدے بنائے گئے چنانچہ آذر [illegible] اس میں ملک توریت ہندوستان روم عرب چین میں آتشکدے تیار ہوگئے صرف السنان اور سیستان کا [illegible] کیونکہ رستم [illegible] اسفندیار رستم کی [illegible] اور جنگ و جدل کا [illegible] ایک سو ستر برس کی عمر میں ہنگامہ ارجاسپ میں تور براتور ایک تورانی پہلوان کے ہاتھ سے زخمی ہوکر فوت ہوا [illegible] صفحہ ۲۲۲ طبوعہ [illegible] صفحہ [illegible] طبوعہ [illegible] صفحہ ۷۷ [illegible] صفحہ ۱۱ [illegible] صفحہ ۱۴۱ رسائل شبلی نعمانی صفحہ ۲۴۲

یہ شہادت علیٰ رؤس الاشہاد ہوگی" مزدک کا یہ دعویٰ سنکر قباد نے موبدون سے پوچھا کہ اس مسئلہ
مین تم کیا کہتے ہو" موبدون نے کہا کہ "سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ مزدک ہمارے ہی دین اور
کتاب کی دعوت کرتا ہے اور زردشت کا مخالف نہین ہے۔ البتہ ژند اور اُستا کی تفسیر مین گفتگو
ہے کیونکہ اکثر آیتون کی مین طرح سے تفسیر ہوسکتی ہے اور مفسر کو تاویل کریکا اختیار ہے۔ اور یہ
ہوسکتا ہے کہ مزدک کسی آیت کی تفسیر دلکش پیرایہ سے کرے لیکن تعجب تو یہ ہے کہ وہ ہمارے معبود
کو گویا کرسکتا ہے جو انسان کی قدرت سے باہر ہے" موبدون کی تقریر سنکر قباد نے مزدک سے
کہا کہ "اگر یہ سچ ہے تو مین خود تیری پیغمبری کی گواہی دونگا" مزدک نے کہا کہ "اگر شاہنشاہ پورا
وعدہ کرے اور کسی دن آتشکدے پر مع اعیان دولت اور موبدون کے قدم رنجہ فرمائے تو میری
دعا سے خدائے عزوجل آگ کو گویا کر دیگا۔ اور اگر شاہنشاہ کو منظور ہو تو یہ آج ہی بلکہ اسی وقت
ہوسکتا ہے" لیکن قباد نے کہا کہ ہم سب کل آتشکدے پر جمع ہونگے۔ دوسرے دن مزدک نے اپنے
تعلیم یافتہ مرید کو سُرنگ کے راستے سے آتشکدے کے نیچے بھیجدیا۔ اور اسکو سمجھا دیا کہ جب مین
بلند آواز سے یزدان کو پکارون تب تو روزن کے نیچے سے جواب دینا کہ "اے یزدان پرستو!
مزدک کے احکام کی تعمیل کرو کیونکہ تمھارے حق مین سعادتِ دارین یہی ہے" چنانچہ دوسرے
دن شاہنشاہ قباد اکابرینِ مذہب اور معززین کے ہمراہ آتشکدے پر گیا اور مزدک کو بھی بلا بھیجا
وہ حاضر ہوا اور آتشکدے کے دروازے پر کھڑے ہو کر اُسنے اونچی آواز سے یزدان کو پکارا اور
زردشت کی تعریف کرکے خاموش ہو رہا۔ چنانچہ آتشکدے سے وہی صدا آئی (جسکو مین اوپر بیان
کر چکا ہون) جسکو سب نے اپنے کانون سے سُنا اور حیرت زدہ رہگئے۔ اور قباد نے ارادہ کر لیا کہ

مزدک کا مرید ہو جائے جو سکہ اُسکے رب سے لوٹ کر قباد نے مزدک کو طلب کیا اور پھر آہستہ آہستہ اُسکا
درجہ بڑھایا اور آخر کو مذہب مزدکیہ میں داخل ہو گیا اور مزدک کے واسطے ایک طلائی کار کرسی
بنوائی گئی جب دربار عام ہوا تو تخت کے وہ مرصع کرسی بچھائی جاتی اور امیر مزدک جلوہ فرما ہوا
اس موقع پر مزدک بادشاہ سے بلندی پر بٹھایا جاتا اب کچھ دلی ارادت سے اور کچھ شہنشاہ
عجم کی خاطر سے مذہب مزدکیہ میں داخل ہوتے جاتے تھے اور شہر و دیہات کی خلقت دارالسلطنت
میں آکر علانیہ یا خفیہ طور سے دائرہ مزدکیہ میں شامل ہوتی جاتی تھی۔ مگر موبد سپاہی کم متوجہ ہوئے
تھے اور سلطنت کے دباؤ کی وجہ سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتے تھے اور موبدوں کا گروہ بھی اب تک
الگ تھا اور اس انتظار میں بیٹھے تھے کہ دیکھیے اس داستان سے کیا ظاہر ہوتا ہے اور چونکہ خود بادشاہ
نے مذہب مزدکیہ اختیار کر لیا تھا اس وجہ سے جوق جوق لوگ اس مذہب کو قبول کر کے ایک دوسرے
کے مال و دولت پر قابض ہوتے جاتے تھے مزدک کا قول تھا کہ دولت میں سب کا حصہ ہے
اور دلیل اس بات پر یہ تھی کہ سب اللہ کے بندے ہیں اور ایک ہی آدم کی اولاد ہیں پھر وہ
کیوں محتاج رہیں؟ سب کو چاہیے کہ مل جُل کر صرف کریں تاکہ کوئی محتاج نہ ہو اور سب کی حالت
یکساں رہے جب بادشاہ نے تقسیم دولت کے مسئلہ کو تسلیم کر لیا اور اُس کے عملدرآمد پر رضامند
ہو گیا تب مزدک نے اعلان کیا کہ عورتوں کو بھی سکہ رائج سمجھو اور باہمی ملاقاتوں سے میل جول
پیدا کرو تاکہ لذت شہوانی اور خواہشات دنیاوی سے محروم نہ رہو اور باب مراد سے یکساں
کھلا رہے غرضکہ صرف زن اور زر کی بابت سے مذہب مزدکیہ میں اکثر لوگ داخل ہوتے
جاتے تھے خصوصاً عوام الناس۔

جب نوشیروان نے یہ رنگ دیکھا تو موبدون کو پیغام دیا کہ تم لوگ اسقدر خاموش کیون ہوگئے ہو اور کیون ایسا عجز اختیار کر لیا ہے۔ مزدک کے معاملات مین نہ تو تم کچھ گفتگو کرتے ہو اور نہ میرے باپ کو نصیحت کرتے ہو کہ وہ کن حالون مین گرفتار ہو رہا ہے؟ اور تم خود بھی اس مکار اور حیلساز کے پھندے مین پھنسے ہو۔ یہ سگِ ناپاک لوگون کا مال تلف کیے ڈالتا ہے اور عورتون کی عفت کا پردہ اُٹھا دیا ہے آخر کچھ بولو کہ مزدک کے یہ دعوے کس بنیاد پر ہین۔ اور اگر ایک عرصے تک تم ایسے چپ سادھے بیٹھے رہے تو یاد رکھو کہ مال و دولت کے ساتھ تمھاری عورتین بھی تشریف لیجائینگی۔ اور ہمارے خاندان سے سلطنت رخصت ہوگی۔ لہذا تم سب شاہنشاہ کی حضور مین جاؤ اور واقعات دکھلا کر نصیحت کرو اور مزدک سے مناظرہ کرو دیکھو کہ وہ کیا دلائل پیش کرتا ہے اور ملک کے نامور لوگون سے یہ کہلا بھیجا کہ میرا باپ سودائی ہوگیا ہے اور اُسکی عقل جاتی رہی ہے وہ اپنے بھلے کو بھی نہین جانتا ہے لہذا آپ اُسکا علاج کیجیے تاکہ وہ مزدک کے کہنے سننے پر عمل نہ کرے۔ اور آپ بھی اُسکی باتون پر فریفتہ نہو جائین کیونکہ وہ سچائی پر نہین ہے اور یہ ظاہر ہے کہ حق کے مقابل مین باطل کو بقا نہین ہے۔ اور اگر آج غفلت ہوئی تو کل کچھ فائدہ نہوگا"

نوشیروان کا پیام سنکر بزرگان قوم خوف زدہ ہوگئے اور جو لوگ جدید مذہب اختیار کرنے والے تھے وہ رُک گئے۔ کہ آؤ دیکھین مزدک کہانتک عروج پاتا ہے اور نوشیروان کے اقوال کس بنیاد پر ہین (اسوقت نوشیروان کی عمر ۱۸ برس کی تھی) اور قباد سے بالاتفاق کہا کہ مزدک کی باتین تو ہمکو نہایت ہی بُری معلوم ہوتی ہین کیونکہ وہ جو کچھ کہتا ہے۔ زمانۂ سلف سے آج تک نہ تو ہمنے کسی تاریخ مین پڑھا ہے اور نہ کسی پیغمبر سے (جو ملک شام مین مبعوث ہوئے ہین) سنا ہے" اسکے جواب مین

قباد نے کہا کہ اچھا مزدک سے ہم خود پوچھ دیکھو وہ کیا کہتا ہے؟ چنانچہ مزدک طلب ہوا اور اُس سے
سوال کیا گیا کہ آپ نے دل حل جو دلائل رکھے ہیں بیان کرو۔ مزدک نے کہا کہ "زردشت نے
بیان فرمایا ہے اور یہی زند اوستا میں لکھا ہے لیکن ان آیتوں کے معنی سے لوگ واقف نہیں ہیں
تو میری بات پر اصرار نہیں ہے لوگ سے مدد تک کر جا کر آسکتے ہیں پھر جمع ہوا اور آوازیں آئیں
کہ حق یہی ہے جو مزدک کہتا ہے۔ کہ جو تم کہتے ہو غرض کہ اس مرتبہ بھی مؤبد متردد ہو کر لوٹ آئے
اور دوسرے دن نوشیرواں سے حال بیان کیا نوشیرواں نے کہا مزدک کا دعوی ہے کہ اُس کا
مذہب تمام اصول میں زردشت کے مذہب کے مطابق ہے البتہ صرف انہیں دو مسئلوں میں ذرا
الگ ہے۔ عرصہ کے بعد قباد اور مزدک میں پھر گفتگو شروع ہوئی جس کی ابتدا یوں ہوئی کہ مزدک کی زبان
سے نکلا کہ اس مذہب میں لطیف خاطر لوگ داخل ہوتے جاتے ہیں اور اگر کہیں شاہزادہ نوشیرواں
بھی شامل ہو جاتا تو پھر کیا کہنا تھا۔ یہ سنکر قباد نے پوچھا کہ کیا نوشیرواں اس مذہب میں نہیں ہے؟ مزدک نے
کہا کہ نہیں چنانچہ نوشیرواں دربار طلب ہوا اور اب دونوں میں اسطرح گفتگو شروع ہوئی۔

قباد۔ بیٹا جان ذرا کہو تو مزدک کا مرید نہیں **نوشیروان** خدا کا شکر ہے کہ میں نہیں ہوں۔

قباد۔ آخر اسکا باعث؟ **نوشیرواں**۔ مزدک ساری خدائی کا جھوٹا اور مکار شخص ہے۔

قباد۔ جو شخص آگ کو گویا کر دیتا ہے وہ مکار کیونکر ہو سکتا ہے؟ **نوشیرواں**۔ اصل میں خاک
و آب و آتش و باد چار عنصر ہیں جو شخص آگ کو گویا کر سکتا ہے اسکو حکم دیجیے کہ وہ بقیہ عناصر کو بھی گویا
کر دے اگر ایسا ہوا تو میں اسکا دل و جان سے معتقد ہو جاؤنگا۔

قباد۔ مزدک کا ہر قول زند اوستا کے مطابق ہے **نوشیروان** کیا یہ مزدک کا قول نہیں ہے

کہ لوگون کی عورتین اور دولت سب پر مباح ہین۔ عہد زردشت سے آج تک کسی مفسر نے یہ تفسیر نہین کی ہے۔ مذہب کو حصولِ زر اور زن کے لیے ایک آلہ بنا لیا ہے اور جبکہ یہ دونون چیزین مباح کردی گئین تو پھر انسان اور حیوان مین فرق ہی کیا باقی رہا؟ اور یہ چلن بھی چوپایون کا ہے کہ وہ خورد و نوش ،، مین یکسان ہین۔ اور کوئی سمجھدار آدمی اس طرح کی زندگی کو پسند نہین کرتا ہے۔ **قباد**۔ خیران باتون کو جانے دو کسی بیٹے کو اپنے باپ کے خلاف نہونا چاہیے۔؟ **نوشیروان**۔ یہ چلن مین نے آپ ہی سے سیکھا ہے میری طبیعت ہرگز ایسی نہ تھی لیکن جب مین نے دیکھا کہ آپ اپنے باپ کے خلاف ہوے تو مین نے بھی آپ کی مخالفت کی۔ اب مین مجبور رہون ؎

جب یہ سلسلۂ کلام یہانتک پہونچا تو مزدک اور قباد نے نوشیروان سے کہا کہ "یا تو کوئی ایسی دلیل پیش کرو جس سے مذہب مزدکیہ کا پورا رد ہو جائے یا کسی ایسے شخص کو لاؤ جسکی حجت مزدک سے زیادہ پر زور ہو۔ ورنہ ایسی سزا دونگا جس سے دوسرون کو عبرت ہوگی" چنانچہ اتمام حجت کے لیے نوشیروان نے چالیس دن کی مہلت مانگی اور وہ درخواست منظور ہوگئی۔ جب مجمع منتشر ہوگیا اور نوشیروان قباد سے رخصت ہوکر واپس آیا تو اُسنے شہر کول[۱] کے موبد[۲] کی خدمت مین ایک قاصد روانہ کیا اور خط مین لکھا کہ "جسقدر جلد ممکن ہوسکے آپ تشریف لائین۔ کیونکہ مجھسے اور والد ماجد سے اور مزدک سے اس قسم کا جھگڑا درپیش ہے" چنانچہ انقضاے میعاد پر قباد نے دربار کیا اور مزدک کو

---

[۱] کول، اصطخر (صوبۂ فارس) کا ایک مشہور قصبہ ہے۔ انجمن آرائے ناصری۔

[۲] موبد (پیشوائے دین یزدان پرستان) اس لفظ کے معنی حکیم اور دانا کے ہین اصل مین یہ لفظ مغوبد تھا یعنی مغون کا سردار اور سالار مخفف ہوکر موبد ہوا" عربی مین اس کا ترجمہ "اعلم العلما" ہے۔ انجمن آرائے ناصری و گنج دانش ؎

دربار میں کرسی پر جو ایک تخت پر بچھی ہوئی تھی بیٹھنے کا حکم دیا نوشیرواں بھی لایا گیا اور مزدک
کے حکم سے قباد نے پوچھا کیا جواب ہے؟ نوشیرواں نے کہا کہ اسی مدت میں دن بھر کر تھوڑے
کہا کہ وقت ہو چکا اور مزدک نے حکم دیا کہ نوشیرواں کو گرفتار کر کے لے ... و جیاجہ لوگ
نوشیرواں سے لپٹ گئے اور قباد مایوس ہو رہا نوشیرواں نے ... تھا اگر کہا کہ سب
اصل میں آخر اسقدر جلدی کیوں کی جاتی ہے جسکا تھا ... بھی پوری نہیں ہوئی
ہے کیونکہ چالیس دن ابھی نہیں گذرے ہیں اگر آج کا دن بھی پو ... ئے سب اللہ آپ کے
اختیار ہے امیر سرداران فوج اور دوسروں نے بھی غل مچایا کہ ہاں ہاں نوشیرواں سچ کہتا ہے
چاہئے قباد کے حکم سے آج نوشیرواں مزدک کے چنگل سے چھوٹ گیا جس وقت نوشیرواں مکان پر
ہو کر جاتا ہے اسی وقت سہرکول[1] کا موبد بھی آپہونچا اور باہر سے خبر کرا کر اطلاع کرائی کہ موبد فارس آگیا ہے
خادم سے یہ خوشخبری سنکر نوشیرواں باہر نکل آیا اور جوش مسرت سے موبد کے لپٹ گیا اور کہا کہ
"آپ سمجھیں گے اس نے آج ہی جنم لیا ہے پھر صبح کا واقعہ بیان کیا موبد نے کہا آپ اطمینان رکھیں
سچ وہی ہے جیسا کہ آپ کہتے ہیں اور مزدک جھوٹا ہے میں آپ کی طرف سے ہر طرح کی وکالت ہی
کرونگا اور قباد کو عقائد مزدکیہ سے منحرف کر دونگا لیکن قبل اسکے کہ مزدک کو میرا آنا معلوم ہو میں بادشاہ
سے ملنا چاہتا ہوں" نوشیرواں نے کہا کہ یہ معمولی بات ہے اور مجلس میں حاضر ہو کر نوشیرواں نے
ملاقات کی اجازت چاہی اور حضور میں ہو چکنے کے بعد دعا و ثنا کے عرض کیا کہ جس موبد کو میں نے فارس
سے مزدک کے مقابلہ کے لیے طلب کیا تھا وہ آگیا ہے لیکن پہلے وہ بادشاہ سے ملنا چاہتا ہے تاکہ مجلس میں

---

[1] سامارہ میں کی سرکار میں موبد کا نام ہمزآد تھا نوشیرواں نے سامنے کے واسطے ایک ہستی کی طلب کی تھی

اُسکی تقریر سنی جائے۔ چنانچہ قباد نے حاضری کی اجازت دیدی اور شب کے وقت نوشیروان موبد کو لیکر حاضر ہوا موبد نے بعد معمولی مدح و ثنا کی قباد کے روبرو اسطرح پر تقریر شروع کی کہ "مزدک مغالطہ مین پڑا ہوا ہے وہ اس کام کی صلاحیت نہین رکھتا ہے مین تو اُسکو خوب جانتا ہون اور اسکی عقل و دانش سے بھی واقف ہون۔ ہان وہ کسی قدر نجوم جانتا ہے۔ مگر اس معاملہ مین جو حکم اُسنے لگا ہے وہ غلط ہے البتہ وہ زمانہ قریب آگیا ہے کہ ایک شخص ظاہر ہوگا اور پیغمبری کا دعوی کریگا۔ اور وہ ایک معجز کتاب بھی پیش کریگا۔ اور طرح طرح کے معجزے بھی دکھلائیگا۔ ماہتاب کو آسمان پر دو ٹکڑے کر دیگا اور تمام دنیا کو سچے مذہب کی دعوت کریگا۔ اور اُسکا مذہب پاکیزہ ہوگا۔ آتش پرستی وغیرہ کو مٹا دیگا دوزخ سے ڈرائیگا اور جنت کا امیدوار بنائیگا اُسکی شریعت مال و حرم کی محافظ ہوگی۔ وہ بندگان خدا کو شیطان سے بچائیگا۔ اُسکی فرشتون سے دوستی ہوگی۔ وہ آتشکدون تیکدون کو ویران کردیگا۔ اُسکا مذہب ساری دنیا مین پھیل جائیگا۔ اور قیامت تک باقی رہیگا۔ زمین و آسمان اُسکی دعوت کی تصدیق کرینگے"۔ مزدک کو اب یہ دھن سوار ہوئی ہے کہ وہ آنے والا پیغمبر مین خود بنجاؤن۔ مگر یہ نہین جانتا ہے کہ وہ عجم کی خاک سے پیدا نہوگا۔ اور مزدک عجمی الاصل ہے۔ اور وہ پیغمبر آتش پرستی سے منع کریگا اور زردشت کا منکر ہوگا۔ مگر مزدک زردشت کا پیرو ہے اور آتش پرستی کو جائز رکھتا ہے۔ وہ پیغمبر کبھی یہ اجازت نہ دیگا کہ لوگ پرائی عورتین تکین یا ناحق کسی کا مال چھین لین۔ وہ چوری کی حالت مین ہاتھ کاٹنے کا حکم دیگا۔ حالانکہ مذہب مزدکیہ مین زن اور زر سب پر مباح کردیے گئے ہین۔ اُس پیغمبر پر آسمان سے وحی نازل ہوگی[1]۔ اور مزدک کا یہ حال ہے کہ وہ آگ سے اپنی تصدیق کراتا ہے بہر حال

[1] اس موبد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ولادت کی نسبت جسقدر پیشین گوئیان کی ہین [illegible]

موبد یہ بادشاہ جو اسوقت تخت پر بیٹھا ہوا ہے حقیقت مین بادشاہ ہے اور شاہ فیروز کا بیٹا ہے اور سلطنت وراثت مین پائی ہے اور یہی حال فیروز کا بھی تھا۔ اب اگر بادشاہ بیگم سے وطی مرد کرین اور فرزند پیدا ہو تو وہ کسکا سمجھا جائیگا اور جب بادشاہ کی نسل منقطع ہو جائیگی تو پھر کوئی اولاد بھی نہوگی بڑائی چھوٹائی (مہتری کہتری) کا حقیقت مین دولتمندی اور مفلسی سے مقابلہ ہوا کرتا ہے۔ جب کوئی محتاج ہوگا تو اسکو ضرور کسی مالدار کی خدمت اور مزدوری کرنا پڑیگی۔ اور جب مال مباح ہو جائیگا تو پھر یہ رشتہ دنیا مین باقی نہ رہیگا اب آپ کا یہ ارادہ ہے کہ شاہنشاہ عجم کے خاندان سے سلطنت کا استیصال کر دیا جائے (مزدک نے کوئی جواب نہین دیا)

قباد (مزدک سے مخاطب ہوکر) موبد کے ہر سوال کا جواب دینا چاہیئے **مزدک** اسکا جواب یہی ہے کہ آپ موبد کے قتل کا حکم صادر فرمائین۔

قباد بغیر حجت کسی کی گردن نہین کاٹنا چاہیئے **مزدک** اچھا مین بطور خود کوئی حکم دینا نہین چاہتا ہون آگ سے پوچھتا ہون۔ اس تقریر سے سب لوگ خوش ہوئے کیونکہ آج نوشیروان کی جان بچ گئی اور مزدک قباد سے رنجیدہ ہوگیا۔ کیونکہ اُسکے حکم سے قباد نے موبد کو قتل نہین کرایا۔ اور اپنے دل کو یون سمجھا لیا کہ آج تو جان بچا لو میرے قبضے مین کثرت لوگ ہین کوئی ایسی تدبیر کرتا ہون کہ جس سے قباد کا خاتمہ ہی ہو جائیگا۔ اور نوشیروان وغیرہ کو اسپر آمادہ کیا کہ کل آتشکدے پر مجمع ہو۔ چنانچہ سب کا اسپر اتفاق ہوگیا اور دربار برخاست ہوا۔

رات ہوگئی تو مزدک نے اپنے راہبون کو بلایا اور انعام دیگر آیندہ سپہ سالاری کا امیدوار کیا اور اُنکو قسم دی کہ خبردار کسی سے یہ حال نہ کہنا۔ اور دو تلوارین اُنکے سپرد کین اور کہا کہ جب

اس واقعہ کے بعد دوسری مرتبہ موبد نے قباد سے پھر تخلیہ کی ملاقات کی اور بار دیتا ہون اور موبدون کا
تذکرہ کیا اور اُنکے حالات سے یہ ثابت کیا کہ مزدک پیغمبر نہین ہے بلکہ سلاطین کا دشمن ہے۔ جسکی دلیل
یہ ہے کہ اول اُسنے نوشیروان پر حملہ کیا جب کامیاب نہوا تو آپ کے خون کا پیاسا ہوا۔ اگر مین نے
پہلے سے اسکا بند وبست نہ کر لیا ہوتا تو آج آپ مارے گئے ہوتے۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہین کہ سچ مچ آگ
سے آواز آتی ہے۔ مین ایک تدبیر سے اس طلسم کی پردہ کشائی کرتا ہون اور یہ باور کرلے دیتا ہون
کہ آگ کسی سے باتین نہین کرتی ہے" اور آخر کار موبد نے قباد کو باور کرا دیا جس سے وہ اپنے افعال
پر شرمندہ ہوا۔ موبد نے قباد سے یہ بھی کہا کہ آپ نوشیروان کو نادان بچہ نہ سمجھین۔ وہ ساری دنیا پر
حکومت کر سکتا ہے۔ آپ کو اُسکی رائے سے انحراف نہ کرنا چاہیے۔ اگر آپ چاہتے ہین کہ خاندان
ساسان مین سلطنت باقی رہے تو مزدک کی باتون پر دل نہ لگانا چاہیے اور نوشیروان سے کہا کہ کسی
تدبیر سے مزدک کے خدمتگار کو ملانا چاہیے اور اُسکو لالچ دیکر آگ کا حال پوچھنا چاہیے تاکہ آپ کے
باپ کے دل سے سارے شبہے مٹ جائین" چنانچہ نوشیروان کو ایک شخص مل گیا جسنے مزدک کے
خدمتگار سے دوستی پیدا کرکے اُسکو نوشیروان تک پہونچا دیا۔ نوشیروان نے خلوت مین بلا کر ایکہزار
دینار اُسکے سامنے رکھدیے اور کہا کہ آج سے تو میرا دوست اور بھائی ہے مجھسے جہانتک ہوسکیگا
تیرے حق مین بھلائی کرونگا۔ اسوقت مین ایک بات پوچھتا ہون۔ اگر سچ کہدیا تو یہ انعام تمھارا ہے
اور مین تمکو اپنا مصاحب بناؤنگا اور اگر جھوٹ کہا تو یاد رکھو کہ سر نہوگا۔ خدمتگار ڈر گیا اور کہا اگر مین
سچ بیان کرون تو کیا آپ وعدہ پورا کرینگے؟ نوشیروان نے کہا کہ ہان پورا کرونگا تب نوشیروان نے
کہا کہ اچھا بتاؤ یہ کیا حیلہ ہے کہ مزدک سے آگ باتین کرتی ہے؟ خدمتگار نے راز کے پوشیدہ رکھنے کا

تھی چنانچہ حضرت موسیٰ نے جب زمین کو حکم دیا کہ قارون کو نگل جا اُسنے اُسی وقت نگل لیا"
اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردون کو زندہ کرتے تھے یہی چیزین ہین کہ جو انسان کی قدرت سے
باہر ہین لیکن خدا اُنپر قادر ہے اور اُسی خدانے مجکو بھیجا ہے اور آگ پر مجکو حکمران بنایا ہے مین جو کہتا ہون
وہی آگ کی زبان سے نکلتا ہے اسلیے میرا کہنا مانو ورنہ قہر خدا تمپر نازل ہوگا اور تمکو مٹا کر رہیگا۔
مزدک کی تقریر سنکر موبد اُٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ جس شخص پر خدا اور آگ کی جانب سے الہام ہوتا ہوا ور
آگ اُسکے تابع ہو مین اُسکے مقابلہ مین جواب دیے سے عاجز ہون۔ اور آیندہ مجھسے ایسی جسارت نہو گی
مین رخصت ہوتا ہون اب تم جانو اور تمھارا کام۔ یہ کہکر موبد نوشیروانی فارس کو چلا گیا اور دربار برخاست
ہوا۔ مزدک خوش ہوکر اُٹھا اور ایک ہفتہ کے واسطے آتشکدے مین معتکف ہوا جب رات ہوگئی تو قباد نے
نوشیروان کو بلاکر کہا کہ موبد نے مجھے تھارے سپرد کر دیا ہے اور اس مذہب کے مٹانے کے واسطے تم
کافی ہو اب جو تدبیر ہو وہ بتاؤ۔ نوشیروان نے کہا اگر شاہنشاہ یہ کام میرے سپرد کر دے اور اسکا
تذکرہ کسی سے نہ کرے تو نہایت سلیقہ سے مین اُسکو کر دونگا اور پھر ساری دنیا مین مزدک اور مزدکیونکا
کہین پتہ نہ لگیگا" قباد نے اقرار کیا تب نوشیروان نے کہا کہ موبد کے چلے جانے سے صحاب مزدک
بہت خوش اور مطمئن نظر آتے ہین۔ اب مین اُنکی فکر کرونگا۔ اور مزدک کا قتل کرنا تو آسان ہے۔
لیکن اُسکی جماعت بڑی ہے۔ اگر مین مزدک کو قتل کردون تو اُسکے حواری دنیا مین پھیل کر اشاعت
مذہب کرینگے اور کسی مستحکم جگہ پر قابض ہوکر خاندان شاہی اور سلطنت کے مقابلہ کو اُٹھین گے
لہذا ایسی تدبیر کرنا چاہیے کہ سب ایک ہی وقت مین قتل کر دیے جائین اور ایک متنفس بھی زندہ
نہ رہ سکے" یہ سنکر قباد نے پوچھا کہ پھر اسکی کیا تدبیر سوچی ہے؟ نوشیروان نے کہا کہ جب مزدک آتشکدہ سے

اُسکو حاضر ہوا اُسکا اعزاز بسالۂ سابق بڑھا دیا جائے اور جلوس میں کہا جائے کہ حسد ہی سے ہوئی تھی
نے ننک کی ہی ہے۔ اُس دن سے نوشیرواں ڈھیلا پڑ گیا ہے اور اُسکا ارادہ ہے کہ آپ سے صلح
کرے اور اب وہ اپنی گفتگو سے پشیماں ہے جب ایک مدت گذر گئی تو مزدک حاضر ہوا بادشاہ نے بڑی
خاطر سے بٹھایا اور نوشیرواں کا ذکر کیا مزدک نے کہا کہ اگر لوگ نوشیرواں کے اشاروں پر چلتے ہیں
اگر وہ ہمارے مذہب میں داخل ہو جائے تو ساری دنیا اس مذہب کو قبول کرلے اور میں آتش کو تعظیم
کرا دوں یزداں نوشیرواں کو مذہب مزدکیہ سے مشرف کرے بادشاہ نے کہا کہ آپ نے بہت اچھا کیا
کیونکہ نوشیرواں ولیعہد سلطنت سے رہا اور لشکر میں وہ ہردل عزیز ہے جب وہ اس مذہب میں
داخل ہو جائیگا تو پھر کسیکو عذر نہیں ہو سکتا اور بادشاہ نے یہ بھی کہا کہ میں آپ کے واسطے ایک عظیم الشان
سنگی مینارہ بناتا ہوں اور اُسکے بالائی حصہ پر ایک طلا کار محل تیار کراؤنگا جو آفتاب سے زیادہ چمکدار ہوگا
اور بیشک ایسا ہی ہوگا جیسا کہ گشتاسپ نے زردشت کے واسطے بنایا تھا"
مزدک نے کہا آپ نوشیرواں کو نصیحت کریں اور میں دعا کرتا ہوں امید واثق ہے کہ یزداں مستجاب کریگا
جب رات ہوئی تو بادشاہ نے دن کی گفتگو نوشیرواں سے دہرائی وہ سنکر بہت ہنسا اور قباد سے کہا
کہ جب ہفتہ گذر جائے تو مزدک کو بلا کر یہ بات کہنا چاہیے کہ نوشیرواں کل رات کو ایک خواب دیکھکر
ڈر گیا ہے اور صبح کو میرے پاس آیا تھا اُسنے مجھسے کہا میں نے خواب دیکھا ہے کہ گویا ایک عظیم آتش
بزرگ جلا آ رہی ہے اور میں پناہ ڈھونڈ رہا ہوں اتنے میں ایک مرد صالح میرے پاس آیا میں نے
اُس سے پوچھا کہ حضرت آگ مجھسے کیا چاہتی ہے۔ اُسنے جواب دیا کہ آگ تجھپر اسلئے غصبناک ہے کہ
تونے اُسکو جھٹلایا ہے میں نے کہا کہ مجھکو کیونکر معلوم ہوا اُسنے کہا کہ فرشتوں کو ساری خبریں رہتی ہیں

اب آتشکدہ مین جاکر قدرے مشک، عود، اور عنبر سلگایا جائے اور مسلسل تین دن اگنی پوجا کیجائے اسکے بعد مین جاگ اُٹھا۔"

قباد سے یہ خواب سنکر مزدک بہت خوش ہوا۔ جب اس تذکرہ کو بھی ایک ہفتہ گذر گیا تو نوشیروان نے قباد سے کہا کہ آپ مزدک سے کہیے کہ نوشیروان کہتا تھا۔ کہ مجھے یقین ہوگیا ہے کہ یہ سچا مذہب ہے اور مزدک یزدان کا فرستادہ ہے۔ لیکن چونکہ مخالفین کی تعداد زبردست ہے۔ اسلیے ڈرتا ہون کہ کہین خروج کرکے سلطنت نہ چھین لین۔ کیا اچھا ہوتا اگر صحیح تعداد اصحاب مزدک کی معلوم ہوجاتی اور یہ بھی کہ وہ کون لوگ ہین؟ اگر مزدکیہ جماعت زبردست ہو تو مین بھی آئین شامل ہوجاؤنگا ورنہ اُسوقت تک صبر کرونگا کہ یہ جماعت طاقتور ہوجائے۔ اور بشرط ضرورت اسلحہ وغیرہ بھی دونگا اسکے بعد پوری قوت اور تلوار کے زور سے مذہب کا اعلان کرونگا۔ اگر مزدک جواب دے کہ ہمارا بڑا گروہ ہے تو اُس سے اہم وار پوری فہرست طلب کی جائے تاکہ مین سب سے واقف ہوجاؤن۔"

چنانچہ مزدک نے ایسا ہی کیا اور قباد کے روبرو بارہ ہزار آدمی کی فہرست پیش کی جسمین رعایا اور فوجی سپاہی شامل تھے۔ فہرست دیکھکر قباد نے کہا کہ مین آج رات کو نوشیروان کو بلاکر فہرست دکھاؤنگا۔ اور نوشیروان کے ایمان لانے کی یہ علامت ہوگی کہ میرے حکم سے شہنائی اور نقارے اس زور سے بجائے جائینگے کہ جسکی آواز آپ کے گھر تک پہونچیگی۔" جب مزدک لوٹ گیا اور رات ہوئی تو قباد نے نوشیروان کو بلایا۔ اور فہرست دکھلائی اور جو علامت قرار پائی تھی اسکا بھی ذکر کردیا۔ تب نوشیروان نے کہا کہ بہت مناسب ہے آپ نقارخانہ مین حکم بھیجدین۔ اور جب کل مزدک حاضر ہو تو کہدیجیے گا کہ نوشیروان ایمان لے آیا ہے۔ اور اسکا سبب یہ ہے کہ جماعت کی تعداد بارہ ہزار کی

سوچ گئی ہے اگر یہ اصرار ہوتی تو البتہ کافی تعداد تھی اب اگر ساری دنیا ذمی ہو جائے تو خوب اس سے
کیونکہ ہم سب دعا دو مزدک نوشیرواں جتنی میں جب ایک گھڑی رات گذری اسوقت مزدک سے
سنائی اور ستاروں کی آوازیں اور نوشیرواں کے ایمان لانے سے خوش ہوا دوسرے دن جب
مزدک حاضر دربار ہوا تو قباد نے نوشیرواں کے تعلیم کردہ الفاظ مزدک سے کہے اور پھر خلوت میں لا کر
نوشیرواں سے زر و جواہر کی مدد دلوائی۔ اور بہت کچھ نظریں تصدق بھی ادا کیا اور بات کہتے ہوئے جا
اسکی نوشیرواں نے خود معافی چاہی اور اسی جلسے میں ہر قسم کے مشورے ہونے لگے آخر الامر نوشیرواں
نے قباد سے کہا کہ آسمانی سماوی ہیں مزدک خدا کا پیغمبر ہے لہذا میں چاہتا ہوں کہ مذہبی سلسلہ کی
ترقی دی جائے پھر دیکھیے کس قدر مذہبی ترقی ہوتی ہے قباد نے کہا کہ تمکو اختیار ہے پھر نوشیرواں نے
کہا کہ جن شہروں اور قصبات میں ہمارے ہم مذہب ہیں انکے اس مزدک کی جانب سے پیام بھیجا جائے
کہ آج کی تاریخ سے تین مہینے کے اندر فلاں ہفتہ کے فلاں دن سب دارالسلطنت میں مہمان ہوں میں انکو
ہر قسم کے ساز و سامان اور اسلحہ سے مرتب کرونگا جسکی کسیکو مطلق خبر نہ ہوگی پھر اسی دن سب کی دعوت
کی جائے اور بعد فراغ طعام دوسرے مکان میں مجلس شراب منعقد کی جائے ہر شخص سات پیالے
پیے پھر خلعت ہتھیار اسلحہ زیب تن کریں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر نکلیں اور علانیہ اشاعت مذہب
کریں جو ہمارا مذہب قبول کرے اسکو امان دینگے اور جو انکار کریگا اسکو قتل کر دینگے اس رائے کو
قباد اور مزدک نے قبول کیا اور جلسہ برخاست ہوا۔

مزدک نے سب جگہ خطوط جاری کر دیے اور آگاہ کر دیا کہ فلاں روز حاضر خدمت ہوں سب کو خلعت
گھوڑے اسلحہ دیے جائیں گے اور یہی وقت کامیابی کا ہے کیونکہ بادشاہ ہمارا قافلہ سالار ہے۔

چنانچہ وعدے کے دن بارہ ہزار مزدکی حاضر ہوئے اور بادشاہ کے مہمان ہوئے جنکے سامنے ایسے
پرتکلف خوان رکھے گئے کہ کبھی کسی نے نہ دیکھے تھے قباد تخت پر جلوہ فرما ہوا اور مزدک اپنی کرسی پر
بیٹھا۔ اور نوشیروان بھی پٹکا باندھکر بحیثیت میزبان کھڑا ہوا۔ اور اس میزبانی سے مزدک بہت خوش ہوا
نوشیروان ہر ایک کو دسترخوان پر بٹھاتا جاتا تھا جب سب کھانے سے فارغ ہوے تو دوسرے مکان
مین اُٹھ گئے۔ وہان شراب کی مجلس آراستہ تھی۔ قباد تخت پر اور مزدک کرسی پر جلوہ فرما تھا۔ نوشیروان نے
سب مہمانون کو قرینے سے بٹھایا تھا مغنیون کی سُریلی آوازون سے مجلس گونج رہی تھی اور شراب کا
دور چل رہا تھا جب چند دور ہوچکے تو فراش اور غلام حاضر ہوے اور دو سو مہمانون کو دیبا اور
قصب کے تھان بطور خلعت کے تقسیم ہوے۔ یہ لوگ تھوڑی دیر تک دربار مین استادہ رہے تب
نوشیروان نے کہا کہ خلعت دوسرے مکان مین تقسیم کیے جائین کیونکہ یہان بڑا مجمع ہے وہان ہر مرتبہ
بیس بیس آدمی داخل ہون اور خلعت پہن پہنکر وہین سے رخصت ہوتے جائین اس طریقے سے
سب پہن لینگے۔ پھر بادشاہ اور مزدک یہ دلفریب منظر ملاحظہ کرین۔ اسکے بعد سلاح خانہ کا دروازہ
کھول دیا جائے اور سب اسلحہ سے سجائے جائین۔ اور اس کارروائی سے پہلے نوشیروان نے
تین سو دیہاتی مزدور بلا کر جمع کر رکھے تھے۔ اور اُنکو حکم دیا گیا تھا کہ ان رات مین یہ مزدور بکثرت گڑھے
تیار کرین جو گہرائی مین ایک گز سے دو گز تک ہون اور کل مٹی بھی وہین جمع رہے۔ اور دربانون کو
یہ بھی حکم دیا گیا تھا کہ جب گڑھے تیار ہو جائین تو سب مزدور روک لیے جائین کوئی جانے نپائے
اور رات کو خفیہ طور سے چار سو آدمی اسلحہ سے سجا کر میدان اور مکان مین چھپا دیے گئے تھے۔
اور اُنکو یہ حکم دیدیا تھا کہ جب یہ بیس بیس آدمی مجلس سے روانہ کیے جائین تو تم اُنکو دوسرے

میدان میں لیجاؤ اور پھر ایک کو برہنہ کرکے انکا سر ان گڑھوں میں اسطرح دبا دو کہ دونوں ٹانگیں
کے اندر رہیں اور دونوں پاؤں باہر نکلے رہیں چنانچہ خلعت پہنکر لوگ اس مکان آتے جاتے تھے
اور مطابق ہدایت کے ایک ایک کو مع انکے آراستہ گھوڑوں کے دوسرے مکان میں برہنہ
کر دیا جاتا تھا اور میدان میں لیجا کر وہ سرنگوں گڑھوں میں دبا دیے جاتے تھے یہانتک کہ تمام
مزدکی اسی طریقہ سے ہلاک کر دیے گئے ان کاموں سے فارغ ہو کر نوشیرواں قباد کے روبرو حاضر
ہوا اور مزدک سے کہا تمام مہمان خلعت سے آراستہ ہوکر میدان میں جمع ہیں اب آپ اٹھیں اور
ملاحظہ فرمائیں یہ منظر بھی ایسا ہے کہ آج تک کسی نے نہ دیکھا ہوگا چنانچہ قباد اور مزدک ایک ہی ساتھ
اٹھے اور محل کے اندر سے ہوتے ہوئے میدان میں پہنچے یہاں یہ تماشا دیکھا کہ کل جماعت سرنگوں
گڑی ہوئی ہے نوشیرواں نے مزدک سے مخاطب ہو کر کہا کہ جس فوج کا تو سپہ سالار ہو اسکے خلعت اس سے
بہتر اور کیا ہوسکتے ہیں خلعت تو اسلیے آیا تھا کہ ہمارے مال اور دولت اور عزت کو برباد کرے ملک
سے بھی ہاتھ صاف کرے سو ہوشیار ہو اب میں تجھے بھی خلعت پہناتا ہوں چنانچہ میدان کے ایک
کنویں میں جو خاص مزدک کے لیے تیار ہوا تھا نوشیرواں کے حکم سے مزدک کو گرا دیا اور اسکو مٹی سے
پاٹ دیا بعد اسکے نوشیرواں نے کہا کہ اے مزدک اب تو اپنے ساتھیوں کو اچھی طرح دیکھ اور باپ سے
کہا کہ آپ نے حال اور مزدکی لوگوں کی رنگ ملاحظہ فرمائی اب خلعت یہ ہے کہ آپ چند روز تک
ایسے رہیں تاکہ رعایا اور فوج کو آرام کا موقع ملے اور یہ جو کچھ ہوا آپ کی کمزوری رائے کی وجہ سے ہوا
ہے بعد میدان کی دیواریں توڑ دی گئیں اور دروازہ کھول دیا گیا شہر دیہات اور فوج کے آدمی آئے
تھے اور یہ تماشا دیکھکر چلے جاتے تھے جب کل انتظام ہو چکے تو نوشیرواں نے قباد کو قید کر دیا

اور شاہی استحقاق سے خود تخت نشین ہوگیا۔ یہ واقعہ نوشیروان کااس قابل ہے کہ اہل خرد اسکو پڑھین اور عبرت پذیر ہون"

خواجہ نظام الملک کے عام اخلاق وعادات

خواجہ نظام الملک کی نسبت تذکرہ نوسون اور مورخون کی متفقہ رائے یہ ہے کہ آل سلجوق کے عہد حکومت مین کوئی وزیر سیاست، دانائی، رائے، تدبیر، عدل وانصاف، بے تعصبی، فیاضی، شجاعت مین اُس سے بڑھکر نہین ہوا" اور اُنکا یہ دعویٰ بالکل صحیح ہے جسکی تصدیق خواجہ کے حالات سے ہوتی ہے۔

بادشاہون اور وزیرون کی سوانح عمری لکھنے والے اکثر شعراے دربار ہوتے ہین، گر اپنے ممدوح کی شکل وشمائل اور اوضاع وعادات کی وہ تصویر کھینچتے ہین جسمین عیب ہوتا ہے کہ محض حسن کے دوبالا کرنے کے لیے تشبیہ مین بعض رنگ زیادہ شوخ اور گہرے لگا دیتے ہین۔ اور جب کوئی مورخ تنقید کے مُوقلم سے مصنوعی رنگ کو ہلکا کرتا ہے، اُسوقت ممدوح کی اصلی صورت پہچانی جاتی ہے۔ مگر خواجہ نظام الملک کے مصور یا تو کوئی صوفی ہین، جو اپنے زمانے کے جنید وشبلی ہین۔ یا کوئی امام وقت ہین جنکے نام سے عظمت وجلال نمایان ہے۔ اسلیے سلسلۂ روایت مین صرف راوی کا نام نفس واقعہ کی صحت اور خواجہ کی قدر ومنزلت کے لیے کافی ہے۔

خواجہ نظام الملک کی سوانح مین مستند مورخون نے جسقدر لکھا ہے اسکی صحت مین توکسیکو

شک نہیں ہو سکتا ہے مگر جو روایتیں امام الحرمین جیسے مقدس عالم کی زبانی ہوں
وہ بھی نہایت مہتم بالشان ہیں۔

ابن سبکی نے طبقات میں امام الحرمین کا ایک خطبہ نقل کیا ہے جس میں امام صاحب نے
خواجہ کو سید الوریٰ، مؤید الدین، ملاذ الانام، مستخدم السیف والقلم کے خطاب سے یاد کیا ہے اور
اُسکے زبردست کارناموں کو بالاجمال بیان کیا ہے اور خواجہ کے استقامت فی المذہب، عدل و
انصاف اور جود و احسان وغیرہ کی بڑی تعریف کی ہے"

خطبہ کے خاتمہ پر ابن سبکی نے اپنی یہ رائے لکھی ہے کہ "یہ خطبہ ایک بڑے مشہور امام کا ہے
اور گو مبالغہ سے خالی نہیں ہے مگر اس امر کی پوری شہادت ہے کہ امام الحرمین کے نزدیک
نظام الملک کا کیا پایہ تھا؛ اور قوم میں امام صاحب کا یہ درجہ ہے کہ معتقدین اور ماہرین
اسکے کلام کو بطور سند کے پیش کرتے ہیں اور انہی کی ذات سے شریعت الٰہی کے اصول
و فروع کی اشاعت ہوئی ہے"

علامۂ موصوف نے امام الحرمین کے خطبہ پر جو رائے دی ہے وہ مورخانہ حیثیت سے ہے
کیونکہ مورخ کا اصلی فرض یہی ہے کہ جو واقعہ لکھا جائے اُسمیں رنگ آمیزی کو دخل ہو اور
تاریخ کی اصلیت اپنی اصلی صورت پر ہر جگہ قائم رہے چنانچہ اس اصول سے امام الحرمین کے
بعض فقرے مبالغہ آمیز ہیں مگر بقول ابن سبکی اس سے انکار نہیں ہو سکتا ہے کہ جس کا
مداح امام الحرمین ہو وہ ممدوح کس شان کا ہوگا؟

۱؎ [illegible] خطبہ کے حوالے [illegible] دیکھئے [illegible] پورا خطبہ نقل [illegible] اصل کتاب ملاحظہ فرمائیں

امام الحرمین اور ابن سبکی دونوں اسلام کے آفتاب و ماہتاب ہیں، اور دونوں کا تقدس اور تقویٰ مذہبی حیثیت سے ضرب المثل ہے۔ اُنکے اقوال پر نکتہ چینی کرنا ہمارا کام نہیں ہے لیکن اس روایت سے ہمکو صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ خواجہ کی سوانح عمری کا ماخذ نہایت مستند اور معتبر ہے اور اُسکے واقعات زندگی کے راوی علاوہ شعرا اور عام وقعہ نگاروں کے امام الحرمین جیسے عالی رتبہ بزرگ بھی ہیں۔

خواجہ نظام الملک چونکہ ایک متقی اور پارسا شخص تھا لہذا ہم اول وہ حالات لکھتے ہیں جسکا تعلق مقتدایانِ ملت اور بزرگانِ طریقت سے ہے۔

خواجہ نظام الملک کی صوفیانہ مجلس

خواجہ نظام الملک کو صوفیائے کرام سے خاص عقیدت اور ارادت تھی اور اُسکی مجلس ہمیشہ صوفیوں سے بھری رہتی تھی۔ چنانچہ خواجہ نظام الملک نے اس جذب محبت کی ابتدائی تاریخ یوں لکھی ہے کہ "مین ایک دن کسی امیر کی خدمت مین مصروف تھا کہ میرے پاس ایک صوفی تشریف لائے اور بزرگانہ شفقت سے فرمایا کہ "خواجہ ایسے لوگون کی خدمت کیا کرو جنسے تمکو نفع پہونچے اور اُس شخص کی خاطر تواضع کا کیا نتیجہ ہے جو کل کتون کا شکار ہو جائیگا"۔ مین اس رمز کو نہ سمجھا۔ لیکن دوسرے دن اُس امیر نے صبح سے رات تک خوب ہی شراب پی اور نشہ مین چور ہو کر تنہا محل سے باہر نکل آیا۔ پاسبانی کی غرض سے جو خونخوار کتے پلے ہوے تھے اُنھون نے اپنے متوالے آقا کو نہ پہچانا اور باہر کا آدمی سمجھکر خوب جھنجھوڑا اور شکار کی طرح بوٹی بوٹی کر ڈالا۔ جب مین نے یہ واقعہ سنا تو کشف و کرامات کے

کر سکے معلوم ہوئے اور اسی دن سے میں ارباب باطن کا ایک معتقد خدمتگار بن گیا[1]

حقیقت میں خدا شناسی تصفیۂ قلب اور تربیت روحانی کے واسطے صوفیائے کرام کی صحبت اکسیر کا حکم رکھتی ہے لیکن بے ریا صوفی کے کھرے کھوٹے کی شناخت جواہرات کے پرکھنے سے بھی زیادہ دشوار ہے کیونکہ صوفیوں کے بجائے صوفی نما گروہ حشرات الارض کی طرح بڑھتا جاتا ہے اور درویشی کو یاروں نے معاش کا ایک آلہ بنا لیا ہے اسلئے طالبان طریقت کو سوچ سمجھ کر اس حلقہ میں قدم رکھنا چاہیے و هو ذکر من قال

ہوں ماہ وش ہزاروں ولیکن　　　پر ڈر ہے کہ طالب سودا ان کہیں
گاہک کو بے احتیاج جاتا دیکھو کی　　　اور ایک کی بھی بیچنے والے کو نہیں

خواجہ نظام الملک جس زمانہ میں تھا وہ آج کل کے مقابلہ میں ست جگ کا درجہ رکھتا تھا کیونکہ صوفیوں کے قلب جیسے انوار تجلیات سے مالا مال تھے ویسے ہی اُن کے دماغ حکمت و فلسفہ اور علوم دینیہ کے اکتسابات سے معمور تھے خواجہ نظام الملک کو جن بزرگوں سے عقیدت تھی وہ درکس شریعت اور مرکز طریقت تھے جب وہ مصلے پر بیٹھتے تو ہاتھ میں تسبیح ہوتی جا بجا وہ مدرسہ میں جاتے تو قرآن و حدیث کا درس دیتے جب منبر پر جلوہ فرما ہوتے تو عبادات اور معاملات پر تقریر کرتے بادشاہوں اور وزیروں سے بھی ملتے تھے اور اُنکو ایسی نصیحتیں کرتے تھے جو حکمرانی کے مفید ہوں اور انہیں جو عیوب دیکھتے تھے وہ بتلا دیتے تھے اور یہ اس وقت کے علما اور مشائخ کا خاصہ تھا۔

[1] ابن خلکان صفحہ ۱۳۲ ذکر نظام الملک۔

چھانون مین ہم جاکے تلوارونکی کہ آتے تھے حق		عالب آتا تھا نہ ہمپر خوف سلطان و وزیر

ابن خلکان مین تحریر ہے کہ امام الحرمین اور ابو القاسم قشیری جب خواجہ کے دربار مین تشریف لاتے تو وہ انکی تعظیم مین کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھتا تھا اور اپنی مسند پر بٹھاتا تھا۔

نامۂ دانشوران ناصری مین لکھا ہے کہ شیخ ابو اسحٰق فیروزآبادی کا اعزاز ان دونون بزرگون سے بڑھکر تھا۔ بہرحال جن مشائخ کی خواجہ کی نظر مین یہ عزت وعظمت تھی اب ہم اُنکے مختصر حالات زندگی لکھتے ہین۔ اور اگرچہ کسی مستقل سوانح عمری مین ضمنی تذکرون کا مفصل لکھنا خلاف قاعدہ ہے مگر یہ حالات ایسے بزرگون کے ہین جنکی سوانح عمریان مذہبًا اور اخلاقًا ہماری حیات پر مفید اثر ڈال سکتی ہین اسلیے امید ہے کہ ناظرین کے لیے یہ چند اوراق باعث ملال نہ ہونگے۔

شیخ ابو اسحٰق۔ فیروزآبادی

ابراہیم نام ابو اسحٰق کنیت اور جمال الدین لقب تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے۔ ابراہیم بن علی ابن یوسف شیرازی۔ اور نامۂ دانشوران کی روایت کے مطابق سلسلۂ نسب مولانا مجد الدین محمد ابن یعقوب فیروزآبادی (مصنف قاموس) پر منتہی ہوتا ہے۔ تاریخ مین شیخ ابو اسحٰق شیرازی کے نام سے آپ کی شہرت ہے۔ اور ہم تعظیمًا آپ کو صرف شیخ کے خطاب سے یاد کرینگے۔

صوبۂ فارس کے شہرون مین فیروزآباد[1] کو اپنے جن نامور بیٹون پر قیامت تک فخر رہیگا

[1] نامۂ دانشوران ناصری جلد اول حالات ابو اسحٰق سے گور یا گُور یا فیروزآباد ایک ہی قدیم شہر کے نام ہین۔ جس کو زمانہ نے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا ہے البتہ قدیم شہر کے حدود سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر اب فیروزآباد ایک قصبہ ہے قدیم فارسی نام گور (بمعنی قبر) ہے جو عربی تاریخ اور جغرافیہ میں جُور کے نام سے مشہور ہے جیسا کہ مراصد الاطلاع سے (باقی بقیہ)

صحرا کے ایک شیخ بھی ہیں سنہ ۲۹۳ھ (دو سنہ ۲۹۵ھ ۲۹۶ھ علی اختلاف الروایات) میں شیخ کی ولادت
ہوئی اور بچپن کا ابتدائی زمانہ اسی شہر میں گذرا سنہ ۲۹۳ھ سے سنہ ۳۱۱ھ تک شیخ کی تعلیم و
تربیت اور ابتدائی زندگی کا کچھ حال نہیں کھلتا ہے کہ کیونکر گذری؟ لیکن سنہ ۳۱۱ھ میں
فیروزآباد سے رخصت ہو کر دارالعلوم شیراز کی طرف روانہ ہوئے یہ شیخ کا پہلا سفر تھا
اور محض حصول علم کے لیے تھا

فارس میں شیراز[2] ہمیشہ علمی مرکز رہا ہے اور یہ تو وہ زمانہ تھا کہ جب شیراز کی ہر ہر گلی میں

---

[1] صفحہ ۱۱ جو کتاب ابن ام کا مسافر ہیں یک ملاحی سے جور کا ملا بانی گشتاسپ کا بانی ہے لیکن سکندر مقدونی نے
چند سال سے واپس جاتے ہوئے اس ملک سے اس شہر کو بالکل ڈھا کر برباد کیا تھا لیکن اردشیر بابکانی
نے کنال میں ایک مدت پانی کو خشک کر کے مدتیم ہو، یہ پھر شہر آباد کیا۔ یہ شہر مدور بلی یا دائروں کے مانند
دائرہ کی شکل میں آباد تھا فیروز شاہ (نوشیرواں کا دادا) نے اپنی عہد سلطنت میں مدتیم آبادی پر بہت کچھ
اضافہ کیا اور اسی نسبت سے اس کو فیروزآباد نام رکھا اور ایک روایت ہے کہ عضد الدولہ دیلمی تفریح کی غرض سے
یہاں جایا کرتا تھا اور جب اس کا آنا دیکھ کر یہاں کے لوگ کہا کرتے تھے کہ ملک گور رفت چنانچہ عضد الدولہ
اس بدفالی سے بچنے کے لیے اس کا نام فیروزآباد رکھا وسط شہر میں ایک پہاڑ کا دریان حصہ ہموار کر کے
اردشیر نے اپنا ایوان بنایا تھا چنانچہ اس کے کھنڈرات اور بنا ہوا حوض قلعہ آتشکدہ اعظم اور سدن کے
عجیب و غریب آثار آج تک باقی ہیں اور جور کا گلاب عمدگی سے مشہور ہے جو اپنے عرق اشعار میں کہے ہیں
عہد اسلام فارس سنہ ۱۹ھ میں عہد خلافت سوم چند سال کے عرصہ کے بعد جور کو فتح کیا تھا فارس کے
... میں شیراز سے ۷۴ میل کے فاصلہ پر یہ شہر واقع ہے آثار قدیمہ کے معلومات و ...
تفصیلی حالات کے لیے دیکھو اول دیکھو جغرافیائے ایران پیرنیا فرست شیراز صفحہ ۱۱۱ گنج دانش صفحہ ۳۴۰
مسمی البلدان لیدن مطبوعہ صفحہ ۱۴ مرآۃ البلدان ناصری حالات فارس دائرۃ المعارف جلد ۸ حالات جور
انشاء ایران مرتبہ مسٹر جان کری سنہ ۱۸...

[2] شیراز صوبہ فارس کا صدر مقام ہے۔ اور شاہان ایران کی طرف سے شیراز میں گورنر رہا کرتا ہے ... آج

علم کی نہرین جاری تھین یعنی مختلف مدارس اور خانقاہون مین فخر روزگار علما درس دیتے تھے۔ اور غالباً یہی مقناطیسی قوت شیخ کو شیراز مین کھینچ لائی تھی۔ چنانچہ ایک مستعد

(بقیہ صفحہ ۱۲۴) نقشہ مین ۵۲ درجہ ۴۰ دقیقہ طول بلد اور ۲۹ درجہ ۳۲ دقیقہ عرض بلد پر واقع ہے قدیم زمانہ کی عظمت و جلال کی تاریخ لکھنا فضول ہے صرف سعدی اور حافظ کا نام شیراز کے زندہ رکھنے کے لیے کافی ہے۔ یہ شہر بارہ دروازون پر تقسیم تھا اب صرف چھ باقی ہین۔ اور شہر پناہ کی دیوار کا محیط ۱۲۰۰ گز اور عرض ۸ گز تھا۔ شیراز بن تہمورس پیشدادی شہر شیراز کا بانی ہے یہ شہر چند بار تباہ و برباد ہوا۔ لیکن سب سے اخیر مرتبہ خلیفہ عبدالملک اموی کے عہد حکومت مین آباد ہوا۔ اور آج تک قائم ہے۔ نہرین بافراط ہین۔ جنکا پانی ذائقہ مین سلسبیل اور تسنیم سے ٹکر کھاتا ہے۔ چنانچہ نہر رکن آباد، زنگی آباد، نہر سعدی مشہور ہین۔ اور رکن آباد کی تو تعریف ہی نہین ہوسکتی ہے حافظ فرماتے ہین۔

بدہ ساقی مے باقی کہ در جنت نخواہی یافت　　کنار آب رکن آباد و گلگشت مصلے را

پانی مین جو کچھ قدرتی صفتین ہین وہ سب اسمین موجود ہین۔ شیراز کی ہوا معتدل ہے۔ قاآنی نے کیا خوب کہا ہے

بزیر قبۂ گردون بروے رقعۂ خاک　　ندیدہ دیدۂ بینا چنان خجستہ دیار
نسیم او ہمہ دلکش تر از نسیم بہشت　　ہواے او ہمہ خرم تر از ہواے بہار
زلالہ ہر دمن اوست کوہی از یاقوت　　زلالہ ہر چمن اوست کانے از زنگار
زبسکہ زمزمۂ سار خیزد از ہامون　　زبسکہ قہقہۂ کبک آید از کہسار

آج بھی ہر علم و فن کے اہل کمال موجود ہین چنانچہ قاآنی کا قول ہے ؎

منجمانش بیرنج زیج و اصطرلاب　　ز ارتفاع تقاویم و اختران ہشیار
ندیدہ نبض حکیمانش از کمال و قوت　　خبر دہند ز رنج نہان ہر بیمار
ز لحن مرثیہ خوانان او گداز و سنگ　　چو چشم عاشق بیدل ز دوری دلدار
ہزار محفل و در ہر یکے ہزار ادیب　　ہزار مدرس و در ہر یکے ہزار اسفار

دار العلوم، مساجد، مزارات، دار الشفا، قہوہ خانجات، بازار، مقامات، کاروانسرا، باغات، سرکاری، قدیم قبرستان، حمامات بکثرت موجود ہین۔ جنمین سے ہر نمبر کی تفصیل کے واسطے ایک دفتر چاہیے۔ ہمنا فرصت شیرازی کا سفرنامہ ملاحظہ فرمائین۔ جو اس زمانہ مین سب سے اخیر سفرنامہ ہے۔

طالب العلم کی حیثیت سے شیخ نے بھی نام شیراز کا جھنڈا لگایا اور تمام علماء سے شیراز کی سند
لی اور ان کی صحبت سے مستفید ہوئے

شیخ کے اساتذہ شیراز میں ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ **بیضاوی** ابو احمد عبدالوہاب بن
رامین سایت ادر بلاد میں اور جب ایک عرصہ کے بعد فقہ اصول فقہ اور دستور
مسائل میں کافی مہارت ہوگئی تو شیراز کو چھوڑ کر بصرہ کا رخ کیا یہاں علامہ ... کی
درسگاہ سے فائدہ اٹھایا لیکن چونکہ تحصیلات علمی سے طبیعت ہنوز مستغنی ہوئی تھی اور آتش علم
سینہ میں مشتعل تھی اسلئے چند روز کے بعد بصرہ کو الوداع کہکر دارالسلام بغداد کو روانہ
ہوئے اور شوال ۴۱۵ھ میں داخل بغداد ہوگئے

اس وقت **قادر باللہ** عباسی تخت سلطنت پر حکمراں تھا اور آل بویہ کے امرا کا زور تھا
آل عباس کی سلطنت کمزور ہوگئی تھی لیکن بغداد کی علمی شہرت میں کوئی زوال نہیں آیا
اور اس وقت تک دنیائے اسلام میں علم و فن کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔

بغداد میں دارالخلافہ ہونے کے لحاظ سے سیکڑوں باب علم کھلے ہوئے تھے مگر سب سے
وسیع الشان قاضی ابوطیب **طبری** کی محفل درس تھی اور اسی باکمال کی شاگردی پر
شیخ کی تعلیم کا خاتمہ ہوگیا اور قاضی صاحب کے فیض تعلیم سے شیخ ابو اسحٰق بحر العلوم بن گئے
اور زمانے نے انکو علمائے شافعیہ کا ایک اعلیٰ رکن تسلیم کیا فقہ اور اصول فقہ میں مجتہد کی
حیثیت سے وہ امام مانے گئے صحت روایت میں **محدثین** ان کا لوہا مانتے ہیں
متکلمین ان کی دقت نظر اور باریک خیالی کے قائل ہیں علمائے اصول انکی تصنیفات

فائدہ اُٹھاتے ہین۔ استنباط احکام اور استخراجِ مسائل مین فقہا اسکے ہر قول کو آیت و حدیث سمجھتے ہین۔ اور سب سے بڑھکر یہ ہے کہ صوفی اپنا شیخ جانتے ہین۔ بہرحال شیخ بلحاظ صفات ظاہری اور باطنی قابل فخر و عزت ہین۔

خواجہ نظام الملک کی طبیعت مین سوز و گداز اور خدا کا خوف بہت تھا۔ اور آخرت کا کھٹکا اُسکو دنیا سے زیادہ رہا کرتا تھا اسلیے خواجہ نے ارادہ کیا کہ ایک محضر تیار کرون جسپر تمام رعایا اور امرا اور علما کے دستخط ہون اور اگر وہ تصدیق کردین کہ مین نے کوئی ظلم و زیادتی نہین کی ہے تو قیامت کے دن یہ محضر میرے حق مین رہائی کا پروانہ ہوگا"۔ چنانچہ اُس خیال کے مطابق اُسنے دستخط بنوانا شروع کیے۔ لوگون نے بڑے لمبے چوڑے الفاظ مین خواجہ کی تعریف لکھی۔ لیکن جب وہ محضر شیخ ابو اسحٰق کے سامنے پیش ہوا تو آپ نے مختصر جملہ لکھا "الحسن خیر الظلمۃ" یعنی اور سب ظالمون مین حسن (خواجہ نظام الملک کا نام حسن تھا) اچھا ہے۔ جب خواجہ نے یہ فقرہ دیکھا تو اُسکو نہایت رقت ہوئی اور کہنے لگا کہ ابو اسحٰق سے زیادہ کسی عالم نے سچ نہین لکھا ہے"

روایت ہے کہ خواجہ کے انتقال پر کسی نے اُسے خواب مین دیکھا اور پوچھا کہ پروردگارِ عالم نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا"؟ تو اُسنے جواب دیا کہ "خدا نے مجھے ابو اسحٰق کی سچی تحریر کے صلے مین بخشدیا"[1]

بہرحال خواجہ کی بخشش کا سبب اُسکے اعمالِ حسنہ ہون یا شیخ کی تحریر ہمین اس سے

[1] روضۃ الصفا صفحہ ۱۷۰۔ حالات نظام الملک۔ ابن خلکان حالات ابو اسحٰق۔

کوئی شک نہیں ہے اگر اس واقعہ سے شیخ ابو اسحق کی راستی و دیانت کا حال کھلتا ہے اور
ابن خلکان کے اس مقولہ کی تصدیق ہوتی ہے کہ "وَكَانَ فِي غَايَةٍ مِنَ الْوَرَعِ وَ
التَّشَدُّدِ فِي الدِّين"

شیخ کے مزاج میں انصاف پسندی از حد تھی چنانچہ مشہور ہے کہ ایک بار لوگوں نے آپکا فتا
میں کیا معلوم نہیں اُسوقت آپ کس خیال میں تھے کچھ کا کچھ لکھ گئے امام ابو نصر ا
صباغ نے جو آپکے معاصر تھے اس فتوے کو دیکھکر صاحب استفتا سے کہا کہ "یہ غلط ہے اسکو شیخ
کے پاس نظر ثانی کے واسطے لیجاؤ" چنانچہ آپ نے دیکھا تو حقیقت میں غلطی تھی اپنے قلم
سے صحیح کیا اور اُسپر اسقدر عبارت اور لکھدی "اَلْحَقُّ مَا قَالَهُ الشَّيْخُ ابْنُ صَبَّاغٍ وَأَبُو إِسْحَاقَ
مُخْطِئٌ" یعنی ابن صباغ کی تحریر صحیح ہے اور ابو اسحق غلطی پر ہے

یہ واقعہ زمانۂ حال کے علما کے واسطے ہدایت ہے کیونکہ اکثر مدعیان علم کا یہ حال ہے کہ
جھوٹ کے سچ ثابت کرنے کے لیے اُنکو جھوٹ بولنا گوارا ہوگا مگر خطا کا اقرار تا دمی
زبان ان سے ہو سکے"

شیخ ابو اسحق نہایت روشن خیال اور مدبر علما میں سے تھے چنانچہ ۴۶۷ھ میں خلیفہ قائم
بامر اللہ کے انتقال پر المقتدی بامر اللہ کا انتخاب محض آپ کی رائے سے ہوا تھا اور اس انتخاب سے
ملک کا ایک بڑا فتنہ دب گیا اور اس سے مسلم الثبوت شیخ کی وہ سفارت ہے جو خلیفہ مقتدی
بامر اللہ نے ملکشاہ سلجوقی کے دربار میں بھیجی تھی جب یہ سفارت نیشاپور پہونچی تو امام الحرمین

۱؎ تاریخ آل سلجوق صفحہ ۴۰ مطبوعہ مصر ۲؎ تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۴۴

اور تمام اہل نیشاپور نے استقبال کیا اور ملکشاہ نے خاص دربار منعقد کرکے شیخ کو بلایا اور خلیفہ مقتدی کی طرف سے جو شرائط شیخ نے پیش کین وہ سب ملک شاہ نے بلاعذر تسلیم کرلین خواجہ نظام الملک نے ملکشاہ سے بھی زیادہ شیخ کی تعظیم وتکریم کی۔ کیونکہ وہ اول سے شیخ کا معتقد تھا اور اہم معاملات مین اکثر شیخ سے مشورہ کیا کرتا تھا[1]۔

اسمین کوئی شک نہین ہے کہ علما کی قوت سلطنت کی طاقت سے بڑھکر ہے۔ بشرطیکہ علما مین روشن خیالی آزادی اور صلح کل ہونے کا مادہ ہو۔ مگر علما نے اپنے ہاتھ سے اپنی قوت کو کھو دیا ہے اور انھون نے سمجھ لیا ہے کہ ہمارا کام صرف فتوی دینا ہے اور کچھ نہین۔ برخلاف اسکے اُس عہد کے علما مین یہ تمام صفتین موجود تھین۔ وہ ضرورت کے وقت سلطنت کے اہم خدمات کو نہایت قابلیت سے انجام دیتے تھے جسکے مصداق خود شیخ کے حالات ہین۔

شیخ ابو اسحق نے چند تصانیف اپنی یادگار چھوڑی ہین۔ چنانچہ سب سے مفید اور بیش قیمت کتاب تنبیہ فی فروع الشافعیہ ہے۔ یہ کتاب علم فقہ مین ہے اور اسقدر جامع ہے کہ مصنف کا یہ فخریہ دعوی تھا کہ مین ہر مسئلہ کا جواب کتاب تنبیہ سے دے سکتا ہون۔ دوسری کتاب فقہ مین المھذاب فی المذھب ہے تیسری کتاب اصول فقہ مین "لمع" ہے۔

علاوہ اسکے کتاب "النکت (خلافت مین) تبصرہ (اصول فقہ مین) المعونہ، التلخیص (جدل مین) طبقات الفقہا تاریخ مین مشہور کتابین ہین[2]۔

۲۱ جمادی الاول سنہ ۴۷۶ھ مین چہارشنبہ کی رات کو ابو المظفر بن رئیس الرؤسا کے مکان پر

---

[1] آداب الوزارت مین خواجہ نظام الملک اور شیخ کی ایک تقریر درج ہے۔
[2] تصنیفات کے مفصل حالات کے لیے دیکھو کشف الظنون جلد ا و ۲۔

جانب شرقی بغداد میں شیخ کا انتقال ہوا۔ ابوالوفاء ابن عقیل نے غسل دیا اور تجہیز و تکفین کی۔
جنازہ کی نماز دو مرتبہ ہوئی جس میں خلیفہ مقتدی بامر اللہ خود بھی شریک ہوا۔ باب ابرز
میں دفن کیے گئے۔ ابوالقاسم ابن ناقیا شاعر نے مرثیہ لکھا جس کے بعض اشعار ابن خلکان نے نقل کیے ہیں۔
شیخ نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی مگر تصنیفات جو ان کے فضل و کمال کی ایک دائمی یادگار رہیں
اور اسی باقیات الصالحات میں شیخ کے نامور شاگرد بھی داخل ہیں۔

(۲) ابوالمعالی، امام الحرمین عبدالملک جوینی

خواجہ نظام الملک کی صدر نشین مجلس کے دوسرے رکن امام الحرمین ہیں۔ دربار ملک شاہ سلجوقی
اور بارگاہ خواجہ میں امام الحرمین کا بڑا اعزاز کیا جاتا تھا اور خواجہ سے خاص اوقات میں خلوت
کی صحبت رہتی تھی

امام الحرمین کی کنیت ابوالمعالی لقب ضیاء الدین اور نام عبدالملک تھا اور پورا نام
مع مختصر نسب نامہ کے یہ ہے: امام الحرمین ابوالمعالی ضیاء الدین عبدالملک بن شیخ ابو محمد
عبداللہ بن ابو یعقوب یوسف بن عبداللہ بن محمد بن حیویہ جوینی۔[۱]

امام صاحب کا خاندان ہمیشہ علم و فضل کا مرکز رہا ہے چنانچہ ان کے دادا شیخ ابو یعقوب یوسف
علمائے ساعنہ میں ایک ممتاز عالم تھے اور والد شیخ ابو محمد تفسیر، فقہ، اصول، عربیت اور ادب
میں امام تھے۔ ابن خلکان کی روایت ہے کہ نیشاپور میں انہوں نے درس و افتا کا سلسلہ

[۱] جوین نیشاپور سے سبزوار کو جو قافلہ کی سڑک ہے اس پر جوین واقع ہے جہاں سے سبزوار آباد ہو گیا ہے۔ وادی
تنگ مستطیل ... کی ... واقع ہے جس کی ایک جانب ملحق ہے اور جانب شمال دوسری جانب
... نیشاپور سے ... کا فاصلہ ہے ... اطلاع ... حالات ... صفحہ ۲۲

شیخ ابو محمد کی ذات سے جاری رہا ۴۳۸ھ (۱۰۴۶ء) مین انتقال فرمایا تصنیفات مین تفسیر کبیر تبصرۂ تذکرہ مختصر المختصر کتاب الفرق والجمع وغیرہ یادگار ہین۔

امام الحرمین بمقام جوین محرم کی اٹھارموین تاریخ ۴۱۹ھ (۱۰۲۸ء) مین پیدا ہوے۔ اور ابتدائی کتابین اپنے والد سے پڑھین۔

اُنکے انتقال پر مدرسہ بیہقیہ مین داخل ہوگئے یہ وہ نامور مدرسہ ہے جو تمام اسلامی دنیا مین سب سے پہلے اعلی تعلیم کے واسطے بمقام نیشاپور کھولا گیا۔ اندنون ابو القاسم اسکافی اس مدرسہ کے مدرس اعظم تھے۔ یہان امام صاحب نے علم اصول مین کمال حاصل کیا۔ اسکے بعد بغداد گئے اور وہان کے مشاہیر علما سے مستفید ہوے۔ جب تحصیل علم سے فراغ ہوگیا تو نیشاپور چلے آئے اور علمی خدمت مین مصروف ہوگئے۔ لیکن ایک خاص واقعہ نے امام صاحب کو نیشاپور چھوڑنے پر مجبور کیا اور آپ حجاز کو چلے گئے۔ چنانچہ چار سال تک کہ معظمہ مین قیام فرمایا اور جب مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو وہان حلقۂ درس قائم کیا۔ اور جسقدر فتوے آتے تھے اُنکے جواب بھی تحریر فرماتے تھے۔

ان مقدس مقامات مین امام صاحب کی بڑی عزت ہوئی اور امام الحرمین کا قیمتی خطاب انھی گھرون کا عطیہ ہے۔

یہ وہ زمانہ ہے (واقعات ۴۵۶ھ) کہ سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے عمید الملک کندری کو قتل کرکے خواجہ نظام الملک کو وزیر اعظم کردیا تھا۔ اور چونکہ خواجہ خود صاحب فضل و کمال تھا۔ اسوجہ سے اُسکی علمی قدردانی اور عدل و انصاف کی شہرت اطراف عالم مین بہت

حلہ پھیل گئی اور عمید الملک کی تحریک سے مساجد میں امام ابوالحسن اشعری پر خطبہ میں جو لعنت
پڑھی جاتی تھی وہ بند کرادی گئی تھی چنانچہ خواجہ کی بے تعصبی امام صاحب کو بہت پسند
آئی اور مکہ معظمہ سے پھر نیشاپور واپس آئے۔ یہاں خواجہ نظام الملک نے امام الحرمین کا وہ
اعزاز کیا جو انکی شان کے لائق تھا اور محض انکی خاطر سے نیشاپور میں ایک عظیم الشان مدرسہ
تعمیر کیا جو نظامیہ نیشاپور کے نام سے مشہور ہے (نظامیہ کے تفصیلی حالات اپنے موقع پر تحریر
ہیں) چنانچہ امام الحرمین اس مدرسہ کے مدرس اعظم مقرر کیے گئے اور شہرت عام کی وجہ سے
حلقہ درس میں اکثر ائمہ علم دین جمع ہوا کرتے تھے کیونکہ امام الحرمین کی تقریر بڑی دلکش واقع ہوئی
تھی اور روانی کا یہ عالم تھا کہ گھنٹوں کی تقریر میں بھی مسئلہ زیر بحث میں بے ربطی ہونے پاتی
تھی بلکہ اول سے آخر تک سلسلۂ کلام یکساں رہتا تھا

وعظ کے واسطے صرف جمعہ کا دن تھا اور یہ مجلس بھی نہایت پرلطف ہوتی تھی غرضکہ کامل
تیس برس تک امام الحرمین نے علم و مذہب کی خوب خدمت کی اسکے علاوہ سرکاری حیثیت
سے تمام مذہبی صیغوں کے افسر تھے وعظ، امامت، خطابت، اور اوقاف کے شرعی احکام
آپ کے حکم اور دستخط سے جاری ہوتے تھے اور مفتیِ عدالت کی حیثیت سے سلطان کی نظر میں
بڑی عزت تھی جسکے ثبوت میں صرف ایک واقعہ لکھنا کافی ہے

علامہ جلال الدین محقق دوانی اپنی کتاب اخلاق جلالی میں لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ سلطان
ملکشاہ سلجوقی کے حکم کے خلاف امام الحرمین نے منادی کرادی کہ سلطان کا حکم غلط ہے
اور وہ حکم دینے کا منصب نہیں رکھتا ہے" اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ رمضان المبارک کی

انتیسویں[۲۹] تاریخ کو عید الفطر کے سبب سے سلطان نے اپنا ملکی دَوْرہ ملتوی کر دیا۔ اور دار السلطنت نیشاپور میں قیام فرمایا۔ اور شام کے وقت مع ارکان دولت کے چاند دیکھنے میں مصروف ہوا۔ اگرچہ آسمان پر چاروں طرف سے انگلیاں اُٹھیں۔ مگر ہلال عید نے مشتاقان عید کو اپنا چہرہ نہیں دکھایا۔ مگر جن مصاحبوں کو انتیسویں[۲۹] کی عید کی خوشی تھی اُنھوں نے بغیر تکمیل شرائط مذہب، سلطان سے کہدیا کہ حضور چاند نکل آیا ہے اور سلطان کو رویت ہلال کا یقین دلا کر تمام شہر میں ڈھنڈھورا پٹوا دیا۔ کہ کل عید ہے۔ جب امام الحرمین کے کانوں تک یہ صدا پہونچی تو انھوں نے دوسری منادی کا یہ الفاظ حکم دیا۔ "ابو المعالی کہتا ہے کہ کل تک ماہ رمضان ہے جو میرے فتوے پر عمل کرنا چاہتا ہے اُسے لازم ہے کہ وہ کل بھی روزہ رکھے"۔ قبل از وقت عید کی خوشی منانے والوں نے جب مفتیِ شرع کی منادی سُنی تو سلطان کی خدمت میں حاضر ہوے۔ اور بُرے عنوان سے منادی کے الفاظ کا اعادہ کیا۔ اور سلطان کو سمجھایا کہ "ابو المعالی کے خیالات سلطنت کی طرف سے اچھے نہیں ہیں اور عوام اُنکے معتقد ہیں۔ اگر بندگانِ عالی کے حکم کے مطابق کل عید نہوئی تو بڑی توہین اور ذلت ہوگی" ملک شاہ کو امام الحرمین کا اعلان ناگوار تو ضرور ہوا مگر چونکہ مزاج کا نیک اور مذہب کا پکا تھا۔ اور علماے ملت کی عظمت اُسکے دل میں بہت کچھ تھی؛ اسلیے چند ارکان دولت کو حکم دیا کہ "امام صاحب کو ادب اور تعظیم کے ساتھ اپنے ہمراہ لاؤ"۔ مفسد یہاں بھی باز نہ آئے اور عرض کیا کہ "جس شخص نے حکم شاہی کی عزت نہیں کی وہ واجب الاحترام نہیں ہے"۔ اس پر سلطان نے فرمایا کہ "جب تک امام صاحب سے دوبدو گفتگو نہوا یسے رفیع القدر کی

بے حرمتی نہیں ہو سکتی ہے۔

القصہ دربار ی امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بادشاہ کا پیام سنایا امام صاحب اس وقت جیسے کپڑے پہنے ہوئے تھے اسی طرح اُٹھ کھڑے ہوئے اور دردولت پر حاضر ہوئے حاجب نے دیکھا کہ امام صاحب درباری لباس میں نہیں ہیں تو اُسے اطلاع کی کہ تعظیمی حدود حلمی کے قطع نظر دوسری گستاخی امام صاحب نے کی ہے کہ بارگاہ سلطانی کا ادب بھی بالائے طاق رکھدیا ہے اور معمولی لباس پہنکر تشریف لائے میں یہ لباس بقرے سے ملک شاہ کو اگر ناگوار ہوا مگر پھر بھی اس حاجب کی توسط سے دریافت کیا کہ جب امام صاحب کو معلوم ہے کہ دربار کا ایک خاص لباس مقرر ہے تو پھر اس ہئیت کذائی سے آپ کیوں تشریف لائے ہیں؟ امام صاحب نے اونچی آواز سے کہا کہ سلطان کو مجھ سے گفتگو کرنا چاہیے کیونکہ میری تقریر دوسرے شخص سے ادا نہیں ہو سکتی ہے۔ چنانچہ سلطان نے اپنے سامنے بلایا اور امام صاحب نے سلطان کو مخاطب کر کے کہا کہ بڑے سلطان اس وقت جس لباس میں ہوں اسی سے نماز پڑھتا ہوں اور وہ شرعاً جائز ہوتی ہے بس جبکہ خدا کے سامنے میں اسطرح جا سکتا ہوں تو آپ کے سامنے آنے میں کیا قباحت ہے۔ البتہ دستور کے مطابق میرا لباس درباری نہیں ہے اور میں نے چاہا تھا کہ لباس تبدیل کروں پھر خیال ہوا کہیں ایسا ہو کہ ذرا دیر کی غفلت میں فرشتے میرا نام نافرمانوں کی فہرست میں لکھ لیں اور بادشاہ اسلام کے حکم کی مخالفت ہو لہذا میں جس طرح بیٹھا تھا اسی طرح سے چلا آیا۔

سلطان نے فرمایا کہ جب بادشاہِ اسلام کی اطاعت آپ کے نزدیک اسقدر واجب ہے،

توپھر ابد ولت کے حکم کے خلاف منادی کرانے کے کیا معنی ہین؟ امام صاحب نے فرمایا کہ "جو امور فرمان سلطانی پر موقوف ہین اُسکی اطاعت ہم پر فرض ہے اور جو حکم فتوے سے متعلق ہے وہ پادشاہ کو مجھسے پوچھنا چاہیے کیونکہ حکم شریعت علما کا فتوی حکم شاہی کے برابر ہے روزہ رکھنا، عید کرنا، یہ امور فتوے پر موقوف ہین بادشاہ وقت کو اِسمین کوئی تعلق نہین ہے" جب ملک شاہ نے امام صاحب کی تقریر سُنی۔ تو اُسکا غصہ جاتا رہا اور بہت خوش ہوا اور اعزاز سے رخصت کیا" اور اعلان کردیا کہ "میرا حکم درحقیقت غلط تھا اور امام الحرمین کا حکم صحیح ہے" ملک شاہ کی انصاف پسندی اور امام الحرمین کی آزادی ہمارے زمانہ کے علما اور مسلمان حکمرانون کے واسطے ایک قیمتی نصیحت ہے۔ امام الحرمین بڑے پایہ کے مصنف تھے۔ اور مختلف علم و فن مین انکی تصانیف حسب ذیل ہین۔

نہایت المطلب، شامل، برہان، تلخیص التقریب، ارشاد، عقیدۃ النظامیہ، مدارک العقول، غیاث الامم، مغیث الخلق، غنیۃ المسترشدین وغیرہ۔

ان تصنیفات کے علاوہ علوم الصوفیہ مین خاص ملکہ تھا۔ اور جب کبھی تصوف پر وعظ فرماتے تھے تو مجلس کو لٹا دیتے تھے ۴۷۸ھ مین ربیع الآخر کی پچیسوین تاریخ چہارشنبہ کی رات کو بعد نماز عشا، امام الحرمین نے انتقال فرمایا۔ بیماری کی حالت مین لوگ قریہ باشتان مین اُٹھا لے گئے کیونکہ نواح نیشاپور مین اس جگہ کی آب و ہوا ضرب المثل ہے۔ مگر انتقال کے بعد رات کے وقت جنازہ نیشاپور آیا۔ اور اپنے گھر مین دفن کیے گئے پھر چند سال کے بعد مقبرۂ حسین مین نعش منتقل کردی گئی اور اپنے والد کے پہلو مین ہمیشہ کے واسطے آرام فرمایا۔

امام صاحب کے حلقۂ درس میں چار سو طلبا تعلیم پاتے تھے انہیں سے تین سب سے ممتاز تھے
الکیا ہراسی احمد بن محمد خوافی اور امام غزالی مگر آخر میں امام غزالی خود امام الحرمین سے بڑھ گئے
جسکی تصدیق امام غزالی کے حالات سے ہوتی ہے۔
امام الحرمین کی وفات کے بعد نیشاپور کے تمام بازار بند ہوگئے اور جامع مسجد کا منبر توڑ دیا گیا
اور تمام شاگردوں نے دوات اور قلم توڑ ڈالے اور ایک سال تک ماتم میں مصروف رہے
شعرائے متعدد مرثیے لکھے ہیں
خواجہ علاء الدین عطا ملک جوینی مصنف تاریخ جہانکشا اور خواجہ شمس الدین محمد وزیر اباخاں
امام الحرمین کے پوتے ہیں۔

(۳) امام ابوالقاسم قشیری

تیسرے رکن اس مجلس کے امام ابوالقاسم ہیں پورا نسب نامہ آپ کا یہ ہے۔
ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن بن عبدالملک بن طلحہ بن محمد قشیری امام ابوالقاسم فقہائے
شافعیہ کے مشہور رکن ہیں اور طبقۂ صوفیہ میں بلحاظ عظمت وشان امام وقت سمجھے جاتے ہیں
خواجہ نظام الملک کو بھی امام صاحب سے بحیثیت ایک عالم باعمل اور عارف کامل خاص
عقیدت تھی اور امام صاحب بھی خواجہ کی مجلس میں کبھی کبھی تشریف لے جاتے تھے اور
اپنے مفید خیالات اور وعظ ونصیحت سے خواجہ کو فائدہ پہونچاتے تھے۔
ابن خلکان کی روایت ہے کہ امام صاحب فقہ، حدیث، تفسیر، اصول، ادب، شعر اور کتابت
میں علامۂ روزگار تھے اور تصوف میں خاص پایہ تھا چنانچہ امام صاحب سے شریعت

طریقت کو ملا کر ظاہر و باطن کا رشتہ ثابت کر دیا تھا اور اس اجتہاد سے امام صاحب کی بڑی شہرت ہو گئی تھی۔

امام صاحب عربی النسل تھے۔ اور قشیر بن کعب آپ کے جد اعلیٰ تھے اور اسی نسبت سے آپ قشیری مشہور ہیں۔ عرب سے نکلکر آپ کے بزرگ استواؔ[۱] کے کسی گانون مین سکونت پذیر ہوئے تھے۔ مگر امام صاحب نے نیشاپور مین سکونت اختیار کر لی تھی۔ اور عمر طبعی کی تمام منزلین نیشاپور مین طے کین۔

باپ کا سایہ بچپن ہی مین سر سے اُٹھ گیا تھا۔ اسوجہ سے ابتدائی تعلیم و ترتیب نہین ہوئی۔ بلکہ جوان ہو کر طالب علمی شروع کی اور آخر کو کامیاب ہوئے اور مقتداے ملک و ملت قرار پائے۔ اور سب سے پہلے بنظر تعلیم آپ ابو بکر محمد طوسی کے حلقہ درس مین شریک ہوئے اور فقہ سے ابتدا کی۔ جب اسمین فراغ حاصل ہو گیا تو استاذ ابو بکر بن فورک[۲] کی خدمت مین حاضر ہوئے

---

[۱] اُستوا نیشاپور کے ایک مشہور و معروف پرگنہ کا نام ہے جسمین ۹۳ گانون تھے اور اسکا مشہور قصبہ "خوجان" ہے امام قشیری اسی پرگنہ کے کسی موضع مین رہتے تھے مراصد الاطلاع صفحہ ۳۔

[۲] ابو بکر محمد بن حسین بن فورک اصفہانی مشہور متکلم ہین لیکن اصول، ادب، نحو مین بھی یکتا تھے۔ واعظ بھی اول درجہ کے تھے ابتدا مین ایک عرصہ تک عراق مین قیام کیا پھر رے سے نیشاپور تشریف لائے یہان کے علم دوست لوگون نے خاص آپ کے لیے ایک مدرسہ بنایا اور آپ اسمین درس دیتے رہے صرف اصول فقہ اور معانی القرآن کے متعلق ایک سو کتابین تصنیف کی ہین۔ مناظرہ مین خاص کمال تھا ۴۰۶ھ مین زہر دیا گیا اور یہی باعث موت ہوا۔ حیرہ مین دفن ہوئے (نیشاپور کے ایک محلہ کا نام حیرہ ہے) ابن فورک بھی خواجہ کے درباریون مین تھے اور کتاب "النظامی فی اصول الدین" خواجہ نظام الملک کے واسطے تصنیف کی تھی۔ ابن خلکان صفحہ ۴۸۲۔ آثار البلاد صفحہ ۳۷۳ جلد اول مطبوعہ بیروت ۱۹۰۸ء۔

اور علم الاصول میں کمال حاصل کیا اسکے بعد ابو اسحٰق اسفرائنی کے مدرسہ میں داخل ہوئے
اور ایک مدت تک مسلسل علوم و فنون میں مصروف رہے اور آخر میں اسی درسگاہ سے فراغ
حاصل کیا اور تفسیر میں کتاب التیسیر لکھی عبدالکریم قشیری بلحاظ فضل وکمال جو کملائے امور
علما کے درجہ پر پہونچ گئے تھے اسلیے شیخ ابو علی دقاق نے جو واقف اسرار شریعت
اور رہنمائے طریقت تھے اپنی بیٹی کا عقد امام صاحب سے کر دیا تھوڑے زمانہ کے بعد
جب شیخ کا انتقال ہوگیا تو امام صاحب نے مجاہدہ اور تجرید کا مسلک اختیار کر لیا اور
ہمہ تن تصوف پر جھک پڑے اور اسی زمانہ میں رجال طریقت کے حالات میں ایک کتاب
تصنیف کی جسکا نام "رسالہ" ہے پھر حج کو تشریف لے گئے۔

امام ابو محمد جوینی اور امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی جیسے [illegible] علما[1] کے علاوہ ایک جماعت کثیرہ
بھی اس سفر میں شریک تھی حج کے علاوہ بغداد اور حجاز میں متعدد شیوخ سے حدیث کی سماعت
کی اور واپسی میں گوشہ نشین ہوگئے مگر وعظ و تذکیر کا سلسلہ جاری رہا۔

ابو الحسن علی الباخرزی نے اپنی کتاب دمیۃ القصر میں امام صاحب کی بڑی تعریف
کی ہے اور وعظ کے پر اثر جلسہ پر نہایت مختصر مگر فصیح و بلیغ رائے لکھی ہے چنانچہ فرماتے ہیں

[1] ابو اسحٰق اسفرائنی حالات نظامیہ نیشاپور میں آپ کا تذکرہ گزر چکا ہے [2] ابوبکر احمد بن حسین بن علی بن عبداللہ
ابن موسیٰ بیہقی امور حفاظ حدیث میں سے ہیں جامع علوم و فنون تھے مگر حدیث میں خاص شہرت ہوئی کوفہ
عراق حجاز خراسان کا سفر کرکے ان ممالک کے شیوخ سے حدیث حاصل کی تھی امام الحرمین انکے
فضل وکمال کی شہادت دیتے ہیں سنن کبریٰ سنن صغریٰ دلائل النبوۃ سنن والآثار شعب الایمان مناقب الشافعی
وغیرہ تصنیفات میں مشہور ہیں ۳۸۴ھ میں ولادت ہوئی اور ۴۵۸ھ میں بمقام نیشاپور انتقال ہوا [illegible]

"لو قرع الصخر بصوت تحذیرہ لذاب ولو ربط ابلیس فی مجلسہ لتاب" یعنی اگر امام قشیری کی ڈرانے والی آواز پتھر سے ٹکرا جائے تو وہ گھل کر بہ جائے اور اگر ابلیس انکی مجلس مین شریک ہو تو وہ اپنی شیطانیت سے توبہ کرے۔"

امام قشیری اصول مین اشعریہ اور فروع مین شافعیہ تھے۔ شعر و سخن سے بھی ذوق تھا۔ شہسواری اور استعمال اسلحہ مین امام قشیری قابل تعریف مہارت رکھتے تھے ۴۶۵ھ ربیع الآخر کی سولہ تاریخ سنیچر کے دن قبل طلوع آفتاب یہ فضل و کمال کا سورج غروب ہو گیا ربیع الاول ۳۷۶ھ مین ولادت ہوئی تھی۔ نیشا پور مین شیخ ابو علی دقاق کے پہلو مین یہ نامور خواب استراحت مین ہے۔

امام صاحب نے اپنے انتقال پر بڑا کنبہ چھوڑا۔ لیکن آپ کی اولاد مین جو سب سے نامور ہوا وہ انکا بیٹا ابو نصر عبدالرحیم تھا۔ مورخین نے شیخ ابو نصر قشیری کے بھی حالات لکھے ہین اور علوم حال قال اور مجالس تحذیر و تذکیر مین انکے والد کا ہمپلہ بتایا ہے۔

(۴) ابو علی فارمذی

چوتھے رکن اس مجلس کے صوفی ابو علی فارمذی ہین۔ پورا نام یہ ہے۔ فضل بن محمد بن علی

بقیہ صفحہ (۱۳۸) بیہق مین دس کیے گیے۔ ابن خلکان جلد اول صفحہ ۲۰۰ ۔ ۳۲ ابوالحسن علی بن حسن بن علی بن ابوالطیب الباخرزی۔ نہایت امور ادیب اور فصیح و بلیغ شاعر ہوا ہے ابتدا مین طغرل بیگ سلجوقی کا کاتب تھا۔ پھر ملازمت چھوڑ کر گوشہ نشین ہو گیا۔ عربی فارسی کا دیوان موجود ہے۔ ۴۶۷ھ مین شہید ہوا ملک شاہ سلجوقی کی مدح مین یہ رباعی مشہور ہے۔ ؎

خاقان علم و کوس ملک شاہ کشند　　فغفور بساط شاہ در راہ کشند
چیپال سراپردہ خرگاہ کشند　　قیصر ستور گاہ در کاہ کشند

المشہور بہ شیخ ابوعلی فارمدی شیخ ابوعلی طبقۂ صوفیہ میں شیخ الشیوخ کا درجہ رکھتے ہیں علوم ظاہری
میں امام ابوالقاسم قشیری کے شاگرد تھے اور ابوالقاسم علی بن عبداللہ کرگانی سے بیعت بھی
شیخ ابوعلی نے جو کچھ پایا وہ اسی قطب زمانہ کی فیض صحبت کا نتیجہ تھا اور شیخ کی فضیلت
میں صاد اسقدر لکھنا کافی ہوگا کہ جب امام غزالی علیہ الرحمہ کو علوم معرفت کی ضرورت
محسوس ہوئی تو انھوں نے ابوعلی کو اپنا شیخ بنایا اور مرید ہوئے جو لوگ امام صاحب کے فضل و
کمال سے واقف ہیں وہ اس انتخاب سے ابوعلی فارمدی کا درجہ قیاس کر سکتے ہیں
کاتب اس امیر کی روایت ہے کہ شیخ ابوعلی جب خواجہ نظام الملک کے دربار میں تشریف لاتے تھے
تو خواجہ اپنی جگہ سے اٹھکر شیخ کا استقبال کرتا پھر اپنی مسند پر بٹھا کر خود الگ ہوجاتا اور شیخ کے سامنے
متشکر ادب سے گفتگو کرتا تھا چنانچہ خواجہ کے اس ادب کو دیکھکر کسی نے پوچھا کہ آپ دیگر صوفیوں کی
ایسی عزت و تعظیم کیوں نہیں کرتے ہیں؟ کہا کہ اور حضرات جب مجھسے ملنے آتے ہیں تو وہ میری
تعریف کرتے ہیں کہ آپ ایسے ہیں اور ایسے ہیں بلکہ ان صفات سے یاد کرتے ہیں کہ جو مجھ
میں نہیں ہیں اور اسی مدح سرائی سے ظاہر ہے کہ نفس مغرور ہوجاتا ہے برخلاف اسکے
شیخ ابوعلی مجھے میرے عیوب سے آگاہ کرتے ہیں اور میں انکی ہدایت سے مستفید ہوتا ہوں"
حقیقت میں ایک عارف کامل اور گوشہ نشین زاہد اگر کسی بادشاہ یا امیر کبیر سے ملے تو اسکی
ملاقات کا منشا محض ہدایت اور پند و نصیحت کے اور کچھ ہونا چاہیے۔ کیونکہ دنیا کے خود غرض
بندوں میں یہ جسارت نہیں ہوسکتی ہے کہ وہ اپنے رفیع الشان لوگوں کو نصیحت کریں اور
مقدس لوگوں کی ہدایت کا جو اثر ہوتا ہے وہ تاریخ سے ظاہر ہے مگر ہمارے زمانے کے

صوفیہ کا ایسی صحبتون مین بھی وہی حال ہے جسکی خواجہ نظام الملک نے شکایت کی ہے۔

نصیحت پذیری خواجہ نظام الملک چونکہ ان بزرگون سے بے تکلف ملا کرتا تھا لہذا یہ حضرات بھی جو عیب خواجہ مین دیکھتے تھے وہ اُسکے مُنھ پر صاف کہدیا کرتے تھے اور خواجہ اُس سے متنبہ ہوجاتا تھا چنانچہ انھی واقعات کے ذیل مین روضۃ الصفا[1] مین ایک طولانی روایت ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ۔

سنہ ۴۷۹ [2] ہجری مین سلطان ملک شاہ جب اول مرتبہ بغداد گیا ہے تو خواجہ بھی ہمراہ تھا چنانچہ مقدس مقامات کے زوار اور دیگر ارباب حاجت نے جب خواجہ کو گھیر لیا تو اُسنے بھی کسی سائل کو اپنی فیاضی سے محروم نہ رکھا لیکن واپسی پر جب فرد حساب ملاحظہ کی تو واضح ہوا کہ بطور عطیات دو لاکھ روپے (۲۰ ہزار دینار) صرف ہوگئے ہین۔ اسلیے خواجہ نے حکم دیا کہ فی الحال وظائف ملتوی کیے جائین۔ اور کوئی سائل میرے پاس نہ آنے پائے۔

چنانچہ شیخ ابوسعد واعظ کو جب یہ حال معلوم ہوا تو وہ خواجہ سے ملے اور اپنی کتاب موسومہ "نصیحۃ النظامیہ" کے ایک باب پڑھنے کی اجازت چاہی اور خواجہ کی اجازت پر شیخ نے پڑھنا شروع کیا۔ جسکے بعض فقرات کا ترجمہ یہ ہے۔ حاجتمند اگر کسی امیر کے پاس جائے اور وہ اُسکی خواہش نہ پوری کرے تو اُسپر کوئی عذاب نہین ہوسکتا ہے لیکن وہ شخص جسکو باری تعالی نے اپنے بندون اور وسیع دنیا پر حکمران فرمایا ہے۔ اگر وہ حوادث کا انسداد اور مساکین کی امداد نہ کرے یا وقت کا استعمال ٹھیک طور پر نہ کرے (کیونکہ یہ شخص حقیقت مین مزدور ہے

[1] روضۃ الصفا صفحہ ۶۷-۱۶۹۔ حالات نظام ۔ [2] چوتھی ذی الحجہ ۴۷۹ھ مین ملک شاہ داخل بغداد ہوا تھا تاریخ آل سلجوق مطبوعہ مصر صفحہ ۷۲۔

جیسے اپنے قیمتی وقت کو بیچ ڈالے اور اسکی اجرت پا جاتا ہے تو وہ تو اہل و عیال میں خوشدلی
سے خوش رہ سکتا ہے۔ مطالعہ کا لطف اٹھا سکتا ہے، اعتکاف و تلاوت کر سکتا ہے مگر یہ حال
ان اعمال نوافل سے بہتر ہے مسلمانوں اور بندگان خدا کی غمخواری کرنا واجب ہے اور احکام امیر ہے
کا دلانا واجب کے لیے نفل کو ترک کر دینا چاہیے خواہ اگرچہ وہ وزیر ہے مگر حقیقت میں وہ
ایک امیر ہے جسکو ملک شاہ نے اپنے بیانات کے لیے ایک خاص اجرت پر لے لیا ہے تاکہ
وہ اس میں شہروں اور رعایا کا انتظام اور آخرت میں سلطان کی جانب سے جوابدہی کرے
کیونکہ قیامت کے دن ملک شاہ کو خدا کے سامنے کھڑا ہونا پڑیگا اور سوال کیا جائیگا کہ ملک شاہ
میں نے تجھکو ایک عظیم الشان سلطنت کی حکمرانی بخشی تھی اور اپنے بندوں کی مہمات کو تیرے
سپرد کر دیا تھا تو نے اُنکے ساتھ کیسا برتاؤ کیا؟

ملک شاہ جواباً عرض کریگا خداوندا تو علام الغیوب ہے، میں نے تیرے بندوں کا انتظام
ایک فرزانہ و عاقل اور مدبر وزیر کے سپرد کر دیا تھا کہ وہ عدل و انصاف کرے میں نے اسکے
ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں قلم دے دیا تھا تاکہ وہ قلم سے حکم لکھے اور تلوار سے مجرموں
اور ظالموں کو سزا دے اب اسکو حضور میں پیش کرتا ہوں ہر قسم کی جوابدہی کا یہ ذمہ دار ہے"
تب نظام الملک عرض کریگا اس وقت سب سے اچھا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ یا تو آپ کہیں گے کہ
جب انتظام سلطنت میرے سپرد ہوا تو میں نے مکان کا دروازہ کھول دیا اور حاجت ر
وا ان کو اٹھا دیا جو مجھ سے طالب ہوئے میں نے اُنسے احسان و سلوک کیا، یا آپ یوں
عرض کریں گے کہ میں نے دروازے پر حاجب و دربان مقرر کیے اور انکو ہدایت تھی کہ کوئی کم

کوئی آنے نہ پائے قاصد اور سفرا واپس کردیے جائین اور امیدوارون کو جواب دیدیا جائے۔
نوشیروان مذہبا آتش پرست تھا لیکن فریادیون کے لیے اُسکا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا
دروازہ پر پاسبان نہ تھا۔ چنانچہ سفیر روم نے ایک بار عرض کیا کہ "جہان پناہ نے تو دشمنو نپر
بھی راستہ کھول دیا ہے اور اپنے بچاو کا کوئی ذریعہ نہین رکھا ہے" نوشیروان نے کہا کہ
صرف "عدل میرے لیے حصار ہے"
خواجہ! یہ تو ایک آتش پرست بادشاہ کا حال تھا تجھے خدا نے خلعت اسلام سے مزین کیا ہے
اسلیے تمام حکام سے بڑھکر تجکو عادل ہونا چاہیے اور اُس دن کو یاد کر جسدن پروردگار عالم
اپنے بندون کو اعمال کا صلہ دیگا۔ لوگ آفتاب محشر کی حرارت سے عرق عرق ہونگے اور
خواجہ اپنی نصفت شعاری کے طفیل سایہ مین کھڑا ہوگا۔ بلند ہمتی اور نفس کی پاکیزگی بدلی
کے مشابہ ہے مگر یہ زمین کی بدلی ہے۔ جب کہ آسمان کے بادل ساری دنیا مین مینھ برساتے
ہین تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ زمین کے بادل بارش مین کاہلی کرین؟ اور مروت کے مذہب مین
بھی یہ کب جائز ہوسکتا ہے؟ کہ حق سبحانہ تعالی ایک صاحب تدبیر وزیر کو روے زمین کی
حکومت عطا کرے اور وہ دار السلام بغداد کو اپنی فیاضی سے محروم رکھے اور یہ مسلم ہے
کہ انسان اس دار فانی مین ہمیشہ نہین رہیگا لہذا بہتر ہے کہ اس چند روزہ زندگی کو غنیمت
جانے اور حیات ابدی کے حصول مین کوشش کرے۔ مین نے اسوقت جو کچھ نصیحتًا
کہا ہے یہ گویا ایک امانت تھی جو مین نے ادا کردی ہے اب اسپر عمل کرنا آپ کا کام ہے۔
جب خواجہ نظام الملک شیخ ابوسعد کی تقریر سن چکا تو بہت خوش ہوا اور بطریق نذرانہ ایکہزار

دینار پیش کیے لیکن سنجر نے یہ کہکر واپس کر دیئے کہ میں باغ و اراضی کا مالک ہوں مجھے اسکی
حاجت نہیں ہے البتہ آپ کی نیک نامی اور قیام دولت مطلوب ہے۔
اسکے بعد خواجہ نے اپنا پہلا حکم منسوخ کر دیا اور ابو سعد کی نصیحت کے مطابق عمل کیا[1] کامل ابن اثیر
وغیرہ میں اس قسم کے واقعات اور بھی تحریر ہیں جسکو ہم نے نظرانداز کر دیا ہے۔

حلم و عفو امیر[2] ابو نصر بن ماکولا کا بیان ہے کہ میں ایک دن نظام الملک کی مجلس میں حاضر تھا
اور امام الحرمین بھی تشریف رکھتے تھے کہ ایک حاجتمند آیا اور اس نے اپنی عرضی نظام الملک
کی جانب پھینکی جسکے ٹکرانے سے بھری ہوئی دوات مسند پر پلٹ گئی اور عرضی سیاہی میں
ڈوب گئی خواجہ نے ہاتھ بڑھا کر عرضی کو پڑھا اور فرمایا کہ یہ شخص عمامہ اور لباس چاہتا ہے
لیکن سائل کی اس حرکت پر نہ تو چہرہ پر شکن آئی اور نہ کسی قسم کی ناراضی کا اظہار کیا مجھے خواجہ
کے اس حلم پر بہت تعجب ہوا اور میں نے اس واقعہ کا استاد الدار سے تذکرہ کیا تو اس نے کہا
کہ میں آپ کو اس سے بھی عجیب تر واقعہ سناتا ہوں اور وہ یہ ہے
"میری نگرانی میں چالیس فراش ہیں (ہر وقت کے واسطے جداگانہ) فرش مقرر تھے
کل شب کو یکایک آندھی آئی اور خواجہ کی بستر پر گرد کی چادریں بچھ گئیں فراشوں کو آواز
دی مگر جب ملے برخاست تھے تو دنیا میری آنکھوں میں تاریک ہو گئی اور میں نے اپنے
دل میں کہا کہ ہم سب سزا کے مستحق ہیں اور جو عذاب ہم پر نازل ہو وہ کم ہے کیونکہ
کوئی ایک بھی نہیں ہے جو بستر کو جھاڑ کر بچھائے اور اس خیال سے میرا غصہ بہت بڑھ گیا

[1] کامل ابن اثیر جلد ۱۰ [illegible] [2] طبقات الکبری ابن سبکی حالات نظام الملک۔

جب خواجہ نے میرا بڑبڑانا سنا تو فرمایا کہ "وہ کسی کام سے باہر چلے گئے ہونگے اور بھلا ایسا کون انسان ہے؟ جسکو ذاتی کام نہون اور یہی اسباب ہین جنسے ادائے فرائض مین کوتاہی ہوجاتی ہے۔ اور فراش بھی تو آخر ہمارے جیسے انسان ہین۔ جیسے ہم دُکھ پاتے ہین ویسے ہی وہ بھی تکلیف اٹھاتے ہین جن جن چیزون کی ہمین حاجت ہے اُنکے وہ بھی آرزومند ہین ان یہ ضرور ہے کہ خدا نے ہمکو اُنپر فضیلت بخشی ہے اسلیے خدا کی نعمتونکا یہ شکریہ نہین ہے کہ ہم اُنکی ایسی خفیف باتونپر سزا دین۔

۳- ابنِ ہباریہ[۱] خواجہ نظام الملک کا وظیفہ خوار اور دربار کا مشہور شاعر تھا ایکمرتبہ تاج الملک[۲] ابوالغنائم بن دارست نے جو خواجہ کا مشہور دشمن تھا۔ ابن ہباریہ سے کہا کہ "اگر تم خواجہ کی ہجو لکھو تو مین تمکو مالامال کردون" ابن ہباریہ جو ہجوگوئی مین ضرب المثل تھا اُسنے کہا کہ مین ہجو تو آج لکھ دون مگر میرا دل مجکو ملامت کرتا ہے۔ کیونکہ مین اپنے گھر کی جس چیز کو دیکھتا ہون وہ خواجہ کی عطیہ نظر آتی ہے پھر ایسے محسن کی ہجو کیونکر قلم سے نکلے گی۔ مگر خانۂ طمع سیاہ باد آخر دبی زبان سے چند اشعار لکھے جسکا اخیر شعر یہ ہے۔

فالدھر کالدولاب لیس یدور الا بالبقر

آخر زبانون پر گھومتے پھرتے یہ اشعار خواجہ کے بھی کان تک پہونچے۔ خواجہ نے سنا تو بجز اسکے اور کچھ نہ کہا کہ ابن ہباریہ نے اس مشہور مَثَل کی طرف اشارہ کیا ہے کہ "اہلِ طوس بقر"[۳] اور یہ میرے طوسی ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ خواجہ نے ابن ہباریہ سے نہ تو کوئی جواب

---

[۱] دیباچہ کتاب الصادح والباغم مصنفۂ سید شریف نظام الدین ہباری صفحہ ۵ مطبوعۂ بیروت ۱۸۸۶ء [۲] تاج الملک کے تفصیلی حالات حصہ دوم مین لکھے گئے ہین۔ [۳] ہندوستان مین بھی بہت سے مواضعات اور قصبات ایسے ہین جہاں کے باشندے بیوقوفی مین ضرب المثل ہین اسیطرح فارس مین باشندگان طوس کو لوگ احمق سمجھتے ہین اور اہی زبان مین اُنکو "گاؤ طوسی" کہتے ہیں چنانچہ خواجہ کے دشمن اُسیر یہی پھبتی کہا کرتے تھے اور اسیکو ابن ہباریہ نے نظم کردیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ دولاب کو صرف بیل ہی کھینچ سکتا ہے

طلب کیا یہ اُسکو بُرا معلوم ہوا کہا۔ لکڑا انعام اور صلہ میں یست ساق کے اضافہ کردیا سیح ہے
ہے وہیں سگ لقمہ دوختہ۔ خواجہ نظام الملک کے مکارم اخلاق اور وسعتِ حلم کا یہ
ایک مختصر خاکہ ہے جس سے اسلامی اخلاق اور مذہبی تعلیم کی خوبیوں کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

مذہبی زندگی

مُہذب دنیا کا کوئی فرد بشر ایسا نہیں ہے جو مذہب نہ رکھتا ہو۔ کیونکہ مذہب انسان کی
فطرت میں داخل ہے اور اسی لیے کہا جاتا ہے کہ جس شخص میں مذہبی روح نہ ہو وہ انسان
نہیں ہے۔ توحید، موت، سعادت، معاد، حشر اور سزا اور تمام اخلاقی امور کی تعلیم و تکمیل صرف
مذہب ہی کے ذریعے سے ہوتی ہے۔

مذہب ہی ایک ایسی چیز ہے جو ازلی اور ابدی ہے اور کوئی قوت ایسی نہیں ہے جو اسکو نیست و نابود
سے معدوم کردے ہاں یہ ممکن ہے اور ہزاروں مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ مذہب کی سرسبز اور پھلی
پھولی شاخیں کاٹ ڈالی گئی ہیں۔ مگر آج تک یہ کسی نے نہ دیکھا ہوگا کہ مذہب کا استیصال
ہوگیا ہو البتہ عقل کی کمزوری اور نورایمان کی کمی سے مثل دیگر قوتوں کے انہیں بھی ضعف
آجاتا ہے مگر پوری طور پر صفحۂ دل سے وہ کبھی نہیں مٹتا ہے اور نہ انسان اسکو مٹا سکتا ہے
دنیا کی ہر قوم، ہر نسل اور ہر طبقہ کسی نہ کسی مذہب کا پابند ہے مگر انمیں ایسے لوگوں کی تعداد
ہمیشہ محدود ہوا کرتی ہے جنکا ہر قول اور ہر فعل مذہب کے مطابق ہو اور مذہب ہی انکا
اوڑھنا بچھونا ہو لیکن پھر بھی عملی طور پر جسقدر مذہب کی پابندی ہے وہ غنیمت ہے اور

لہ دستۃ الناس جلد دوم صفحہ ۲۷۳

امرا مین اِس عنصر کی بہت کمی ہے اور امرا کے مقابلے مین بادشاہون اور وزیرون مین تو مذہب برائے نام ہوتا ہے لیکن افراد مذکورہ بالا مین سے اگر کوئی اس کلیہ سے مستثنیٰ ہو تو اُسکی زندگی کا یہ واقعہ نہایت مہتم بالشان ہے۔

مذہب اسلام مین مذہبی زندگی کے یہ معنی ہین کہ اسکے عقائد، عبادات اور اخلاق کا ہر ہر جزو قانون مذہب کے مطابق ہو۔ اور اسکا کوئی فعل مذہبی معیار سے باہر نہو۔ چنانچہ خواجہ نظام الملک بھی قرون اولی کے اُن خوش قسمت مسلمان وزرا مین سے ایک ہی شخص ہے جسکی زندگی کو ہم مذہبی زندگی کہہ سکتے ہین۔

مذہب | نظام الملک شافعی تھا۔ اور سخت متعصب! مگر اس تعصب سے وہ بغض و عداوت، اور نفرت مراد نہین ہے، جو دوسرے مذہب والے کے ساتھ برتی جائے (نعوذ باللہ منہا) بلکہ شدۃ فی المذہب مقصود ہے۔

ذکر و عبادت | ذکر و عبادت کے لحاظ سے خواجہ نظام الملک کو زاہد کہنا چاہیے اور وہ نہایت مرتاض تھا۔ نماز پنجگانہ ہمیشہ جماعت سے پڑھتا تھا اور یہ اسکی عادت تھی کہ ہمیشہ باوضو رہتا تھا اور ہر وضو کے بعد نماز نفل ادا کرتا تھا۔ قرآن مجید کی تلاوت کبھی ناغہ نہوتی تھی۔ اور یہ بھی التزام تھا کہ تلاوت کے وقت کبھی تکیہ لگا کر نہین بیٹھا۔ کیونکہ ایسی نشست کو قرآن مجید کے عظمت و شان کے خلاف جانتا تھا۔ اور کلام مجید کو سفر اور حضر مین اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ جسوقت کان مین اذان کی آواز آتی تھی، دنیا کے تمام کار و بار چھوڑ کر اُٹھ کھڑا ہوتا تھا۔

سلہ طبقات الکبریٰ ترجمہ نظام الملک۔

اپنے دل مین کہا کہ "اگر مین جانتا کہ اس خط کا یہ اثر ہوگا تو مین ہرگز پیش نہ کرتا" چنانچہ خواجہ نے وہ خط پڑھکر مجھے واپس کردیا اور کہا کہ "جو شخص لایا ہے اسکو واپس کردو" مین نے خیمے کے دروازے پر دیکھا تو وہ شخص مجکو نہ ملا تب مین نے خط لاکر خواجہ کے سامنے رکھدیا۔ اور خواجہ نے خط کو میرے سامنے ڈال دیا۔ مین نے اُسکو پڑھا تو اُسکا یہ مضمون تھا کہ "مین نے رسول اللہ صلعم کو خواب مین دیکھا ہے اور حضور نے فرمایا ہے۔ کہ حسن سے جاکر کہو تمھین مکہ جانے کی ضرورت نہین ہے، تمھارا حج یہی ہے کہ اس ترک (ملک شاہ) کی خدمت کیے جاؤ۔ اور میری امت کے لوگون کی حاجتین پوری کیا کرو۔ چنانچہ خواجہ نے روانگی مکہ معظمہ کی ملتوی کردی" خواجہ نظام الملک حج سے تو محروم رہا۔ مگر بغداد مین جسقدر بزرگانِ دین اور اولیاے کرام کے مزار مین اُن سب کی زیارت کی اور اسی سال مہینہ ذی الحجہ مین موسیٰ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے مزار پر انوار پر حاضر ہوکر فاتحہ پڑھا۔ ملک شاہ بھی خواجہ کے ہمراہ تھا۔ چنانچہ اس واقعہ پر ابن زکرویہ واسطی نے بطور تہنیت کے ایک قصیدہ لکھا۔[1]

احجاج کی تجہیز وتکفین فقیہ ابوالقاسم[2] (برادر خواجہ) کی روایت ہے کہ ودین مکہ معظمہ مین موجود تھا۔ اور عرفات جانے کی تیاری کررہا تھا کہ اطلاع ہوئی کہ ایک خراسانی کا کسی زاویہ مین انتقال

---

[1] تاریخ کامل اثیر مین اس قصیدہ کے حسب ذیل تین شعر تحریر ہین۔

زرت المشاھد زورۃ مشھودۃ		ارصت مضاجع من بھا مدفون
فکانک الغیث استھل بتربھا		وکانھا بک روضۃ ومعین
فازت قداحک بالثواب وانجحت		ولک الالہ علی النجاح ضمین

کامل ابن اثیر صفحہ ۵۳ جلد ۱۰۔

[2] یہ ہرسہ واقعات طبقات الکبری سے منقول ہین۔

ہوگیا ہے اور اسکی نعش بھول گئی ہے چنانچہ اُسکی تجہیز و تکفین کی غرض سے میں نے عرفات کا
جانا ملتوی کردیا جب میرا ارادہ اُس امیر کو معلوم ہوا جو خواجہ کی طرف سے حجاج کی خبرگیری کے
مقرر تھا تو اُسنے کہا کہ آپ جائیں تمام قافلہ روانہ ہوچکا ہے اس حاجی کے جنازہ کا میں انتظام
کردونگا کیونکہ خواجہ نظام الملک کی طرف سے پچاس ہزار گز کپڑا میرے پاس موجود ہے جو
صرف کفنیں ہونے کے واسطے ہے۔

۲ حجاز کا راستہ | زمانہ سابق میں جو دقتیں حاجیوں کو پیش آتی تھیں آج اُنکا عشرِ عشیر بھی
نہیں ہے۔ اور سب سے زیادہ تکلیف راستے کی بدامنی کی وجہ سے ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ خواجہ
نظام الملک نے اپنے عہد وزارت میں مکہ معظمہ کے راستوں کو خوب صاف کیا اور جو
دشواریاں تھیں اُنکو دور کردیا اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی آبادی میں خاص کوشش کی
اور حاجیوں کی راحت رسانی کے واسطے متعدد سامان کیے۔

۳ بے تعصبی | ابونصر محمد بن منصور بن محمد ملقب بہ عمید الملک کندری وزیر طغرل بیگ سلجوقی
نے اپنے عہد وزارت میں سلطان کی منظوری سے یہ حکم جاری کیا تھا کہ خطبہ میں روافض پر
لعنت کی جائے" اور جب تمام ملک میں اسکا عملدرآمد ہوگیا تو اشاعرہ[1] کی نسبت بھی یہی حکم

---

[1] وہ امام اشعری سے منسوب ہے جنکا نام ابوالحسن علی بن اسمٰعیل ہے۔ امام صاحب [illegible] میں بمقام بصرہ پیدا
ہوئے اور [illegible] میں بمقام بغداد وفات پائی ساٹھ برس کے ایک چیلے کا نام ہے اور آپ ابو موسیٰ اشعری کے
اولاد میں ہیں جو مشہور صحابی تھے۔ امام ابوالحسن نے ابتدا میں عبدالوہاب جبائی سے تعلیم پائی تھی اور چالیس
برس تک معتزلی رہے اور امام بنے رہے۔ پھر یکایک خواب میں ہدایت ہوئی جسکی بنا پر جامع بصرہ میں جاکر
اعلان کردیا کہ میں نے معتزلہ کے عقائد سے توبہ کی۔ اور معتزلہ جیسے خوارج اور تمام اہل بدعت تھے (باقی آئندہ)

صادر ہوا۔ چنانچہ عمید الملک کے زمانہ مین دونون فرقون کے اماموں پر لعنت کی بارش ہوتی رہی۔ افسوس!!

عمید الملک کی اس متعصبانہ کارروائی سے ملک کے نامور ائمہ امام الحرمین اور ابوالقاسم قشیری وغیرہ ناراض ہوکر مکۂ معظمہ کو ہجرت کر گئے یا کسی اور طرف چلے گئے۔ لیکن طغرل بیگ کے انتقال پر جب الپ ارسلان تخت نشین ہوا اور خواجہ نظام الملک مستقل وزیر تو خواجہ نے سب سے پہلے یہ فرمان جاری کیا کہ "اشاعرہ اور روافض پر جو لعن کیجاتی ہے وہ بند کی جائے[1]" جب یہ خبر اطراف عالم مین شائع ہوگئی تو تمام علما اپنے وطن مین واپس آئے اور خواجہ نے اُنکا ویسا ہی خیر مقدم کیا جسکے وہ مستحق تھے۔

شوق عبادت | خواجہ نظام الملک کا قول ہے کہ "ایک وقت مین میری یہ تمنا تھی کہ کاش مین ایک گاؤن کا زمیندار ہوتا اور زمین ایک مسجد ہوتی جس مین بیٹھکر یادِ الٰہی کیا کرتا۔ پھر یہ خواہش ہوئی کہ نہین، میرے لیے تو مسجد کا ایک گوشہ اور چند بسوے زمین کافی ہے" اور اب تو

بقیہ صفحہ ۵۰) ردمین نہایت کثرت سے کتابین لکھین۔ شافعیہ مین امام صاحب کی بڑی قدر و منزلت ہوئی اور ہزارون علما، انکے شاگرد ہوے جنمین سے ابوسہل صعلوکی، ابوبکر قفال، ابوزید مروزی، زاہر بن احمد۔ حافظ ابوبکر جرجانی شیخ ابومحمد طبری۔ ابوعبداسد طائی، ابوالحسن باہلی۔ بندار بن حسن صوفی، نہایت نامور ہین۔ لیکن شاگردی کے دوسرے دور مین ابوبکر باقلانی، ابواسحاق اسفرائینی۔ ابوبکر بن فورک۔ اور امام الحرمین وغیرہ اپنے اساتذہ سے بھی بڑھ گئے۔ بلکہ امام الحرمین کی توجہ اور اقتدار سے امام اشعری کی تصنیفات تمام دنیا مین پھیل گئین۔ اور اُنکا مرتبہ "علم کلام" تمام دنیا کا علم بنگیا ہے"

تفصیل کے لیے دیکھو علم الکلام شمس العلما شبلی نعمانی۔ الملل والنحل۔ طبقات الکبری۔ کامل اثیر صفحہ ۲۷۔ جلد ۱۰

[1] کامل اثیر۔

صرف یہی آرزو ہے کہ تمام دن میں کھانے کو ایک روٹی ملجائے اور مسجد کا ایک زاویہ ہو جس میں بیٹھا ہوا اللہ اللہ کیا کروں'

یہ خیال خواجہ کی مذہبی زندگی کا اعلیٰ نمونہ ہے اور مصنف آثار الوزراء[1] کے اس قول کا مؤید ہے کہ "خواجہ نظام الملک با وجود دولت و عظمت بسیار و استقلال بے شمار و انتظار حال صغار رعیت و بیچارگان ہر ولایت رسیدے و باز ہاد و مشائخ و علماء صحبت داشتے و اوقات و ساعات را مصروف طاعات و عبادات گردانیدے"

عام حالات

ترجمہ | نصیر ابو القاسم (برادر خواجہ) کا بیان ہے کہ ہم میں ایک رات خواجہ کا مہمان تھا، جب کھانے کے لیے دسترخوان بچھایا گیا تو خواجہ نے مجکو بھی شرکت کی عزت بخشی، بسبب اسطرح پر بھی کہ خواجہ کے ایک طرف میں تھا اور دوسری طرف عمید خلیفہ (ا) اور عمید کے پہلو میں ایک مسکین فقیر جسکا داہنا ہاتھ کٹا ہوا تھا چنانچہ فقیر نے جب بائیں ہاتھ سے کھانا شروع کیا تو عمید کو اسکا یہ طرز ناپسند ہوا جب خواجہ نے عمید کی تیوریوں پر بل دیکھا تو عمید سے کہا کہ آپ دوسری طرف ہٹ جائیں اور فقیر سے کہا کہ یہ تو بڑے آدمی ہیں تم میری طرف چلے آؤ اور پھر اپنے ساتھ کھانا کھلایا"

کامل[2] ابن اثیر کی روایت ہے کہ خواجہ کے دسترخوان پر ہمیشہ مساکین و فقراء کھانا کھاتے اور خواجہ کے قریب بیٹھا کرتے تھے۔

[1] دستور الوزراء مصنفہ سیف الدین [2] صفحہ ۷۶ جلد ۱

رقت طبع | ابوالخیر ولف بن عبداللہ بن محمد البنان بغدادی (بروایت امام عبدالرحیم بن شافعی قزوینی) بیان کرتے ہیں کہ "خواجہ نظام الملک بیمار پڑا ہوا تھا کہ ابو علی القوسانی خواجہ کی عیادت کے واسطے تشریف لے گئے اور انھوں نے یہ اشعار پڑھے۔

اِذَا مَرِضْنَا نَوَیْنَا کُلَّ صَالِحَۃٍ	جب ہم بیمار ہوتے ہیں تو نیک کام کی نیت کرلیا کرتے ہیں
فَاِنْ شُفِیْنَا فَمِنَّا الزَّیْغُ وَالزَّلَلُ	گر تندرست ہونے پر اُن ارادوں میں لغزش ہوجاتی ہے
نَرْجُوا الالٰہَ اِذَا خِفْنَا وَنُسْخِطُہٗ	حالت خوف میں تو ہم خدا سے امید رکھتے ہیں اور حالت امن میں اسکو
اِذَا اَمِنَّا فَمَا یَزْکُوْا لَنَا عَمَلٌ	ناراض کرتے ہیں یہیں اقتضا ہوکہ ہمارے عمل پاک صاف ہیں ہیں

یہ اشعار سنکر خواجہ کو رقت طاری ہوئی اور کہا کہ "جیسا آپ فرماتے ہیں یہ بالکل سچ ہے"

نیک مزاجی | خواجہ کے دروازے پر بھی معمولاً حاجب و دربان مقرر تھے۔ مگر انکو یہ ہدایت تھی کہ کسی وقت کوئی آنے والا نہ روکا جائے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ "خواجہ دسترخوان پر تھا کہ ایک عورت (ہاتھ میں پیالہ لیے ہوئے) آئی دربان نے اسکو لوٹا دیا۔ جب خواجہ نے بچشم خود اُسکو واپس جاتے ہوئے دیکھا تو دربان پر بہت خفا ہوا اور کہا کہ "تم صرف اسلیے نوکر ہو کہ دروازے سے کوئی مسکین و محتاج خالی ہاتھ نہ جائے۔ البتہ صاحبان جاہ و حشم محض اپنی ذاتی راحت کے لیے نوکر رکھا کرتے ہیں[۱]"

فیاضی | خواجہ[۲] نظام الملک کی عادت تھی کہ جب وہ گھر سے باہر نکلتا تھا تو روپونکی تھیلیاں غلامون کے ساتھ ہوتی تھیں اور راستہ میں جس محتاج پر نظر پڑتی تھی اُسکو انعام دیا جاتا تھا۔

---

[۱] یہ ہر سہ واقعات طبقات الکبری سے منقول ہیں۔ [۲] آثار الوزرا سیف الدین۔

چنانچہ ایک دن کا واقعہ ہے کہ خواجہ کی سواری کسی سری فروش کی دکان کی طرف سے نکلی، وہ شخص
اٹھ کھڑا ہوا، اور عرض کیا کہ محتاج ہوں، موجودہ معاش کی آمدنی اہل و عیال کے لیے کافی
نہیں ہے۔ خواجہ نے غلام کی طرف اشارہ کیا اُسے ایک تھیلی دے دی۔ سری فروش نے
دعا دی اور دکان سے اٹھ کر دوسرے راستہ پر جا بیٹھا اور وہاں سے پاؤں چھپا کر معذور
بن گیا اور خواجہ سے ظاہر کیا کہ پانچ موں لڑکے بچے بہت ہیں، روٹیوں سے مولی ہو رہا ہوں
خواجہ نے غلام کو اشارہ کیا اُسے پھر ایک تھیلی دے دی۔ چنانچہ سری فروش زر نقد لیکر یہاں سے
بھی اٹھا اور آگے ٹھیکرے روپ سے خواجہ کو سلام کر کے کہنے لگا کہ مجھ پر دنیا تنگ ہو رہی ہے
چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کا بار سر پر ہے۔ خواجہ نے غلام سے اشارہ کیا۔ اسکے بعد آوارہ گرد چوتھی
مرتبہ خواجہ کے سامنے آیا اور بیان کیا کہ میں اصفہان[1] کا باشندہ ہوں اور عازمی ہوں
افسوس ہے کہ میری فوج نے شکست کھائی اور بہزار خرابی زندہ بچ کر یہاں تک آیا ہوں۔ آخرتہ
کبھی خواجہ نے انعام کا حکم دیا مگر یہ کہکر کہ "اے بوڑھے سری فروش، معذور، لڑکیوں والے،
عازمی اصفہانی! اپنا انعام لے اور رخصت کر دیا۔

لطیفہ | سلطان الپ ارسلان کے زمانہ میں وزارت سے قبل خواجہ نظام الملک کی
دیانت، کفایت اور لیاقت کا دفتر التیا میں سکہ بیٹھ گیا تھا۔ چنانچہ اسی زمانہ میں سلطان کو
سفر کا اتفاق ہوا لیکن وزیر السلطنت عمید الملک کندری علالت کے باعث سلطان کے
ہمراہ نہیں جا سکتا تھا اور سفر میں کم از کم ایک کاتب کا ہمراہ جانا ضرور تھا چنانچہ سلطان

[1] اسفہان (اصفہان) بلاد ماوراء النہر کا مشہور شہر ہے۔

دفتر نے خواجہ حسن کو انتخاب کیا اور سلطان نے بھی اس انتخاب کو منظور فرمایا۔ چونکہ اسوقت خواجہ کی معمولی حالت تھی اسوجہ سے سامان سفر کے لیے متردد ہوا۔ اور اداے نماز اور عرض نیاز کے لیے داخل مسجد ہوا کہ اتنے مین ایک اندھا بھی آیا اور پکارا کہ کوئی ہے؟ خواجہ نے کوئی جواب نہین دیا۔ پھر اندھے نے لاٹھی کے سہارے سے مسجد کا ایک ایک گوشہ ٹٹولا جب اطمینان ہوگیا کہ کوئی نہین ہے تب جاکر مسجد کا دروازہ بند کیا۔ اور محراب کے سامنے کا فرش ہٹا کر زمین کھودی اور ایک آبخورے سے روپیے نکالے اور تھوڑی دیر تک اُن روپون سے اپنا دل خوش کرتا رہا پھر روپون کو آبخورے مین بھر کر اُسی جگہ دفن کردیا اور چلا گیا۔ چنانچہ خواجہ نے کمال مسرت واطمینان قرض حسنہ کے طور پر اس روپیہ کو لے لیا اور سامان سفر درست کرکے سلطان کے ہمراہ روانہ ہوگیا۔ چنانچہ عہد وزارت مین ایک دن خواجہ کی سواری شاہانہ جاہ وجلال سے جارہی تھی کہ راستے مین وہ اندھا نظر آیا۔ خواجہ نے ایک خادم کو حکم دیا کہ در مکان پر حاضر کیا جائے، چنانچہ جب وہ پیش ہوا تو خواجہ نے اُسکی بڑی خاطر کی اور اِدھر اُدھر کی باتون کے بعد پوچھا کہ "جو روپیہ تمنے محراب مسجد مین دفن کیا تھا وہ تمکو ملا یا نہین" روپون کا ذکر سنکر اندھا اُچھل پڑا اور خواجہ کا دامن پکڑ کے کہنے لگا کہ "ہان صاحب! مین نے اپنا کھویا ہوا روپیہ آج پا لیا" خواجہ نے کہا کہ کیونکر؟ اندھے نے کہا کہ "جسدن سے میرا روپیہ گیا ہے، مین نے اس واقعہ کا کسی سے ذکر نہین کیا ہے" خواجہ یہ سنکر ہنس پڑا اور جسقدر روپیہ لیا تھا اُسکا دوچند اندھے کو دلا دیا۔ اور پرگنہ مرو مین ایک گاؤن اُسکی اولاد کے نام ہبہ کردیا اور غریب اندھا تمام عمر کے لیے مالا مال ہوگیا۔ اس حکایت کو روضۃ الصفا وغیرہ نے بھی لکھا ہے

اور خواجہ کے آیندہ اقبال اور علامات سعادت کے واقعات میں شمار کیا ہے۔[1]

[۳] نظام الملک کا دستور تھا کہ جب اُسکی حضور میں کوئی ہدیہ پیش ہوتا تو وہ حاضرین مجلس کو تقسیم کردیا کرتا تھا چنانچہ ایک مرتبہ اعیان سے میں لوکیاں ڈالی میں پیش کیں خواجہ نے ایکہزار درہم انعام دیکر اُسکو رخصت کردیا اور تقسیم کی غرض سے ہر لوکی کے متعدد ٹکڑے کرا ڈالے لیکن پھر تقسیم نہ کیا ایک مصاحب نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ "یہ تقسیم نہیں۔ اور کوئی چیز قابل ہدیہ نہیں اور انعام اسوجہ سے دیا گیا کہ غریب اپنی محروم نہ رہے"[2]

خواجہ نظام الملک الطبع فیاض تھا مگر اُسکی فیاضی اعتدال کے ساتھ تھی علما مشائخ حکما شعرا اطبا مصاحبین اور خدام کو عیدین اور نوروز وغیرہ کے موقع پر انعام دیا کرتا تھا مگر یہ انعامات برامکہ کے مرتبہ تک نہ تھے کہ ایک دن میں پورے صوبہ کا خراج ایک اعرابی (بدو) یا کسی شاعر کو دیدیا جائے۔ خواجہ کے انعام اور صلہ کی تعداد ہمیشہ ایک محدود مقدار میں ہوتی تھی اور اگر زمانۂ حال کے اصول کے مطابق دیکھا جائے تو بقول ایک ظریف کے کہہ سکتے ہیں کہ خواجہ نظام الملک بھی "انجمن اصلاح بدل" کا ایک رکن تھا جسکا ہر کام افراط و تفریط سے پاک تھا اور ایسے ہی ہوے زمانے حال کے مسلمانوں کے لیے باعث خیر و برکت ہوسکتے ہیں۔

سپہر دیکھا ایک شخص راوی ہے کہ "میں خواجہ نظام الملک کی مجلس میں موجود تھا یہ وہ زمانہ تھا جب کہ خواجہ نظام الملک کی وزارت عروج پر تھی اور ملک شاہ خواجہ کے اشارہ پر چلتا تھا کہ عراق عجم سے ایک نامہ آیا جسکا یہ مضمون تھا کہ "ایک پہاڑی چراگاہ میں پانسو عربی گھوڑے

[1] گنج دانش صفحہ ۵ ۵ [2] زیب المجالس جلد ۲ صفحہ ۲۷۲۔

چر رہے تھے کہ ناگاہ ایک جھنڈ بڑنکا پہاڑ کی چوٹی سے اوڑا یہ پرندے نسر او رعقاب کے برابر تھے، جنگلے پروں کی ہیبتناک آواز سے گھوڑے بدک کر بے اختیار بھاگے۔ اور ایک درے مین جا گرے۔ اس بلند مقام سے ایک بڑی ندی نکل کر نشیب مین گرتی تھی۔ چنانچہ بہت سے گھوڑے اس پانی مین گر کر غرق ہوگئے۔ اور جو باقی رہے اُن مین سے اکثر کے اعضا ٹوٹ گئے۔ خواجہ یہ خبر پڑھکر چپ ہورہا۔ پھر کچھ عرصے کے بعد بہت رویا۔ حاضرین مجلس نے تسکین و تسلی کی باتین شروع کین۔ خواجہ نے فرمایا کہ "میرا گریہ وزاری کرنا اس نقصان کی وجہ سے نہین ہے بلکہ یہ شوق، اور شکریہ کا رونا ہے کیونکہ اس واقعہ سے مجکو ابتدائی زمانہ کا ایک واقعہ یاد آگیا۔ اور وہ یہ ہے کہ مین غزنین سے خراسان جارہا تھا، اور میرے پاس صرف تین دینار تھے چنانچہ چار دینار اور قرض لیکر مین نے ایک گھوڑا خرید لیا، مگر وہ اُسی دن مرگیا اور مین سخت پریشان ہوا۔ اور آج خدا کے فضل سے پانسو گھوڑون کے تلف ہونے پر بھی میرے مال و دولت مین کوئی کمی نہین ہوئی ہے چنانچہ مجھے وہ وقت یاد آگیا کیونکہ خدا نے مجھے درجۂ ادنی سے کیسے اعلی مرتبہ پر پہونچادیا ہے اور اس خوشی مین میرے آنسو نکل آئے۔[۱]

خیرات خواجہ نظام الملک کا دستور تھا کہ "ہر روز صبح کے وقت[۲] ایکسو دینار (پانسو روپیہ) مساکین و فقرا کو تقسیم کیا کرتا تھا۔ اور اس صدقہ کو ان عطیات سے کوئی تعلق نہ تھا جسکا سلسلہ صبح سے شام تک بحیثیت ایک وزیر کے جاری رہتا تھا۔

عفو جرائم خواجہ نظام الملک نہایت متواضع اور حلیم تھا۔ چنانچہ خواجہ کے ذاتی ملازم اکثر

---

[۱] گنج دانش صفحہ ۳۵۱ و روضۃ الصفا حالات خواجہ [۲] طبقات الکبری۔

قصور کیا کرتے تھے، مگر وہ اسی نیک مزاجی اور خوش اخلاقی سے معاف کر دیا تھا اور اس
صفت میں وہ مامون الرشید عباسی کا ہم خیال تھا کیونکہ مامون الرشید کا قول ہے کہ "بیک
مزاجی بڑی آفت ہے کہ لوگ غلام شریر اور بدخو ہو جاتے ہیں لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ
اُن کی نیک خو کرنے کے لیے میں بدمزاج ہوں"
خواجہ کا برتاؤ عام تھا اور لوگوں کی خطائیں معاف کرنے سے اسکو مسرت ہوتی تھی چنانچہ
علامہ ابن اثیر جزری خواجہ کی نسبت تحریر فرماتے ہیں کانَ عالماً حسناً جواداً عادلاً حلیماً
کثیرَ الصَّفحِ عنِ المُذنبین۔
باوجود قدرت انتقام کے خواجہ اپنے دشمنوں کے بھی قصور معاف کر دیا کرتا تھا اور
یہ وہ وصف ہے جو اپنے موصوف کو تمام ہر دل عزیز بنا دیتا ہے، اور خدا بھی
خوش ہوتا ہے چنانچہ یہ روایت مشہور ہے کہ
موئید الملک کی غرض کے لئے مار حدا مقتول ترکوں نے سدوں میں سوا
ارشاد ہوا سد ہمارا وہ ہے حالی جو نہ سکے اور ہے، بدی کا بدلا
حسن بن صباح نے خواجہ کے ساتھ منافقانہ کارروائیاں کیں اسکا انسداد یوں ممکن تھا
کہ وہ قتل کر دیا جاتا مگر نہیں، خواجہ نے ملک شاہ سے سفارش کرکے اسکی جان بحالی ر
دار السلطنة سے باہر چلے جانے کا حکم دیا اور اس سے بڑھکر یہ ہے کہ اپنے قاتل کا بھی خون
معاف کر دیا البتہ اگر خواجہ کے دامن پر عمید الملک کندری کے خون کا دھبہ ہوتا تو سچ
یہ ہے کہ اس صفت میں وہ تمام وزراء سے ممتاز رہتا تاہم ایک خاص واقعہ سے اُسکی

سیکڑون نیکیان برباد نہین ہوسکتی ہین۔

خاموشی خداوند عالم نے حیوان پر انسان کو جن اسباب سے فضیلت بخشی ہے۔ منجملہ اسکے ایک سبب نطق (گویائی) بھی ہے۔ بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہین ہے کہ انسان اور حیوان مین یہی حد فاصل ہے۔ مگر انسان جسطرح سے خدا کی اور نعمتون کا قدر شناس نہین ہے، اسی حیثیت سے اس نعمت کو بھی برباد کرتا رہتا ہے۔

عام طور سے دیکھا جاتا ہے کہ لوگون مین خاموشی کی صفت کمتر ہوتی ہے۔ اور فضول گپ شپ مین زیادہ وقت ضائع کرتے ہین لیکن جو لوگ مدبر ہین اور حکیمانہ دماغ رکھتے ہین انمین خاموشی کا وصف ضرور ہوتا ہے۔ تاریخ کامل مین خواجہ کو طویل الصمت کے خطاب سے یاد کیا ہے یعنی وہ اکثر خاموش رہتا تھا۔ بات نہایت کم کرتا تھا۔ اور غیر ضروری باتون مین کبھی دخل دیتا تھا[1]۔

حکمت عملی (۱) الپ ارسلان کے انتقال پر جب ملک شاہ تخت نشین ہوا، تو سب سے پہلے اسکو اپنے عزیزون سے خانہ جنگی کرنا پڑی چنانچہ ۴۶۵ھ کا واقعہ ہے کہ ملک شاہ کا چچا قادر بیگ تاج و تخت کا دعویدار ہوکر کرمان سے رے کی طرف بڑھا جب ملک شاہ کو اس فوجی نقل و حرکت کی اطلاع ہوئی تو وہ بھی مدافعت کے لیے تیار ہوکر نکلا۔ خواجہ نظام الملک بھی ہمراہ رکاب تھا چنانچہ شعبان کے مہینے مین بمقام ہمدان دونون فوجون کا مقابلہ ہوا، اور تین رات دن کی لڑائی کے بعد قادر دگرفتار ہوگیا۔ جب فوجی سردار مبارکباد کے لیے

[1] کامل اثیر حالات خواجہ۔ و آثار الوزرا۔ [2] الپ ارسلان کو یوسف خوارزمی نے سالوین ربیع الاول ۴۶۵ھ کو قتل کیا تھا جو مطابق ہے ۱۷ ستمبر ۱۰۷۲ء کے دیکھو کتاب التوفیقات الالہامیہ مصنفہ اللواء المصری محمد مختار پاشا ہائی کمشنر مصر صفحہ ۲۲۳۔

حاضر ہوئے تو انھوں نے خود اور سپاہیوں کی طرف سے خواجہ کو یہ پیام دیا کہ اس فتح
کے صلے میں بعد مراتب انعام دیا جائے اور اگر سلطان نے اس درخواست کو قبول
فرمایا تو لحاظ اس عام ہمدردی کے جو فوج کو قادر کے ساتھ ہے کچھ عجب نہیں ہے کہ
تاج شاہی قادر کے سر پر ہو اور چتر بھی اسی کے تخت پر سایہ افگن ہو۔ خواجہ نے ارکان
فوج کا یہ پیام نہایت تحمل سے سنا مگر انھیں مطمئن کر دیا کہ میں آج ہی بارگاہ سلطانی میں پیش
کر دونگا اور شب کو سلطان سے مشورہ کر کے قادر کو گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔ علی الصباح
جب فوج کے سردار سلطان کا جواب سننے کو حاضر ہوئے تو خواجہ نے کہا کہ قادر نے گذشتہ
رات کو زہر کھا کر خودکشی کر لی ہے اور سلطان اپنے عم مکرم کے ماتم میں مصروف ہے۔
یہ موقع عرض حال کا نہیں ہے چنانچہ سب سردار چپ چاپ رخصت ہو گئے اور
ایک[1] عظیم الشان خطرہ ٹل گیا

(۲) قاسم ابن ملکاں لکھتے ہیں کہ جب قادر ملک التجار کے سامنے آیا تو اسنے
جرم بغاوت سے معافی چاہی اگر ملک التجار کوئی مدرسہ سا ثبت قادر دستخطی
ں ایک خط پیش کیا جو ارکان سلطنت کے خطوط سے بھرا ہوا تھا اور ہر خط میں قادر
سے استدعا کی گئی تھی کہ وہ ملک سے سرکشی کرے۔ اس طومار کو دیکھ کر سلطان نے خواجہ
طلب کیا اور خریطہ دیکر حکم دیا کہ "ایک ایک خط پڑھ کر سناؤ" خواجہ نے سلطان کے ہاتھ سے
خریطہ لے لیا اور جیسے کہ انگیٹھی دہک رہی تھی وہ تمام خطوط اس میں ڈال دیے جو

[1] روضۃ الصفا حالات خواجہ امام الملک و تاریخ کامل ابن اثیر ۲۷ جلد ۔

آنِ واحد مین جلکر راکھ ہو گئے۔ اِس عجیب وغریب کارروائی سے اُمراے دربار کو تسکین ہو گئی۔ کیونکہ انمین وہ اکثر امرا موجود تھے جنھون نے قاور دسے خط وکتابت کی تھی۔ اگر یہ خطوط پڑھے جاتے جو اشتعال طبع کی حالت مین معلوم نہین کہ طرفین سے کیا کارروائی ہوتی اور اِسکا اثر سلطنت پر نہایت خراب پڑتا۔ گر خواجہ کی اِس عاقلانہ کارروائی کا یہ نتیجہ ہوا کہ تمام ارکان سلطنت نے کامل وفاداری کا اظہار کیا اور دلی جوش سے سلطنت کی خدمت کی تاکہ بدگمانی کا دھبہ باقی نہ رہے۔

مورخ[1] مذکور لکھتا ہے کہ اس قسم کے متعدد واقعات خواجہ نظام الملک کے ہین۔ اور صرف یہی ایک کارروائی ایسی دوراندیشی پر مبنی تھی جسکی وجہ سے ملک شاہ کی سلطنت کو استقلال اور استحکام ہو گیا۔ اور آیندہ اسقدر فتوحات ہوئین کہ تاریخ اسلام مین خلفاے متقدمین کے بعد کوئی سلطنت اس وسعت کو نہین پہونچی۔

خواجہ کے اخلاق وعادات کے متعلق جسقدر لکھنا چاہیے تھا اُسکا دسوان حصہ بھی نہین لکھا گیا ہے۔ جسکا باعث یہ ہے کہ اس عنوان پر مورخین نے بہت کم لکھا ہے۔ جسقدر واقعات موجودہ تاریخون مین ملے وہ ہمنے لکھدیے ہین۔ لیکن اگر کوئی مبصّر خواجہ کی تصنیفات اور خطوط کو پڑھے (جو اُسنے اپنے بیٹون کو لکھے ہین) تو اُسکے طرز معاشرت اور اصول زندگی سے واقف ہو کر مفید نتائج اخذ کر سکتا ہے۔[2]

[1] ابن خلکان صفحہ ۲۳ ا جلد ۲۔ [2] خواجہ نظام الملک کے تصنیف کے پورے خلاصے دوسرے حصہ مین موجود ہین۔ اور خطوط ناظرین پڑھ چکے ہین

بیگم کو طلاق دیدیا اور اپنی خوشی سے خواجہ نظام الملک کے ساتھ عقد کر دیا[1] چنانچہ ملکہ گرجیہ سے خواجہ کے کئی بیٹے پیدا ہوئے۔ جن مین سے ایک خواجہ احمد (ضیاء الملک ابونصر احمد[2]) بھی ہے۔

اسکے علاوہ خواجہ نظام الملک کے اور کسی عقد کا حال معلوم نہین ہوا۔ اور نہ اسکی تفصیل معلوم ہے کہ کون لڑکا یا لڑکی کس بیگم کے بطن سے ہے۔

خواجہ نظام الملک کی اولاد

یہ مسلم ہے کہ دنیا کی کوئی خوشی اور نعمت سلطنت اور وزارت کے برابر نہین ہے لیکن پھر بھی اُنسے بڑھکر یا ہم پلہ اگر کوئی مسرت اور دولت ہوسکتی ہے تو وہ صرف اولاد ہے ؟ جس گھر مین دو چار بچے ہون وہان کی چہل پہل اور رونق پھولون کے تختے سے کم نہین ہوتی ہے۔ اور جس گھر مین یہ نہون اُس گھر کو قبر کہنا زیادہ مناسب ہے۔

تمنے اکثر شاہون اور وزراء وغیرہ کے حالات مین پڑھا ہوگا کہ اولاد کی تمنا مین اُنھون نے کیا کیا مصیبتین اُٹھائی ہین، منزلون پیدل چلکر درگاہون پر چادرین چڑھائی ہین، روزے رکھے ہین اور منتین مانی ہین! اور اس خاک چھاننے پر بھی نخل آرزو بار آور نہین ہوا ہے۔ لیکن خواجہ نظام الملک کو اس حصے مین بھی ہم خوش نصیب پاتے ہین۔

خواجہ نظام الملک بیٹون کی طرف سے حضرت یعقوب علیہ السلام کا ہم طالع تھا۔ خواجہ کا باپ علی، دولت سلجوقیہ مین صاحب الخراج کے عہدے سے آگے نہین بڑھا اور وہ بھی چند سال۔ لیکن خواجہ اس درجہ پر پہونچا کہ اُسکی ناموری نے علی کے نام کو بھی چمکا کر تاریخ مین داخل کر دیا۔

[1] تاریخ سلجوق عماد الدین اصفہانی صفحہ ۳ مطبوعہ مصر [2] ۲۰۲ آثار الوزرا سیف الدین۔

لیکن آپ کے معاملہ میں خود ایسا خوش نصیب ہوا کہ اسکے متعدد بیٹے اور پوتے سلاجقہ
اور خلفائے عباسیہ کے وزیر ہوئے اور خاندان میں انوے برس تک وزارت کا سلسلہ قائم رہا۔
حقیقت میں نظام الملک نہایت خوش قسمت آپ تھا جو خود جوہر کمالات سے آراستہ تھا
اور بیٹوں کی شہرت نے اُسکے نام کو اور بھی دنیا میں روشن کر دیا تھا۔

جسقدر تاریخیں (اسوقت تک) ہماری نظر سے گذری ہیں اُن میں خواجہ کے دس بیٹوں کے
نام ملتے ہیں حالانکہ صحیح روایتوں کے مطابق خواجہ کے بارہ بیٹے تھے چنانچہ اخیر زمانہ میں
ترکان خاتون (ملک شاہ کی بیگم) نے جب ملک شاہ کو خواجہ کی طرف سے امور سلطنت میں
بدظن کیا ہے تو منجملہ اہم شکایتوں کے ایک شکایت یہ بھی تھی کہ "نظام الملک کے بارہ بیٹے
ائمۂ اثنا عشر کی طرح تمام سلطنت پر حکمراں ہیں"

ان وزیر زادوں کے حالات بہت کم تاریخوں میں تحریر ہیں لیکن پھر بھی جسقدر واقعات و
حالات ملے ہیں۔ انکو ہم نے تفصیل سے تاریخ آل سلجوق میں اُن بادشاہوں کے تحت میں
لکھدیا ہے جنکے عہد میں وہ درجۂ وزارت یا امارت پر ممتاز تھے۔ لیکن اس جگہ بر سبیل
تذکرہ صرف انکے ناموں کی فہرست پیش کی جاتی ہے۔

۱۔ فخر الملک ابو الفتح مظفر۔ ۲۔ جمال الملک ابو منصور۔
۳۔ ضیاء الملک ابو نصر احمد۔ (۱) سعد الملک قوام الدین ابو نصر احمد بن
قوام الدین نظام الملک صدر الاسلام۔ ۴ مؤید الملک ظہیر الدولہ ابو بکر عبید اللہ

(۱) ص ۱۳۱ الوزراء میں بھی خواجہ کے بارہ بیٹے لکھے ہیں خواجہ کے دو بیٹوں کا نام باوجود تلاش کے اسوقت تک نہیں معلوم ہوا

۵۔ شمس الملک عثمان۔ ۶۔ عماد الملک ابو القاسم۔
۷۔ عز الملک ابو عبد اللہ الحسین۔ ۸۔ عبد الرحیم۔
۹۔ ابو البرکات عماد الدین۔ ۱۰۔ علی۔ ۱۱۔ صفیہ[1]۔

اولاد سے محبت خواجہ کے خانگی زندگی کے عام حالات کسی مورخ نے نہیں لکھے ہیں۔ لیکن بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکو اپنی اولاد سے ازحد محبت تھی لیکن کاروبار سلطنت کی وجہ سے خواجہ کے بیٹے اکثر دور دراز ممالک میں رہا کرتے تھے اور وہ اُنکے فراق میں بیقرار ہوجایا کرتا تھا۔ اور جب یہ لڑکے سامنے آتے تو بعض اوقات سینے سے لگاکر روتا اور اُسکو اپنی قید کی زندگی (تعلقات وزارت) پر افسوس ہوتا تھا۔

خواجہ نظام الملک کی وزارت کا خاتمہ۔
ملک شاہ سے مخالفت اور قتل کے مفصل حالات

خواجہ نظام الملک کے قتل کا واقعہ بھی، تاریخ کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ اور یہ بالاتفاق ثابت ہے کہ خواجہ کا قاتل فرقہ باطنیہ[2] کا ایک فدائی تھا۔ لیکن اس امر میں اختلاف ہے کہ فدائی نے

[1] خواجہ کی بیٹیاں بھی کئی تھیں مگر بجز صفیہ کے اور کوئی نام نہیں ملا۔ صفیہ خاتون کی ۴۷۲ھ میں بمقام بغداد عمید الدولہ ابو منصور محمد ابن فخر الدولہ بن جہیر سے شادی ہوئی اور ۴۸۲ھ میں اسی جگہ انتقال ہوا۔ عمید الدولہ خلیفۃ المقتدی کا وزیر تھا۔ موقوف ہونے پر خواجہ کی سفارش پر جب دوبارہ مقرر ہوا تو ابن ہباریہ نے عمید الدولہ کی ہجو میں یہ شعر لکھا۔

لولا صنيعة ما استوزرت ثانية   فاشكر حرا صرت مولانا الوزير به

خواجہ کے پوتوں کا حال کسی قدر تاریخ آل سلجوق میں تحریر ہے۔ الفخری صفحہ ۲۶۵ مطبوعہ مصر و تاریخ آل سلجوق اصفہانی۔

[2] حسن صباح کے حالات میں لفظ باطنیہ اور فدائی کی تشریح کی گئی ہے (دیکھو دوسرا حصہ)

کرنے کے حکم سے خواجہ پر حملہ کیا تھا مورخین میں ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ خود ملک شاہ کے حکم سے
خواجہ قتل ہوا اور دوسرا اسکا قائل ہے کہ "تاج الملک ابو الغنائم کی سازش کا یہ نتیجہ ہے"
تیسرا راوی ہے کہ "حسن بن صباح کے اشارے سے خواجہ کا کام تمام ہوا" لیکن بادیکھے
تفصیل طور پر اسباب مخالفت معلوم ہوں کسی فریق کی نسبت کوئی صحیح رائے قائم نہیں
ہو سکتی ہے لہذا اول اُن اسباب کو ہم مستند تاریخوں سے نقل کرتے ہیں جس سے امر متنازعہ
کے فیصلہ کرنے میں آسانی ہوگی

اصول عامہ

(۱) سب سے پہلے بطور اصول موضوعہ ان لینا چاہیے کہ جب بادشاہ کسی امیر یا
وزیر السلطنت سے ناراض ہوتا ہے تو اسکا ہر فعل گناہ اور ہر کام معیوب سمجھا جاتا ہے باستثناء
جزئی جزئی واقعات سے اشتعال بڑھتا ہے اور اخیر میں جب وزارت سلطنت پر پورا قبضہ
کر لیتی ہے اور بادشاہ برائے نام رہجاتا ہے تو اُسوقت بادشاہ کی طرف سے جو کارروائی
وزیر کے خلاف عمل میں آتی ہے وہ عام نظروں میں ظلم سمجھی جاتی ہے مگر حقیقت میں
بقائے سلطنت اور دوام حکومت کے لیے اسکا ہونا ضروریات سے ہے اور یہ وہ مستحکم
قانون ہے کہ جو صرف سلطنت میں نہیں بلکہ ادنی سے ادنی حاکم اور محکوم میں بھی جاری ہے
اور ہمیشہ جاری رہیگا جسکے نظائر ہر قوم اور ہر ملک کی تاریخ میں موجود ہیں اور خواجہ
نظام الملک کے قتل کا واقعہ بھی انہی نظائر کا ایک جز ہے

ملک شاہ سے خواجہ کی پہلی شکایت

(۲) طبقات اکبری[1] کی روایت ہے کہ سب سے پہلے ۴۷۶ھ (۸۴-۱۰۸۳ء) میں ملک شاہ نے

[1] طبقات اکبری حالات خواجہ نظام الملک و کامل ابن اثیر صفحہ ۱۲۴ جلد ۱۰ و تاریخ آل سلجوق عماد الدین،
خواجہ، وزارت اور ذیل الدین سے واقعہ لیا گیا ہے۔

خواجہ نظام الملک کی شکایت ہوئی جسکی تفصیل یہ ہے کہ سلطان کا ندیم خاص اور رازدار،
اور تمام امرا سے زیادہ مقرب خواجۂ نظام الملک کا داماد سید الرؤسا ابوالمحاسن محمد تھا، چنانچہ
ابوالمحاسن نے سلطان سے یہ شکایت کی کہ "خواجہ نے تمام سلطنت پر قبضہ کرلیا ہے، اور
امصار و دیار کو ویران کرکے اپنا گھر مال و دولت سے بھرلیا ہے۔ اگر سلطان خواجہ کو
میرے حوالہ کردے تو اس معاوضہ مین دس لاکھ دینار (ایک دینار پانچ روپیہ کا ہوتا ہے)
داخل خزانہ کرون"
ملک شاہ نے تو اس شکایت اور درخواست پر کوئی توجہ نہین کی۔ لیکن جب خواجہ کو اپنے
سعادتمند داماد کی مخبری کی اطلاع ہوئی تو اُسنے سب سے پہلے اپنے ترکی غلامون کو جمع
کیا، جو تعداد مین کئی ہزار تھے۔ پھر اُنکو اصطبل خاص سے گھوڑے دیگر آلات حرب سے
مسلح کیا۔ اور جب یہ ترکی رسالہ تیار ہوگیا۔ تو خواجہ نے ملک شاہ کی دعوت کی اور رخصت
کے وقت نفیس اور بیش قیمت ہدیے پیش کیے، اور سب سے اخیر مین غلامون کا معاینہ
کرایا۔ اور ملک شاہ کو مخاطب کرکے کہا کہ "اے سلطان! مین نے آپ کی اور نیز آپ کے
بزرگون کی خدمت کی ہے۔ میرے حقوق آپ پر بہت کچھ ہین۔ آپ سے کہا گیا ہے کہ
مین نے آپ کی دولت سے اپنا خزانہ بھرلیا ہے، یہ مجھے تسلیم ہے اور بالکل سچ ہے۔ لیکن
اُس دولت سے مین نے یہ فوج تیار کی ہے، علاوہ برین صدقات، خیرات، اور اوقاف
مین بھی ایک کثیر رقم خرچ ہوتی ہے اور ان تمام مصارف کا منشا صرف آپ کی شہرت
اور ناموری ہے۔ اور آخرت مین اسکا ثواب بھی آپ ہی کو ملیگا۔ اسوقت میری تمام دولت

اور جاگیر آپ کے سامنے ہے اور میں صدق دل سے کہتا ہوں کہ۔

سپردم بتو مایۂ خویش را　　تو دانی حساب کم و بیش را

پھر عارض کو حکم دیا کہ ان غلاموں کا نام فہرست سلطانی میں درج کر دو۔ اور اپنی نسبت
کہا کہ مجھے اوڑھنے کو ایک گدڑی اور پڑ رہنے کو ایک گوشہ کافی ہے۔
جب خواجہ نے یہ تقریر کی تو ملک شاہ کا دل صاف ہو گیا لیکن ابوالمحاسن کی نسبت حکم
دیا کہ اُسکی آنکھوں میں گرم لوہے کی سلائی پھیری جائے اور قلعہ ساوہ میں قید رہے۔
جب ابوالمحاسن کے والد کمال الدولہ بن ابو رضا کو اس حکم کی اطلاع ہوئی تو اُس نے خواجہ سے
معافی مانگی اور دو لاکھ دینار بطور جرمانہ داخل خزانۂ شاہی کر کے اس کا طالب ہوا
کہ خواجہ نے ابوالمحاسن کا قصور معاف نہیں کیا بلکہ کمال الدولہ کو بھی دیوان الانشا[1]
والطغرا کی خدمت سے موقوف کر دیا اور اس عہدے پر اپنے بیٹے موید الملک کو مقرر کیا
گو یہ سچ ہے کہ ابوالمحاسن کی شکایت پر ملک شاہ نے نظام الملک سے بظاہر مخالفت
نہیں کی لیکن حقیقت میں اُسکے آئینۂ دل پر بدگمانی کا ایک ہلکا سا غبار ضرور چھا گیا تھا

موید الملک کی معزولی

سے ابن اثیر نے [illegible] میں لکھا ہے کہ جب موید الملک کو دیوان الانشا کی خدمت
سپرد ہوئی تو اول اُسنے اپنے نائب ابوالفتح رودبی (ملقب بہ ادیب) کو موقوف کر کے
اوستاد اسمعیل اصفہانی[2] کو مقرر کیا

[1] دیوان الانشا والطغرا ایک بڑے دفتر کا نام ہے [illegible] جس کی مفصل بحث حصۂ دوم میں تحریر ہے
[2] ابو اسمعیل حسین بن علی بن محمد بن عبد الصمد الملقب بمؤید الدین طغرائی اصفہانی [illegible] کا صاحب
نامور ادیب اور شاعر ہے ابن خلکان نے قصیدہ لامیۃ العجم نقل کیا ہے جس سے طغرائی کی [illegible] آمد

ادیب نے بہت کوشش کی کہ موید الملک خشامند ہو اور وہ پھر اپنی جگہ پر مقرر ہو جائے، مگر موید الملک نے کوئی سماعت نہین کی تب مجبور ہو کر ادیب ملک شاہ کی خدمت مین حاضر ہوا۔ اور سلام کرکے مؤدب کھڑا ہو گیا سلطان نے ادیب کو پریشان حال دیکھکر فرمایا کہ کچھ کہنا چاہتے ہو تو عرض کرو؟ چنانچہ ادیب نے تمام واقعات سلطان کے گوش گذار کیے۔ چونکہ ادیب دفتر انشا کا قدیم اہل کار تھا۔ اور سلطان اُسکے فضل و کمال سے خود بھی واقف تھا۔ لہذا سلطان نے قاضی مظفر (یہ فوج کا قاضی تھا جسکو زمانہ حال کی اصطلاح کے مطابق مجسٹریٹ چھاونی کہنا چاہیے) کو بلا کر حکم دیا کہ "تم اسی وقت موید الملک کے پاس جاؤ اور ابدولت کی جانب سے کہو کہ "خدا کے فضل سے سلطنت بہت وسیع ہے۔ اور دیوان الانشا مین ادیب ایسے متعدد اشخاص کو جگہ مل سکتی ہے۔ یہ سلطنت کا قدیم نمکخوار ہے۔ اسکو کسی خدمت پر مقرر کردو"۔ چنانچہ قاضی مظفر ادیب کو موید الملک کے پاس لے گئے اور سلطان کا حکم سنایا۔ جسکے جواب مین موید الملک نے کہا کہ "خداوند عالم (ملک شاہ) کا ارشاد مین بسر وچشم منظور کرتا مگر مین نے قسم کھائی ہے کہ ابو المختار کو کوئی خدمت نہ دونگا۔ اب اگر اسکے خلاف کرون تو میری قسم ٹوٹ جائیگی"۔ موید الملک کا جواب سنکر قاضی مظفر حیرت زدہ رہگیا۔ اور موید الملک سے نصیحتًا کہا کہ "آپ کا یہ جواب سلطان سے عرض کرنے کے لیے لائق نہین ہے اور اسکے نتائج نہایت خراب ہونگے"۔ مگر موید الملک نے کچھ پروا نہ کی۔ تب مجبور ہو کر قاضی مظفر نے موید الملک کا جواب سلطان سے عرض کر دیا۔ قاضی صاحب کا قول ہے کہ "موید الملک سے

(بقیہ صفحہ ۱۶۸) زور قلم کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ نظام الملک کی مدح مین بھی قصائد لکھے ہین۔ اخیر عمر مین مسعود بن محمد سلجوقی کا وزیر ہو گیا تھا۔ سنہ ۵۱۵ھ مین قتل ہوا ابن خلکان جلد اول صفحہ ۱۵۹۔

برکیارق مین علاوہ ذاولا واکبر ہونے کے عقل و دانش کی علامتین اور جہانداری کے آثار موجود ہین۔ اور اُسکی والدہ زبیدہ یاقوتی بن داؤد کی بیٹی ہے (ملک شاہ کے چچا کی لڑکی تھی) اور سلجوقیہ ہونے کی وجہ سے ہرطرح اسی کا حق ہے۔ اسکے مقابلہ مین محمود کو اول توحق نہین ہے اور راسوا اسکے وہ بالکل بچہ ہے۔ مین کسی طرح ملک شاہ سے محمود کی ولیعہدی کی سفارش نہین کرسکتا ہون" چنانچہ خاتون خواجہ کے اس جواب سے سخت ناراض تھی۔ اور ہروقت خواجہ کی فکر مین رہا کرتی تھی۔ مگر جب اُسکو برائی کا کوئی پہلو نہین ملا۔ تب سلطان سے کہا کہ "نظام الملک نے اپنے بارہ بیٹون کو ائمہ اثناعشر کی طرح تمام ملک پر حکمران کردیا ہے اور وہی تمام سلطنت کے مالک ہین"

آخر کو یہی فقرہ کارگر ہوگیا۔ اور خواجہ کے زوال وزارت کا یہی سبب ہوا جسکی تصدیق خواجہ کی

(بقیہ صفحہ ۱۷۰) ترکان خاتون کے زور سے ملک شاہ محمود کے حق مین وصیت کرگیا تھا چنانچہ ۴۸۵ھ مین جب ملکشاہ کا انتقال ہوگیا تو برکیارق نے اصفہان پر فوج کشی کی (کیونکہ اسوقت ترکان خاتون مع محمود کے یہان مقیم تھی) لیکن خاتون نے ڈر کر سلطنت کو تقسیم کردیا۔ یعنی اصفہان مع متعلقات محمود کے قبضہ مین رہے اور باقی سلطنت پر برکیارق حکومت کرے مگر برکیارق کی قسمت سے محمود کا انتقال ہوگیا (اسوقت محمود کی عمر سات برس کی تھی) اور برکیارق کل سلطنت کا مالک قرار پایا۔ یہ واقعہ ۴۸۶ھ (۱۰۹۳ء) کا ہے چار برس کے بعد برکیارق کے دوسرے بھائی محمد نے سرکشی کی اور عراق پر قبضہ کرلیا لیکن مسلسل خانہ جنگیوں کے بعد ۴۹۲ھ مین دونون بھائیون نے صلح کے ذریعے سے پھر سلطنت کو تقسیم کیا۔ چنانچہ تمام عراق، موصل، آذربیجان، ارمینہ کا ملک محمد کے حصے مین آیا۔ اور بقیہ ملک پر برکیارق کی حکومت رہی۔ ربیع الآخر ۴۹۸ھ (۱۱۰۴ء) مین بمقام بروجرد برکیارق کا انتقال ہوگیا اور سلطان محمد بلاشرکت غیرے حکمرانی کرنے لگا۔ اور اسی کی اولاد مین اخیر تک حکومت رہی ملک شاہ کا سب سے بڑا لڑکا احمد تھا اور یہی ولیعہد بھی تھا مگر ۴۸۱ھ مین گیارہ برس کا ہوکر فوت ہوگیا تب برکیارق ولیعہد ہوا تھا۔ ملک شاہ کے انتقال پر جو بھائیون مین خانہ جنگی ہوئی ہے اسکی تفصیل ہمنے تاریخ آل سلجوق مین لکھدی ہے۔ (باقی آئندہ)

حرم سرا کا منتظم خزانہ مقرر کردیا۔ اسکے سوا کچھ حصہ ملک اور فوج کی نگرانی بھی سپرد کی گئی اور سب سے بڑھکر جو اعزاز کا ذریعہ ہوا وہ ترکان خاتون کی نیابت (پرائیوٹ سکرٹری تھی اور نی خدمات کے صلہ مین تاج الملک کا خطاب بھی مرحمت ہوا تھا۔ اور چونکہ انتظامی قابلیت کے ساتھ فصاحت و بلاغت کا بھی جوہر رکھتا تھا اسلیے اخیر زمانہ مین ملک شاہ نے دیوان الانشا لطغرا کا افسر بھی مقرر کردیا تھا اور خاتون کی حمایت کے بل پر وزارت عظمیٰ کا بھی امیدوار تھا۔ رچونکہ دیوان الانشائی افسری کی وجہ سے سلطنت اور وزارت کے اہم معاملات سے واقف یا تھا۔ اسلیے تاج الملک خواجہ کے اسباب انقلاب وزارت پر غور کیا کرتا تھا۔ اور جب س مفید مطلب پہلو ملجاتا تو ترکان خاتون سے کہدیتا تھا۔ اور خاتون موقع محل سے واقعات پر ملمع کرکے سلطان کی حضور مین پیش کردیا کرتی تھی۔ چنانچہ محل کے اندر تو یون کارروائی ہوتی تھی۔ اور باہر کا یہ حال تھا کہ تاج الملک نے خواجہ نظام الملک کے ماتحت عملہ مین سے **مجد الملک** مستوفی اور **سدید الملک** عارض وغیرہ کو اپنے گروہ مین شامل کرلیا تھا۔ اور اب متفقہ مشورے سے نظام الملک کی وزارت کا نظم نثر کیا جاتا تھا مگر باوجود ان کوششوں کے خود ملک شاہ اور تاج الملک کی طاقت سے یہ باہر تھا کہ فوراً نظام الملک کو معزول کردین۔ کیونکہ خواجہ سلطنت کے سیاہ وسفید کا مالک تھا اور تمام مملکت پر اسکا سکہ بیٹھا ہوا تھا مگر ہان! ان کارروائیون سے یہ ضرور ہوا کہ آہستہ آہستہ سلطان کا مزاج بگڑتا گیا۔ مگر خواجہ نظام الملک کو عقل و فراست اور خفیہ تحقیقات سے جہان تک تاج الملک کے جوڑ توڑ معلوم ہوجاتے تھے۔ وہ اپنی حکمت عملیون سے انکو دفع کردیتا تھا۔ مگر جو کارروائیان درپردہ ہوتی تھین انکا خواجہ کو

پیدا ہی ہوتا تھا جب نظام الملک کا کوئی عمل کارگر ہوا اُسے حسن بن صباح سے سازش کی
جس کا خاتمہ خواجہ کے قتل پر ہوا (تفصیل آیندہ باب میں ہے)

عظمت مآب کی وجہ

۲ خواجہ نظام الملک چونکہ ایک مذہبی شخص تھا لہذا اُسکی نظر میں علمائے عباسیہ
کی بڑی عظمت تھی گو اس عہد میں دنیاوی جاہ و جلال اور حکومت کے لحاظ سے خلفا کا درجہ
اکبر ثانی اور بہادر شاہ سلاطین دہلی سے زیادہ نہ تھا مگر مذہبی حیثیت سے اس بے بس و
ناتواں خلیفہ کے سامنے بڑے بڑے مغرور اور متکبر بادشاہوں کی گردنیں جھک جاتی تھیں اور آستانہ
بوسی کو اپنا فخر اور مصاحبت کی عزت کو سعادت عظمیٰ سمجھتے تھے چنانچہ خلفا بھی خواجہ کے کمال
کمال اور ادائے وزارت کی وجہ سے اُسکی عنایت در حد عزت کرتے تھے چنانچہ شوال ۴۷۹ھ
میں دوسری مرتبہ جب خواجہ نظام الملک ملک شاہ کے ہمراہ بغداد گیا ہے تو خلیفہ مقتدی بامر اللہ نے
خواجہ کو کل حالات کے سامنے بیٹھنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اے حسن! تجھ سے خلافت خوش
ہوگا کیونکہ امیر المومنین تجھ سے رضامند ہے۔ خواجہ نے یہ مژدہ سنکر عرض کیا کہ خداوند تعالی
امیر المومنین کی دعا کو مستجاب فرمائے۔

جب ملک شاہ کو اس قرب و اختصاص کی اطلاع ہوئی تو اسکو بہت ناگوار ہوا کیونکہ ملک شاہ
مقتدی کو معزول کرنا چاہتا تھا اور اس فکر میں چند سال سے تھا مگر خواجہ ملک شاہ کو ہمیشہ
اس کارروائی سے روک دیا کرتا تھا اور اگر خلیفہ سے کوئی لغزش ہو جاتی تھی تو در پردہ اسکو
درگذر کرا دیا کرتا تھا اور ایسے مشورے دیا تھا جس سے سلطان رضامند ہو جائے
چنانچہ ۴۸۴ھ میں جب ملک شاہ مقتدی سے ناراض ہوا تو خواجہ نے سلطان کو

بیٹی کا خلیفہ سے عقد کر دیا جسکی وجہ سے بہت سی پیچیدگیاں رفع ہو گئیں۔ غرضکہ خواجہ اس قسم کی کارروائیاں کر کے ملک شاہ کا غصہ دھیما کر دیا کرتا تھا۔ اور یہ تمام حکمت عملیاں محض

سلہ ترکان خاتون اور خواجہ نظام الملک کے مشورے اور دباؤ سے ملک شاہ نے اپنی بیٹی کا عقد خلیفہ مقتدی بامر اللہ سے کیا تھا۔ چنانچہ تاریخ آل سلجوق اور کامل ابن اثیر وغیرہ میں لکھا ہے کہ جب ملک شاہ بغداد جاتا تھا تو بیگمات حرم اسی ساتھ جایا کرتی تھیں اور ترکان خاتون کے ہمراہ شہزادی بھی ہوتی تھی۔ اور اسکے حسن وجمال کی کیفیت سے بھی خلیفہ آگاہ تھا اور جب ضرورت لگی بھی اسکی مقتضی ہوئی کہ ملک شاہ سے شادی کا پیام دیا جائے تو خلیفہ نے شوال ۴۷۴ھ میں اپنے نامور وزیر ابونصر فخر الدولہ محمد بن جہیر کو اصفہان روانہ کیا چنانچہ ملک شاہ سے خلیفہ کا پیام کہا۔ سلطان نے فرمایا کہ اس معاملہ میں ترکان خاتون مختار ہیں اور انہی کو "خاتون" کے عقد کا اختیار ہے۔ آپ یہ پیام بیگم سے کہیں۔ چنانچہ ابونصر خواجہ نظام الملک کے ہمراہ بیگم "خاتون بزرگ" کی خدمت میں حاضر ہوا اور مدعائے دلی کا اظہار کیا۔ خاتون نے فرمایا کہ شاہان غزنین اور ماوراء النہر نے بھی اپنے شاہزادوں کی شادی کا پیام دیا ہے اور چار لاکھ دینار نقد مہر ادا کرنا چاہتے ہیں۔ اگر یہ شرط منظور ہو تو مقتدی بامر اللہ کو میں سب سے بہتر سمجھتی ہوں"۔ لیکن جب ارسلان خاتون دختر داؤد سلجوقی (زوجۂ القائم بامر اللہ دختر جغر بیگ داؤد سلجوقی) کو اطلاع ہوئی تو اُسنے ترکان خاتون کو سمجھایا کہ بغیر کسی شرط کے یہ شادی کر دی جائے۔ یہ رشتہ آل سلجوق کے حق میں فخر ومباہات کا باعث ہوگا۔ چنانچہ بعد از مشورہ طے پایا کہ پچاس لاکھ دینار مہر معجل پر عقد کر دیا جائے اور یہ بھی شرط رہے کہ خلیفہ کسی دوسری منکوحہ یا کنیز سے تعلق نہ رکھیگا۔ چنانچہ یہ تمام شرطیں طے کر کے صفر ۴۷۵ھ میں فخر الدولہ بغداد واپس گیا اور مقتدی نے تمام شرائط کو منظور کر لیا۔ اور عقد ہو گیا۔ لیکن ملک شاہ نے اپنی بیٹی کو صفر ۴۸۰ھ میں شاہانہ جلوس کے ساتھ بغداد روانہ کیا جسکی تفصیل یہ ہے کہ ایک سو تیس اونٹوں پر جنکی جھولیں دیبائے رومی کی تھیں اسباب طلا ونقرہ تھا۔ اور چوہتر خچروں پر جنکی گردنوں میں چاندی سونے کی گھنٹیاں لٹکتی تھیں بیش قیمت اور نفیس اسباب تھا۔ اور منجملہ چوہتر کے چھ پر بارہ صندوق قیمتی جواہرات اور زیورات سے بھرے ہوئے تھے۔ اور اس قطار کے آگے سینتیس سوار تھے (جو تینتالیس گھوڑوں پر سوار تھے اور جنکے زین مرصع تھے) اور تین عماری تھیں جو لاگت اور صنعت کے لحاظ سے لاجواب تھیں۔ اور اس جلوس کے پیچھے دولھن کا محمل تھا اور اُسکے ساتھ امیر بغداد اور ترکان خاتون کے محافظ تھے۔ اسکے علاوہ تین سو کنیزوں کے ڈولے تھے (باقی در صفحہ آیندہ

سہو حصہ

اسلامی ہمدردی کی وجہ سے تھیں ورنہ حقیقت میں خواجہ کی شان و شوکت خلیفہ سے کچھ زیادہ تھی

حسن بن صباح کا ابتدا اور ملک شاہ کی سفارت ۔ حسن بن صباح اور خواجہ نظام الملک میں جن اسباب سے عداوت

بعہد مقتدی) اور خواجہ سراؤں کی ملازمت شاہی اور اس خاندان کے گراں در سعد الدولہ گوہر آئین دلیر تھا
اور خواجہ نظام الملک تھے۔ اور وہ اسے سلطانی دولت کے عہدہ پر دستار وغیرہ نثار کر دی جاتی تھی عرض کہ بڑی
شان و شوکت سے جلوس ادا ہوتا خلیفہ کی طرف سے استقبال کے لئے وزرا و سجاج اور دیگر خواص
روانہ ہوئے جنکے جلوس میں ۱۳۰ شتر دار سوار تھے اور حرم خلافت کی کوئی دکان ایسی نہ تھی کہ جس میں ایک
شمع جلتی ہوں۔ تعداد میں ہزار دو ہزار چراغ ہوں گے۔ اور سارا دن مرمر دوستی بھی ہوئی ہوگی مگر خلافت کے
اخیر دور میں جب کہ دولت عباسیہ کا مزاج خود مختلال رہا تھا۔ دوستی بھی "ولقد زینا السماء الدنیا بمصابیح
کی مصداق تھی) اور ابو شجاع کے ہمراہ خلیفہ کا خاص خادم ظفر بھی تھا جسکی سپردگی میں وہ سب عطر تھا جو دلہن کیلئے
بھیجا گیا تھا عنبر اور کشش اور طلاکار پردے پڑے تھے اور مسند خاص رات بھکے ہوئے تھے کہ لطر عمرہ مولی بھی جب
برکان خاتون کی سواری قریب آئی تو ابو شجاع آداب بجا لایا اور عرض کیا کہ سیدنا و مولانا امیر المومنین نے فرمایا ہے
ان اللہ یامرکم ان تودوا الامانات الی اھلھا ' خاتون برکان خاتون نے مطلب سمجھ لیا اور جلوس
محلسرا کی طرف روانہ ہوا اور امراء نے بعد ادا و وزراء اور ارکان سلطنت کی بیگمات نے برکان خاتون کا استقبال کیا
اور معزز مہمان بیبیوں کو سواریوں سے اتارا اور جب سواریاں اندر گئیں تو اخیر میں دلہن کی باری آئی
جسکے محفہ کے گرد و پیش دو سو لونڈیاں (ترکی عورتوں کا مسلح گروہ) تھیں چنانچہ تمام بیگمات نے دلہن
کو محفہ سے اتارا اور مسند پر جا بٹھایا جب صبح ہوئی تو خلیفہ مقتدی بامراللہ کے حضور میں ارکان سلطنت
دعوتی و وجہ میں ہوئے اور سب خلعت سے سرفراز ہوئے اسی طرح برکان خاتون اور ان تمام خواص کو جو
بیگم کے ہمراہ آئی تھیں خلعت دیئے گئے اور بہت خوشی سے تقریب ختم ہوگئی۔ سامان دعوت میں کس قدر
جنس خرچ ہوئی اسکی تفصیل ورجس سے بس بھی ہے البتہ صرف شکر کی نسبت لکھا ہے کہ چالیس ہزار
من صرف ہوئی تھی۔ خلیفہ کی اس بی بی سے جو بیٹا ہوا اسکا نام ابو الفضل جعفر تھا اور اسی کی ولیعہدی
پر ملک شاہ اور خلیفہ میں مخالفت ہوئی۔

انتخاب از کامل ابن اثیر صفحہ ۵۵ جلد ۱۰ و المنتظم و تجارب السلف وغیرہ۔

پیدا ہوئی تھی وہ اپنے موقع پر تفصیل سے تحریر ہیں۔ لیکن خواجہ کے قتل کی علت غائی یہ ہے کہ جب فرقہ اسماعیلیہ کا زور ہوا۔ اور حسن بن صباح نے **قلعہ[1] الموت** پر قبضہ کر کے اطراف کے شہروں میں اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ اور حسن کے مریدوں کی تعداد بھی روز بروز بڑھنے لگی۔ تب ملک شاہ اور نظام الملک کو اس طرف خاص توجہ ہوئی۔ لیکن چونکہ سلطان[2] الپ ارسلان کے عہد میں اس خوفناک فرقہ کا کوئی انسداد نہیں کیا گیا تھا۔ اس وجہ سے حسن بن صباح کا استیصال اب مشکل نظر آتا تھا۔ لہذا نظام الملک نے حکمت عملی سے کام نکالنا چاہا۔ اور اسکی یہ تدبیر کی کہ ۴۸۹ھ میں سلطان کی طرف سے ایک سفارت حسن بن صباح کے پاس روانہ کی جسکا یہ منشا تھا کہ سلطان کے شاہانہ جاہ و جلال سے حسن کو ڈرا کر اطاعت پر آمادہ کیا جائے اور خونچکانی کی ضرورت نہ واقع ہو۔ چنانچہ سفیر نے الموت پہونچکر حق سفارت ادا کیا۔ مگر حسن پر سفیر کی تقریر کا اثر بھی نہ ہوا۔ اطاعت کا اقرار کرنا تو امر محال تھا۔ رخصت کے وقت سفیر کو مخاطب کر کے حسن نے کہا[3] کہ آپ ملک شاہ سے کہدیں کہ ہمکو نہ ستائے۔ ورنہ مجبور ہو کر مقابلہ کرنا پڑیگا۔ مگر یہ معلوم رہے کہ ملک شاہ کی فوج ہمارے مقابلہ کے قابل نہیں ہے۔ کیونکہ ہمارے لشکر کا

---

[1] اس قلعہ کی مختصر تاریخ حسن بن صباح کے حالات میں تحریر ہے۔ [2] تاریخ آل سلجوق (واقعات ظہور اسماعیلیہ) اصفہانی میں لکھا ہے کہ سلاطین دیلم اور اُنکے قبل جو حکمران تھے۔ اُنکا یہ دستور تھا کہ وہ تمام ملک میں خبر رسانی کے واسطے جاسوس مقرر کرتے تھے اور ملک کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جسکے صحیح واقعات سلطان تک نہ پہونچتے ہوں۔ مگر الپ ارسلان نے اپنے عہد میں یہ محکمہ توڑ دیا تھا جسکا یہ نتیجہ ہوا کہ آہستہ آہستہ فرقۂ باطنیہ ترقی کر گیا اور سلطنت کو اُنکی سازشوں اور خفیہ کارروائیوں کی اُسوقت خبر ہوئی جب حسن نے قزوین اور رودبار وغیرہ کے قلعوں پر پورا قبضہ کر لیا۔

[3] الوافی جلد اول صفحہ ۱۷۶۔

ہر سپاہی (مرید) جانثاری میں فرد ہے اسکے نزدیک اپنی جان دینا اور دوسرے کی جان لینا دونوں کے ایک ہی معنی ہیں"

حسن بن صباح نے اپنے مریدوں کی جو تعریف کی تھی گو وہ بالکل سچ تھی مگر فریق مخالف اسکو تسلیم نہیں کر سکتا تھا لہذا حسن نے بطور عملی ثبوت کے ایک مرید کو حکم دیا کہ خنجر مار کر مر جاؤ دوسرے سے کہا کہ الموت کی چوٹی سے اپنے تئیں گرا دو تیسرے سے فرمایا کہ پانی میں ڈوب مرو" چنانچہ ایک ہی وقت میں حکم کے مطابق تینوں مرید اپنے شیخ پر قربان ہو گئے؀

جب سفیر یہ تماشا دیکھ چکا تو حسن بن صباح نے سوال کیا کہ ملک شاہ کی تمام فوج میں ایک سپاہی بھی ایسا ہے جو میرے مرید کی طرح جانثار ہو؟ اور اسی اثنا میں کسی تیری بلکہ کی خلاف ورزی میں حسن کے سامنے اُسکے دو بیٹے پیش ہوے چنانچہ حسن نے ان کو درے لگائے جانیکا حکم دیا اور وہ دونوں اسی صدمہ سے سفیر کے سامنے تڑپ تڑپ کر مر گئے؀

جب سفیر نے واپس آکر یہ چشم دید واقعات ملک شاہ اور خواجہ سے بیان کیے تو دو دن کے واسطے فوج کی روانگی ملتوی کر دی گئی لیکن اتفاق سے میعاد مقررہ میں جب پادشاہی فوج کی نقل و حرکت کی حسن کو اطلاع ہوئی تو جنگ کے فیصلے سے پہلے اُسنے نظام الملک کی حیات کا فیصلہ کر دیا یعنی ایک فدائی نے حسن کے حکم سے خواجہ کو خنجر سے شہید کر ڈالا

نظام الملک کی معزولی | یہ بہت صحیح قول ہے کہ جب انسان کا اقبال یاور ہوتا ہے تو اُسکی ہر خطا میں

لہ گبن والیس ... ملک شاہ صفحہ ۲۱۴۔

عقل کی ماتحت رہتی ہے۔ اور جب ادبار کا زمانہ آتا ہے تو عقل خواہشات کی تابع ہوجاتی ہے۔ چنانچہ نظام الملک بھی اسی کا مصداق ہے کیونکہ موید الملک کی معزولی خواجہ کی ہدایت کے لیے کافی تھی۔ مگر خواجہ نے ملک شاہ کی رضامندی کا کچھ بھی خیال نہ کیا۔ اور سلطنت کے بڑے بڑے عہدون پر اپنے بیٹون، پوتون اور غلامون کو بدستور سابق مقرر رکھا۔ چنانچہ ۴۸۵ھ مین خواجہ نے اپنے پوتے عثمان بن جمال الملک کو مرو کا والی مقرر کیا۔ اور عثمان نے مرو پہونچکر وہان کے شحنہ سے احمقانہ چھیڑچھاڑ شروع کی (یہ شحنہ جسکا نام قودن تھا ملک شاہ کا خاص غلام تھا) چنانچہ عثمان نے شحنہ کو جب زیادہ ستایا تو اُسنے سلطان کی خدمت مین ایک شکایت آمیز درخواست بھیجی۔ چونکہ ملک شاہ کو موید الملک کے واقعہ سے خواجہ کے عزیزون کے خیالات کا اندازہ ہوگیا تھا اسلیے براہ راست عثمان سے دریافت نہین کیا بلکہ امراے دربار مین سے تاج الدولہ مجد الملک، تاج الملک اور امیر یلبرد کو اپنے سامنے طلب کیا اور فرمایا کہ "ابدولت کی جانب سے نظام الملک سے کہو کہ آپ نے تمام ملک پر قبضہ رکھا ہے، اور سلطنت کے ہرصوبہ پر اپنے بیٹون، دامادون اور غلامونکو حکمران بنادیا ہے، تو گویا آپ میرے سلطنت کے شریک ہین؟ اگر یہ سچ ہے تو ویسا انتظام کرون۔ اور اگر آپ وزیر السلطنة ہین تو نیابت کے درجہ پر نظر رکھنا چاہیے لیکن موجودہ حالت اسکے برعکس ہے۔ کیونکہ مین دیکھتا ہون کہ آپ کی اولاد تمام سلطنت پر حکومت کررہی ہے۔ اور یہ لوگ ہمارے خاص آدمیون کے اعزاز کا بھی کچھ لحاظ نہین کرتے ہین۔ بہرحال آیندہ اگر

ملاحظہ کامل اثیر و طبقات الکبریٰ۔

آپ نے اسکا پاس انتظام نہ کیا تو میں حکم دونگا کہ سر سے دستار تاج وزارت، اور سلطنت سے دوات قلمدان وزارت ہٹا لیجائے۔

جب خواجہ نے ملک شاہ کا پیام سنا تو امراء سے مخاطب ہوکر کہا کہ "آپ سلطان سے کہدیں کہ یہ بات آپ کو آج معلوم ہوئی ہے کہ میں ملک و دولت میں برابر کا حصہ دار رہوں بلکہ واقعہ نفس الامری یہ ہے کہ دولت سلجوقیہ کا قیام محض میری تدابیر سے ہے کیا سلطان کو وہ وقت یاد نہیں ہے؟ جب الپ ارسلان کو شہادت نصیب ہوئی تھی اور چاروں طرف سے سلطنت پر دعویداروں نے خروج کیا تھا (خواجہ نے نام بنام عزیزاں اعیان کا ذکر کیا) اسوقت سلطان نے میرے دامن میں پناہ لی تھی، اور میں نے فوجوں کو جمع کرکے کسطرح دشمنوں کو پامال کروا دیا تھا اور کیونکر جیحون عبور کرکے ملکوں کو فتح کیا تھا؟ جب سب مشکلیں حل ہوگئیں اور بلاشرکت غیری سلطنت پر قبضہ ہوگیا اور فتوحات ملک شاہی کے دنیا میں سکے بیٹھ گئے تو اب میں گنہگار قرار پایا! اور میرے خلاف جو شکایتیں ہوئی ہیں وہ بھی سنی جاتی ہیں لیکن یہ ضرور عرض کرونگا کہ اگر سلطان کو موجودہ انتظام میں کوئی تبدیلی کرنا منظور ہے تو سوچ سمجھکر کرنا چاہیے کیونکہ کارکنان قضا و قدر نے میری

سلہ عماد الدین اصفہانی نے چند لفظوں میں خواجہ کا جواب لکھا ہے جو لحاظ اختصار یاد رکھنے کے قابل ہے
قولوا للسلطان کان لم الیوم عرفت انی فی الملك مساهمك ولی الله قلمه معا سهمك و
ان دواتی مقرونه سلطانك متی رفعها دفع سلطانها، اسی قسم کے الفاظ
اور تاریخوں میں تحریر ہیں لیکن ہم نے روضۃ الصفا، کامل ابن اثیر، آثار الوزرا، نگارستان سے
خواجہ کا پورا جواب مرتب کرکے لکھا ہے۔

دوات اور سلطان کے تاج کو ساتھ ساتھ رکھا ہے۔ اگر میرے سامنے سے دوات اُٹھائی جائیگی تو یاد رہے کہ سلطان کے بھی سر سے تاج اُٹھ جائیگا"

روضۃ الصفا کی روایت ہے کہ جب خواجہ نظام الملک کا غصہ دھیما ہوا تو اسکو اپنی تقریر کا افسوس ہوا۔ اور امرا سے کہا کہ حالت اضطرار مین خدا جانے مین کیا کچھ کہہ گیا ہون آپ جو مناسب سمجھین وہ سلطان سے عرض کر دین"

چنانچہ ان امیرون مین باہمی مشورہ سے طے پایا کہ کل صبح کو دربار مین سلطان سے عرض کیا جائیگا کہ "خواجہ کہتا ہے مین شہریار عالم کا ایک ادنی فرمانبردار ہون اور میرے سب بیٹے سلطان کے غلام ہین۔ سلطان کا حکم ہمارے جان و مال پر نافذ ہے۔ فرمان عالی سے کبھی تجاوز نہ کیا جائیگا۔ اور رئین عثمان کو ایسی سزا دونگا جو دوسرون کے لیے باعث عبرت ہوگی" مگر افسوس ہے کہ اس گروہ مین سے تاج الملک نے اول تمام حالات کان خاتون سے بیان کیے۔ اور خاتون نے خدا جانے کن شرربار الفاظ مین سلطان کو سمجھایا۔ اسکے علاوہ امیر یلبرد نے بھی شب کو خود ملک شاہ سے خواجہ کی اس تقریر کا اعادہ کیا چنانچہ خواجہ کے جواب سے ملک شاہ غضبناک ہوگیا اور اُسنے وزارت کے تبدیل کرنیکا فیصلہ کر لیا۔

کامل ابن اثیر کی روایت ہے کہ جب سلطان کے حضور مین امرا نے خواجہ کا جواب بیان کیا تو سلطان نے فرمایا کہ آپ لوگ خواجہ کی خاطر سے اصل واقعہ کو چھپاتے ہین۔ نظام الملک کا یہ جواب نہین ہے بلکہ اُسنے تو کچھ اور ہی کہا ہے" چنانچہ پتہ کی بات سُنکر سب خاموش ہوگئے اور ملک شاہ نے خواجہ کو وزارت سے معزول کر دیا۔

تاج الملک کی وزارت

خواجہ نظام الملک کی معزولی کے بعد سلطان ملک شاہ نے تاج الملک کو ترکان خاتون کی سفارش پر وزیر مقرر کیا اور خواجہ کے ماتحت عملہ کو بھی موقوف کر کے انتظام کر دیا مثلاً بجائے شرف الملک مستوفی کے ابو الفضل مجد الملک قمی کو۔ اور بجائے کمال الدولہ عارض کے سدید الدولہ ابو المعالی کو مقرر کیا اور اسی قسم کی اور بھی تبدیلیاں کیں۔ جسکو عام طور سے ملک نے ناپسند کیا اور خود ملک شاہ کو بھی یہ نظم و نسق مبارک نہ ہوا۔ شعرائے دربار نے ان میں سے بعض کی ہجو بھی لکھ ڈالی۔ چنانچہ کمال الدین ابو طاہر جاولی، مجد الملک کے حق میں کہتا ہے۔

می نیارد نخل مجد الملک — چوں بکارد عشق گرسنہ قمری

گر ہمہ قمیان چنیں باشند — قم رفیقا در ہمہ قم ری

اور ابو المعالی نحاس نے بھی اس جدید انتظام پر نکتہ چینی کی ہے چنانچہ اسکا قول ہے

ز بو علی مدد از نور صاد ار نوشتہ — تنہا کہ تیرہ بیش تو نحوست آمد

دریں زمانہ رہبر چہ آمدی بخدمت تو — مبشر ظفر و فتح نامہ ہست آمد

ز بو الغنائم و بو الفضل بو المعالی باد — زمین مملکت ز دمات ہست آمد

۱؎ تاریخ آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۶۔ ۲؎ مجمع الفصحا صفحہ ۴۰۔ ۳؎ ایک قسم کا ظلہ جسکو ہندی میں جنہ مانا کہتے ہیں۔ ۴؎ الپ ارسلان کے دربار کا مشہور فاضل اور شاعر ہے۔ سماعت دو لمہ تھا اور ملک شاہ نے عارض کے عہدے پر مقرر کر دیا تھا امیر معزی سے اکثر مقابلہ رہا تھا ۴۷۵ھ میں فوت ہوا مجمع الفصحا صفحہ ۔

۵؎ آثار الوزرا نسخہ قلمی ان اشعار کا ترجمہ عماد الدین اصفہانی نے اپنی تاریخ آل سلجوق میں بھی لکھا ہے۔

گراز نظام و کمال شرف تو سیر شدی — زتاج وجد و سدیدت گرچہ پیش آمد

تاج الملک کا تقرر چونکہ ترکان خاتون کی سفارش سے ہوا تھا اسوجہ سے ملک شاہ نے اپنی چندروزہ زندگی مین وزیر سے خوشنودی مزاج کا اظہار کیا اور بغدا د پہونچکر خلعت وزارت مرحمت فرمایا۔

قول فیصل | اسباب مندرجہ بالا سے ثابت ہے کہ ملک شاہ خواجہ سے ناراض تھا اور چند سال تک دونون مین کشیدگی رہی۔ جسکا اخیر نتیجہ یہ ہوا کہ خواجہ منصب وزارت سے معزول کردیا گیا۔ اور صرف معزولی سے ملک شاہ کا مطلب پورا ہوگیا۔ لیکن معزولی کے بعد یہ کہنا کہ خود ملک شاہ کے حکم سے خواجہ قتل ہوا صحیح نہین ہے۔ کیونکہ مستند مورخو کا یہ فیصلہ ہے کہ ملک شاہ کا دامن انصاف نظام الملک کے خون کے دھبہ سے پاک ہے جسکی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ملک شاہ نہایت عادل اور حق شناس بادشاہ تھا اور خواجہ کو ہمیشہ (باپ) کہکے خطاب کیا کرتا تھا۔ لہذا ایسے شریف اور کریم النفس پر بدگمانی بھی نہ کرنا چاہیے۔ علاوہ برین تمام مورخون کو تسلیم ہے کہ خواجہ کا قاتل ایک فدائی تھا۔ اور اُسنے حسن بن صباح کے حکم سے خواجہ کو شہید کیا تھا۔ لہذا اصلی قاتل حسن بن صباح ہے۔ اور چونکہ تاج الملک بھی حسن کا مشیر اور مددگار تھا لہذا قانون تعزیرات کے مطابق اعانت کے جرم سے وہ بھی بری نہین ہوسکتا ہے اور قیامت کے دن احکم الحاکمین کی عدالت مین ان لزمون کو جواب دہی کرنا پڑیگی اور یہ اپنے

سلہ کامل ابیر واقعات ۴۸۵ھ۔ سلہ آثار الوزرا نسخہ قلمی۔

کرتوتوں کی سزا پائینگے کیونکہ جھوٹی شہادت اور وکیلوں کی حلق یہاں کچھ کام نہ دیگی۔ شعر

جو چپ رہیگی زبان خنجر لہو پکاریگا آستیں کا

خواجہ نظام الملک کا قتل مع دیگر واقعات

جس طرح خدا کو (حالانکہ وہ واسطے سے پاک ہے) اپنی خدائی میں کسی دوسرے کی شرکت گوارا نہیں ہے۔ اسی طرح دنیا کی بادشاہت میں بھی کوئی حکمراں نہیں چاہتا ہے کہ کوئی اسکا سہیم و شریک ہو۔ اور محض اسی خیال سے ملک شاہ نے نظام الملک کو معزول کر دیا تھا۔ مگر اُسکے ظاہری اعزاز اور خاطرداری میں کوئی کمی نہیں کی گئی تھی۔ چنانچہ ۴۸۵ھ (۱۰۹۲ء) میں ملکی[1] ضرورت سے مجبور ہو کر جب ملک شاہ نے اصفہان سے بغداد کا سفر کیا تو خواجہ نظام الملک بھی ہمراہ تھا۔ ماہ صیام کی وجہ سے یہ موسم سفر کا نہ تھا۔ مگر جب نصف مسافت طے ہو گئی تو چند روز کے لئے ملک شاہ نے نہاوند[2] میں قیام کیا۔ اور خیام شاہی کے اطراف و جوانب میں ارکان سلطنت اپنی اپنی بارگاہوں میں ٹھہرے۔ اور خواجہ نظام الملک کے ڈیرے جنوب سمت میں نصب کئے گئے۔

---

[1] خلیفہ مقتدی بامر اللہ نے اپنے بیٹے مستظہر باللہ کو ولیعہد کر کے ملک شاہ کے نواسہ ابو الفضل جعفر کو محروم کر دیا تھا۔ (جعفر کی والدہ ماہ ذیقعدہ ۴۸۲ھ بمقام اصفہان فوت ہو چکی تھی) اسلئے ملک شاہ نے قطعی فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ مقتدی کو معزول کر کے دمشق یا البصرہ بھیجدیگا۔ اور تخت خلافت اپنے نواسہ کو دیگا۔ چنانچہ ملک شاہ نے مقتدی کو یہ پیام بہت سختی سے بھیجا تھا۔ اور خلیفہ نے دس دن کی مہلت مانگی تھی۔ مگر اتفاق سے انہیں ایام میں خود ملک شاہ فوت ہو گیا اور بغداد کی حکومت بدستور آل عباس کے قبضہ میں رہی۔ اس واقعہ کو بعض مورخوں نے مقتدی کی کرامات میں شمار کیا ہے۔

[2] روز مرہ کے کوچ و مقام سے پریشان ہو کر آرام کی غرض سے ملک شاہ نہاوند میں ٹھہرا تھا۔ اور سیر و شکار کے لئے بھی یہ کوہستانی سلسلہ نہایت موزوں تھا۔

طبقات الکبریٰ کی روایت ہے کہ پنجشنبہ کا دن اور رمضان المبارک کی دسوین (مطابق ۱۴ اکتوبر ۱۰۹۲ء ۴۸۵ھ) تاریخ تھی کہ خواجہ نے روزہ افطار کرکے مغرب کی نماز پڑھی۔ اور بعد نماز حسب معمول فقہا اور علما وسے باتین کرتا رہا۔ اثنا رکلام مین نہاوند کا تذکرہ شروع ہوا تو خواجہ نے فرمایا کہ یہ مقام[1] امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت مین فتح ہوا تھا۔ پھر اُن صحابہ کے حالات بیان کیے۔ جو معرکہ نہاوند مین شہید ہوے تھے "

اس جلسہ کے بعد خواجہ نے تراویح پڑھی۔ اور بعد فراغ ایک محفہ (ہوادار) پر سوار ہوکر حرم سرا کو روانہ ہوا۔ جب قیام گاہ پر پہونچا تو فرمایا کہ (یہی وہ مقام ہے کہ جہان ایک کثیر جماعت مسلمانون کی شہید ہوئی تھی فطوبیٰ لمن کان معھم (وہ لوگ بڑے خوش نصیب ہین جو اُنسے جا ملین)۔

غرضکہ خواجہ اپنے خیال مین محو تھا، سواری جا رہی تھی، کہ ایک نوجوان دیلم کا باشندہ (جسکا لباس صوفیانہ تھا) محفہ کی طرف بڑھا۔ اور مستغیث کی حیثیت سے اپنی عرضی پھینکی۔ جب خواجہ عرضی کی جانب متوجہ ہوا۔ تب موقع پاکر دیلمی نے خواجہ کے قلب مین چھُری بھونکدی چونکہ وار بھرپور تھا لہذا تھوڑی دیر مین خواجہ کا کام تمام ہوگیا۔

حملہ کے ہوتے ہی تمام لشکر مین کہرام مچ گیا۔ اور جب یہ غلغلہ ملک شاہ تک پہونچا، تو وہ بھی غمزدہ اور روتا ہوا آیا، اور خواجہ کے سرھانے آن کر بیٹھ گیا "

[1] نہاوند ۲۱ھ ۶۴۲ء مین فتح ہوا تھا۔ اور اس فتح سے پورے عراق عجم پر مسلمانون کا قبضہ ہوگیا تھا چنانچہ تاریخ مین اس فتح کا نام "فتح الفتوح" ہے۔ اس فوج کے سردار حضرت حذیفہ بن الیمان تھے۔ اور تقریباً تیس ہزار عجمی مارے گئے تھے۔ فتوح البلدان بلاذری فتح نہاوند۔

بعض تذکروں میں لکھا ہے کہ اس وقت تک خواجہ کے ہوش و حواس درست تھے لہذا ملک شاہ کو مخاطب کر کے اسی موت کا واقعہ ایک برجستہ قطعہ میں عرض کیا اور جب اس مصرع پر پہنچا کہ[1]

گذاشتم این خدمت دیرینہ بفرزند

تو خواجہ کی زبان بند ہو گئی اور دم نکل گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

خواجہ کا قاتل خواجہ کے قاتل کا نام ابوطاہر[2] حارث (ارانی) تھا۔ جس نے حملہ کے بعد وہ ایک خیمہ کی آڑ میں چھپ گیا تھا۔ جسکو خواجہ کے غلاموں نے گرفتار کر کے باوجود ممانعت خواجہ قتل کر ڈالا۔ نظام الملک کے قتل میں جو کہ غیر معمولی کامیابی حسن بن صباح کو ہوئی تھی۔ لہذا اسے دشمنوں کی صبح و مسرت کے لئے یہی طریقہ پسند کیا کہ جو اسکے کاموں میں مزاحمت کرے وہ اسی طرح خاموشی سے قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ حسن اور اسکے جانشینوں نے اپنے عہد حکومت میں کیسے ہی بادشاہ وزیر، امراء اور مشہور علما و فقہا قتل کرائے۔ چنانچہ علمائے[3] تاریخ کا یہ دعویٰ ہے کہ باطنیہ کا سب سے

---

[1] یہ قطعہ خواجہ کی شاعری کے تذکرہ میں صفحہ ۷۰ (حصہ اول) میں درج ہے ناظرین اس موقع پر وہ قطعہ پڑھیں جس موقع میں یہ مضمون لکھ رہا تھا مجھے انعام سے آصف ساجن صاحب" کا ایک قلمی اور نایاب نسخہ ملا جس میں جناب نے خواجہ نظام الملک کے حسب ذیل اشعار انتساب کئے ہیں۔ لہذا نقل کرتا ہوں مذکورہ بالا رباعی اور قطعہ سے زیادہ مناسب ہے (دیکھو صفحہ ۷۰ (حصہ اول)۔

تا از شب من سپیدہ دم بر زد دم　　مسعود شب گشتہ بر دور رستم
شد آمدن نگار من اکنون کم　　زیرا کہ شب دور و رسا ہند ہم
خورشید کہ ماہ در چہرہ اوست　　زیبانده رود نگار زیبا یار اوست
برسم کہ سیاہ گاہ بر زد - خونم　　کامن سوخ دلم بحرون بن یار اوست

[2] طبقات اکبری دیکھو و نیز حالات نظام الملک۔ ذکار رسان صفحہ ۱۷۴۔

[3] ایک روایت یہ ہے کہ حسن بن صباح نے ترک کسی کی جو شکر سعادت روانہ کی تھی (دیکھو صفحہ ۸۰)

پہلا شکار خواجہ نظام الملک تھا۔ اور خواجہ کے قتل کے بعد ان چھری بند فدائیون مین سنت قرار پاگئی کہ اسی آلہ سے بیگناہ مسلمان شہید کیے جائین۔

خواجہ کا دفن | انتقال کے بعد جسقدر جلد ممکن ہوسکا خواجہ کی نعش اصفہان روانہ کرکے گیارھوین رمضان المبارک کو ملک شاہ بغداد چلا گیا۔ مگر کسی تاریخ سے یہ نہین معلوم ہوا کہ نہاوند سے اصفہان، خواجہ کی نعش کے دن مین پہونچی اور کس دن دفن ہوئی؟ لیکن ایران کا نقشہ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ مقامات مذکور کا درمیانی فاصلہ[۱] دو سو پینتیس[۲۳۵] میل ہے اور عہد قدیم مین اصفہان سے بغداد کو جاتے ہوے جسقدر منزلین پڑتی تھین انکی معمولی مسافت بارہ میل سے سولہ میل تک تھی[۲]۔ چنانچہ اوسط رفتار اگر سولہ میل قرار دیجائے تو اس حساب سے پندرھوین دن خواجہ کی نعش اصفہان پہونچی ہوگی۔ اور اگر دو منزلہ کوچ کیا ہوگا تو آٹھوین دن تجہیز و تکفین کی نوبت آئی ہوگی۔ بہرحال اصفہانیون نے بڑی دھوم سے خواجہ کا جنازہ اُٹھایا۔ اور محلہ کران[۳] (یہ محلہ نہر کے کنارہ آباد تھا) کے قبرستان مین دفن کردیا۔ چنانچہ زمانہ دراز تک یہ مقام "تربت نظام" کے نام سے مشہور رہا۔

(نوٹ۔ متعلقہ صفحہ ۱۸۶) اور اسی سیرے خواجہ کو قتل کیا۔

[۳] طبقات اکبری۔

[۱] ایران کا جو نقشہ مسٹر جان کرے نے ۱۸۲۵ء مین تیار کیا ہے۔ اسمیں انگریزی اور ایرانی حساب سے شہرون کی مسافت لکھی ہے۔ چنانچہ انگریزی پیمانہ سے ۲۱۰ میل اور ایرانی پیمانہ سے ۱۱۵ کا فاصلہ نہاوند سے اصفہان تک ہے۔ لیکن ہمنے سٹیبرن اٹلس کے مطابق جو زمانہ حال کا سب سے پچھلا اور مکمل اٹلس ہے یہ تعداد درج کی ہے۔

[۲] نزہت القلوب حمد اللہ مین ان منزلون کی صراحت ہے۔

[۳] گنج دانش صفحہ ۳۵۰۔

رسم تعزیت جب خواجہ کے انتقال کی خبر دارالسلام بغداد میں پہونچی تو خلیفہ مقتدی بامر اللہ کو نہایت صدمہ ہوا۔ اور خلیفہ کے حکم سے وزیر عمید الدولہ بن جہیر تعزیت کے واسطے بیٹھا جماعہ ارکان سلطنت اور علما، اور بغداد کے ہر طبقہ کے مشاہیر عمید الدولہ کی خدمت میں حاضر ہوکر خواجہ کی تعزیت کرتے تھے

خواجہ کی عمر تاریخ انتقال تک خواجہ نظام الملک، عمر کی ستتر برس طے کرچکا تھا کیونکہ خواجہ کی ولادت ۴۰۸ھ میں ہوئی تھی۔ اس حساب سے جن تذکروں میں خواجہ کی عمر کم و زیادہ لکھی ہے وہ غلط ہے۔ اور خواجہ کے قطعہ میں جو نود و شش لکھا ہے۔ یہ بھی کتابت کی غلطی ہے۔

ایام وزارت خواجہ نظام الملک سولھویں ذی الحجہ ۴۵۶ھ کو سلطان الپ ارسلان کے حکم سے وزیر مقرر ہوا تھا۔ اور شعبان ۴۸۵ھ کی کسی تاریخ میں سلطان ملک شاہ کے حکم سے معزول ہوا۔ اس حساب سے خواجہ نے تقریباً ۲۹ برس مسلسل وزارت کی۔ اور یہ وہ ممتد ایام ہیں جنکی نظیر تاریخوں میں بہت کم ملتی ہے۔

خواجہ نظام الملک کی موت کی پیشین گوئی نگارستان[1] کا مصنف (بحوالہ مجمع النوادر) لکھتا ہے کہ خواجہ نظام الملک کے ندیموں میں ایک منجم بھی تھا۔ جو وطن کی نسبت سے "موصلی" مشہور تھا چنانچہ سفر و حضر میں موصلی خواجہ کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ اور خواجہ بھی اسکی بڑی خاطر کیا کرتا تھا۔ لیکن ضعف پیری سے موصلی کا کوکب اقبال جب برج احتراق میں پہونچ گیا۔ تو خواجہ نے نشاپور میں اسکی جاگیر مقرر کر دی۔

خواجہ نظام الملک مذہبی شخص تھا۔ اور اسکا یہ عقیدہ تھا کہ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ

[1] نگارستان صفحہ ۱۷۲۔

ذُو الجَلَالِ وَالاِکرَام مگر بمقتضائے فطرت انسانی خواجہ نے چلتے وقت موصلی سے پوچھا کہ تم نے کبھی میرا زائچہ کیا ہے، اور یہ بھی دیکھا ہے کہ اس دار العمل سے میرا کوچ کب ہوگا؟ "موصلی نے کہا ہاں! میرے انتقال کے چھ مہینے بعد آپ بھی دنیا سے رخصت ہونگے اور وہ وقت آجائے گا کہ ؎

گرد و بردی صفحۂ خاک، استخوان دست
از بہر حرف تجربہ دیگران قلم

الغرض موصلی خواجہ سے رخصت ہو کر نیشاپور چلا گیا اور جبتک زندہ رہا خواجہ کا وظیفہ خوار رہا۔ مگر خواجہ کی یہ حالت تھی کہ نیشاپور کے آنے والون سے موصلی کی سلامتی دریافت کیا کرتا تھا۔ آخر چند سال کے بعد ۴۸۵ھ مین کسی نے اطلاع دی کہ ربیع الاول کی پندرھوین تاریخ کو غریب موصلی مرگیا۔

خواجہ نظام الملک کو موصلی کے انتقال سے اپنی موت کا بھی زمانہ یاد آگیا اور اسیوقت سے سفر آخرت کی تیاریان شروع کردین چنانچہ کتاب الوصایا[1] مین لکھا ہے کہ ۴۸۵ھ[2] کے اخیرین خواجہ نظام الملک بہت بیمار ہوگیا تھا۔ اور جب اسکو صحت ہوگئی تو ایک دن اپنے "صرف خاص" کے منتظم سے دریافت کیا کہ ہماری سرکار سے جن لوگون کی سالانہ تنخواہین

---

[1] وصایا خواجہ نظام الملک۔

[2] تاریخ کامل ابن اثیر مین لکھا ہے کہ خواجہ نظام بغداد میں بیمار ہوا تھا۔ اور زمانۂ علالت مین بڑے صدقے دیے گئے تھے۔ اور فقرا و مساکین اسقدر جمع ہوے تھے کہ جنکا شمار نہین ہوسکتا تھا۔ غسل صحت پر خلیفہ مقتدی بامر اللہ نے خواجہ کو خلعت مرحمت فرمایا تھا۔

خواجہ نظام الملک کی وفات پر شعرائے مرثیے

خواجہ نظام الملک کے قتل کے پینتیس دن بعد (شب جمعہ پندرھوین شوال کو مطابق ۱۸۔ نومبر ۴۸۵ھ و ۱۰۹۲ء بمقام بغداد، سلطان ملک شاہ نے بھی بعارضہ حمی محرقہ (تپ شدید) انتقال فرمایا۔ اور خواجہ کا یہ قول صادق آیا کہ "جب میرے سامنے سے دوات اُٹھائی جائیگی تو ملک شاہ کے بھی سر سے تاج اُٹھ جاے گا"
چنانچہ امیر معزی[1] نے اسی مضمون کو ایک رباعی مین اس طرح پر ادا کیا ہے۔

بقیہ اشعار متعلق نوٹ صفحہ ۱۹۰۔

رین حکایت گذشت سالے چند　　بود خواجہ بحال خود خرسند
ناگہان قاصدے رسید از راہ　　از نشاپور واہل آن ناگاہ
خواجہ احوال موصلی پرسید　　گفت تسکین بخواجہ جان بخشید
زاں خبر وقت خواجہ درہم شد　　دل شادش نشانہ غم شد
سجلے خواست از ستم زدگان　　شادمان ساخت جان غمزدگان
وبہا کرد و وقف نامہ نوشت　　تخم جیدی ہزار نیکی کشت
کرد ادا آنقدر کہ واجبش بود　　وام داران شدند از آن خوشنود
بوصایا بمان درازی کرد　　بس کسان را کہ کارسازی کرد
شست از کار دو بار دنیا دست　　دیدہ برراہ انتظار نشست
تا بہ تیغ جماعتے بیباک　　لوح جان شان زحرف ایمان پاک
کرد جا در حظیرہ شہدا
رَوَّحَ اللّٰہُ رُوحَہٗ اَبَدًا

سلسلۃ الذہب دفتر سوئم صفحہ ۲۶۴۔ [1] تذکرہ دولت شاہ سمرقندی۔

بہ شناخت ملک سعادت اختر خویش | در منقبت دبیر خدمت گر خویش
بگماشت ملائے تاج بر لشکر خویش | تا در سر تاج کرد، آخر سر خویش

ملک شاہ اور نظام الملک کی وفات پر شعرائے عجم اور عرب نے بکثرت مرثیے لکھے ہیں لیکن بہ نظر طوالت ہم صرف ملک الشعراء امیر معزی اور حکیم انوری اور قتیل الدولہ قاتل بن عطیہ کے مختصر مرثیوں پر اس واقعہ کو ختم کرتے ہیں۔ اور خواص سے [illegible] ہوتے ہیں۔

مرثیہ امیر معزی

شغل دولت بی خطر شد کار ملت با خطر | تا تہی شد دولت و ملک از شاہ دادگر
مردماں گفتند تو دیدست شوال از عجب | بود اندر معنی دل مسی تماشاں را حجر
در یکی مہ شد بفردوس بریں دستور پیر | شاہ برنا از پس او رفت در ماہ دگر
کرد باری قہر یزداں عجز سلطاں آشکار | قہر یزدانی ببیں و عجز سلطانی نگر
خسروا اگر ہستی از ہستی بہشیاری گرائے | در خواب خوش دری از خواب خوش بیدار گر
تا ہمی ملک و ملت را شدہ بے برگ و ہلے | تا ہمی شاخ دولت را شدہ بے برگ و بر
بر زمیں چوں حکمراں گشتی اگر جستی ایکا ستی | بر فلک چوں مہ دگر گردد کاستی گیرد قمر
رفتی و بگذاشتی در دیدۂ ہر اشک خویش | تا چو خوانم مدح تو ریزم ہمی بارد درر
خاطرم نظم فتوحت را اگر در رشتہ کرد | رشتہ ہا گمشت دار ختیم ز دل آید

۱؎ تذکرہ مجمع الفصحاء

امیر معزی کا یہ مرثیہ اگرچہ مختصر ہے۔ مگر چونکہ غم زدہ دل سے نکلا ہے، لہٰذا درد انگیز اور حسرت خیز ہے۔ اور لُطف یہ ہے کہ ایک ہی سَے مین شاعر نے دونون کا ماتم کیا ہے۔

حکیم[1] انوری نے بجاے مرثیے کے ایک رُباعی لکھی ہے۔ مگر وہ بھی سوز و گداز سے خالی نہین ہے۔

حکیم انوری

ان جان جہان زجور افلاک برفت　　　دُنیا و نظام مُلک، در خاک برفت
ان زہر زمانہ را چو تریاک برفت　　　او رفت وسعادت ازجہان پاک برفت

شبل الدولہ

(۱)

کانّ[2] الوزیر نظام الملک لولوۃ　　　یتیمۃً صاغھا الرحمٰن من شرف
عزت فلم تعرف الایام قیمتہا　　　فردھا غیرۃً منہ الی الصدف

---

[1] جامع التواریخ صفحہ ۲۸۵، فصل ۱، مطبوعہ کلکتہ۔ [2] المستطرف فی کل فن مستظرف صفحہ ۲۰۲۔ جلد ۲ مضمون کے لحاظ سے یہ اشعار بھی لاجواب ہین۔ شاعر کہتا ہے کہ خواجہ نظام الملک حقیقت مین ایک دُرِ یکتا تھا۔ ارباب زمانہ اسکی قیمت کا جب صحیح اندازہ نہ کر سکے تو از راہ غیرت یہ انمول موتی پھر صدف کو واپس کر دیا گیا۔

(۲)

وقرب وجهك واصرف مودعا | مالي وامي وجهك المقمرا
واري ديارك بعد وجهك قفرة | والقفر مثلك مسيد معمور
فالناس كلهم لفقدك واحد | في كل بيت رنه وزفير
عجبا لاربع اذرع في خمسة | في جوفها جبل اشم كبير

سلہ ساحرجواحہ نظام الملک کو مخاطب کرکے کہتا ہے کہ میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں میں تجھ کو دفن کرکے گورستان سے واپس آتا ہوں مگر حال یہ ہے کہ میرے بعد ساری بستی ویران پڑی ہوئی ہے اللہ رے تیرے اجارے میرے انتقال سے ہم سب اکیلے ہو گئے ہیں۔ اور ہر گھر سے گریہ وزاری کی آواز آرہی ہے اور سب سے عجیب بات جو میں دیکھتا ہوں وہ یہ ہے کہ قبر جیسے تنگ مکان میں ایک مرتفع اور عالی پہاڑ کی سمائی گئی ہے۔

پہلا حصہ ختم ہوا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دوسرا حصہ

تمہید

تبارک اللہ ! ازاں بادشہ کہ در ملکش　　وزیر عقل تصرف نہ کردہ بی تقصیر
زبان او انتواند حساب شکرش را　　دگر بہ ہر نفسے صد سخن کند تقریر

خواجہ نظام الملک کی سوانح عمری کا پہلا حصہ ختم ہو چکا۔ یہ حصہ جن معتمد اور مستند تاریخوں سے ماخوذ ہی۔ اسکا صحیح اندازہ حوالہ جات مندرجۂ حاشیہ سے ہو سکتا ہی۔ کیونکہ خواجہ کی زندگی کا ہر واقعہ خواہ وہ مجمل ہو یا مفصل، انھی تاریخوں کا ایک جامع انتخاب ہی۔ تاہم اس حصہ میں جن واقعات کی تفصیل ہی وہ عنوان یہ ہیں۔

[۱] خواجہ کا خاندان اور وطن۔ [۲] عہد طفولیت اور عام ابتدائی حالات۔ [۳] تعلیم و تربیت شیوخ و اساتذہ، طالب علمانہ سفر۔ [۴] ذاتی فضل و کمال۔ [۵] اخلاق و عادات، خانگی زندگی۔ واقعہ قتل کی مفصل تاریخ۔

مذکورۂ بالا میں سے، ہر ایک کے تحت میں جو واقعات تحریر ہیں وہ بھی صفحات

تاریخ میں زریں یادگار" کا درجہ رکھتے ہیں لیکن ان اوراق کو اگر کوئی نکتہ سنج مومن
عقیدت کی عینک لگا کر دیکھے تو کہہ سکتا ہے کہ" یہ تو نظام الملک کے عہد وزارت کی یک رُخی
تصویر ہے"۔

لہذا ہمارا فرض ہے کہ ناظرین کو خواجہ کا ایسا مرقع دکھائیں جس میں اس مقدس صورت کا
ایک ایک خال و خط نمایاں ہو اور اصلی تصویر کا جلوہ آنکھوں میں پھر جائے"۔

وزرائے اسلام کی فہرست (طبقہ سلاطین عجم) میں خواجہ نظام الملک کا نام واقع
قانون سلطنت کے لحاظ سے سرِ فہرست ہے اور اس حیثیت سے کہ جس درجہ کا وہ قانون
داں ہے، ویسا ہی مدبر اعظم بھی ہے اپنے طبقہ میں صدر نشینی کا امتیاز رکھتا ہے۔

خواجہ نظام الملک نے جس طرح دنیا میں اپنی قلمی فتوحات کی ایک زندہ اور محسوس
یادگار چھوڑی ہے اسی طرح میدان کارزار میں بھی اُس کی تلوار کے جوہر نمایاں ہوئے
ہیں اور مفتوحہ مقامات پر نظام الملکی پھریرہ آج تک اُڑ رہا ہے اور انصاف یہ ہے کہ
یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے "السیف والقلم توأمان" کی ضرب المثل کو حیات تازہ بخشی ہے

ان خوبیوں کے علاوہ علوم و فنون کی اشاعت میں جس فیاضی، دریادلی اور
بلند ہمتی سے خواجہ نظام الملک نے کام لیا ہے وہ بھی اُنکا خاص حصہ ہے بلکہ بعض اُمور
(صیغہ تعلیمات) میں تو اولیت کا تاج اُسکے سر پر ہے۔

اسی طرح نظارت عامہ (صیغہ پبلک ورکس) میں بھی خواجہ نے کارہائے نمایاں کیے
ہیں مگر افسوس ہے کہ اُس کی بنائی ہوئی شاندار اور سر بفلک عمارتوں میں سے آج

کسی ایک کی بھی عکسی تصویر ہم پیش نہیں کر سکتے ہیں۔ البتہ عراق عرب وغیرہ کا ویرانہ اپنے دامن میں ٹوٹی پھوٹی اینٹوں کو امانت کی طرح اسوقت تک چھپائے ہوئے ہی۔ اور ارباب بصیرت کے کانوں میں ان کھنڈرات سے یہ صدا آتی ہی۔

کہاں ہیں؟ وہ اہرام مصری کے بانی
گئے پیشدادی کدھر، اور کیانی

کہاں ہیں؟ وہ گردانِ زابلستانی
مٹا کر رہی سب کو دنیائے فانی

لگاؤ کہیں کھوج کلدانیوں کا
بتاؤ نشاں کوئی ساسانیوں کا

علی ہذالقیاس خواجہ نظام الملک کے اور بھی کارنامے ہیں، جو اس حصہ میں دکھائے جائینگے

حصہ اول[1] میں یہ لکھا جاچکا ہی کہ خواجہ کی وزارت سولھویں ۱۲ ذی الحجہ ۴۵۶ھ/۱۰۶۴ء سے شروع ہوئی اور بارہویں ۱۲ رمضان ۴۸۵ھ/۱۰۹۲ء کو ختم ہوگئی۔ اس حساب سے ایام وزارت کے تخمیناً اُنتیس ۲۹ سال ہوتے ہیں۔ وقائع نگار کی حیثیت سے فرض ہی کہ کم وبیش ہر سال کے واقعات پر تبصرہ لکھا جائے لیکن بترتیب سنین واقعات لکھنے میں بہت سے مشکلات کا سامنا تھا۔ لہذا قدیم مورخوں کی تقلید چھوڑ کر یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہی کہ ہر مہتم بالشان واقعہ ایک خاص عنوان سے لکھا گیا ہی۔ عام اس سے کہ اسکا تعلق عہد الپ ارسلان سے ہو یا ملک شاہ سے؟

[1] ۱۲۔ ذی الحجہ ۴۵۶ھ/۱۰۶۴ء لغایت ۲۔ ربیع الاول ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء عہد الپ ارسلان۔ اور ۷۔ ربیع الاول ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء لغایت ۱۲۔ رمضان ۴۸۵ھ/۱۰۹۲ء عہد ملک شاہ میں خواجہ وزیر رہا۔ اس حساب سے مجموعی تعداد ایام وزارت کی اٹھائیس ۲۸ برس۔ سات مہینے اور پچیس ۲۵ دن ہوتے ہیں۔

ہوئیں کے نزدیک خواجہ نظام الملک سے جو سب سے بڑی خدمت دولت سلجوقیہ کی ہوئی

ہے وہ قوانین ملکی کا وضع کرنا ہے جس کی نسبت ملک شاہ کا یہ فخریہ دعویٰ تھا کہ آئندہ

بھی میرا دستور العمل ہوگا'

تمیز و تقسیم خدمات ملکی اگرچہ قانون خواجہ کی سب سے اعلیٰ کارگزاری ہے مگر چونکہ امور دربار

میں یہ کام سب سے زیادہ قابل قدر اور لائق تحسین ہے لہذا سب سے پہلے قانون سلطنت

پیش کیا جاتا ہے

اس عہد میں نوع انسان نے فضائل و کمالات اور تمدن و معاشرت میں جو کہ غیر معمولی حا

لت ترقی کر لی ہے لہذا اسی مناسبت سے قانون سلطنت بھی وضع کیا گیا ہے اور علوم و فنون

کی فہرست میں قانون بھی مستقل علم کی حیثیت سے داخل ہے چنانچہ عہد قدیم سے اب تک

آہستہ آہستہ مدبران مشرق و مغرب نے قوانین جدید ایجاد کیا ہے اس کی مستقل تاریخ

جب ہی ہو سکتی ہے کہ قانون کی تاریخ لکھی جائے لیکن ذرہ ذرہ کا مشاہدہ اور تجربہ بتاتا ہے کہ

سلطنت کا کوئی صیغہ ایسا نہیں ہے جو قانون کی حکومت سے آزاد ہو چنانچہ ایسی قرن

کے دور میں تعلیم یافتہ گروہ کی نظروں میں خواجہ نظام الملک کے قانون سلطنت کی کیا

عظمت ہوگی مگر نہیں ان کو پڑھتے وقت اتنا خیال کر لینا چاہیئے کہ یہ تحریر آج سے آٹھ سو

چالیس برس قبل کی ہے اور حکومت اسلام کا زمانہ ہے مذہب کا عمل دخل ہر طرح در کی

[1] خواجہ نظام الملک نے ۴۸۴ھ میں قانون مرتب کر کے ملک شاہ کے حضور میں پیش کیا تھا جس کا نام سیر الملوک

(سیاست نامہ) تھا اس وقت ہندوستان میں سلطان مسعود ثانی بن ابراہیم بن مسعود بن محمود غزنوی کی حکومت تھی

اور انگلستان میں ولیم ثانی ملقب بہ روفس حکومت کر رہا تھا تاریخی حیثیت سے ناظرین آپ خود مقابلہ کریں

بالکل سادہ ہی۔ اور شریعت کے مطابق ہر مقدمہ کا فیصلہ ہوتا ہی۔ باوجود اسکے یہ قوانین زمانہ موجودہ کے اُصول حکمرانی سے کس درجہ مطابق ہیں۔ اگر جزئیات سے قطع نظر کیجائے وکلیات میں برائے نام اختلاف رہجاتا ہی اور بالآخر یہ نتیجہ نکلتا ہی کہ زمانہ حال کا قانون اور ضابطۂ سلاطین سابق کے قوانین کا خوشہ چین ہی۔ اور یہ ایک ایسا دعویٰ ہی کہ جسکے لیے کسی مثال کی ضرورت نہیں ہی۔

اب ناظرین بنظر غور و تعمق خواجہ نظام الملک کے قانون سلطنت کو ملاحظہ فرمائیں خاتمہ پر ہم بھی ایک مختصر تبصرہ (ریویو) لکھینگے۔ وَمَا تَوْفِيقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ وَهُوَ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ۔

خواجہ نظام الملک کا قانون سلطنت

بادشاہ اور رعایا کے فرائض

۱ عادت الٰہی یوں ہی جاری ہے[1] کہ وہ ہر زمانہ میں اپنے بندوں میں سے ایک شخص کو انتخاب کر لیتا ہے پھر شاہانہ خوبیوں سے آراستہ کرکے اسی مخلوقات کا انتظام اسکے سپرد کردیتا ہے جس سے فتنہ و فساد کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور بادشاہ کی ہیبت حشمت کا سب کے دلوں میں سکہ بٹھا دیتا ہے تاکہ اُسکے عہد دولت میں خدا کی مخلوق چین سے زندگی بسر کرے اور بے کھٹکے ہو کر بادشاہ کے دوام سلطنت کی دعا مانگتی رہے

۲ جب لوگ شریعت کی پابندی چھوڑ دیں اور مذہب کا خاکہ اُڑانے لگتے ہیں اور خدا کے احکام کی تعمیل نہیں کرتے ہیں اُسوقت وہ انکے اعمال کی سزا دینا چاہتا ہے اور نیک عادل اور مہربان بادشاہ کے ظالم حکمراں مسلط کرتا ہے اس دور انقلاب میں خون کی ندیاں جاری ہیں، اور گنہگار اپنی کرتوتوں کی سزا پاتے ہیں اس کی مثال بعینہ ایسی ہے کہ

[1] سیاست نامہ فصل اول صفحہ ۱۰ مطبوعہ مطبع دار السلطنت فرانس مرتبہ موسیو شیفر مدرس مدرسہ السنہ مشرقیہ پیرس

جب کسی نیستاں میں آگ لگتی ہی تو اول وہ خشک چیزوں کو جلاتی ہی پھر ہمسائیگی کے طفیل میں تروتازہ چیزیں بھی جلکر راکھ ہوجاتی ہیں۔"

۳ جب خدا اپنی مہربانی سے کسی کو صاحب تاج وتخت کرتا ہی تو اُسکے اقبال کے اندازے پر علم وعقل بھی مرحمت فرماتا ہی۔ اور صرف یہی دو چیزیں ہیں کہ جنسے رعایا پر (بلحاظ کمی و بیشی مراتب) حکومت کیجاتی ہی۔

۴ بادشاہ کا فرض ہی کہ وہ اپنی رعایا کو جانے پہچانے اور اُس کی قدر و مرتبے کے مطابق درجہ ومنصب عطا کرکے دین و دنیا کے کاموں میں اُنپر بھروسہ کرے۔

۵ جب رعایا بادشاہ وقت کی اطاعت اور اپنے فرائض پورے طور سے ادا کرتی ہی تو خدا کی طرف سے بھی اُسکو امن وچین کی زندگی ملتی ہی۔ ایسے عہد سعادت میں اگر قائم مقامان سلطنت سے ناشائستہ افعال سرزد ہوں، یا وہ ملک پر دست درازی کریں تو پہلے اُنکو تادیب ونصیحت سے سمجھانا چاہیے۔ اگر وہ غفلت کی نیند سے جاگ اُٹھیں تو اپنے عہدوں پر قائم رکھے جائیں اور اگر اگلے رنگ میں ڈوبے رہیں تو بلا تامل وہ شخص مقرر کردیا جائے جو اُس خدمت کی صلاحیت رکھتا ہو۔

۶ رعایا میں جو لوگ حقوق نعمت کو نہ پہچانیں، اور پُرامن زمانہ کی قدر نہ کریں، بلکہ بدمستی سے سرکشی پر آمادہ ہوں تو اُنکو سزا دیجائے لیکن سزا کا پیمانہ جرم کے مطابق رہے

۷ جن بادشاہوں نے نہریں جاری کیں، تالاب کھُدوائے، دریاؤں پر پل باندھے شہر، گاؤں، پُروے آباد کیے، نئے قلعے بنائے، یا عام رستوں پر مسافرخانے جاری کیے

انکا نام ہمیشہ زندہ رہیگا اور وہ آخرت میں بھی ان نیکیوں کا صلہ پائینگے۔

(۲) بادشاہ کا تربیتِ رعایا اور ہر کام کا باقاعدہ انجام دینا

[1] آسمان ہمیشہ سے یہ رنگ لاتا رہا ہے اور سلطنت کو ایک خاندان سے دوسرے میں منتقل کر دیتا ہے اس دور تسلسل میں شریف پامال اور مفسد مقبول ہو جاتے ہیں اور جو جاہ سے ہیں گر جاتے ہیں امارت کا درجہ برائے نام رہ جاتا ہے کیونکہ ہر دو نا چاہتا ہے کہ میں بادشاہ اور دوسرا کا لقب اختیار کروں اور اسکا کچھ خیال نہیں ہوتا ہے کہ ہم اسکے مستحق بھی ہیں یا نہیں جب ایسا ہوتا ہے تو سلطنت اور شریعت میں ضعف آجاتا ہے اور بدون نظام سلطنت درہم برہم رہتا ہے لیکن پھر خدا کی مہربانی سے وہ ناگوار نہ گذرتا ہے اور کوئی عاقل عادل بادشاہ تخت نشین ہوتا ہے اور وہ اپنی عقل سے ہر چیز میں تعمیر کرتا ہے

ہمیشہ وہی بادشاہ کامیاب ہوئے ہیں جنھوں نے حکمرانی میں اصول سلطنت اور قوانین ملک کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا ہے دشمنوں کو مغلوب کر کے سلطنت کے جمع خرچ کو دیکھا اور بدعت کو دور کیا بادشاہ کا کام ہے بادشاہوں کو اسپر بھی ہمیشہ توجہ رہی ہے کہ قدیم خاندان اور سپاہی نسل برابر خاندانی رسم سے بسر کریں اور جب تک وہ زندہ رہیں انکے وظائف بند نہوں مستحقین کو [2] بیت المال سے انکا حصہ برابر پہنچتا رہے تاکہ یہ لوگ دعا سے خیر سے یاد کریں

[1] مبل ۲ نسخہ ۔ [2] بیت المال مطلب سرکاری خزانہ ۔ امام کو یہ مسئلہ کی فاروق اعظم کی ... کہا اس اعتراض میں کہ ... داخل ہوں جسکے مسلمان سبھی ہوں اور اسکا کوئی خاص مالک نہیں ہو اسی وجہ اس خزانے سے خرچ بھی ہوتا تھا جو مسلمانوں کی ضروریات سے متعلق

مثال | چند لوگوں نے جو معمر رعایا سے تھے ہرون الرشید[1] کو یہ درخواست دی کہ ہم آپکی
رعایا اس ہم میں سے بعض عالم اور حافظ ہیں اور بعض وہ ہیں جنکے بزرگوں کا اس سلطنت پر حق
ہی اور ہمارا حصہ بیت المال میں بہت کچھ ہی مگر ہم دیکھتے ہیں کہ خلیفہ کی ذاتی خواہشوں میں سارا
خزانہ لٹ رہا ہی اور ہم لوگ روٹیوں سے محتاج ہو رہے ہیں۔ اگر بیت المال سے ہمارا حصہ

---

[1] یہ خلیفہ مہدی کا چھوٹا بیٹا تھا۔ پورا نام الرشید ہرون ابو جعفر ہی۔ اخیر ذی الحجہ ۱۴۸ھ میں مقام رے پیدا ہوا۔ اسکی
ماں کا نام خیزران تھا۔ ابو جعفر منصور (دادا) اور مہدی نے اسے خوش نصیب بیٹے کی تعلیم و تربیت میں خاص انتظام کیا
تھا چنانچہ کوئی فن ایسا نہ تھا کہ جسمیں ہرون الرشید کو مجتہدانہ کمال حاصل ہو۔ ۲۲ برس کی عمر میں مقام عیسیٰ آباد اپنے بڑے بھائی
خلیفہ ہادی کے انتقال کے بعد جمعہ کی رات سولھویں تاریخ ربیع الاول ۱۷۰ھ میں بڑے شان و شکوہ سے تخت نشین ہوا
اس عہد میں سلطنت عباسیہ بکمال عروج پر تھی۔ رقبہ حکومت کی حد سندوستان و ترکستان سے بحر اوقیانوس تک تھی۔ اور سوائے
اسپین کے کل اسلامی دنیا تابع فرمان تھی یورپ جسپر فخر کر سکتا تھا وہ صرف روم و یونان کا ملک تھا اور یہ دونوں ہرون الرشید
کے باجگزار تھے۔ سالانہ خراج خراسان و دست کے مطابق آجکل کے حساب سے کتیس کروڑ پچاس لاکھ روپیہ تھا۔ فوج
کی تعداد تقریباً دو لاکھ سوار و پیادہ کی تھی اور وقت ضرورت کے دوسری قسم کی فوج متطوعہ (والنٹیئر) بھی تھی۔ ملکی فتوحات سے
زیادہ اس عہد میں علمی فتوحات ہوئیں اس پر ہر مسلمان جسقدر فخر کریں کم ہی۔ امام مالک امام موسیٰ کاظم قاضی ابو یوسف
امام محمد عبداللہ بن مبارک عباس بن احنف شاعر فضیل بن عیاض ابن سماک سیبویہ کسائی یونس بن حبیب نحوی جیسے
فخر روزگار مشاہیر اسی عہد میں تھے اس نامور خلیفہ میں درحقیقت وہ تمام خصلتیں جمع تھیں جو ایک بادشاہ اور دیندار مسلمان
بادشاہ میں ہونا چاہییں جاحظ کا قول ہی کہ جیسے رجال کمال ہرون کو میسر ہوئے وہ دوسرے خلیفہ کو نہیں ملے۔ کیونکہ وزارت میں
برامکہ عہدہ قضا پر امام ابو یوسف شاعروں میں مروان بن ابی حفصہ ندیموں میں عباس بن محمد عباسی حاجبوں میں فضل بن ربیع
مغنیوں میں ابراہیم الموصلی۔ اسکے عہد کا سب سے اہم تاریخی واقعہ خاندان برامکہ (یحییٰ فضل جعفر برمکی وزرا سلطنت) کی تباہی
ہی (تفصیل کے لیے دیکھو ہماری کتاب البرامکہ مطبوعہ ۱۸۹۸ء نامی پریس کانپور) تیئیس برس دو مہینے اٹھارہ دن حکمرانی کرکے
۴۷ برس ۵ مہینے کی عمر میں جمادی الاخری ۱۹۳ھ میں مقام طوس انتقال کیا اور وہیں دفن ہوا۔ باوجود فیاضی کے انتقال کیوقت خزانہ
عامرہ میں اٹھارہ ارب روپیہ چھوڑا۔ مکمل سوانح عمری کے لیے ناظرین کو ہماری کتاب "رشید اعظم" کا منتظر رہنا چاہیے جسکی
اشاعت کا انشاء اللہ تعالیٰ جلد انتظام کیا جائیگا۔ اور انمیں ہرون الرشید و مامون الرشید کے صحیح مرقعے ہونگے جو خوش قسمتی سے ملگئے ہیں

دلایا جائیگا تو ہم بدلے سے فریاد کرینگے کہ وہ ایسا خلیفہ مقرر کرے جو مسلمانوں پر مہربان ہو
دو خواب ہیں مگر خلیفہ بہت ہی متاثر ہوا جب مجلس اٹھ گئی اور زبیدہ خاتون نے اس سے دوبارہ
پوچھا کہ خیر تو ہے؟ خلیفہ نے واقعہ بیان کیا تو خاتون نے کہا کہ امیرالمومنین کو اس مسئلہ میں دیر
نہ کرنا چاہیئے جو آگے خلفائے کیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بیت المال مسلمانوں کی
ملک ہے اور آپ اس میں سے بے جا خرچ کرتے ہیں اُن کی شکایت بجا ہے
اتفاقاً دونوں نے خواب دیکھا کہ وہ میدان قیامت میں کھڑے ہیں اور ہر ایک شخص جنت کے
بعد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پر) داخل بہشت ہو رہا ہے لیکن ہماری نسبت رسول اللہ
صلعم نے فرشتوں کو حکم دیا ہے کہ یہ مت جانے پائیں کیونکہ انکے سبب سے مجھے خدا کے حضور میں
شرمندہ ہونا پڑیگا اور میں انکی شفاعت نہ کرونگا کیونکہ انھوں نے مسلمانوں کے مال کو اپنا
سمجھ رکھا ہے اور مستحقین کو محروم کر دیا ہے" چنانچہ یہ ہولناک خواب دیکھکر دونوں جاگ اُٹھے اور انکا
شکر کیا اور دوسرے دن بیت المال سے مستحقین کو ہزارہا درہم و دینار تقسیم کئے اور زبیدہ نے[1]

[1] امۃ العزیز لقب زبیدہ (بنت جعفر بن منصور عباسی) ہارون الرشید کی سب سے پیاری اور چہیتی بی بی
کا نام ہے اس خلیفہ کے چند نکاح ہوئے تھے اگرچہ انکے اسباب اور دیگر حسب نسب کی وجہ سے کوئی شک زبیدہ کے
ہم پلہ تھی کیونکہ زبیدہ کا چچا مہدی خلیفہ تھا باپ کو اگرچہ خلافت نصیب نہیں ہوئی مگر اس خلیفہ ہونے سے
کسکو انکار ہو سکتا ہے جسکے ساتھ عقد ہوا وہ شعار عباسیہ میں واسطۃ الخلفاء کے لقب سے ممتاز ہے اور خود انکا
بخت جگر امین الرشید بھی خلیفہ ہوا شمس العلماء شبلی نعمانی المامون میں تحریر فرماتے ہیں کہ زبیدہ خاتون
کی ایجاد پسند طبیعت نے زیب و زینت کے نئے نئے سامان ایجاد کیے جو بات دور دور سے
قبول کیے گئے اور تمام امرا و عمائد میں رواج پا گئے عنبر کی شمع اور جواہر کی مرصع جوتیاں اسی کی ایجاد
سے ہیں چاندی، آبنوس، صندل کے قبے اول اُسی نے طیار کرائے اور انکو دیبا و سمور اور حلقہ رنگ کے

اپنے ذاتی مال سے ہزارہا دینار صدقہ کیے۔ اور کوفہ اور مکہ معظمہ کے راستہ میں پختہ چاہات اور سرحدوں پر مستحکم قلعے بنائے اور مذہبی لڑائیوں کے لئے اسلحہ اور گھوڑے خرید کیے اور ان مصارف کے واسطے جاگیریں وقف کردیں۔ اور پھر بھی جو روپیہ بچ رہا اُس سے کاشغر کی سرحد پر شہر بذخشاں و تبریز آباد کیا۔ علاوہ اسکے خوارزم اور اسکندریہ کی حدود میں مستحکم قلعے اور جابجا مسافرخانے بنائے۔ اور ایک کثیر رقم مجاورانِ مدینہ منوّرہ و بیت المقدس پر تقسیم کی گئی۔

شاہانِ بیدار کی یہ حالت رہی ہو کہ دیرینہ سال اور فوجی تجربہ کاروں کی عزت کیا کرتے تھے۔ اور ہر ایک کا درجہ و مرتبہ خاص تھا۔ اور جب کوئی مہم پیش آتی تو انھیں سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ لڑائی کے موقع پر ہمیشہ وہی لوگ بھیجے جاتے جو آزمودہ کار ہوتے تھے لیکن اسپر بھی یہ خاص احتیاط کیجاتی تھی کہ ایک دیرینہ سال ضرور ہمراہ کردیا جاتا تھا جو ہر موقع پر لغزشوں سے بچاتا رہتا تھا۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۰۴ - حریر سے آراستہ کیا۔ کپڑوں کی ساخت میں یہ ترقی ہوئی کہ زبیدہ کے استعمال کے لیے ایک ایک تھان پچاس ہزار اشرفی کی قیمت کا طیار ہوا۔ عیش و طرب کا تو یہ رنگ تھا جو تم پڑھ چکے ہو۔ اب مذہبی رنگ میں زبیدہ کو دیکھو تو وہ اپنے زمانہ کی رابعہ بصری معلوم ہوگی۔ کیونکہ اسکے محل میں ایک سو کنیزیں حافظ قرآن تھیں جنیں سے ہر ایک کو صرف ایا یے سنا پڑتے تھے۔ تلاوت قرآن کے وقت قصر زبیدہ میں یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا شہد کی مکھیاں گن گنا رہی ہیں (وکان یسمع فی قصرھا کدوی النحل من قراءۃ القرآن) ابن جوزی کی روایت ہو کہ شہر مکہ میں پانی کا کال رہتا تھا اور حج کے زمانہ میں ایک مشک پانچ دینے میں آتی تھی لیکن زبیدہ نے نہر سے پہلے ۵۰ لاکھ روپیہ صرف کرکے ۱۲ میل کے فاصلے سے ارض حجاز میں ایک نہر جاری کی جسکے فیض سے ہر گھر میں چشمے بہنے لگے۔ اس نہر کا نام عَینُ المُشاش تھا (اب نہر زبیدہ کے نام مشہور ہوا اور جسکی مرمت کے لیے امسال چندہ ہو رہا ہی) زبیدہ کی ۱۶۵ھ میں شادی ہوئی تھی۔ ۲۰ برس تک بلند اقبال شوہر کا ساتھ رہا ۱۹۳ھ میں بیوہ ہوئی۔ اور بمقام بغداد بروز شنبہ ماہ جمادی الاولیٰ ۲۱۶ھ میں انتقال کیا۔ انتخاب از کتاب الدرالمنثور فی طبقات ربات الخدور مصنفہ سیدہ زینب مصری و شریشی شرح مقامات حریری۔ ابن خلکان صفحہ ۱۸۹ جلد اول۔

(۳) بادشاہوں کو خدا کی نعمت کا قدرشناس ہونا چاہیے

بادشاہوں کو خدا کی رضامندی حاصل کرنا چاہیے مگر یہ رضامندی جب ہی ہو سکتی ہے کہ بندگانِ خدا پر عدل و احسان کیا جائے۔ عدل کا ثمرہ بادشاہ کو یہ ملتا ہے کہ رعایا خلوص دل سے دعائیں مانگتی ہے جس سے سلطنت مستحکم اور ملک میں اضافہ ہوتا ہے اور دین و دنیا کی نیک نامی حاصل ہوتی ہے اور آخرت کا حساب ہلکا ہو جاتا ہے جیسا کہ مشہور قول ہے کہ الملک یبقی مع الکفر ولا یبقی مع الظلم یعنی سلطنت کفر سے تو باقی رہ جاتی ہے مگر ظلم و ستم سے نہیں رہتی

(۱) حضرت یوسف علیہ السلام نے انتقال کے وقت وصیت فرمائی تھی کہ مجھے ابراہیم علیہ السلام کے پہلو میں دفن کرنا چاہیے جب تابوت حظیرۂ ابراہیمی کے قریب پہنچا تو حکم الٰہی نازل ہوا کہ "یہ جگہ یوسف کے واسطے نہیں ہے کیونکہ انھوں نے سلطنت کی ہے جس کی جوابدہی ہونا باقی ہے" مقام غور ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ حال ہو تو پھر بادشاہ کس گنتی میں ہیں

(۲) احادیث سے ثابت ہے کہ جو صاحب تاج و تخت ہیں یا کسی قسم کی حکومت رکھتے ہیں (مثلاً بزرگ خاندان جنکو اپنے گھر پر حکومت حاصل ہے) اُن سے قیامت کے دن سب سے پہلے ہی باز پرس ہوگی

ملاحظہ ہو صفحہ ۱۳۱

عدل ساعۃ خیر من عبادۃ ستین سنۃ
[illegible] کی عبادت سے بہتر ہے اور ایک ساعت کا انصاف ہزاروں کی
عبادت سے بہتر ہے اور اس فضیلت کا سبب یہ ہے کہ عبادت کا نفع عابد کی ذات تک محدود رہتا ہے اور عدل کا فائدہ تمام
مخلوق کو پہنچتا ہے اور حکام کے رو برو بھی عادل ہونا انسان کی سب سے بڑی صفت ہے

حتیٰ کہ چرواہے کو اپنی بکریوں کے لیے بڑی جوابدہی کرنا پڑیگی۔

اے میرے شہنشاہ (خطاب ز ملک شاہ) خوب سمجھ لیجیے! کہ قیامت کے دن تمام حکمرانوں سے انکی رعایا کے متعلق سوال ہوگا۔ اور یہ عذر کسی کا نہ سُنا جائیگا کہ یہ کام فلاں شخص کے سپرد تھا۔ پس جبکہ یہ حال ہی تو بادشاہ کو اپنی ذمہ داریوں اور حقوق رعایا سے غافل نہونا چاہیئے۔"

(۴) عدل و انصاف

کم سے کم یہ تو ضرور ہی کہ ہفتہ میں دو دن تصفیہ مقدمات کے لیئے بادشاہ خود اجلاس کرے اور رعایا کی شکایتوں کو بلا واسطہ سُنکر ہر معاملہ میں حکم صادر کرے اور جب یہ خبر ملک میں پھیل جائیگی کہ بادشاہ عدالت میں بیٹھکر ہفتہ میں دو دن مظلوم اور فریادیوں کو اپنے سامنے بلا کر ان کے حالات سُنتا ہی تو ظالموں کو خود ہی خوف اور سزا کا کھٹکا ہوگا اور ستم آزاری گھٹ جائیگی۔

چنانچہ میں نے کتب قدیمہ میں پڑھا ہی۔

(۱) کہ قدیم شاہان عجم کا دستور تھا کہ وہ گھوڑے پر سوار ہوکر جنگل کے کسی اونچے ٹیکرے پر کھڑے ہوتے تھے، تاکہ تمام دادخواہوں کو اپنی آنکھ سے دیکھکر اُن کی دادرسی کریں۔ اور یہ طریقہ اس لیے اختیار کیا تھا کہ بادشاہ قلعوں میں رہتے ہیں اور وہاں تک پہنچنے میں کتنے ہی حجاب کے پردے طے کرنے پڑتے ہیں، اور حاجب دربان بھی مظلوم کو بادشاہ تک نہیں پہنچنے دیتے ہیں۔

(۲) ایک بادشاہ کچھ اونچا سُنتا تھا۔ اُسنے خیال کیا کہ مترجم فریادیوں کی شکائتیں صحیح طور پر

لے فصل سوم صفحہ ۱۰۔

مجھے بہت ہراساں کرتے ہیں اسلئے میرا حکم بھی ٹھیک نہ ہوتا ہوگا چنانچہ اُسنے عام حکم جاری کر دیا
کہ سوائے رشتہ داروں کے سوا کوئی سُرخ لباس نہ پہنے تاکہ مجھے شناخت کرنے میں دقت نہو"
بادشاہ ہاتھی پر سوار ہو کر جنگل میں کھڑا ہو جاتا تھا اور جن لوگوں کو سرخ کپڑے پہنے دیکھتا اُن
سب کو پہلے ایک جگہ جمع کرتا، پھر تخلیہ میں ایک ایک کا حال پوچھتا اور وہ چلا چلا کر اپنا حال کہتے
تھے اور بامراد دعائیں دیتے ہوئے واپس جاتے تھے

سامانی سامانیہ میں اسمٰعیل بن احمد ملقب بہ امیر عادل[1] بڑا منصف، نیک سیرت، پاک مذہب
اور خوب لوار بادشاہ گزرا ہے جسکے واقعات زندگی مشہور ہیں

اس امیر کا دار السلطنت بخارا تھا اور خراسان، عراق اور ماوراء النہر اسکے زیر نگیں تھے علاوہ
ازیں چونکہ سیستان سے یعقوب بن لیث[2] نے خروج کیا اور تمام سیستان پر قبضہ کر لیا تھا
داعیان مذہب اسماعیلیہ کا تعصب پر خاد و جل چکا تھا لہذا خلفائے بغداد سے اُسکو بد اعتقادی
پیدا ہوئی اور دار الخلافہ پر حملہ کر کے حضرت عباسؓ کے خاندان کو مٹانا چاہا جب یعقوب کے

---

[1] اسمٰعیل بن احمد ملقب بہ امیر عادل آل سامان میں پہلا بادشاہ ہوا ہے اسکا سلسلہ نسب بہرام چوبیں تک پہنچتا ہے
آٹھ برس دس مہینے حکومت کر کے ۲۹۵ھ میں فوت ہوا اس بادشاہ کا عاقل، عادل، حلیم ہونا مشہور ہے اور اسکی
سوانح عمری نہایت دلچسپ ہے از نگارستان و تاریخ الدول سید احمد دحلان [2] یعقوب صفار آل صفاریہ
میں صرف دو حکمران ہوئے ہیں اول لیث دوسرا یعقوب عمر، خراسان، سیستان، ہمدان، فارس وغیرہ
پر قبضہ کیا اور بہت خون ریزی کی
یہ ہندوستان کی سرحد تک محمد بن طاہر کو گرفتار کر کے
[illegible] ما خلیفہ معتمد باللہ کو یہ امر نہایت ناگوار
معلوم ہوا مگر ایک لڑائی کے بعد مجبوراً صلح پر آمادہ ہوا بقیہ حالات شمس التواریخ میں تحریر ہیں یعقوب نہایت
اور مستقل مزاج سپاہی تھا ۲۶۵ھ میں فوت ہوا

بغداد سے خلیفہ کو خبر ہوئی تو اُسنے سفارت روانہ کی اور پیام بھیجا۔ کہ "تمکو بغداد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ تمھارے لیے یہی بہتر ہے کہ کوہستان، عراق اور خراسان پر قبضہ رکھو۔ اور اُسکا انتظام کرتے رہو تاکہ دل میں دوسرے خیالات ہی نہ پیدا ہوں"۔ لیکن یعقوب نے کہلا بھیجا کہ "میری تو یہ آرزو ہی کہ حاضر دربار ہو کر شرائط خدمت بجالاؤں اور تجدید بیعت کروں۔ اور جب تک یہ تمنا پوری نہوگی واپس نہ ہونگا"۔ چنانچہ بارگاہ خلافت سے بار بار قاصد روانہ ہوئے مگر ہر بار ایک ہی جواب لائے۔ اور آخر الامر یعقوب نے بغداد کی طرف کوچ کر دیا۔ اس اطلاع سے خلیفہ کو بدگمانی ہوئی اور ارکان دولت کو جمع کرکے کہا کہ "مجھے ایسا معلوم ہوتا ہی کہ یعقوب باغی ہوگیا ہی اور نیت مجرمانہ سے ادہر آرہا ہی کیونکہ مینے حاضری کی اجازت نہیں دی ہی۔ میں حکم دیتا ہوں کہ لوٹ جاؤ مگر وہ نہیں پلٹتا ہی۔ بہرحال بدنیتی معلوم ہوتی ہی اور میں خیال کرتا ہوں کہ وہ مذہب باطنیہ میں داخل ہوگیا ہی لیکن جب تک وہ بغداد میں پہنچ نجائیگا اسکا اظہار نہ کریگا اس لیے اب ہمکو ہوشیار ہونا چاہیے اور تمھارے نزدیک جو تدابیر مناسب ہوں بیان کرو"۔ چنانچہ بالاتفاق طے پایا کہ خلیفہ کو شہر چھوڑ کر جنگل میں ڈیرے ڈالنا چاہیئے اور اعیان دولت بھی ہمراہ ہوں۔ یعقوب خلیفہ کو آبادی سے باہر پائیگا تو فوج کو دیکھکر لڑائی قیاس کریگا اور اُسوقت اُس کی سرکشی کا حال معلوم ہوجائیگا۔ لیکن دو طرفہ فوج میں لوگوں کی آمد و رفت جاری رہے تاکہ حالات معلوم ہوتے رہیں۔ اگر یعقوب بغاوت پر آمادہ ہوگا تو یہ ممکن نہیں ہی کہ تمام عراق اور خراسان کے سردار اُس کی طرف ہوجائیں اور جنگ کی اجازت دیں اور اگر لڑائی نہ ٹلے تو کسی نہ کسی تدبیر سے ہم یعقوب کی فوجوں کو واپس کردینگے۔ اور اگر شکست پائی تو بھی ہم قیدیوں کی طرح زنداں میں نہ رہینگے

یہ قول اُمرائے خراساں کا تھا۔ خلیفہ کو جب سرداران فوج کی ہمدردی کا علم ہوا تو مطمئن ہوگیا۔ اور
دوسرے دن دلیرانہ امیر یعقوب کو پیغام بھیجا کہ "تمہاری طرف سے ناسپاسی اور کفران نعمت کا اعلان
ہوچکا ہی۔ اب صرف تلوار حدّ فاصل ہی۔ اور مجھے معاذاللہ اسکا خوف نہیں ہی کہ تمہاری فوج کثیر
اور میری قلیل ہی" اسکے بعد فوج کو طیاری کا حکم دیا۔ اور لڑائی کا نقارہ بجا دیا گیا۔ جنگل میں
فوجیں صف آرا ہوگئیں۔ امیر یہ طیاریاں دیکھکر بول اُٹھا کہ بس اب میں کامیاب ہوگیا۔ اور
اپنی فوجوں کو بھی صف بندی کا حکم دیدیا۔ لڑائی کے موقع پر خلیفہ فوج کے وسط میں تھا۔ چنانچہ
عین وقت پر خلیفہ نے ایک نقیب کو حکم دیا کہ "وہ دونوں فوجوں کے مابین اونچی آواز سے
للکار کر کہے۔ کہ اے گروہ اسلام! واقف ہوجاؤ کہ یعقوب باغی ہوگیا ہی، اور اسکی فوج کشی کا
یہ مطلب ہی کہ حضرت عباس کے خاندان کا استیصال کرے۔ اور کسی کو مہدیہ[1] سے لاکر تخت نشین
کرے اور بجائے سُنت کے بدعت پھیلائے۔ جو شخص خلیفہ رسول کی اطاعت نکریگا وہ خدا کا
نافرمان بندہ ہوگا۔ اور دائرہ اسلام سے نکل جائیگا۔ اور یہی حکم خدا کا ہی کہ "اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا
الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ" اب وہ کون شخص ہی جو بہشت چھوڑکر دوزخ میں جانا چاہتا ہی۔ اور
حق کی مدد کرو اور باطل کو چھوڑ دو"
جب امیر کی فوج نے یہ کلمہ سُنا تو اُمرائے خراسان اُدھر سے اِدھر آگئے۔ اور سب نے بالاتفاق
کہا کہ "ہمکو یقین تھا کہ امیر بنظر اطاعت حسب الحکم عالی حاضر ہوا ہی۔ اب چونکہ وہ باغی ہوگیا ہی لہذا

[1] اَلْمَھْدِیَّۃ" (ولیقا (مرر) کا مشہور شہر ہی۔ قیروان سے جانب جنوب دو مرحلے کے فاصلہ پر ہی۔ ایک مدت تک خلفائے فاطمیہ کا دارالسلطنت رہا لیکن ۵۴۳ھ میں بنو فاطمہ کی کمزوریوں سے عیسائیوں نے چھین لیا۔ نقشہ میں ۵ ۳۵ درجہ عرض شمال اور ۱۱ درجہ طول مشرقی پر واقع ہی۔ از مراصد الاطلاع وجام جم

جب تک دم میں دم ہے ہم آپ کے ساتھ ہیں اور لڑنے مرنے کو تیار ہیں۔ اس اعانت سے خلیفہ
کو بڑی تقویت پہنچ گئی اور پہلے ہی حملہ میں امیر یعقوب شکست کھا کر خوزستان کو چلا گیا۔ خلیفہ
کی فوج نے کل خزانہ امیر کا لوٹ لیا اور مال غنیمت سے فوج مالا مال ہو گئی لیکن امیر نے
خوزستان پہنچ کر ہر طرف آدمی دوڑا کر فوجوں کو جمع کیا اور عراق اور خراسان کے خزانے
سے درہم و دینار منگائے۔ خلیفہ نے ان تیاریوں کا حال سن کر ایک قاصد مع نامہ کے روانہ
کیا جس کا مضمون یہ تھا "مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم سیدھے سادے آدمی ہو مگر مخالفوں کے بہکانے
سے مغرور ہو گئے تھے اور انجام کار پر کچھ نظر بھی نہ کی، آخر دیکھ لیا کہ خدا نے کیا کر دکھایا۔ خود ہماری
فوج نے ہم کو شکست دلا دی جس میں اسکو ایک سہو سمجھتا ہوں اور یقین کرتا ہوں کہ اب تم
ہوشیار ہو گئے ہو گے اور اپنے کیے پر پشیمان ہو گئے۔ عراق اور خراسان کی امارت کے لیے
تم سے مناسب کوئی دوسرا شخص نہیں ہے اور میرے نزدیک تمہارے حقوق خدمت بھی بہت ہیں!
میں لہذا میں اگلے خدمات کے معاوضے میں پہلی خطا کو معاف کرتا ہوں اور جو کچھ ہوا اس کو
سمجھتا ہوں کہ کچھ بھی نہیں ہوا۔ اب اس قصے کو بھول جاؤ۔ اب دنیا خالی ہے کہ بہت جلد
عراق و خراسان میں پہنچ کر ملکی انتظام میں مصروف ہو۔" اس فرمان کے مطالعہ سے بھی امیر کا
دل کچھ نرم ہوا اور اپنے فعل پر پشیمان ہوا اور حکم دیا کہ "ایک خوان (چوبی کشتی) میں کچھ ساگ
پات اور کچھ مچھلیاں اور چند گرہیں پیاز کی رکھ کر لا دیں" جب یہ خوان سامنے آ گیا تو حکم دیا

۱؎ یوسف خواندے نے اس فتح کا لکھا ہے اگرچہ وہ بھی صحیح ہو گا مگر خلیفہ معتمد کے سپہ سالار ابو المعالی موفق کی ہمراہی
ملک علی کو بھی اس میں بڑا دخل ہے۔

کہ خلیفہ کے قاصد کو بلاؤ اور قاصد سے مخاطب ہو کر کہا کہ "تم رخصت ہو اور میری جانب سے خلیفہ کے حضور میں عرض کرد کہ میں ذات کا کسیرا ہوں اور اپنے موروثی کام سے واقف ہوں میری غذا جو کی روٹی، مچھلی، ساگ، اور پیازہی سلطنت، خزانہ، اور فوج وحشم میری عیّاری اور بہادری کا نتیجہ ہے۔ اسکو نہ تو مینے میراث میں پایا ہے اور نہ آپ کا عطیہ ہے۔ میں اُسوقت تک نچلا نہیں بیٹھ سکتا ہوں جب تک سر مبارک مہدیہ میں نہ بھیجلوں اور خاندان کو تباہ نہ کرڈالوں۔ یا تو میں اپنا قول پورا کرونگا یا پھر وہی جو کی روٹی اور ساگ پر گزارا ہے۔ مینے خزانہ کا موںھ کھولدیا ہی اور فوجوں کو بلایا ہے۔ اور قاصد کے قدموں کے نشان پر میں بھی آرہا ہوں" یہ کہکر قاصد کو رخصت کیا اسکے بعد بھی اگرچہ خلیفہ نے نامہ و پیام اور خلعت سے کام نکالنا چاہا۔ مگر امیر اپنے ارادے سے باز نہ آیا۔ اسوقت اگرچہ وہ عارضۂ قولنج میں مبتلا تھا۔ اور درد میں تڑپ رہا تھا مگر پھر بھی فتح بغداد سے غافل نہ تھا۔ چنانچہ اپنے بھائی عمرو بن لیث[۱] کو ولیعہد کرکے خزانے کی یادداشتیں سپرد کردیں اور مرگیا۔"

اس نئے امیر نے بغداد کا خیال نہیں کیا اور کوہستان میں چلا گیا اور کچھ عرصہ تک وہاں ٹھہر کر خراسان کو روانہ ہوا۔ عمرو بن لیث نہایت زندہ دل، فیاض، ہوشیار، اور صاحب اثر تھا۔ اور اس کی مروّت اور ہمّت کا یہ حال تھا کہ باورچیخانے کا اسباب چار سَو اونٹوں پر چلتا تھا۔ باقی سامان کا اسی سے اندازہ کرلو۔ لیکن خلیفہ کو عمرو بن لیث کی طرف سے بھی دلی اطمینان نہ تھا

---

[۱] امیر یعقوب کی موت اور عمرو بن لیث کی تخت نشینی کی ایک ہی تاریخ ہی یعنی ۲۶۵ھ۔ یہ امیر اسمعیل بن احمد سامانی کی قید میں ... امیر بغداد ۲۸۹ھ ۹۰۱ء میں خلیفہ معتضد باللہ کے حکم سے قتل کردیا گیا۔ اسکے انتقال کے بعد خاندان سامان کو بہت عروج ہوا۔ (از دول ... حالات بنی صفار۔)

اور لطف یہ ہے کہ تمام فوج میں سے نہ کوئی زخمی ہوا اور نہ کوئی مقید، مگر صرف عمرو بن لیث قید ہو گیا اور جب اسمٰعیل کے سامنے گرفتار ہو کر آیا تو حکم ہوا کہ "چیتے والوں (یوزبانان) کے سپرد کر دو۔"

اسی جنگ کا یہ واقعہ ہوا اور عجائباتِ عالم میں سے ہے کہ دوپہر کے وقت عمرو بن لیث کا ایک فراش لشکر میں گھوم رہا تھا کہ اُس کی نظر عمرو پر پڑ گئی (جو ایک خیمہ میں قید تھا) فراش اپنے امیر کی یہ حالت دیکھ کر بہت متاثر ہوا اور پاس جا کر عرض کیا کہ "آج کی رات آپ میرے مہمان ہوں کیونکہ میں بالکل تنہا ہوں۔" امیر نے فراش سے کہا کہ "جب تک زندگی ہے بغیر کھانے کے گزر نہیں ہے۔ لہٰذا کھانا طیار کر۔" چنانچہ فراش ایک سیر گوشت لایا۔ اور دو تین ڈھیلے مٹی کے جمع کر کے چولھا بنایا اور کنڈے سلگا دیئے اور کسی سپاہی سے دیگچی مانگ کر گوشت کے پانچ بھوننا چاہے اور خشک ٹکڑوں کو دیگچی میں رکھ کر نمک کی فکر میں چلا گیا۔ دن ڈھل رہا تھا کہ ایک کتا آیا اور دیگچی سے ایک ہڈی نکالی۔ جب منہ جلنے لگا تو ہڈی چھوڑ کر بھاگنا چاہا مگر دیگچی کا حلقہ گردن میں آ گیا اور وہ بدحواس ہو کر بھاگا۔ عمرو نے یہ حال دیکھ کر اپنے نگہبانوں سے کہا کہ "مجھے دیکھو اور عبرت پذیر ہو میں وہ ہوں کہ جس کے باورچی خانہ کا اسباب آج صبح چار سو اونٹوں نے اُٹھایا تھا (اور پھر بھی خوان سالار کو کمی اونٹوں کی شکایت تھی) اور آج رات کو یہ عالم ہے کہ تمام باورچی خانہ ایک کتے کی گردن پر ہے۔" پھر کہا کہ "اَصْحَتُ اَمِیْرًا وَاَمْسَیْتُ اَسِیْرًا"، "میں صبح کو امیر تھا اور شام کو اسیر ہوں۔"

عالمِ گرفتاری میں عمرو بن لیث نے اپنے خزانے کی فہرستیں ایک معتمد کے ذریعے سے امیر اسمٰعیل

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۱۴ ملتوں میں وارا نیارا ہو گیا۔ اس واقعہ پر کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

[illegible] ں تو بیک چشم زخم ستر چوں کوہ را کس بخدا کم شکست

کے اس عہد میں، مگر امیر نے حکم واپس کر دیا کہ "یہ درہم و دینار وہ ہیں جو بوڑھی عورتوں کی سوت کی
کمائی اور بیواؤں، یتیموں، ضعیفوں کے مال سے ظالمانہ طریقہ سے جمع کیے گئے ہیں اور
جس کی جوابدہی خدا کے سامنے خود تجھ کو کرنا پڑیگی، وہ تو میری گردن پر ڈالنا چاہتا ہے، قیامت
کے دن جب دعویدار کھڑے ہونگے کہ ہمارا مال واپس کرو جو ناحق لیا گیا ہے اُسوقت تم کہدوگے
کہ میں نے اسمٰعیل کے سپرد کر دیا ہے اُس سے مانگو میں انکے جواب اور خداوند عزوجل کے عتاب کی
طاقت نہیں رکھتا ہوں" چنانچہ محض دیانت اور خوف خدا سے یہ خزانہ اسمٰعیل نے قبول نہیں کیا
اور یہ ساری احتیاط محض اس لیے تھی کہ قیامت کے مواخذے سے بچیں۔

(۵) عمال و وزراء اور غلاموں کی نگرانی

بادشاہ[1] کا یہ بھی فرض ہے کہ وقت تقرر عمال کو نصیحت کرے کہ وہ رعایا سے اچھا برتاؤ کریں
اور صرف جائز رقم زمین اور رعایا سے آمدنی کے وقت وصول کریں کیونکہ قبل از وقت مطالبہ
وصول کرنے میں رعایا کو سخت تکلیف پہنچتی ہے اور لوگ ضرور اپنا مال و اسباب ڈیوڑھے دونے کو
بیچتے پھرتے ہیں اور آخر کو تباہ و خانہ برباد ہو جاتے ہیں جب عاملوں میں سے کوئی شخص اہل اور
تجربہ کاری کے قابل نہ رہے اور بالکل محتاج ہو جائے اُسوقت خزانہ سے مدد کیجائے اور
سرکاری کام سے وہ بالکل سبکدوش کر دیا جائے تاکہ وہ اپنے گھر میں آرام سے رہے اور بُرے دن کی
صورت نہ دیکھے"

---

[1] فصل چہارم سیاست نامہ "

مثال کے طور پر میں چند واقعات بیان کرونگا۔

(۱) قبادؔ[1] ملک کے عہد حکومت میں سات برس تک قحط رہا۔ اور آسمان سے برکتوں کا نازل ہونا بند ہوگیا۔ اُسوقت بادشاہ نے عاملوں کو حکم دیا کہ "غلہ کے ذخیرے بیج ڈالے جائیں اور محتاجوں کے واسطے بیت المال کھولدیا جائے"۔ چنانچہ تمام سلطنت میں ایک شخص بھی دوران قحط میں بھوک کی شدت سے فوت نہیں ہوا۔ اور یہ نتیجہ صرف بادشاہ کی نگرانی کا تھا۔ کہ اُسنے عمال کی پورے طور پر دیکھ بھال کی تھی۔

(۲) عمال کی نگرانی ہمیشہ کیجائے اگر وہ اس طرح پر رہیں جیسا کہ مینے بیان کیا ہی تو خیر ورنہ وہ برطرف کر دیے جائیں۔ اور اگر محصل ملکی رعایا سے زیادہ وصول کریں، تو واپس لیکر اُن کو دیدیا جائے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔ اور وہ دراز دستی چھوڑ دیں"۔

(۳) وزرا کو بھی دیکھنا چاہیئے کہ وہ اپنے فرائض ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہیں یا نہیں کیونکہ سلطنت اور حکومت کا نظام صیغہ وزارت سے وابستہ ہی۔

[1] قباد جسکا لقب "نیکو رائے" ہی۔ ساسانیوں میں اُنیسواں بادشاہ ہی۔ اسکے عہد میں وزیر سوخرا (بوذر بزرجمہر) کا پورا عمل دخل تھا۔ جب وہ بہت حاوی ہوگیا تو قباد نے سپہ سالار شاپور کی مدد سے اسکو قتل کر دیا۔ حکومت کے دس برس بعد مزدک کا ظہور ہوا۔ اس بادشاہ کو عمارت سے خاص ذوق تھا۔ اسکے عہد میں چند شہر آباد کیے گئے جنکے نام یہ ہیں۔ شاہ جورہ۔ کازرون۔ حلوان۔ ارغان۔ شہر آباد۔ برذع۔ گنجہ۔ اور موصل کی تجدید کی۔ اور شہر ایل کو مستحکم کیا۔ طبرستان میں متعدد عمارتیں بنائیں۔ "اماس بی ہسی ہیس۔ قیصر روم سے متعدد لڑائیاں ہوئیں اور کامیاب ہوا۔ اسکے آٹھ بیٹے تھے، نوشیرواں، فیروز، سہم، زردآد، آردشیر، کاؤس، یزدگرد، زریر، مگر سب نامور نوشیرواں ہوا۔ ۴۳ برس سلطنت کر کے فوت ہوا۔ انتخاب از ناسخ التواریخ جلد دوم صفحہ ۳۲۰-۳۲۱۔ نامہ خسرواں صفحہ ۱۳۔ تاریخ ملکم صاحب عہد قباد"۔

سکندر نے جو دارا پر فتح پائی اُسکا بڑا سبب یہ تھا کہ دارا کا وزیر سکندر سے ساز گیا تھا جب دارا مارا گیا تو نزع کے وقت کہا کہ "غفلت امیر و خیانت وزیر پادشاہی ببرد"

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۱۸ دعوت قبول کرنے سے پہلے مجھے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اس دیق نے کیا کیا تھا جس کی یہ سزا دی گئی ہے" ؟ چرواہے نے کہا کہ "یہ کتا میری ریوڑ کا چوکیدار تھا اور اسقدر دلیر تھا کہ اکیلا دس بھیڑیوں (گرگ) کا مقابلہ کرتا تھا اور اُن کی یہ مجال نہ تھی کہ ریوڑ میں پھٹک سکیں۔ میں اکثر اسکے بھروسے پر دو دو دن تک شہر میں رہا کرتا تھا۔ یہی اُنکو چراتا تھا اور اسی جگہ پر واپس لے آتا تھا۔ مدت تک اس کا یہی حال رہا۔ ایک دن مینے بکریوں کو شمار کیا تو کچھ کم معلوم ہوئیں یہانتک کہ دن بدن تعداد گھٹتی گئی اور میں کسی طرح سے اس کمی کا سبب دریافت نہ کرسکا اور بظاہر کوئی چرانے والا بھی نہ تھا۔ جناب من! آخر نوبت یہانتک پہنچی کہ جب عامل صدقات (ٹکس کلکٹر یا تحصیلدار) محصول کے لیے آیا تو بقیہ بکریاں ٹکس کے نذر ہوگئیں۔ اب میں عامل کیطرف سے رکھوالی کرتا ہوں۔

اب اسکا قصہ سُنیے کہ اسکو ایک بھیڑنی (مادہ گرگ) سے دلی لگاؤ ہوگیا تھا اور مجھے کچھ خبر نہ تھی اتفاق سے ایکدن میں لکڑیوں کی تلاش میں جنگل میں گیا لوٹ کر ایک بلند ٹیکرے سے بکریوں کو دیکھا تو وہ چر رہی تھیں۔ مگر ایک دشمن جاں اُن کی تاک میں لگی ہوئی تھی۔ جب اسنے اُسے دیکھا تو دُم ہلاتا ہوا چلا اور وہ بھی لپے چکر سے رک کر چپ چاپ کھڑی ہوگئی، ایک جھاڑی کی آڑ سے میں یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ اب میں آپ سے کیا کہوں کہ اس بدچلن نے اُسکے ساتھ کیا کیا! اسکے بعد میں نے دیکھا کہ یہ کونے میں جاکر سو رہا۔ اور اُسنے ایک بکری کو چیر پھاڑ کر اپنا پیٹ بھرا اور چلتی ہوئی۔ اور اس نمک حرام نے ذرا بھی غُرش نکی۔ جب مینے جان لیا کہ یہ ساری تباہی اسکی گمراہی اور نمک حرامی سے پیدا ہوئی ہے۔ تب مینے اسکو سولی کی نذر کر دیا۔ اور اس کی خیانت کی یہی سزا تھی جو آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں"

بہرام گور کو اس واقعہ سے نہایت تعجب ہوا۔ اور راستے میں وہ اسی کیوقت سوچتا رہا۔ آخر اُسکے خیال میں آگیا کہ "رعیت مثل ریوڑ کے ہے اور وزیر اُسکا چرواہا ہے" اسوقت تمام ملک میں سخت پریشانی پھیلی ہوئی ہے جس سے پوچھتا ہوں کوئی صحیح حال نہیں بتاتا ہے۔ بلکہ سب چھپاتے ہیں۔

چنانچہ گھر پہنچکر جانچ شروع کی تو اچھی طرح معلوم ہوگیا کہ یہ ساری خرابیاں راست روش کی کجروی سے ہیں۔ اس نے رعایا سے بُرا سلوک کیا ہے اور برعکس اپنے نام کے اسکا چلن ہے۔

بزرگوں نے سچ کہا ہے کہ کسی کے نام پر فریفتہ نہونا چاہیئے۔ مینے چونکہ وزیر کو صاحب اختیار کر دیا ہے اسلیے اُسکے

بادشاہ کو کبھی ایسی ناتمام مقاموں سے غافل رہنا چاہیئے اور ہمیشہ انکے حال چلن کی ٹوہ میں
رہا کرے جب ان کی جانب اور کجروی ظاہر ہو جائے تو اُن کی معزولی میں ذرا بھی توقف کرے
اور اسپر بھی کفایت نہ کیجائے بلکہ بادارہ جرم سزا دیجائے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۱۹ دست کوئی بھی اب بس کیا ہی اب مدبر کہ کل صبح کو جب حاضر دربار ہو تو سب کے
سامنے اسکو ذلیل کروں اور حکم دوں کہ فوراً اسکو گرفتار کیا جائے اسکے بعد شہدوں کو بلا کر ان کی کہانی سنوں اور
عام منادی کرادوں کہ راست روشن وزارت سے معزول کیا گیا ہے اور پھر کبھی اپنے عہدے پر وہ بحال نہ کیا جاوے
جو اسکے مظالم کا دادخواہ ہو وہ دعوی پیش کرے اور اظہار دے اگر اسنے حکومت انصاف سے کی ہوگی اور کسی
سے مال ناجائز نہ لیا ہوگا اور لوگ اسکے مداح ہونگے و خلعت وزارت سے سرفراز کروں گا ورنہ سزا دونگا چنانچہ
دوسرے دن بہرام گور نے دربار عام کیا جب راست روشن حاضر ہوا تو بہرام نے اسکو مخاطب کر کے کہا کہ کیا
ملک کی جو وسعت ہمیں سلطنت میں حاصل رکھا ہی فوج کو مفلس اور رعایا کو پریشان کر دیا ہی میں نے حکم دیا تھا کہ سب کی بہبود
اور مطیع و فرمانبردار بنیں اور ملک کی آبادی سے غفلت نہ کیجائے اور رعایا سے صرف جائز خراج لیا جاوے
اور خزانے میں بھی روپیہ وافر موجود رہے لیکن اب جو میں دیکھتا ہوں تو خزانہ خالی پڑا ہوا ہی فوج تباہ حال ہی
ہوا اور رعایا اپنی طرف بھاگی پھرتی ہی اور تو سمجھتا ہی کہ میں شراب و شکار کے نشہ میں مست ہو رہا ہوں اور ملکی حالات
سے غافل ہوں کمگر راست روشن کو ذلت کے ساتھ دربار سے نکال دیا اور پاؤں میں بھاری بیڑیاں ڈالکر
قید کر دیا اور شاہی محل کے دروازے پر معزولی کا ڈھنڈورا پٹوا دیا اس الفاظ میں کہ بادشاہ نے
راست روشن کو وزارت سے موقوف کر دیا ہی اور کبھی وہ اس خدمت پر مقرر نہ کیا جائیگا جس جس کو اُسنے ستایا ہو
وہ بے کھٹکے حاضر دربار ہو کر استغاثہ کریں بادشاہ انصاف کے واسطے تیار ہے
چنانچہ سب سے پہلے قیدیوں کی تحقیقات شروع ہوئی انھوں نے اپنی اپنی داستان سنائی اور جانچ کی گئی تو معلوم
ہوا کہ قیدیوں کے تحقیقات سے بھی جو جو بیچارہ واقعی مجرم تھے اور باقی سب بے گناہ تھے جنکو وزیر
نے مال و زر کے لالچ سے قید کر رکھا تھا اور انکے باغ مکانات و جاگیر کو ضبط کر لیا تھا ان میں بعض سات سات
برس کے قیدی تھے کچھ غیر ملک کے سوداگر تھے جو محض اس جرم پر گرفتار رہتے تھے کہ انکے مال کی خبر پہنچی
چونکہ منادی عام ہو گئی تھی اسلئے اطراف و جوانب سے بکثرت فریادی آئے جب بہرام گور نے درست

جب کسی کو کوئی بڑی خصومت پیش آئے تو اسکے معاملات کی تفتیش کے لیے اپنا ایک خاص آدمی مقرر کر دیا جائے کہ وہ اُسکے رنگ ڈھنگ سے آگاہ کرتا رہے۔ مگر شرط یہ ہی کہ اُسکو خبر نہو کہ مجھپر نگراں (خفیہ پولیس) مقرر ہی"

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۲۰ ملاحظہ دیکھئے تو مزید تحقیقات کی غرض سے خانہ تلاشی کا حکم دیا چنانچہ کاغذات کے ساتھ میں ایک خط اُس بادشاہ کا برآمد ہوا جو اسوقت حملہ آور ہوا تھا۔ اور ایک تحریر دستخطی راست روش کی ملی جسکا یہ مضمون تھا کہ "اسقدر آہستگی کیوں ہی عقلا کا قول ہی کہ دولت کو عجلت زائل جاتی ہی میں فرمانبرداری کے اندر حد سے بڑھ کر حسیر ہونا چاہیے افسران فوج کو بینے (اپنی سرکار سے) باغی اور حضور کا ہوا خواہ بنا دیا ہی اور کل فوج کو مفلس کر دیا ہی۔ اور آپ کے واسطے خزانے لبریز ہیں "تاج ٹیکا"۔ اور تخت ایسا گراں بہا تیار کر رکھا ہی کہ جس کی نظیر آج تک نہیں دیکھی ہی۔ اسوقت میداں خالی ہی اور دشمن غافل جہانتک جلد ممکن ہو آئیے۔ ایسا نہو کہ مرد خوابیدہ بیدار ہو جائے"

جب بہرام نے یہ خط پڑھا تو معلوم ہوا کہ دشمن اسی کے بل پر آرہا ہی اب اسکے کمینہ پن میں کوئی شک نہیں ہی۔ چنانچہ حکم دیا کہ کل جائداد منقولہ وغیر منقولہ ضبط کر لی جائے اور نیلام کر کے جو جسکا مانگتی ہو وہ اُسکو دیدیا جائے جب یہ سب ہو لیا تو راست روش کو مع اُسکے تیس مددگاروں کے قصر شاہی کے سامنے سولی دیدی گئی اور سات روز تک منادی ہوا کی کہ یہ سزا اُس شخص کی ہی جو بادشاہ وقت سے مخالفت اور اُسکے دشمنوں سے موافقت کرے"
صرف اس ایک سیاست سے کل ملک درست ہو گیا۔ اور دشمن سرحد سے پھر گیا۔ اور بہرام کو معذرت کیساتھ دوستانہ تحائف بھیجے اور چونکہ یہ سارے انتظام چرواہے کی کارروائی دیکھکر کیے گئے تھے لہذا اسکے صلہ میں اُسکو سات سو بکریاں شاہی گلے سے دی گئیں اور محصول معاف کر دیا گیا۔ اور خلعت سے سرفراز ہوا"
چونکہ یہ واقعہ بہرام گور کا تھا۔ لہذا ناظرین کی دلچسپی کے لیے بہرام کے بھی مختصر تاریخی حالات لکھے جاتے ہیں۔
یزدجرد ساسانیوں میں تیرہواں تاجدار تھا۔ چونکہ اول درجہ کا ظالم تھا لہذا عربوں نے اسکو اثیم کا خطاب دیا تھا چونکہ ظالم کبھی پھولتا پھلتا نہیں ہی اسوجہ سے اس کی بھی کوئی اولاد زندہ نہ رہتی تھی اور عموماً خورد سالی میں بچے مثل کلیوں کے مرجھا کر رہ جاتے تھے۔ جب اسکا بیٹا بہرام چار برس کا ہو گیا تو یہ بہت خوش ہوا اور دربار کے منجموں سے جنکا نام سروش اور ہوشیار تھا زائچہ بنوایا اُنھوں نے پیشین گوئی کی کہ یہ صاحب تاج و تخت ہوگا۔ مگر یہاں اس کو

(۱) جو سلطنت کا آرزومند ہو۔ (۲) یا حرم میں بدنیتی کرے۔ (۳) یا سرکاری راز فاش کرے

(۴) یا ظاہر میں بادشاہ کا دوست اور باطن میں دشمن ہو۔

اور خلاصہ سب کا یہ ہی کہ جب بادشاہ بیدار رہتا ہی تو سلطنت کا کوئی کام اُس سے پوشیدہ نہیں رہتا ہے۔

(۶) مستاجر[1] اور کاشتکاروں کے تعلقات

دیہات[2] کے ٹھیکہ داران کو چاہیئے کہ وہ کاشتکاروں سے صرف اسقدر وصول کریں کہ جس قدر

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۲۲ تاریخ اور تذکروں میں اسکے فارسی وعربی اشعار تحریر ہیں راستِ روش اسکے وزیر کا نام تھا۔ جو خاقان چین مسمّی ایڈی سے ملگیا تھا۔ لیکن بہرام نے ایک حکمت عملی سے خاقان کو گرفتار کرکے اپنے ہاتھ سے بمقام مرو قتل کردیا خاقان نے ۲½ لاکھ فوج سے براہ ترکستان، خراسان پر حملہ کیا تھا۔ لیکن بہرام نے بمقام کرکان حسن خاقان پر چھاپا مارا ہی اُسوقت تیرہ سو سوار ہمراہ تھے۔ علاوہ فوج کے قارن، گستہم، مہر فیروز، مہر برزین، فرہاد، فیروز بہرام، خراد، سات عجمی شاہزادے۔ اور ہام، فیروزان، داد برزین، عاملان رے، گیلان، زابلستان ہمراہ تھے فتح کے بعد بہرام دارالسلطنت کو واپس آیا۔ اور اس عظیم الشان فتح کی خوشی میں تمام مملکت کا سہ سالہ خراج معاف کردیا۔ جسکی میزان یکسو چالیس کرور دینار زر خالص تھی۔ اور راستِ روش کو موقوف کرکے مہر نرسی کو وزیر کیا۔ انتخاب ناسخ التواریخ صفحہ ۲۸۰ جلد دوم نامہ خسروان صفحہ ۱۸۰۔ المعجم حالات بہرام۔ وسیر الملوک نظام الملک۔

[1] فصل پنجم صفحہ ۲۰۰-۲۰۷۔ سیاست نامہ [2] وصول مالگزاری کا یہ طریقہ کہ تمام دیہات ٹھیکہ پر دے دئے جائیں اور مستاجروں سے معاملہ کیا جائے زمانہ حال کے عقلا کے نزدیک غیر مستحسن ہی اور ہندوستان کی جن ریاستوں میں اب تک یہ طریقہ جاری ہی وہاں جمعبندی کے مطابق پوری رقم بلکہ نصف رقم بھی سالانہ ریاست کو وصول نہیں ہوتی ہی البتہ اہلکاران دفتر استاد اور ریاست (جو جائز اور مستحق ہوں) کے آسامی صد دق روپئے اور اشرفیوں سے بھرجاتے ہیں کیونکہ بقایا مالگزاری کی مثلیں موجود رہتی ہیں اور ریاستی طریقے وصول مالگزاری کے دکھائے جاتے ہیں لیکن اخیر میں تمام بقایا غیر ممکن الوصول قرار پاتا ہی وہ مثل داخل دفتر کردیجاتی ہی۔ ہندوستان میں جو قانون وصول مالگزاری کا گورنمنٹ میں جاری ہی وہ اعلیٰ درجہ کا ہی۔ اور ریاستوں کے لیے قابل تقلید ہی البتہ جمع کا پرتہ اور میعاد بندوبست قابل ترمیم ہی

یہ خرچ ہی اور یہ داخل خزانہ ہوا ہوتا کہ دوسروں کو بھی خیال ہوتا"

چنانچہ عہد نوشیروانی میں بھی تین چار سال تک ٹھیکہ داروں اور عاملوں کیطرف سے یہ اودھم مچا رہا تب ایک دن دربار عام میں عمال کے روبرو نوشیروان نے یہ تقریر کی[1]۔

"اول میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں جسنے مجھے بادشاہ بنایا۔ اور پھر سلطنت بھی کیسی دی کہ موروثی! میرے محاسنے مجھپر بڑا احسان کیا کہ خدا نے مجھ کو ... [illegible]

دیہات کے ٹھیکہ داران کو چاہیئے کہ وہ کاشتکاروں سے صرف اسقدر وصول کریں کہ جس قدر

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۲۴ تاریخ اور تذکروں میں اسکے فارسی و عربی اشعار تحریر ہیں راست روشن اسکے وزیر کا نام تھا۔ جو خاقان چین مسمی ایڈی سے ملگیا تھا۔ لیکن بہرام نے ایک حکمت عملی سے خاقان کو گرفتار کرکے اپنے ہات سے بمقام مرو قتل کر دیا خاقان نے ۲½ لاکھ فوج سے راہ ترکستان، خراساں پر حملہ کیا تھا۔ لیکن بہرام نے مقام کرکان حب خاقان پر چھاپا مارا ہی اسوقت تیرہ سو سوار ہمراہ تھے۔ علاوہ فوج کے قارن، گستہم، مہر فیروز، مہر برزین، زاد، فیروز بہرام، حراد، سات عجمی شاہزادے۔ ادرہام، فیروزان، داد برزین، عاملان رے، گیلاں، زابلستاں ہمراہ تھے فتح کے بعد بہرام دارالسلطنت کو واپس آیا۔ اور اس عظیم الشان فتح کی خوشی میں تمام مملکت کا سہ سالہ خراج معاف کر دیا جسکی میزان ایکسو چالیس کرور دینار زر خالص تھی۔ اور راست روشن کو موقوف کرکے مہر نرسی کو وزیر کیا۔ انتخاب ناسخ التواریخ صفحہ ۲۸ جلد دوم نامہ خسرواں صفحہ ۱۸۰۔ ملخص حالات بہرام۔ دسیر الملوک نظام الملک۔

[1] فصل پنجم صفحہ ۲۹-۳۷ سیاست نامہ [2] وصول مالگزاری کا یہ طریقہ کہ تمام دیہات ٹھیکہ پر دے دئے جائیں اور مستاجروں سے معاملہ کیا جائے ، ماہرحال کے عقلا کے نزدیک غیر مستحسن ہی اور ہندوستان کی جن ریاستوں میں بی رہا ہے یہ طریقہ جاری ہی وہاں جمعبندی کے مطابق پوری رقم بلکہ نصف رقم بھی سالانہ ریاست کو وصول نہیں ہوتی ہی البتہ اہلکاران دفتر استاد و ریال (جو جائز ادرم تسی ہوں) کے آہنی صندوق روپئے اور اشرفیوں سے بھر جاتے ہیں کیونکہ بقایا مالگزاری کی مثلیں برسوں زیر رہتی ہیں اور رعایتی طریقے وصول مالگزاری کے دکھائے جاتے ہیں بلکہ آخر میں تمام بقایا غیر ممکن الوصول قرار پاتا ہی دمثل داخل دفتر کردیجاتی ہی۔ ہندوستان میں جو قانون وصول مالگزاری کا گورنمنٹ میں جاری ہی وہ اعلی درجہ کا ہی۔ اور ریاستوں کے لیے قابل تقلید ہی البتہ جمع کا بڑتہ اور میعاد وسد وبست قابل ترمیم ہی

یہ خیسیج ہی اور یہ داخل خزانہ ہوا ہوتا کہ دوسروں کو بھی خیال ہوتا"
چنانچہ عہد نوشیروانی میں بھی تین چار سال تک ٹھیکہ داروں اور عاملوں کیطرف سے یہ اودہم مچا رہا
تب ایکدن دربار عام میں عمال کے روبرو نوشیرواں نے یہ تقریر کی۔[1]
"اول میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں جسنے مجھے بادشاہ بنایا۔ اور پھر سلطنت بھی کیسی دی کہ موروثی! میرے چچا نے مجھ پر چڑھائی کی خدا نے مجھے کامیاب کیا۔ اور مینے بھی بزور تلوار ملک فتح کیا۔ جب مجھے خدا نے بادشاہ بنایا۔ تو مینے بھی تمکو حکومت میں حصہ دیا۔ اور کسی مستحق کو محروم نہیں رکھا۔ جو اہلکار میرے والد کے عہد سے حکومتوں پر ممتاز ہیں مینے انکو بحال خود رہنے دیا ہی۔ اور انکی جاگیر و اعزاز میں مطلق کمی نہیں کی گئی ہی۔ میں ہمیشہ تم سے یہی کہتا ہوں کہ رعایا سے نیک سلوک کرو اور اُنسے ناجائز رقم مت وصول کرو۔ میں تمہاری عزت کی قدر کرتا ہوں۔ مگر تم خود اپنی عزت نہیں کرتے ہو۔ نہ کسی کی بات سنتے ہو۔ نہ خدا سے ڈرتے ہو۔ نہ خلق خدا سے شرماتے ہو۔ لیکن میں خدا سے ڈرتا ہوں (کیونکہ وہ گناہوں کی سزا دیتا ہی) کہیں ایسا نہو کہ تمہارے ظلم اور شامت اعمال کا اثر میری سلطنت پر پڑے۔ خدا کی مہربانی سے کوئی دشمن سرپر نہیں ہی۔ اور چین کے ساتھ معاش حاصل ہی۔ ایسے سے بہت ہی اچھا ہوتا کہ ہم اور تم خدا کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرتے۔ کیونکہ ناشکری اور ظلم سے ملک کو زوال ہوتا ہی۔ اور نعمتیں بھی چھین لی جاتی ہیں۔ اسیلئے بندگان خدا سے اچھا برتاؤ کرو۔ بزرگوں کی عزت کرو۔ کمزوروں کو نہ ستاؤ اور نہ انپر

---

[1] خواجہ نظام الملک نے بطور خلاصہ نوشیرواں کی تقریر لکھی ہی۔ تاریخوں میں نوشیرواں کا یہ پورا خطبہ موجود ہی۔ اور جنکو نظم سے ذوق ہو وہ اس حصہ کو شاہنامۂ فردوسی میں ملاحظہ فرمائیں۔

نوشیرواں یہ واقعات خاموشی سے دیکھ رہا تھا اور صلح و آشتی کی حکمت عملی سے سلطنت کیے جاتا تھا۔ چنانچہ اسی طرح پانچ برس گزر گئے لیکن ایک بڑھیا کی فریاد پر جب والی آذربائیجان قتل کیا گیا۔ اور اُسکی ساری جائداد ضبط کی گئی تب جملہ انتظام درست ہوگیا"

ہر دوسرے تیسرے سال عمال اور ٹھیکہ دار بدل دینا چاہیئے تاکہ اُنکے قدم مضبوط نہ ہو جائیں اس انتظام سے مُلک بھی آباد رہیگا اور دین و دنیا کی نیکنامی بھی حاصل ہوگی"

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۲۶ (۱) **خراسان** - نیشاپور - ہرات - مرو - مرورود - فاریاب - اندراب - طالقان - بلخ - بخارا - بادغیس - ناورد - غرشستان - طوس - نسا - سرخس - جرجان - توسیح - البورجان - خرجرد - رودرس - قائن - اسفرائن - قہستان - ہلادرد - خرمقان - رقم - اسفزار -

(۲) **آذربائیجان** - طبرستان - رے - قزوین - زنجان - قم - اصفہان - ہمدان - نہاوند - دینور - حلوان - ماسبذان - مہرجان - شہرزور - صامغان -

(۳) **فارس** = اصطخر - شیراز - نوبندجان - جور - کازرون - فسا - داراب جرد - اردشیر خورہ - سابور - اہواز - یزد - جندے سابور - ہرتیری - مناذر - تستر - ایذج - رام ہرمز - عسکر مکرم - ارجان - سوس - ابرقوہ - فیروزآباد - سیراف -

(۴) **کرمان** = بردسیر - جیرفت - سیرجان - زرند - ہرموز -

(۵) **عراق** = ہیت - حلہ - قادسیہ - حیرہ - کوفہ - انبار - عکبرا - سامرہ - (سرمن رائے - ساپیرا - ساما - سرمن راے - سامرآ - (بالمد) سرمن راء (ممدود الآخر) سا ء من راء -) نال نہروان - جلولا - واسط - حلوان - بصرہ - جسر - بغداد - مدائن - (یہ سلسلہ صدر روم پر ختم ہوتا ہے) چنانچہ عمال میں فارس کا عامل ہزار بد - کرمان کا منذر ماء السماء نہایت مشہور و معروف ہیں -

جانچ عمل

نوشیرواں کو جس چیز نے حیات جاویدبخشی ہے وہ اسکا عدل و انصاف اور قانون سلطنت ہے اگر کوئی ان حالات کو لکھنا چاہے تو الف لیلہ کا دفتر طیار ہو سکتا ہے۔ عدل کے متعلق مسلمانوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کافی ہے کہ "وُلدت فی زمن الملک العادل" اور قانون سلطنت میں یہ کہ جزیہ اور زمین کی پیمائش اور لگان وغیرہ کے متعلق جو قاعدے اسنے بنائے تھے وہ حضرت عمر رضی اللہ جیسے مامور مدبر اور فاتح اعظم نے

حاصل کرے اور اُن میں سے جو عالم (قانون داں) اور متدین ہوں وہ مقرر کیے جائیں۔ اور جو ایسے نہوں وہ برطرف کیے جائیں۔ ہر ایک کی تنخواہ باندازۂ مصارف مقرر کیجائے تاکہ رشوت کی حاجت نہو۔ یہ سب سے نازک اور مشکل خدمت ہی۔ کیونکہ یہ طبقہ رعایا کی جان و مال پر حکومت کرتا ہی۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۲۸۔ سُنانے میں جلدی نکرے اور ثبوت ختم ہونے پر فیصلہ لکھنے میں توقف بھی نکرے۔ رعایا کے مذاہب اور قومی رسم و رواج سے واقف ہو۔ اور سب سے بڑھکر جس کی احتیاط بمنزلہ فرض کے ہی وہ یہ ہی کہ بجز بادشاہ وقت کے کسی کا ہدیہ اور تحفہ قبول نکرے۔ خلفا اور شاہان اسلام کو اس حصہ پر خاص توجہ تھی اور جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ کتب سیاست کے ذیل میں خاص اس عنوان پر بھی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ چنانچہ "فصل المقال فے هدایا العمال" مشہور کتاب ہی۔ خلفاے عباسیہ کے عہد میں قاضیوں کی تنخواہ ترقی کرکے ۲۰۰ دینار (۵۰۰ روپیہ) تک پہنچگئی تھی۔ اور حضرت فاروق اعظمؓ نے سو درہم تنخواہ مقرر فرمائی تھی۔ بس مقدمہ میں کسی کی سفارش نہ سُنے اور دوران تحقیقات میں فریقین کے عذرات پر خاص توجہ کرے اور ایک کے مقابلے میں دوسرے پر اپنے عہدہ کا اثر نہ ڈالے نہ اُنکو دبائے۔ اور معمولی لغزشوں کی گرفت نکرے قاضی کا یہ بھی فرض ہی کہ گواہوں اور وکلا کی بھی تفتیش کرتا رہی۔ چنانچہ اس غرض کے لیے خلفاے عباسیہ کے عہد میں قاضی کے ماتحت ایک معدل کا عہدہ تھا۔ اس عہدہ دار کے پاس ایک رجسٹر رہتا تھا جس میں ثقہ اور ساقط العدالت لوگوں کے نام درج ہوتے تھے۔ اور مقدمہ کی پیشی کے وقت گواہوں کے اعتبار اور عدم اعتبار کا مدار بہت کچھ اُسکے رجسٹر پر ہوتا تھا۔ اسکے علاوہ عام حقوق اور مستبہ جائداد اور قرضوں کے کاغذات مرتب رکھتا تھا۔ اور عموماً دستاویزات کی رجسٹری اُسکے دفتر میں ہوتی تھی یہ بڑی ذمہ داری کا عہدہ تھا۔ اور اسلیے نہایت مشہور اور معتبر زاہد اور ثقہ لوگ اس منصب کے لیے انتخاب کیئے جاتے تھے۔" لیکن فی زمانا کوئی شہر ایسا نہیں ہی کہ جس میں پیشہ ور گواہ اور بد اعمالوں کی ضمانت کرانے والے موجود نہوں۔ اکثر اوقات حکام فریب میں آجاتے ہیں اور اصلی ملزم ان گواہوں کے صدقہ میں چھوٹ جاتے ہیں۔ علاوہ معدل کے قاضی کے ماتحت حسب ذیل عملہ تھا۔

کاتب القاضی۔ حاجب القاضی۔ نقیب القاضی۔ اُمنا القاضی"

قاضی کے لیے یہ بھی لازمی ہی کہ فیصلہ کیوقت ہنسی مذاق نکرے بلکہ چہرہ پر ایسا سکوت اور تحمل معلوم ہو کہ گویا کچھ غور کر رہا ہی اور فیصلہ سُنانے سے پہلے ایسی رائے کا اظہار نکرے جس سے معلوم ہو کہ مدعی یا مدعا علیہ کے حق میں مقدمہ کا فیصلہ ہوگا

شاہان عجم کا دستور تھا کہ وہ نوروز[1] اور مہرجان کے زمانے میں ایک جشن عام کرتے تھے جس میں کُل رعایا کو شریک ہونے کی اجازت تھی۔ اور کسی کے واسطے روک ٹوک نہ تھی۔ اور انعقاد دربار سے چند روز قبل منادی ہوجاتی تھی۔ کہ فلاں تاریخ مقرر ہوئی ہے۔ اور تاریخ معینہ پر بازار میں ایک خاص منادی ہوتی تھی کہ اگر کوئی شخص کسی فریادی کو حاضری دربار سے روکیگا تو بادشاہ اُسکو قتل کر دیگا۔ غرضکہ تاریخ معینہ پر بادشاہ سب کے واقعات سنتا تھا۔ اگر کسی کو محض بادشاہ کی ذات سے شکایت ہوتی۔ تو بادشاہ تخت سے اُتر آتا تھا۔ اور موبد موبدان (مذہبی سردار) کے سامنے دوزانو ہو بیٹھتا اور کہتا کہ سب سے پہلے اس شخص کا فیصلہ میرے مقابلہ میں بلا رورعایت کیا جاے۔ اور منادی پھر پکارتا کہ جو بادشاہ پر نالشی ہوں وہ سب ایک جگہ بیٹھ جائیں تاکہ اُنکا فیصلہ کر دیا جائے۔ پھر بادشاہ موبد سے مخاطب ہوکر کہتا کہ "خدا کے

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۳۰۔ اور ان کے رجسٹر جس میں نکاح درج ہوتے ہیں ایسے مطبوعہ فارم ہوں کہ جس میں جعل و فریب اور ترمیم و تنسیخ کا موقع نہو۔ اگر سرکاری حیثیت سے ایسے رجسٹر مرتب ہوں تو نکاح و طلاق وغیرہ کے مقدمات میں حکام کو بھی آسانی ہوجائے"۔

[1] نوروز" ماہ فروردین (۲۱ مارچ) کا پہلا دن ہے کہ جبدن آفتاب عالمتاب برج حمل کے نقطۂ اول میں قدم رکھتا ہے اور فصل بہار کی آمد ہوتی ہے۔ ایرانیوں کے عقائد کے مطابق یہ دن نہایت مقدس ہے کیونکہ خداوند عالم نے حضرت آدمؑ اور دنیا کو اسی دن پیدا کیا ہے اور سبعہ سیارہ کو گردش کرنے کا اسی دن حکم ملا۔ اور یہی وجہ تسمیہ نوروز کی ہے۔ لیکن مورخین کا قول ہے کہ جب جمشید پیشدادی نے اصطخر میں قصر شاہی مسمّی بہ تخت جمشید بنایا اور علی الصباح تخت پر بیٹھکر مشرق کا نظارہ کیا تو سب سے پہلے سورج کی کرن جب تخت و تاج پر پڑی اور جواہرات کی جگمگاہٹ سے لوگوں کی نظر خیرہ ہونے لگی تو اُنھوں نے نعرہ خوشی بلند کیا اور اس نورانی صبح کا نام نوروز رکھا۔ اور عام طور پر جشن عظیم منایا گیا چنانچہ پارسیوں میں ہنوز یہ یادگار منائی جاتی ہے۔
منجمین کے نزدیک نوروز کی دو قسمیں ہیں ایک کا نام نوروز عامہ اور دوسرے کا نام نوروز خاصہ ہے چنانچہ

نزدیک بادشاہوں کے گناہوں سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں ہے بادشاہ رعایا کی نگہداشت کریں
انکو ظالم سے بچائیں اس سے وہ گویا خدا کی نعمتوں کا حق ادا کرتے ہیں جب بادشاہ ظالم ہوتا
ہے تو فوج کا ہر سپاہی ظالم ہو جاتا ہے اور خدا کو بھول جاتا ہے تب اُن پر خدا کا عتاب ہوتا ہے اور
اُنکی شامت اعمال سے سلطنت اُس خاندان سے نکل جاتی ہے۔

اے موبد! میرے معاملے میں رعایت مت کرنا جب خدا مجھ سے پوچھیگا تو میں تجھ سے سوال کرونگا
اسکے بعد موبد معاملے پر نظر ڈالتا۔ اگر دعوی سچا ہوتا تو اُسکا انصاف کیا جاتا اگر بادشاہ پر جھوٹا
دعوی دائر ہوتا اور مدعی ثابت نہ کرسکتا تو اُسکو سخت سزا دیجاتی تھی۔ کہ آئندہ اوروں کو جسارت
نہو جب بادشاہ کے معاملات ختم ہو جاتے تب پھر دستور بادشاہ تخت پر جلوہ افروز ہوتا

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۲۲ دن بھی جل اتفاق کا ہی گل میں ہے اسکا نام نوروز عامہ ہے اور اس سے زیادہ متبرک
کوئی نہیں ہے اور چھٹی تاریخ ماہ فروردین کا نام نوروز خاصہ ہے کیونکہ اسدن جمشید نے دوبارہ تخت پر جلوس کیا اور
خاص جشن کیا اور غسل و طہارت کے بعد عبادت میں مشغول ہوے اور خاص خاص قوموں کی بنیاد
ڈالی گئی چنانچہ اکثر سروں میں مسلسل چھ دن کا جشن کیا جاتا تھا اور عام طور سے بندیوں کی رہائی اور حاجتمنداں
کی حاجت روائی بھی انہیں ایام میں موقوف رکھی تھی اور بہت کچھ خیرات کا بھی خاتمہ ہو جاتا تھا

مہرجان مہرگان (مہرجان) چونکہ مہر (اکتوبر) کی سولھویں تاریخ کا نام مہرجان ہے اور یہ دو تاریخ پڑکر جب
آفتاب برج میزان میں آتا ہے اور خزاں کو موسم بہار کا نائش کرتا ہے نوروز کے بعد ایرانیوں میں سب سے بڑا
گزری اور جشن یہی ہے اسکی بھی مثل نوروز کے دو قسمیں ہیں سولھویں تاریخ ۱۶ اور اکیسویں تاریخ ۲۱ چونکہ
نسبت اس تاریخ میں ہے کہ گویا خدا نے اسی دن زمین کو پیدا کیا اور تمام روحیں جسم میں ڈالی گئیں۔ اور اسی دن
فریدوں نے اپنے دشمنوں کے دستہ کو دو ایک کی مدد کی بھی جیسے ضحاک پر فتح پائی اور جو جشن اس بادشاہ نے
منایا تھا وہ قومی مہر و محبت کا نشانہ تھا اسلئے مہرگان نام قرار پایا علاوہ اسکے اور بھی بہت سی باتیں ہیں جن کے
لئے تاریخ عجم دیکھنا چاہئے اور بعض ارباب لغت نے لکھا ہے کہ ہر مہینے کی سولھویں تاریخ کو مہرجان کہتے ہیں انکا پا
حکمی بنابر اسی ہر دن کا طلوع تاریخ عجم ۔

اور سب کو مخاطب کرکے بیان کرتا کہ میں نے سب سے پہلے اپنی ذات سے اس لیے کارروائی شروع کی تھی کہ تم کو ظلم کرنے کی جرأت نہو۔ پھر بلا رورعایت معاملات کا تصفیہ ہوتا تھا۔ چنانچہ اردشیر[1] کے عہد سے یزدگرد تک یہ قاعدہ جاری رہا لیکن یزدگرد نے اس قدیم رسم کو چھوڑ دیا اور ظلم و ستم کا بانی ہوا۔

بادشاہ کو انفصال مقدمات کے لیے خود بیٹھنا چاہیئے۔ اور سب کی درخواستیں سُننا چاہیئے۔ بادشاہ ترک ہو یا عرب جب وہ قانون شریعت سے واقف نہوگا تو نائب کی ضرورت پڑیگی۔ اور

---

[1] ساسانیوں میں اردشیر بن بابک بن ساسان اصغر (سلسلہ نسب سنندر یار پر ختم ہوتا ہے) پہلا بادشاہ ہے۔ اسکی ماں کا نام گہرآفرید تھا ۲۲۶ء میں تخت نشین ہوا۔ ارسام بن رضیع کو جو مشہور مدبر تھا وزیر بنایا۔ تاریخ ایران میں اس کی سلطنت سے ایک نیا زمانہ شروع ہوتا ہے۔

اردشیر کو تہمتاسی کالقب ملا۔ اردشیر کی سوانح عمری بہادری اور محنت کا سبق پڑہاتی ہے۔ کیونکہ اردشیر نے نہایت ادنی درجہ سے ترقی حاصل کرکے پادشاہی پائی تھی۔ اردشیر کو عمارت سے بہت ذوق تھا اور اسکے عہد میں متعدد شہر آباد ہوئے مثلاً کورہ اردشیر۔ اردشیر آباد۔ (متصل فارس) سرمزار دشیر (متصل اہواز)۔ اشباد اردشیر۔ (متصل الخر) بردشیر کورشیر یا پسوچون شہر اور چھ سو قصبات پر اسکی حکومت تھی اور مردم شماری اسی کرور تھی۔ جو قانون سلطنت اس بادشاہ نے بنایا وہ صدیوں ایران کا دستور العمل رہا۔ اس کی تصنیفات میں سے دو کتابیں مشہور ہیں ایک کا نام کارستان (کارنامہ) اس کتاب میں مہمات ملکی اور سیر وسیاحت کی کیفیت درج ہے۔ دوسری کتاب آداب العیش۔ اس میں حُسنِ معاشرت کے طریقے ہر درجہ کے آدمی کے لیے بتائے ہیں۔ نوشیرواں نے اس کی متعدد نقلیں ملک میں شائع کی تھیں تاکہ رعایا میں حسن اخلاق قائم رہے قیصر روم اور فغفور چین۔ اردشیر کے باجگذار تھے۔ ۷۰ برس کی عمر ہوئی ۱۴ برس تک عہد سلطنت کی اسکے اقوال تاریخ اور ادب کی کتابوں میں بکثرت درج ہیں انتخاب از ناسخ التواریخ و نامہ خسروان۔

یزدگرد

یزدگرد (یزدجرد) خسرو پرویز کا بیٹا اور ایران کا آخری بادشاہ ہے۔ اسکے زمانہ میں مسلمانوں نے ایران پر فتح پائی التفصیل کے لیے الفاروق علامہ شبلی نعمانی دیکھو۔

ملک کے تمام قاضی درحقیقت نائب السلطنت ہیں اسلئے بادشاہ پر واجب ہے کہ وہ قضاۃ کی عزت
و تکریم اعلیٰ درجے کی کریں

(۸) خطیب

مثل قضاۃ کے خطیب جامع مسجد کا بھی انتخاب ہونا چاہیے جو پارسا اور مفسر ہوں کیونکہ امامت
کا مسئلہ نازک ہے اور مقتدیوں کا تعلق امام سے وابستہ ہے جب امام کی نماز میں خلل ہو تو
مقتدیوں کا خدا حافظ ہے

(۹) محتسب

ہر شہر میں محتسب مقرر کرنا چاہیے تاکہ وہ بازار میں ناپ (اوزان) اور نرخ کی جانچ کرتا رہے اور
اس دین کی نگرانی رکھے، تاکہ کوئی شکایت ہو جو چیزیں دیہات سے فروخت کے لیے آویں ان
میں احتیاط ہے کہ آمیزش نہ ہونے پائے اور کم وزن تولنے کی زیادہ جانچ ہوتی ہے اس عہدہ دار
کی عزت و وقار کا قائم رکھنا بادشاہ اور اسکے نائبوں کو ضروری ہے کیونکہ یہ اصول سلطنت میں داخل
ہے اور اگر ایسا نہ کیا گیا تو غریبوں کو تکلیف اٹھانا پڑیگی اور بازاروں کا کام درہم برہم ہو جائیگا۔
سے نفع اٹھانا چاہینگے نہ اٹھا سکینگے
یہ عہدہ بادشاہ کی جانب سے کسی خواص یا خادم یا بوڑھے ترک کو ملا کرتا تھا جس سے لوگ ڈرتے
تھے چنانچہ دہلی کا واقعہ مشہور ہے
سلطان محمود غزنوی ندیمان خاص میں ایک بہت محتاط تھا اور اسکے دو ندیم علی نوشتگین
و محمد عربی (یہ دونوں سپہ سالار تھے) بھی حاضر مجلس تھے چنانچہ علی نوشتگین نے کھانے کے وقت

(۲) حدیث شریف میں آیا ہے کہ "العد یا کرتا تھا۔ جسکا یہ اثر تھا کہ مال طیب خزانہ میں جمع ہوتا تھا

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۴۶ لازم جانو اور انا مورمیٹا عبداللہ تھا۔ جو صاحب الشرطہ (افسر محکمہ پولیس) کے عہدہ سے
پانچ نمازیں جو خدا نے تمپر فرض کی ہیں۔ اور اسکے فضل و کمال کا اندازہ اسطرح پر کیا جاسکتا ہے کہ تقرر کے بعد مامون نے
شرائط ہیں ان سب کا لحاظ رکھ اللہ کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ یوں تو ہر شخص اپنی اولاد کی نسبت حسن ظن رکھتا
کرنے میں کوئی گھبراہٹ
ہے طاہر نے جو کچھ ری تعریف میں کہا اُس سے کم کہا۔ جسکے تم دراصل مستحق ہو۔ طاہر نے یہ مژدہ سنا تو
بیٹے کو ایک نہایت مفصل خط لکھا۔ (عبداللہ بن طاہر جب مصر کا گورنر ہوا ہے اُسوقت طاہر فوت ہو چکا تھا
اسلیئے طاہر نے یہ خط ۲۰۶ھ یا ۲۰۷ھ میں لکھا ہے جبکہ عبداللہ رقہ کا گورنر تھا اور نصر بن شیث کے مقابلے میں
نمایاں کارگزاری کر چکا تھا) جو آئین حکومت، انتظامات ملکی، رفاہ رعایا، کے متعلق ایک نہایت مدبرانہ
دستور العمل ہے۔ یہ خط اسقدر مقبول ہوا کہ تمام لوگوں نے اس کی نقلیں لیں اور خود مامون نے اسکی باضابطہ نقلیں
عموماً حکام سلطنت کے پاس بھجوائیں اور کہا کہ طاہر نے دنیا و دین، تدبیر رائے، سیاست، اصلاح ملک، و حفاظت
سلطنت اور قیام خلافت کے متعلق کوئی بات اُٹھا نہیں رکھی"۔ چونکہ خواجہ نظام الملک کی سوانح عمری کو قانون
سلطنت اور سیاست سے خاص تعلق ہے۔ لہذا ترجمہ اس خط کا لکھا جاتا ہے کیا عجب ہے کہ ہندستان کی اسلامی
اور غیر اسلامی ریاستوں کے والی ملک اور انکے عمال اس دستور العمل سے فائدہ اُٹھائیں اور ہماری گورنمنٹ
کے عہدہ دار بھی محروم نہ رہیں۔ اس خط کے بعض مضامین خالص اسلامی ہیں اور انکے مخاطب مسلمان ہیں۔ تاہم
باستثناء اسکے عام مضامین ایسے ہیں جنسے ہر شخص فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔
امیر عبداللہ شجاعت و تدبیر کے علاوہ بڑا ادیب، محدث، شاعر، اور موسیقی داں تھا۔ اسکی فیاضیوں کے سامنے
خود مامون الرشید کی دریا دلی بھی کچھ حقیقت نہ رکھتی تھی۔ ابو تمام طائی صاحب الحماسہ اسکے دربار کا شاعر تھا
تمام خاندان شاہی اسکی عزت کرتا تھا چنانچہ ۲۱۱ھ میں جب امیر عبداللہ داخل بغداد ہوا۔ تو خود معتصم باللہ
اسکے استقبال کو نکلا۔ مرنے سے پہلے بیس لاکھ درہم خرچ کر کے غلام آزاد کرائے۔ اور ان مصارف پر
جب مرا تو چار کرور درہم خاص اسکے خزانہ میں موجود تھے۔ امیر عبداللہ ۲۱۴ھ میں خراسان کا گورنر مقرر ہوا
اور ۲۳۰ھ میں فوت ہوا۔ اسکے بعد طاہر بن عبداللہ اور محمد بن طاہر حکمراں ہوئے۔ امرائے طاہریہ جنکو

ترغیب دو کہ وہ جماعت کی نماز پڑھا کریں۔ نماز سے جیسا کہ خدا نے فرمایا ہو تم

بدیوں اور گناہوں سے محفوظ رہتا ہو۔ تیر یہ بھی لازم ہو کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت

خلفاے راشدین اور سلف صالح کے طریقۂ زندگی کو اختیار کرو۔ جب کوئی مشکل کام پیش آئے، تو خدا سے

دعا کرو کہ وہ تمھیں اُسکے حل کرنے کی توفیق دے اور وہ پہلو سجھاے جو سراسر نیک ہو۔ پھر اس بات کی کوشش کرو کہ

کام ایسے طریقے سے انجام دیا جاے، جو خدا کے احکام اور رسول اللہ کی ہدایتوں اور نصیحتوں کے خلاف نہو۔ اس کے

بعد اُس کام پر ہات ڈالو اور انصاف کو کبھی اور کسی معاملہ میں ہات سے نہ دو۔ ہر معاملہ کا، جو تمھارے عزیزوں

اور دوستوں سے تعلق رکھتا ہو، یا اجنبی لوگوں کے متعلق ہو، انصاف کے موافق فیصلہ کرو۔ اسکا بالکل خیال

نہ کرو کہ تم اس فیصلے کو پسند کرتے ہو یا نا پسند کرتے ہو۔

شریعت کے عالموں اور قرآن مجید پر عمل کرنے والوں کو سب لوگوں پر ترجیح دو اور انکو اپنی صحبت میں شریک

کرو، کیونکہ ایک انسان کے لیے جو چیز سب سے بڑھ کر مایۂ ناز ہو سکتی ہو، وہ دینداری اور خداشناسی ہو۔ یہ وہ چیز ہے

جو نیکیوں اور بھلائیوں کی ہدایت کرتی ہو اور مہلک برائیوں اور بدیوں سے باز رکھتی ہو۔ جب خدا کسی انسان کو

نیکی کی توفیق دیتا ہو تو وہ خدا کی عظمت اور جلال کو ہمیشہ پیش نظر رکھتا ہو اور آخرت میں بلند ترین درجات پر

پہنچنے کی تمنا کرتا ہو۔ اگر تم بھی اس ہدایت پر عمل کرو، تو آخرت میں روحانی ترقی تم کو نصیب ہو گی، دنیا میں ہر شخص

تمھارے ساتھ عزت و توقیر سے پیش آئیگا، تمھارا رعب اہل دنیا پر طاری ہو گا، وہ تمھارے ساتھ محبت و الفت سے

پیش آئینگے اور تمھارے انصاف پر بھروسا کرینگے۔

والحاصۃ' اور خدا وند تعالیٰ فرماتا ہے" اللہ الذی انزل الکتاب بالحق والمیزان"

تفسیر فتوحات صفحہ ۲۳۹ ہر ایک کام میں حکومت شرع کرو یعنی احکام دو۔ اعتدال کو کسی بات سے نہ جانے دو سب
حدوں سے آگے نہ بڑھو "خیر الامور اوسطہا" پر عمل کرو افراط و تفریط سے بچتا رہو اور ہر کام میں توسط اختیار کرنا ایسا عمدہ طریقہ ہے کہ
اس سے زیادہ مفید رعایا و انسان کیلئے کوئی طریقہ نہیں ہے اعتدال مذہب کی طرف رہبری کرتا ہے اور
وہ اس بات کی دلیل ہے کہ خدا نے جو شریعت بھیجی اور کلام پاک کا منظر اُس شخص کی آنکھوں کے سامنے پیش کیا
ہے جو مذہب کے جاننے رکھتا ہے اعتدال ہی پر مذہب کا مدار ہے اور شریعت بار بار اسی کی تاکید کرتی ہے
تم بھی دنیا میں اعتدال و توسط اختیار کرو

جو مرتبے تم چاہتے ہو آخرت کی طلب میں رہو اور نیک کام کرنے میں ہمیشہ آمادگی ظاہر کرو اور یاد رکھو کہ نیکی
میں کوشش کرنے کی کوئی انتہا نہیں ہے نیکی کرنے سے کوئی مقصد اسکے سوا نہیں ہے کہ تم خدا کی خوشنودی
حاصل کرو اور آخرت میں خدا کے دوستوں اور اُنکے نیک اور مقبول بندوں کا درجہ تمکو حاصل ہو اگر تم
اعتدال اور توسط اختیار کروگے تو دنیا میں تمہاری عزت ہوگی اور تم گناہوں اور بدیوں سے بچوگے
اس سے بہتر کوئی طریقہ ایسا نہیں ہے جس سے انسان کے تمام کام درست ہوں پس تمکو بھی اسی طریقے پر
چلنا چاہیے تاکہ تمہارے سب کام درست ہوں اور تمہاری عزت و وقعت لوگوں کی نگاہوں میں بڑھے اور تم
خدا کی نسبت ہمیشہ نیک گمان رکھو تمہاری رعیت بھی ہمیشہ تمہاری نسبت نیک گمان رکھیگی ہر کام میں
خدا سے غور و سوچ کے ساتھ التجا کرنے کو اسی کامیابی کا ذریعہ تصور کرو تاکہ ہمیشہ اس کی بخشش اور کرم
مبذول ہو۔ ہر شخص کی نسبت جسکو تم کوئی کام سپرد کرو نیک گمان کرو اور بغیر کسی معقول وجہ کے اُس کے
کام کی نسبت بدگمانی نہ کرو تمہارا فرض ہے کہ الزام لگانے سے پہلے ہر کام کا امتحان کرو اور اُنکی حقیقت
معلوم کرو یہ میں نے اسلئے کہا کہ لوگوں کی نسبت بدگمانی کرنا اور اُن پر بے خطا الزام لگانا شریعت میں
سخت گناہ ہے پس تم اپنے دوستوں اور خدمتگاروں کے ساتھ ہمیشہ حسن ظن سے پیش آؤ بغیر تجسس کے کسی
کے کاموں کی نسبت بدگمانی نہ کرو اور اُنپر الزام نہ لگاؤ دیکھو شیطان تمہارے طریقہ زندگی میں کوئی حصہ
نہ پائے اور وہ تمہاری ادنیٰ کمزوری کو کافی سمجھیگا اور تمکو بدگمانی میں ڈالکر غم میں مبتلا کر دیگا اور

(۴) حضرت فضیل[1] بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کہیں میری دعا مستجاب ہو تو میں

[1] ابو علی فضیل بن عیاض نہایت مشہور و معروف صوفی ہیں ابتدا میں ابیورد اور سرخس کے مابین راہزنی کیا کرتے تھے لیکن یکایک خدا کی طرف سے ہدایت ہوئی۔ توبہ کرکے بمقام کوفہ ریاضت میں مشغول ہوئے۔ اور زمرۂ کاملین اور ارباب طریقت میں شمار ہوئے۔ کتاب المعارف میں اصحاب الحدیث کے ذیل میں ابن قتیبہ نے آپ کا تذکرہ لکھا ہے۔ ہارون الرشید عباسی کے عہد میں بمقام مکہ معظمہ (بحیثیت ایک مجاور) ماہ محرم ۱۸۷ھ انتقال فرمایا تفصیلی حالات کے لیے تذکرہ صوفیا و ابن خلکان دیکھو۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۴۰ تمھارے عیش کو مکدر اور تمھاری زندگی کو تیرہ و تار کر ڈالیگا۔ خوب سمجھ لو کہ حسن ظن سے ایک عجیب طاقت اور راحت انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اگر تم لوگوں کی نسبت نیک گمان رکھوگے تو تمھاری تمام خواہشیں پوری ہونگی اور سب کام درست رہینگے اور لوگ تم سے محبت کرینگے۔ مگر یہ بھی خیال رہے کہ اگر حسن ظن پر بھروسہ کروگے اور اپنے ملازموں کے ساتھ حد سے زیادہ مروت اور مہربانی سے پیش آؤگے اور اُنسے بازپرس نہیں کروگے اور اپنے کاموں پر نظر نہیں رکھوگے۔ تو اسکا انجام یہ ہوگا کہ تمھارے انتظام میں خلل آجائیگا اور تمھارا ہر کام نادرست ہوگا تمھارا فرض ہے کہ اپنے ماتحتوں اور ملازموں کے کاموں پر نظر رکھے اور رعیت کے باب میں احتیاط کرنے اور اُنکی اصلاح و بہبودی پر متوجہ ہونے اور اُن کی ضرورتوں اور حاجتوں کو پیش نظر رکھنے کو سب کاموں سے زیادہ مقدم سمجھو۔ یہ وہ طریقہ ہے جس سے دین قائم رہتا ہے اور سنت نبوی زندہ ہوتی ہے جب تم اس طریقہ پر عمل کرو تو اپنی نیت کو ہر حال میں خالص رکھنا۔

عزیز بیٹے! تمکو سب سے پہلے اپنے نفس کی اصلاح کرنی چاہیئے اور ہمیشہ اس بات کو پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ کل تمسے تمھارے بُرے اور بھلے کاموں کی نسبت سوال کیا جائیگا۔ بُرائیوں پر تمکو سزا دیجائیگی اور نیکیوں پر تم انعام پاؤگے خدا نے دین کو دنیا کی امن و امان اور حفاظت اور اہل دنیا کی بہبودی اور آسائش کے لیے پیدا کیا ہے پس تمھارا فرض یہ ہونا چاہیئے کہ تم جن لوگوں پر حکومت کرتے ہو اُنکے ساتھ دینداری کے طریقے سے پیش آؤ اور شریعت کی ہدایتوں کے بموجب اُنسے برتاؤ کرو۔ خدا نے جرائم کی جو حدیں قائم کردی ہیں اُنکو جاری کرو اور مجرموں کو اُنکے جرموں کے موافق سزا دو اور اس میں ذرا غفلت اور کوتاہی نکرو۔ اگر تم مجرموں اور بدکاروں کے سزا

(۱۱) شریعت

بادشاہ پر واجب ہی کہ فرض و سنت اور احکام شریعت کے قائم رکھنے کی کوشش کرے۔ اور علمائے ملت کی عزت و حرمت کرتا ہی۔ اور بیت المال سے انکو وظائف دیئے جائیں اور یہی طریقہ پرہیزگاروں سے برتے۔ اور یہ معمول کرلے کہ ہفتہ میں دو ایک مرتبہ علمائے دین سے

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۴۲ ایسی معلومات حاصل کرلو جو راہ راست سے تمکو منحرف نہ ہونے دے غصہ کیوقت ہمیشہ اپنے نفس کو قابو میں رکھو اور تحمل اور بردباری کو ہر کام میں ترجیح دو۔ خود بینی اور غرور سے اپنے تئیں محفوظ رکھو، اور کبھی یہ خیال نکرو کہ میں جو حکومت کرتا ہوں، جو چاہوں کرسکتا ہوں، کیونکہ یہی وہ چیز ہی جس سے ارادے کا فاسد ہونا اور خدا کی عظمت و جلال پر یقین ہونا ثابت ہوتا ہی۔ خدا کی نسبت تم ہر وقت اپنی نیت کو خالص رکھو اور اُس کی عظمت و جبروت کو ہمیشہ پیش نظر رکھو اور یہ خوب جان لو کہ اس دنیا کی حکومت خدا کے سوا کسی کے لیے نہیں ہی وہ جس کو چاہتا ہی سلطنت اور حکومت عطا کرتا ہی۔ اور جس سے چاہتا ہی چھین لیتا ہی جو لوگ دنیا میں حکمرانی کرتے ہیں اور آسودگی اور دولتمندی میں ڈوبے ہوئے ہیں جب وہ خدا کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں اور اُسکے ساتھ نافرمانی اور سرکشی سے پیش آتے ہیں تو بہت جلد اُن کی حشمت اور ثروت پر زوال آتا ہی اور بدبختی کا عذاب اُنپر نازل ہوتا ہی

حرص و طمع کو اپنے پاس نہ آنے دو اور جو خزانے اور ذخیرے تم جمع کرتے ہو، وہ اسلیے ہونے چاہئیں کہ تم انکو حقداروں میں تقسیم کرو اور رعیت کی بہبودی اور آسائش میں انکو صرف کرو۔ نیکیوں اور بھلائیوں میں انصاف اور معدلت میں، رعیت کی اصلاح اور ملک کی آبادی میں، لوگوں کی جانیں محفوظ رکھنے اور مظلوموں کی زیاد سننے میں جہانتک تم سے ہوسکے کوشش کرو اور کبھی ان امور سے غافل نہو۔ جب دولت کے انبار لگجاتے ہیں اور خزانوں میں روپیہ کثرت کے ساتھ جمع ہوجاتا ہی تو اس میں کبھی ترقی اور بیشی نہیں ہوتی جب تک کہ اسکو رعیت کی بہبودی اور حق رسانی میں صرف نکیا جاے۔ اگر تم میری اس ہدایت کا خیال رکھوگے تو رعایا کیجانب

جب یہ صحبت ہو، اُسوقت دنیاوی مشاغل سے اطمینان ہونا چاہیئے۔ اور ایسے جلسہ میں علما کو حکم دے

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۴۴- کسی فقیر کو محروم اور ناامیدہ جانے نہ دے۔ کسی انسان کو حقارت اور ذلت کی نظر سے نہ دیکھو بیہودہ باتوں سے ہمیشہ نفرت کرو۔ کسی کے ساتھ ہنسی اور دل لگی سے پیش نہ آؤ۔ جو وعدہ کرو اُسکو پورا کرکے رہو اور فضول باتوں اور احمقانہ باتوں میں اپنا وقت ضائع نہ کرو۔ کبھی غصہ کا اظہار نکرو۔ کبھی تعریف کی خواہش نکرو۔ جب چلو خدا کو یاد کرکے چلو۔ آخرت کی باتوں میں اسقدر منہمک نہ ہو جاؤ کہ دنیا میں کوئی کام نہ کرسکو۔ کسی ظالم سے ڈرکر اُسکے اعمال سے چشم پوشی نکرو۔ جو انعام تمکو آخرت میں ملیگا، اُسکی دنیا میں خواہش کرنا حماقت ہی۔ جو لوگ فقہ میں کامل مہارت رکھتے ہوں اُنسے ہمیشہ مشورہ لیتے رہو اور اُنکے مشورہ کو تحمل سے سنو۔ جو لوگ تجربہ کار اور دانشمند ہیں اُن کی رائے پر عمل کرو۔
بخل سے زیادہ کوئی چیز ایسی نہیں ہی جس سے رعیت کی اصلاح و انتظام کے کاموں میں خلل واقع ہوتا ہی اس کے ساتھ ہی تم یہ بھی یاد رکھو کہ اگر تم حریص ہوگے تو رعیت سے زیادہ وصول کروگے اور ان کو بہت کم دوگے اس صورت میں تمھاری بہت ہی کم کام پورے ہونگے، کیونکہ رعیت تمھارے ساتھ اسی حالت میں محبت کرسکتی ہی۔ جبکہ تم اُنکی دولت کی پروا نکرو اور اُنکے ساتھ ظلم و ستم سے پیش نہ آؤ۔ سب سے پہلے تم اُن لوگوں کے ساتھ احسان کرو، جو تمہارے دوست اور وفادار ہوں اور تمھاری حکومت کے خیر خواہ ہوں۔ اُنکے ساتھ خوب فیاضی سے پیش آؤ اور اس موقع پر ہرگز بخل نکرو یاد رکھو کہ یہی سب سے پہلی نافرمانی ہی، جو انسان سے ظہور میں آئی ہی اور جو لوگ نافرمان ہیں، وہ یقیناً ذلیل و خوار ہونگے۔ خدا فرماتا ہی کہ جو لوگ اپنے تئیں بخل سے بچاتے ہیں، وہی کامیاب ہوتے ہیں۔ تم اس آیت کو ہر وقت مدنظر رکھو اور مسلمانوں کا حصہ اپنے خزانے میں سے ہمیشہ نکالتے رہو اور اس بات پر یقین کرلو کہ فیاضی خدا کے بندوں کے سب سے عمدہ اور پاکیزہ اعمال میں سے ہی۔ تم بھی اسکو اپنی عادت اور خصلت بنالو۔ مگر تمھاری کوئی فیاضی بے محل اور بے موقع نہیں ہونی چاہیئے۔
فوج کے متعلق جو اُمور دفتروں اور رجسٹروں میں درج ہوں، اُنپر ہمیشہ تم اپنا خیال رکھو۔ اُن کی تنخواہیں وقت پر ادا کرو۔ اُن کی خدمات کے لحاظ سے ہمیشہ اُن کی تنخواہوں میں اضافہ کرتے رہو، تاکہ وہ فاقہ زدہ اور تنگ حال نہوں۔ اس سے اُن کی قوت اور ہیبت میں ترقی ہوگی اور وہ نہایت خلوص اور وفاداری کیساتھ تمھارے حکموں پر گردن جھکائینگے۔ حکمراں کے لیے اس سے بڑھ کر کامیابی اور خوش قسمتی کی کوئی دلیل نہیں ہوسکتی کہ

کہ وہ مسائل شروع کریں اور جس مسئلہ کو جاننا ہو وہ دریافت کرے اس اصول کی پابندی

بعد ہوت صفحہ ۲۴۳ ۔ اسی طرح اور رعایا کے ساتھ رحم و انصاف اور نیکی و نرمی سے پیش آئیں اگر تم نے
سختی عمل کروگے تو اس طرح کا انجام پاؤگے تم کامیابی اور بہبودی سے محروم ہو جاؤگے
انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا خدا کو اسقدر پسند ہے کہ ایسے معاملہ میں کوئی چیز وقعت رکھتی ہے کوئی چیز اسقدر
مقبول ہی نہیں۔ قرآن میں ہے کہ خدا کے بندوں کے اعمال تولے جاتے ہیں انصاف پر عمل کرو
اور انصاف کے موافق کام کرنے سے رعیت کی حالت درست ہوتی ہے ملک میں امن و امان کی ترقی
ہوتی ہے مظلوم اپنے کسی اور مطلوب کی داد پاتے ہیں لوگوں کے حقوق ضائع نہیں ہوتے
ان کی زندگی آسائش اور بہبودی سے بسر ہوتی ہے وہ حکمرانوں کے فرمانبردار رہتے ہیں ان کی عزتیں اور جانیں
محفوظ ہو جاتی ہیں اور شریعت کے احکام پر ہر شخص کی گردن جھکنے لگتی ہے

میرے فرزند تم بھی خدا کے احکام پر گردن جھکاؤ اور انکو جاری کرنے میں نرمی سے کام لو ظلم و ستم سے اپنے تئیں
محفوظ رکھو شریعت کی حدیں قائم کرو مگر کسی کام میں جلدی مت کرو اور گھبراہٹ اور بیقراری کی علامتیں اپنے
چہرہ پر ظاہر ہونے دو جو تجربے تمکو حاصل ہو چکے ہیں ایسے مادہ اٹھانے میں دانشمندی کرو خاموشی لیا
چوکنے اور ہوشیار رہو اور ہر موقع میں ہمیشہ سچائی اور سنجیدگی سے کام لو دشمنوں سے بھی انصاف کے ساتھ
پیش آؤ کسی معاملہ میں تمکو شبہ ہو تو اس میں تامل کرو اور صریح ثبوتوں اور روشن اور صحیح دلیلوں کی
تلاش میں رہو اسی غرض سے کسی شخص کی طرفداری اور حمایت کرو کسی شخص کی طمع اور رعایت
کی پروا کرو تمکو ہمیشہ ہر کام استقلال سے کرنا چاہیے اور فیصلہ کرنے سے پہلے خوب سوچنا اور سمجھنا اور معاملہ کے
ہر پہلو کو دیکھنا چاہیے تمہارے دل میں انصاف کے سوا کوئی خواہش نہیں ہونی چاہیئے کہ جو معاملہ تمہارے سامنے
پیش کیا جائے اس میں حق کو معلوم کرکے اسکے موافق فیصلہ کرو اور جو بات حق نہ ہو اسکو رد کرو مگر لازم ہے
کہ تم اپنی تمام رعیت کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤ اور جس طرح تم ان پر حکومت کرتے ہو اسی طرح اس کا خیال کرو کہ
جو تم پر حکومت کرتا ہے کسی شخص کی جان لینے میں جلدی مت کرو کیونکہ ناحق کسی کی جان لینا خدا کے نزدیک ایسا
بڑا گناہ ہے جس کی رہائی کبھی نہیں ہو سکتا۔

چند روز میں خود بخود دب جائینگی۔ اور بہت زمانہ نہ گزرنے پائیگا کہ اکثر احکام شریعت اور تفسیر القرآن و

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۴۳ جو خراج زمینوں سے وصول کیا جاتا ہی اور ملکی انتظامات میں صرف کیا جاتا ہو اُسپر اپنی پوری توجہ مبذول کرو۔ یہی وہ چیز ہی جس سے رعیت کی حالت درست ہوتی ہی۔ اسلام کو ترقی ہوتی ہی اہل اسلام قوت اور عظمت حاصل کرتے ہیں۔ اُنکے مخالفوں کا حسد مشتعل ہوتا ہی۔ اور جو کفار مسلمانوں کے دشمن ہیں اُن کی ذلت ہوتی ہی جن لوگوں سے خراج وصول کیا جاتا ہو وہ اُسپر اس طرح لگانا چاہیے کہ انصاف کے خلاف نہو۔ خراج عام طور پر سب سے وصول کرنا چاہیئے اور کسی کو معاف نہیں کرنا چاہیئے۔ نہ کسی شریف کو اس سبب سے کہ وہ شریف ہی، نہ کسی دولتمند کو اس سبب سے کہ وہ دولت و ثروت رکھتا ہی، نہ کسی کاتب کو اس سبب سے کہ وہ تمھاری نیابت میں رہتا ہی، نہ کسی اپنے مصاحب یا ملازم کو اس سبب سے کہ وہ تمھارا مصاحب یا ملازم ہی۔ مگر اسکے ساتھ ہی یہ خیال رکھنا چاہیے کہ خراج کی جو مقدار کسی شخص سے وصول کرو وہ ایسی ہونی چاہیے جو اُس کی طاقت اور استطاعت کے موافق ہو، اور اُسکے وصول کرنے میں حد و زیادتی ہرگز نہیں ہونی چاہیئے۔ اس برتاؤ سے ہر شخص رضامند ہوگا اور سب یہ سمجھینگے کہ اگر خراج کے وصول کرنے میں کسی پر سختی ہوتی ہی تو وہ درحقیقت کسی ایک پر نہیں ہی، بلکہ سب پر ہی۔

خوب یاد رکھو کہ جن لوگوں پر تم حکومت کرتے ہو اُنکے تم محافظ اور خزانچی مقرر کیے گئے ہو۔ جو لوگ تمھاری حکومت کے سایہ میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہ رعیت اس لیے کہلاتے ہیں کہ تم اُنکے راعی اور نگھبان ہو وہ اپنی آمدنی میں سے جو کچھ تم کو دیتے ہیں اُس سے یہ غرض ہی کہ تم اُسکو اُنکی اصلاح حالت اور اُنکی بہبودی میں صرف کرو۔ جن لوگوں کو تم امیر حکومت کرنے کے لیے مقرر کرو، وہ ایسے ہونے چاہییں جنکی رائے صائب ہو، جو تجربہ کار ہوں، جو اپنے فرائض منصبی سے کامل طور پر واقف ہوں جو سیاست اور حکومت کی قابلیت رکھتے ہوں، اور جو دیانتدار اور نیکدل ہوں اُنکی تنخواہیں کافی مقرر کرو اور یہ ایک ضروری بات ہی جس سے تمکو کبھی غافل نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر تم میری اس نصیحت پر عمل کروگے اور اپنے فرائض کو جو تمھارے ذمہ ہیں نہایت مستعدی اور سرگرمی سے انجام دوگے تو خدا اپنی برکتیں تم پر نازل کریگا۔ اُس کی نعمتیں تمھارے لیے روز افزوں ہونگی تمھاری شہرت اور ناموری تمام دنیا میں پھیل جائیگی۔ تمھاری رعیت تم سے محبت اور الفت کیا کریگی۔ اُنکی عام بہبودی اور آسائش کو

کر دے تو نہ کر سکیگا۔ اور رعایا کو بھی حصول علم دین کی رغبت پیدا ہو جائیگی۔ حدیث میں آیا ہی کہ بادشاہ

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۴۸ کام اُسی دن کرتے رہوگے تو اپنے نفس اور بدن کو آرام دوگے اور تمھارا کوئی کام ادھورا نہیں رہیگا۔

جو لوگ شریف، سن رسیدہ اور تجربہ کار ہوں جن کی نیک نیتی، خیرخواہی اور محنت کا ثبوت بار بار مل چکا ہو انکو اپنا خالص دوست اور خیرخواہ سمجھو اور اُنکے ساتھ حسن سلوک اور فیاضی سے پیش آؤ۔ جو شریف آدمی تباہ حال اور مفلس ہوگئے ہوں، اُنکی اصلاح حالت کی کوشش کرو۔ اور اُن کی پرورش اور خبرگیری کرتے رہو۔ محتاجوں اور مسکینوں اور اُن لوگوں کا بھی ہمیشہ لحاظ رکھو جو اپنے معاملے کو تمھارے سامنے پیش کرنے کی قدرت نہیں رکھتے اور جنکو اپنے حقوق سے آگاہی نہیں ہی اُنسے نرمی اور دلجوئی کے ساتھ اُنکا حال پوچھو اور اُنکے معاملے کی تحقیق کرو اور اُن کی خبرگیری کے لیے ایسے شخصوں کو مقرر کرو جو نیک نیت اور نیک دل ہوں اور اُن کو حکم دو کہ وہ کامل تحقیق کے بعد اُنکے معاملات کا انصاف اور رحمدلی سے فیصلہ کریں اور اُن کی ضرورتوں کو پورا کریں یا مناسب حکم کے لیے اُنکے معاملے کی رپورٹ تمھارے پاس بھیجیں۔ جن لوگوں پر کوئی سختی اور مصیبت نازل ہوئی ہو اُنکے اور یتیموں اور بیوہ عورتوں کے لیے اپنے خزانے سے روزینہ مقرر کرو۔ اس باب میں تمکو امیرالمومنین کے طریقہ کی پیروی کرنی چاہیئے تم اُنکے ساتھ مہربانی سے پیش آؤ اور اُنکو مدد دو اور اُنکے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار کرو، تاکہ اُنکی زندگی تلخی اور تکلیف میں بسر نہو اور تمھاری زندگی اور مال میں خدا برکت دے اور تمھیں قیامت کے دن اسکا ثواب ملے۔

جو لوگ قرآن مجید کے حافظ ہیں اور اُسپر عمل کرتے ہیں اُنکو بہ نسبت دوسروں کے بیت المال سے حصہ دینے میں ترجیح دو اور اُن کی خبرگیری اور دلجوئی کو مقدم جانو۔ بیماروں کے لیے شفاخانے تعمیر کراؤ، جن میں وہ آرام سے رہ سکیں اور اُن کی خدمت اور خبرگیری کے لیے شفاخانوں میں ملازم مقرر کرو، تاکہ جس چیز کی اُن کو ضرورت ہو، وہ فوراً اُس کو مہیا کریں۔ اُنکے علاج کے لیئے ایسے طبیب ملازم رکھو، جو تجربہ کار ہوں اور جو اپنے فن میں کامل مہارت رکھتے ہوں۔ ان تمام اُمور میں تمکو خرچ کرنے کی اجازت ہی جب تک کہ فضول خرچی اور اسراف کا الزام تمپر نہ لگایا جائے۔

یاد رکھو کہ لوگوں کے حقوق جب بالواسطہ ادا کیے جاتے ہیں تو وہ اس بات پر قانع نہیں ہوتے، بلکہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ بذات خود حاکموں کے روبرو پیش ہو کر اپنے معاملہ کو پیش کریں۔ کیونکہ اس طرح اُن کو یہ اُمید ہوتی ہی کہ اُنکی اچھی طرح

جب مملکت میں انقلاب ہوگا تو مذہب میں بھی رخنہ پڑیگا۔ اور جب مذہب میں فتور ہوگا تو سلطنت پر بھی اسکا اثر پڑیگا

حضرت سفیانؒ ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سب سے اچھا بادشاہ وہ ہی جو اہل علم سے صحبت رکھتا ہو اور سب سے برا وہ عالم ہی کہ جو بادشاہ سے ملتا جلتا ہو"

لقمانؒ حکیم کا قول ہی کہ دنیا میں انسان کا سب سے اچھا دوست علم ہی۔ اور علم خزانے سے بہتر ہی۔ کیونکہ ہمکو خزانے کی نگہبانی کرنی پڑتی ہی اور علم خود ہمارا محافظ ہوتا ہی"

ملہ حضرت سفیان ثوری اپنے زمانے کے مشہور امام اور مجتہد ہیں، اور ان مشاہیر میں ہیں کہ جنھوں نے ابتدائ علم حدیث کی تدوین کی منصور عباسی کے عہد میں بمقام بصرہ سنہ ۱۶۱ھ میں انتقال کیا تاریخ انتقال یہ ہی۔

آنکہ سفیان ثوریش نام است | مرشد خاص و رہبر عام است
مرقد عالیش بصرہ مدام | سال ترحیل رہنمای جنان

ابن خلکان جلد اول صفحہ ۲۱۲ و مصباح التواریخ صفحہ ۲۸

ملہ (لقمان) مورخین نے صراحت کی ہی کہ لقمان نبی نہ تھے بلکہ نہایت نامور حکیم تھے حبش کے باشندے تھے۔ اور بنی اسرائیل میں کسی کے غلام تھے لیکن انکے مالک نے دولت کثیر دیکر آزاد کر دیا تھا یہ زمانہ حضرت داؤد علیہ السلام کا تھا۔ لقمان کا ہر قول حکمت در نصیحت ہی" معارف ابن قتیبہ دینوری صفحہ ۱۹

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۵۰۔ انکی قدر کرنا تمھارا فرض ہی۔

جو عامل اور محاسب اور کاتب تمھارے پاس روزانہ آتے ہوں انکے لیے دن کا ایک خاص وقت مقرر کرو۔ تاکہ وہ اپنی ضرورتوں کو تمھارے سامنے پیش کر سکیں اور رعیت اور اضلاع کے حالات سے تمکو مطلع کر سکیں جب کوئی معاملہ تمھارے سامنے پیش کیا جائے، تو اپنی پوری قوت اسکے سمجھنے اور اس کی نسبت حکم دینے میں صرف کرو اور پوری توجہ اس بات پر مبذول کرو کہ اسکا فیصلہ کیا ہونا چاہیئے بار بار اُسپر غور و فکر کی نظر ڈالو اور انصاف اور ہوشیاری سے اسکو طے کرو جس معاملہ میں کوئی شبہ ہو، اسکو سوچنے اور تحقیق کرنے کے لیے دوسرے وقت پر اٹھا رکھو اپنی رعیت میں سے کسی آدمی پر احسان نہ جتاؤ اور اپنے احسان کا جو صلہ تم رعیت سے چاہو، وہ یہی ہونا چاہیئے کہ

جنکے کارنامے قیامت تک باقی رہینگے۔ اس فہرست میں فریدوں، سکندر، اردشیر، نوشیروان عادل

امیرالمومنین فاروق اعظم، حضرت عمر بن عبدالعزیز، خلیفہ ہرون الرشید، مامون الرشید، معتصم باللہ،

میر اسمٰعیل بن احمد سامانی، اور سلطان محمود غزنوی کا نام داخل ہے۔

یہ وہ جلیل القدر شاہنشاہ تھے، جنکے واقعات سے تاریخ کے صفحات مرتین ہیں۔ لوگ ان کے

حالات پڑھتے ہیں اور دعا سے یاد کرتے ہیں۔ (فصل اٹھویں سیاست نامہ)

(۱۲) نظارت

ناظر (اشراف) وہ مقرر کیا جائے جس پر پورا بھروسہ ہو۔ تاکہ وہ دربار کے واقعات کو سمجھ بوجھ کر

ضرورت کیوقت بیان کیا کرے۔ اطراف وجوانب میں یہ خود اپنے ماتحت خود روانہ کریگا مگر جو لوگ

بھیجے جائیں وہ اپنے رائے کے مستحکم اور دیانتدار ہوں تاکہ انکو ہر قسم کا علم ہوتا رہے۔ انکے مصارف

بیت المال سے وقت معینہ پر ادا کیے جائیں، ایسا نہو کہ اُن کی تنخواہوں کا بار رعیت پر پڑے اور

وہ رشوت لینے لگیں۔ (فصل نہم سیاست نامہ)

(۱۳) محکمۂ وقائع نگاری و پرچہ نویسی

بادشاہ پر واجب ہے کہ وہ اپنی رعایا اور فوج کے حالات سے کچھ نہ کچھ ضرور واقف ہو۔ عدم واقفیت

کے لیے قرب و بعد کا عذر معیوب ہے۔

جن بادشاہوں کو اپنی رعایا اور فوج کا حال معلوم نہیں ہے، انپر غفلت اور ستمگاری کا الزام عائد

چھین لیتا۔ تو اُس کی بھی خبر بادشاہ کو ہو جاتی تھی۔ اور محض اطلاع پر یہ واقعہ ختم نہ ہوتا تھا بلکہ ملزم سزایاب ہوتا تھا۔ اور تمام ملک میں بادشاہ کی بیداری کی دھوم مچ جاتی تھی۔

لیکن فی الحقیقت یہ کام بہت نازک ہے۔ واقعہ نگاری کی خدمت ایسے لوگوں کے سپرد ہونا چاہیئے کہ جنکی زبان اور قلم بدگمانی کے دھبوں سے پاک ہوں۔ اور اُن میں خود غرضی نہو، کیونکہ اس گروہ سے ملک کا امن و امان قائم رہتا ہے اور یہ گروہ خاص بادشاہ کی ذات کا نوکر ہے۔ ان کی تنخواہ بھی ٹھیک وقت پر دینا چاہیئے تاکہ دلی اطمینان سے یہ اپنا کام کیے جائیں۔ اور تمام حوادث کی اطلاع کرتے رہیں۔ ایسے بادشاہ کے عہد سلطنت میں کسی کو بغاوت کرنے کی جرأت نہیں ہو سکتی ہے۔ کیونکہ وہ بادشاہ کی تادیب سے ڈرتے ہیں۔ بہرحال پرچہ نویسوں کی تقرری بادشاہ کے عدل اور بیدار مغزی اور قوت فیصلہ پر دلالت کرتی ہے۔ اور اس صیغہ کو ملک کی آبادی میں بڑا دخل ہے۔

مثال جب سلطان محمود غزنوی نے عراق پر قبضہ کیا تو کوچ[۱۵] و بلوچ کے قزاقوں نے رباط دیر گچین پر ڈاکہ ڈالا چنانچہ ایک بڑھیا کا بھی مال و اسباب لٹ گیا۔ اُسنے آکر سلطان سے فریاد کی

۱۵ کرمان کے پہاڑی جرگوں میں کوچ بلوچ چوری اور غارتگری میں ضرب المثل ہیں۔ چنانچہ فردوسی طوسی اور حکیم قطران کے یہ اشعار سنداً پیش کیے جاتے ہیں

فردوسی

ہم از پہلوی پارس کوچ و بلوچ	زگیلان جنگی و دشت سروچ
سپاہے بکردار کوچ و بلوچ	سگالندہ جنگ مانند کوچ
زکوہ بلوچ در دشت سروچ	بہستند خنجر گذاران کوچ

حکیم قطران

ہستند اہل فارس ہراساں زکارِ مَیں	زانسان کہ اہل کرماں ترساں ز دزدِ کوچ

چھین لیتا۔ تو اُس کی بھی خبر بادشاہ کو ہو جاتی تھی۔ اور محض اطلاع پر یہ واقعہ ختم نہ ہوتا تھا بلکہ ملزم سزا یاب ہوتا تھا۔ اور تمام ملک میں بادشاہ کی بیداری کی دھوم مچ جاتی تھی۔

لیکن فی الحقیقت یہ کام بہت نازک ہے۔ واقعہ نگاری کی خدمت ایسے لوگوں کے سپرد ہونا چاہیئے کہ جنکی زبان اور قلم بدگمانی کے دھبوں سے پاک ہوں۔ اور اُن میں خود غرضی نہو، کیونکہ اس گروہ سے ملک کا امن و امان قائم رہتا ہے اور یہ گروہ خاص بادشاہ کی ذات کا نوکر ہے۔ ان کی تنخواہ بھی ٹھیک وقت پر دینا چاہیئے تاکہ دلی اطمینان سے یہ اپنا کام کیے جائیں۔ اور تمام حوادث کی اطلاع کرتے رہیں۔ ایسے بادشاہ کے عہد سلطنت میں کسی کو بغاوت کرنے کی جرأت نہیں ہو سکتی ہے۔ کیونکہ وہ بادشاہ کی تادیب سے ڈرتے ہیں۔ بہرحال پرچہ نویسوں کی تقرری بادشاہ کے عدل اور بیدار مغزی اور قوت فیصلہ پر دلالت کرتی ہے۔ اور اس صیغہ کو ملک کی آبادی میں بڑا دخل ہے۔

مثال جب سلطان محمود غزنوی نے عراق پر قبضہ کیا تو کوچ[۱] و بلوچ کے قزاقوں نے رباط دیر گچین پر ڈاکہ ڈالا چنانچہ ایک بڑھیا کا بھی مال و اسباب لُٹ گیا۔ اُسنے اکر سلطان سے فریاد کی

---

[۱] کرمان کے پہاڑی حرگوں میں کوچ بلوچ چوری اور غارتگری میں ضرب المثل ہیں چنانچہ فردوسی طوسی اور حکیم قطران کے اشعار سند اًپیش کیئے جاتے ہیں

فردوسی

ہم از پہلوی پارس کوچ و بلوچ — زگیلان جنگی و دشت سروج (نام صحرائے کرمان)

سپاہے بکردار کوچ و بلوچ — سگالندہ جنگ مانند کوچ

زکوہ بلوچ و زدشت سروچ — برفتند خنجر گزاران کوچ

حکیم قطران

ہستند اہل فارس ہراساں زکار من — زانسان کہ اہل کرماں ترسان ودزد کوچ

کہ نہ تو میرا مال دلا دیا نہ اسکا معاوضہ ادا کیا۔ سلطان نے کہا مجھے خبر نہیں ہے کہ دیر گچین[1] کہاں ہے
بڑھیا بولی کہ ایسے سلطان نے اسقدر ملک فتح کر لئے جنکے جغرافیہ سے تو واقف ہو سکے اور اسکا انتظام
کر سکے اس عاقلانہ جواب کو سلطان نے تسلیم کیا اور کہا کہ ہاں تو سچ کہتی ہے لیکن یہ بتا کہ ڈاکو
کس طرف سے آئے تھے؟ اور کون تھے؟ بڑھیا نے کہا کہ کوچ و بلوچ کے جو گروہ ہیں جو کرمان کے قریب
رہتے ہیں۔ یہ سنکر سلطان نے کہا کہ کرمان تو میری سرحد سے باہر اور میرے ملک سے بہت دور ہے
میں انکا کوئی انتظام نہیں کر سکتا ہوں

بڑھیا نے کہا ہائے افسوس!!! اسی برتے پر شہنشاہی کا دعویٰ ہے وہ بادشاہ کیا جو اپنی سلطنت
کا انتظام نہ کر سکے اور وہ چرواہا کیسا جو اپنی بکریوں کو بھیڑیے سے نہ بچا سکے۔ پس میرا سہارا اور
ضعف ہوا اور میرا فوج و لشکر رکھنا دونوں برابر ہیں۔ یہ جواب سنکر محمود آزردہ ہوا اور بڑھیا کو
اطمینان دلایا کہ میں ان ڈاکوؤں کا انتظام کرتا ہوں اور تیرا مال واپس دلاتا ہوں۔ بعد ازاں بڑھیا
کو بہت کچھ دے دلا کر رخصت کر دیا اور ابو علی الیاس امیر کرمان کو حسب ذیل نامہ لکھا

مجھے عراق آنے کی خواہش نہ تھی میں تو ہمیشہ سے ہندوستان کے جہاد میں مشغول تھا لیکن جب
میرے پاس متواتر عرضیاں بھیجیں کہ دیالمہ نے عراق میں غدر مچا رکھا ہے اور مسلمانوں کے گھر لوٹ
رہے ہیں اور طرح طرح کے ظلم کرتے ہیں علاوہ اسکے مذہبی معاملے میں بے اعتدالیاں کرتے
ہیں اور سال میں دو مرتبہ رعایا سے خراج وصول کیا جاتا ہے مجدالدولہ ایسے کو شاہنشاہ کہلاتا

[1] دیر گچین اصفہان کے درمیان ایک گاؤں کا نام ہے اور وہ مقام ہے جس جگہ بہرام گور کے واسطے اس کے اتالیق نعمان بن منذر نے مشہور و معروف محل تہ در تہ (سدیر) تعمیر کیا تھا لیکن اس کے بعد عوام نے اسکا نام دیر گچین رکھا۔ ملخصاً معجم البلدان اور تتمہ حالات بہرام گور

جاتا ہی۔ مذہب زنادقہ اور بواطنہ ہر شہر و نواح میں پھیل رہا ہی صانعِ مطلق کا انکار ہی۔ نماز روزہ
حج زکوٰۃ، سب کو بالائے طاق رکھدیا ہی۔ اسلیے مینے ہندوستان کے غزوات کو چھوڑ کر عراق
کا قصد کیا ہی۔ میری تلوار نے دیالمہ، زنادقہ، بواطنہ، کی بیخ کنی کر دی ہی۔ چنانچہ بہت سے قتل
ہو چکے ہیں، اکثر بھاگ گئے ہیں، بعض گرفتار ہیں۔ اور خراسان کی حکومت اُن بزرگوں کے سپرد کر دی
ہی جو اُنکے دشمن ہیں اور عراقیوں سے دفتر پاک کر دیا گیا ہی۔ اور مجھے خدا نے محض اس لیئے پیدا کیا ہی
کہ ملک کو مفسدوں سے پاک و صاف کر کے اچھے لوگوں سے دنیا کو آباد کروں۔ اور مجھے یہ بھی معلوم
ہوا ہی کہ مفسدان کوچ بلوچ نے رباط دیر گچین پر ڈاکہ ڈالا ہی۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ تم اُنکو گرفتار کرو
اور ڈکیتی کا مال برآمد کر کے قزاقوں کو پھانسی دیدو۔ یا ان سب کو گرفتار کر کے ہمارے حضور میں بمقام
رے بھیجدو تاکہ اُنکے حوصلے آیندہ کو پست ہو جائیں اور کرمان سے چلکر میرے ملک میں لوٹ مار
نہ کریں۔ اگر تم نے میرے حکم کی تعمیل نہ کی تو یاد رکھو کہ کرمان بمقابلہ سومنات بہت قریب ہی۔
ابو علی الیاس سلطان کا نامہ پڑھ کر خوف زدہ ہو گیا۔ اور قاصد کو بہت کچھ انعام دیا۔ اور اپنی عرضی
کے ہمراہ جواہرات خوشرنگ ظرائف دریا، اور سونے چاندی کی بدریاں بھی روانہ کیں۔ عرضی کا
مضمون یہ تھا" میں تو سلطان کا فرمانبردار غلام ہوں۔ مگر کرمان کی کیفیت اور میری حالت سلطان
کو معلوم نہیں ہی۔ میری طرف سے لٹیروں کو کسی قسم کا ایما نہیں ہی۔ اور کرمان کی رعایا سُنی المذہب
ہی۔ اور کوچ بلوچ کی پہاڑیاں کرمان سے علیحدہ ہیں اور اُسکا راستہ بھی پہاڑوں اور دریاؤں کے سبب
بہت دشوار گزار ہی۔ ان ڈاکوؤں سے میں بھی عاجز ہوں۔ کیونکہ عموماً چور اور مفسد ہیں اور انکی وجہ
سے چھ سو میل راستہ پُرخطر ہی۔ اور دن رات لوٹ مار کیا کرتے ہیں۔ چونکہ بڑا جتھا ہی میں تنہا مقابلہ کی

طاقت نہیں رکھتا ہوں اس کی تدبیر سوائے سلطان کے اور کوئی نہیں کر سکتا ہے میں ہر سال میں
ور سردار ہوں جو حکم ہو اُس کی تعمیل کروں'
سلطان نے وکیل کا جواب پڑھ کر سمجھ لیا کہ جو کچھ لکھا ہے وہ سچ ہے اور قاصد کو خلعت دیکر رخصت
کیا اور اسکے ہاتھ کہلا بھیجا کہ تم کرمان کی فوجوں کو اکٹھا کر کے اُنکو جابجا سرحد پر پھیلا دو اور قافلہ
پہنچنے کے واسطے کرمان کی سرحد پر پہنچ جاؤ اور جس طرف کوچ بلوچ ہوں اُسی جانب قیام کرو
جس وقت ہمارا قاصد مع فلاں لشکر کے تم سے ملے اُسی وقت کوچ کر دینا اور اُن پہاڑوں
میں گھسکر چھوٹے ٹڑوں کو قتل کرنا، اور عورتوں اور لونڈیوں سے جسقدر مال ملسکے وہ سب فراہم
کر کے تحقیق کرنا کہ اُنکے مالکوں کو دیدیا جائے" غرضکہ جب قاصد چلا گیا تو سلطان نے منادی
کرائی کہ جو سوداگر یزد اور کرمان کو جانا چاہتے ہیں وہ سامان سفر درست کریں اور میں اُنکے
ہمراہ مدد روانہ کروں گا اور یہ بھی اقرار کرتا ہوں کہ جسکا مال کوچ بلوچ غارت کرینگے اُسکا تاوان
خزانہ شاہی سے دیدیا جائیگا' منادی کے ہوتے ہی تمام شہر کے بہت سے سوداگر جمع ہوگئے
اور سلطان نے وقت معین پر قافلہ روانہ کرا دیا اور ایک سردار کو مع ڈیڑھ سو سواروں کے بطور
مدد کے روانہ کر کے سمجھا دیا کہ میں تمہارے پیچھے فوج روانہ کرتا ہوں مطمئن رہنا اور رخصت کے
وقت ایک سیستانی رہبر قافلہ کا اُس سردار کے سپرد کر دیا اور یہ ہدایت کی کہ جب تمہارا قافلہ صحرا
پہنچ جائے تو وہاں ٹھہر جانا اور پچاس جڑ اسپ اصفہانی خرید کر کے اپنے ہمراہ رکھ لینا
جب دیکھا کہ کوچ بلوچ کی سرحد قریب آگئی ہے اور صرف ایک رات کی منزل باقی ہے اسوقت کسی
سرائے کے کمروں میں سوراخ کر کے رہبر کو بیت کر دیا اور جس وقت دشمنوں پر سبقت ہو

انکو چھوڑ دیا کہ وہ تمام قافلہ میں بھیلجاًمیں اور خورجیوں میں سیب اس انداز سے رکھنا کہ سب کو
نظر آئیں۔ جب بلوچستیوں سے سامنا ہو تو لڑائی کو ٹال دینا کیونکہ ان کی تعداد زیادہ ہوگی۔ اور
جو سپاہی مسلح ہوں وہ قصداً ڈیڑھ میل پیچھے رہیں مجھے یقین ہو کہ بڑا حصّہ انکا سیب کھاتے ہی ہلاک
ہو جائیگا۔ تھوڑی دیر کے بعد تلوار سے دشمن کا مقابلہ کرنا۔ اور یہ انگوٹھی دیتا ہوں بوعلی کے پاس
بذریعہ خاص سوار کے بھیجدینا۔ اور جہاں تم ٹھہرنا وہاں بوعلی کو بلانا۔ وہ مع فوج پہنچیگا۔"
میر قافلے نے عرض کیا کہ "میرا دل گواہی دیتا ہو کہ سلطان کی یہ حکمت عملی کارگر ہوگی اور ملک
ان لٹیروں سے پاک ہو جائیگا۔" اور قافلے کا کوچ کر دیا۔ اصفہان پہنچکر سیب خریدے گئے پھر
قافلہ یہاں سے کرمان چلا گیا۔ قافلے کی آمد سُنکر بلوچی بھی اول سے تیار بیٹھے تھے۔ اور چونکہ
قافلہ نہایت عظیم الشان تھا۔ یہ لوگ بھی چار ہزار مسلح جوانوں سے مقابلے کو طیار ہوئے۔ جب جیرہ
گھاٹی پندرہ میل رہ گئی اُسوقت لوگوں نے میر قافلے کو اطلاع دی کہ بلوچی جرگے آپ کے منتظر بیٹھے
ہیں۔ سوداگر یہ خبر دحشت اثر سُنکر ڈر گئے۔ مگر میر قافلے نے اُنکو اطمینان دلایا اور کہا تمھارے نزدیک
جان بہتر ہی یا مال۔ سب نے کہا کہ جان کے مقابلے میں مال کیا مال ہی۔ میر قافلے نے کہا کہ میں
تمھارے مال پر اپنی جان فدا کرنیکو موجود ہوں اور جبکہ سلطان کی جانب سے تمکو مال کا پورا معاوضہ
ملیگا تو اب تردد کس بات کا ہی۔ خدانخواستہ سلطان کو تمسے یا مجھ سے عداوت نہیں ہی کہ وہ ہمکو معرض
ہلاکت میں ڈالتا۔ تم مطمئن رہو علی الصباح دیکھنا کہ کیا ہوتا ہی۔ اور انشاء اللہ ہم ہی کامیاب ہوں گے
لیکن تم سب میرے کہنے پر عمل کرنا۔" چنانچہ میر قافلے نے سب کو اپنی کارروائیوں سے مطلع کر دیا
اور شب کے وقت تمام سیب زہر آلود کرا دیئے۔ اور ساربانوں کو ہدایت کر دی کہ جب قزاق قافلے میں

گھس پڑیں اور میں بھاگنے کا قصد کروں۔ اسوقت تم سب میں ریشپیکر سا اور خود بھی بھاگ جاتا"
غرضکہ میرجاسے نے انتظام کرکے آدھی رات کو کوچ کردیا سورج نکلنے پر لشکروں نے میں طرف سے
حملہ کیا میرجاسے نے خاصی طور پر دو میں تیر چلائے اور آخر کو مقابلے سے گریز کیا اور خود بھی ڈیرہ
میل کی مسافت پر ری موتی بھی اس سے جا ملا اور سب ساتھیوں کو جمع کرکے مقابلے پر آیا۔ دکیا
دمرواقوں نے میدان صاف دیکھکر اطمینان سے سب کھایا اور کٹھریاں کھولکر دیکھا سر ہی کیا لگا
جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے انکو بھی انھوں نے سب ہضم کئے غرضکہ سبھوں نے سب کھائے مگر
ایک گھنٹہ گزرا تھا کہ سب غش کھا کر گرنے لگے سب بدست سلطان جب میرجاسے نے ان کو
جاکر دیکھا تو اکثر کو مردہ پایا اور چونکہ امیر ابوعلی السامی کی بھی فوج بھیج گئی تھی لہذا اعتبار دس ہزار
لوگ قتل ہوئے اور سب اسباب غنیمت ہاتھ لگا امیر ابوعلی نے اسباب سلطان کیخدمت میں
بھیجدیا اور سلطان نے منادی کرادی جسکے تمام ملک سے لوگ آتے تھے اور اپنا مال پہچان کر
خوشی خوشی لیجاتے تھے

اسکے بعد سلطان نے برید نویسوں کو مقرر کردیا تمام ملک سے ہر قسم کی خبریں پہنچتی تھیں اور سلطان
اسکی تدارک کرتا تھا

برید قدیم سے ملکی خبر رسانی بادشاہوں کے یہاں قائم تھا لیکن سلجوقیوں نے اس طرف توجہ
نہیں کی جس کی تصدیق ذیل کے واقعہ سے ہوتی ہے

سلطان شہید الپ ارسلان سے ایک دن ابوالفضل سکری نے پوچھا کہ حضور نے برید نویسوں
کو کیوں نہیں مقرر کیا؟

فرمایا تم چاہتے ہو کہ میرا ملک برباد ہو جائے اور میرے خیرخواہ مجھ سے چھوٹ جائیں؟ ابوالفضل نے کہا کہ یہ کیونکر ممکن ہی۔ کہا سنو جب میں انکو مقرر کرونگا تو جو میرے دوست ہیں وہ بہ سبب اتحاد اور سچی محبت کے اُن کی کچھ بھی پروا نکرینگے اور جو حقیقت میں دشمن ہیں وہ اس گروہ سے دوستی پیدا کر لینگے۔ جسکا یہ نتیجہ ہوگا کہ وقائع نگار ہمیشہ دوستوں کے مخالف اور دشمنوں کے موافق خبریں سنائینگے۔ اور خبریں خواہ اچھی ہوں، یا بُری، میں دونوں کو مثل تیر کے سمجھتا ہوں، کیونکہ جب متواتر تیر اندازی کیجائیگی تو اخیر میں کوئی نہ کوئی تیر نشانہ پر لگ ہی جائیگا یعنی دوستوں کیطرف سے دل میں کدورت اور دشمنوں کی جانب سے محبت بڑھتی جائیگی اور آخر کو یہ نوبت پہنچیگی کہ جو دوست ہیں وہ دل سے دور ہو جائینگے اور بجائے انکے دشمن قریب پہنچ جائینگے"۔

(رائے نظام الملک) لیکن میری رائے میں اس گروہ کا رکھنا اصول سلطنت میں داخل ہی البتہ یہ ضرور ہو کہ لوگ اعتبار کے ہوں"۔ (فصل دہم سیاست نامہ)

(۱۴) محکمہ جاسوسی[1]

بادشاہ کو چاہیے کہ تمام اطراف سلطنت میں سوداگروں، سیاحوں، صوفیوں، دوافروشوں

---

[1] دفعہ گیارہ میں جو کچھ خواجہ نظام الملک نے لکھا ہی یہ اُسکا ایک ضمیمہ ہی۔ جاسوسی کا محکمہ آج بھی تمام مہذب ممالک میں ہی۔ اور اُسکی کارروائیاں نہایت حیرت انگیز ہوتی ہیں چنانچہ دولت عثمانیہ میں بھی اس صیغہ کی کارروائی اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہی اور ہماری گورمنٹ کی طرف سے ہندوستان میں بھی یہ محکمہ ہی۔ مگر یورپ کے مقابلے میں ابھی ابتدائی حالت میں ہی۔ اور ہندوستانی ریاستوں میں سرکار نظام خلد اللہ ملکہ کی اہلکار نہایت اعلیٰ درجہ کی ہیں گزشتہ دربار دہلی منعقدہ ۱۹۰۳ء میں اس محکمے نے قابل تعریف کام کیے ہیں۔ عربی تاریخوں میں یہ محکمہ برید اور صاحب البرید کے نام سے موسوم ہی اور جس کے ذمہ ڈاک کا بھی انتظام تھا۔

تب کہیں ارباب فساد سے دنیا پاک ہوتی ہے۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ بادشاہ کی مستقل رائے خواہ وہ کیسی ہی غلط ہو

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۶۲۔ اور اپنے باپ کا نام بتا کر کہا کہ آپ جانتے ہیں وہ کیسا امیر اور کس رتبہ کا شخص تھا؟ جب وہ انتقال کر گیا تو چند سال تک میں عیش و طرب کے جلسوں میں پڑا رہا۔ اور اسی زمانے میں ایک مہلک عارضہ میں مبتلا ہو گیا۔ چونکہ امید زیست منقطع ہو چکی تھی۔ لہذا میں نے منت مانی کہ اگر خدا نے مجھے تندرست کر دیا تو حج ادا کروں گا۔ آخر خدا نے مجھے اچھا کر دیا۔ بعد غسل صحت میں نے زیارت خانہ کعبہ کے واسطے سامان سفر درست کیا۔ اور چونکہ شوق جہاد بھی دامنگیر تھا اسلیے لونڈی غلاموں کو بھی (ایک ایک مکان مع دیگر سامان کے دیکر) آزاد کر دیا۔ اور بقیہ اسباب فروخت کر کے پچاس ہزار دینار نقد کر لیے۔ پھر خیال آیا کہ سفر پُرخطر ہے اسقدر نقدی ہمراہ لیجانا مصلحت کے خلاف ہے لہذا یہ فیصلہ کیا کہ تیس ہزار دینار کافی ہیں بقیہ چھوڑ جانا چاہیے۔ غرضکہ میں نے تانبے کے دو کلسے خریدے اور دس دس ہزار دینار ان دونوں میں رکھ دیے اور اس امانت کے لیے میں نے قاضی القضاۃ کو انتخاب کیا۔ کیونکہ بادشاہ کی طرف سے وہ مسلمانوں کی جان و مال کا مالک تھا اسلیے اس کی جانب خیانت کا شبہ تک نہیں ہوا۔ اور زر امانت قاضی صاحب کے سپرد کر کے میں حج کو روانہ ہو گیا حج کے بعد مدینہ منورہ کی زیارت کی پھر روم کو چلا گیا۔ وہاں مذہبی لڑائی میں چند سال تک لڑتا رہا آخر ایک لڑائی میں زخمی ہو کر گرفتار ہو گیا۔ دو چار برس تک روم میں قید رہا لیکن قیصر کے غسل صحت میں جب قیدی رہا ہوئے اُن میں میں بھی چھوٹ گیا مرسکہ۔ کئی برس کے بعد بحالت تباہ قاضی صاحب کی حضوری نصیب ہوئی دو دن تک قاضی صاحب نے میری طرف کچھ التفات نہ کیا۔ تیسرے دن جب مجمع کم ہو گیا تو میں قاضی صاحب کے بہت ہی پاس جا بیٹھا اور اپنی سرگذشت جو ہی کہنے لگا جب میں اپنا سفرنامہ بیان کر چکا اور زر امانت طلب کیا اسوقت قاضی صاحب بغیر جواب دیے حجرے میں اُٹھ کر چلے گئے اور میں غمزدہ چلا آیا۔ چونکہ میری حالت سقیم تھی لہذا نہ تو میں اپنے گھر جا سکا اور نہ کسی دوست عزیز کے گھر جانے کی جرأت ہوئی۔ اور میری حالت یہ تھی کہ رات کو کسی مسجد میں اور دن کو کسی گوشے میں چھپکر پڑا رہتا تھا۔ قصہ مختصر یہ کہ دو تین بار قاضی صاحب سے عرض کیا۔ مگر جب کچھ جواب نہ ملا۔ تب ناچار ہو کر ساتویں دن میں نے سختی کی۔ جواب میں ارشاد ہوا کہ تیرا مغز چل گیا ہے۔ اور مالیخولیا ہو گیا ہے۔ صعوبت سفر سے دماغ میں خشکی آگئی ہے اسلیے ہذیان کا مادہ ہیجان میں آگیا ہے۔ نہ میں تجھے پہچانتا ہوں اور نہ اس معاملے کی خبر ہے۔ ہاں جس شخص کا تو نام لیتا ہے اُس سے واقف ہوں مگر وہ تو ایک خوبصورت نوجوان تھا" اور عمدہ کپڑے پہنا کرتا تھا۔ میں نے کہا جناب عالی میں وہی بدنصیب شخص ہوں۔ البتہ زخموں نے میری صورت

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۴ - چنانچہ دوسو دینار سفر خرچ اور پانچ جوڑے کپڑے دیکر مسافر کو رخصت کر دیا۔ اور قاضی سے حسن ظن کی فکریں کرنے لگا۔ لیکن مشورہ یہ تھا کہ ملک میں بدنامی ہو کیونکہ قاضی علاوہ دیرینہ سال ہونے کے صاحب نسل و کمال بھی تھا اگر شاہی اختیارات برتے جاتے تو تمام ملک میں یہ واقعہ مشہور ہو جاتا اس لیے عضدالدولہ نے حکمت عملی سے کام لیا۔ یعنی ایک دن دوپہر کو قاضی صاحب کو طلب کیا اور خلوت میں ملا کر حسب ذیل گفتگو شروع کی۔

عضدالدولہ قاضی صاحب آپ کو معلوم ہوا کہ میں نے کیوں آپ کو تکلیف دی۔ ؟

قاضی۔ اسکا علم تو بادشاہ ہی کو ہے

عضدالدولہ۔ مجھے ان دنوں طرح طرح کی فکریں رہتی ہیں جس کی وجہ سے رات کی نیندیں اُچاٹ ہو گئی ہیں۔ دنیا اور اُسکی سلطنت ہیچ نظر آتی ہے حیات مستعار کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ اب اس سے چھٹکارا دو ہی طرح ہو سکتا ہے۔ یا تو کوئی غنیم ملک پر حملہ کرے اور ہم سے ملک چھین لے جس طرح ہم نے اوروں سے چھین لیا ہے۔ یا موت آ جائے اور وہ ہاتھ دو بامراد اُٹھا لے تاکہ قصہ تمام ہو اس پچھلی صورت سے کسی کو مفر نہیں ہے۔ اگر میں نے اس قلیل زندگی میں لوگوں سے اچھا برتاؤ کر دیگا تو لوگ مجھے کلمۂ خیر سے یاد کرینگے اور عذاب قیامت سے بچکر داخل جنت ہو جاؤنگا اور اگر بدی کرونگا تو سوائے دوزخ کے اور کہاں ٹھکانا ہے اسلیئے جہانتک ہو سکے مجھے نیکی کرنا چاہیئے۔ مگر جس خیر میں مجھے آپ کے مشورے کی حاجت ہے وہ شہزادوں اور شہزادیوں کا معاملہ ہے۔ لڑکوں کا چنداں خیال نہیں ہے وہ تو پرندوں کی مثال ہیں کہ ایک ملک سے دوسرے ملک تک جا سکتے ہیں۔ مگر لڑکیوں کی خرابی ہے اور اُنکو پورا ترکہ بھی نہیں ملسکتا ہے۔ اسلیئے میں اپنی حیات میں اُنکے لیے کچھ بندوبست کرنا چاہتا ہوں اور جہانتک میں نے غور کیا ہے آپ جیسا پارسا متقی متدین، ملنا دشوار ہے۔ لہذا علاوہ جواہرات کے دو ہزار دینار نقد آپ کے سپرد کرتا ہوں مگر اس واقعہ سے سوائے علام الغیوب کے اور غیر واقف نہو۔ اور اگر وہ زمانہ آ جائے جسکا مجھے خدشہ ہے اور لڑکیوں پر مصیبت پڑے تو آپ انھیں اپنے گھر ملا کر عقد کریں اور یہ مال اُنکو تقسیم کر دیں کہ کسی دوسرے کی دست نگر ہوں اور اس کی تدبیر یہ ہے کہ آپ ایک وسیع تہخانہ بنوائیں تاکہ میں جتنے جواہر وہاں خزانہ رکھوا دوں اور اس غرض کے لیے اول دوسو دینار معزی دیئے جاتے ہیں۔

قاضی۔ میں تو حضور کا غلام ہوں۔ جہانتک ہو سکیگا یہ خدمت انجام دونگا۔ اور تیاری سردابہ کے لیے حضور سے کسی عطیہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کام کو میں اپنے صرفہ سے کر سکتا ہوں۔

(۱۵) تقرری ہرکارہ وانتظام کبوتران نامہ بر

مشہور مقامات پر ہرکارے[۵۲] رکھا چاہیئے۔ اور اُنکی تنخواہیں مقرر کیجائیں تاکہ دن رات میں ڈیڑھ سو[۵۳] میل کی خبریں پہنچ جایا کریں۔ اور ملک کا کوئی نیا واقعہ پوشیدہ نہ رہے۔"

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۹۶۔ آفتابے موجود ہیں۔ لو اور جا ہو کرو۔ نوجوان سے مزدوروں کے سر پر آفتابے رکھوا دیئے اور دولت پر حاضر ہو گیا۔ جب عضدالدولہ نے نوجوان کو دیکھا کہ وہ مع آفتابوں کے حاضر ہے اور قاضی کی خیانت ثابت ہو چکی ہے تب قاضی کا مال و اسباب ضبط کر لیا گیا۔ مگر بڑھاپے کی وجہ سے اور کوئی سزا نہیں دی البتہ اپنے عہدے سے برطرف کر دیا گیا۔"

عضدالدولہ فنا خسرو شاہنشاہ بن بویہ، دولت بنی بویہ میں سب سے بڑا بادشاہ تھا۔ یہ ۳۳۸ھ؁ ۹۴۹ء میں تخت نشیں ہوا۔ اور ۳۷۲ھ؁ ۹۸۳ء میں فوت ہو گیا۔ مستقل سوانح عمری لکھے کے لائق ہے۔

[۵۲] عربی تاریخوں میں ہرکارے کا نام "سعادۃ" ہے اور اس طریقہ ڈاک کا موجد سلطان معزالدولہ ہے۔

[۵۳] افسوس ہے کہ خواجہ نظام الملک نے اپنے رسالہ میں محکمہ ڈاک کا پورا انتظام نہیں لکھا ہے بلکہ اُسکے ایک جزو پر نظر ڈالی ہے حالانکہ ۱۶۶ھ؁ ۷۸۲ء میں خلیفہ مہدی عباسی نے سب سے پہلے باضابطہ یہ محکمہ جاری کیا۔ اور خلفائے بنو امیہ کے عہد میں اپنے عروج پر پہنچا۔ چنانچہ محکمہ ڈاک کا نام دیوان البرید تھا اور ناظم اعلیٰ (پوسٹ ماسٹر جنرل) صاحب البرید کہلاتا تھا جس کی مصنف تاج الاول نے یہ تعریف لکھی ہے۔ "البرید ما ہا و لا یۃ جلیلۃ خطیرۃ ومقلدہا یحتاج الی جماعۃ کثیرۃ والی المواد الغزیرۃ والتوسعۃ علیہ" یعنی یہ عظیم الشان خدمت ہے اور اس افسر کے متعلق ایک بڑا عملہ رہتا ہے۔ چنانچہ زمانہ موجودہ میں جس وسیع پیمانہ پر یہ محکمہ ہے اس سے کسیقدر عہد قدیم کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ صاحب البرید کے فرائض میں شاہی ڈاک کے اہتمام کے علاوہ اور کام بھی سپرد تھے مثلاً شہر کے اہم واقعات سے روزانہ خلیفہ کو اطلاع دینا، اور میعاد معینہ پر وزارت عظمیٰ، اور عمال اور والیان ملک کے چال چلن اور خاص خاص حالات کی اطلاع کرنا، دار الضرب (ٹکسال) کا معائنہ اور موجودات نقدی کی پڑتال کرنا

لیبیہ نوٹ نمبر ۲ صفحہ ۲۶۰ فوج کا سارا لشکر اور عسکر تنخواہ کے سب موجود ہوتا ایک کے حالات معلوم کر کے
خلیفہ سے اطلاع کرتا۔

اگرچہ ناظم ڈاک سامنے سے گزرے اور العص بہت ہی لیکن عجمی انگریز کے معاملات میں اردو میں اس تحریک کے دیکھنے
سے معلوم ہو جاتے ہیں (یورپ کے نصرانی نگاروں نے غلط غلط الزامات لگائے ہیں۔)

شاہی ڈاک کے ہمراہ عام لوگوں کے خطوط اور ہر قسم کی مراسلت ہوا کرتی تھیں مگر کسی قسم کا محصول لیا جاتا تھا
نہیں۔ ایک مقام سے دوسرے مقام تک پیک (ہرکارہ) ڈاک پہنچاتا تھا اور بعض مقامات کی ڈاک گھوڑوں
پر اونٹ پر جاتی تھی۔ چنانچہ ملک فارس میں گھوڑوں اور حجاز میں خچروں اور شام میں اونٹوں پر ڈاک
جاتی تھی۔ اور ان جانوروں کے گلے میں زنگر (گھنٹی) لٹکا دی جاتی تھی جس کی آواز سے معلوم ہوتا تھا کہ ڈاک
آرہی ہے اور اس آواز کا نام صلصلۃ الجرس ہے اب صرف گھنٹی کہا جاتا ہے۔ اور ہر چوکی پر گھوڑے جانور رہتے تھے
چنانچہ صوبے کے والی (گورنر) اور اعلیٰ عہدہ دار ڈاک گاڑیوں کے ذریعہ سے ایک مقام سے دوسرے مقام تک سفر کیا کرتے
تھے۔ اور کبھی کبھی فوج کو بھی مدد دیا جاتا ڈاک کے ذریعہ سے (اصل فوج کے) ہر انتظام کے لیے روانہ کیا جاتا
تھا تمام ممالک محروسہ میں کس قدر خرچ اس محکمہ کا تھا اس کی تفصیل نہیں معلوم ہو سکی لیکن عہد امیہ میں صرف
صوبہ عراق میں علاوہ ڈاک خانہ، محرراروں جانوروں، اور ان کی خوراک میں ایک لاکھ چون ہزار دینار (۲½ لاکھ
قریباً ملکاں ۰ لاکھ روپیہ سکہ انگریزی) کا خرچ تھا اور ۹۳۰ چوکیاں قائم تھیں اور ہمارا خاص عہد عباسیہ
کے وقت میں محض عملہ کا خرچ چار لاکھ درہم (ایک لاکھ روپیہ تھا) تھا جس سے ناظرین ایک صوبے کے خرچ سے تمام
محکمہ کے خرچ کا اندازہ کر سکتے ہیں

عملہ کی تقرری، معزولی، اور تقسیم تنخواہ ناظم کے ذمہ تھی اور اہم معاملات کے کاغذات ناظم خلیفہ کے روبرو
پیش کرتا تھا اور وہاں سے حکم ہوتا تھا اور ایک صحیح فہرست (کوسٹل گائڈ) تمام مقامات کے ڈاکخانوں میں
موجود رہتی تھی جس میں ایک مقام سے دوسرے مقام کا فاصلہ بھی تحریر ہوتا تھا لیکن زمانہ کا ہی ڈاکی
میں بھی اس کی تعدد کی گئی ہے مگر فاصلہ تحریر نہیں ہے یہ لکھا ہے کہ ایک ڈاک خانے کے متعلق کس قدر مواضعات
ہیں (نقص ہے کہ بعض جلد درج کیا جائیگا)

جہاں سے جہاں تک ڈاک کا سلسلہ تھا ان تمام رستوں کی حفاظت بھی ناظم کے سپرد تھی اور تمام علاقے کے
اندرونی حالات سے اکثر بھی خبر رکھا کرتے تھے کہ وہ زیر اطاعت ہیں یا آمادہ بغاوت ہیں، خلفائے عباسیہ

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۶۸ - ہرون الرشید، معتصم باللہ، المتوکل
دوسرا ذریعہ خاص شاہی ڈاک کی روانگی کا نامہ برکبوتر دریہ نشہ میں چور ہو رہا تھا۔ سلطان نے
اگر جوا ... معمولی بات خیال کرکے صرف عنوان قائم کریں آرام کرو۔ نماز ظہر کے بعد چلے جانا
لیے چند سطریں بطور تاریخی واقعہ کے لکھی جاتی ہیں کل سے دیکھ لیگا تو وہ حد جاری کریگا، اور
مورخوں نے لکھا ہے کہ کبوتروں سے خبر رسا
ت ہے کہ جب خلیفہ المعتصم باللہ ... بڑا صدمہ ہوگا۔ لیکن میں شرع کے حکم میں دم نہ مارونگا
ئی ہے تو بعد دیں ... ہزار فوج پر افسری کرتا تھا۔ اور خود بھی ایک منچلا بہادر تھا۔ ہزار پہلوانوں
چنانچہ اس واقعہ کے تو تھی۔ اسکے خیال میں نہ آیا کہ محتسب کون ہے اور کیا کرسکتا ہے؟ اور سپاہیانہ
ورالدین محمود بن
ک بیس گھ ... تو بغیر گھر جائے نہیں رہ سکتا ہوں اور آخر کو اپنے جلوس کے ساتھ نکل کھڑا
لک ... نے دیکھا کہ سو سواروں کے جھرمٹ میں سپہ سالار صاحب مست جا رہے ہیں،
اسی وقت حکم دیا کہ اسکو گھوڑے پر سے اتار لو۔ اور اسکے بعد خود گھوڑے سے اتر کر اپنے
سے دُرّے لگائے اور وہ بھی اس سختی سے کہ زمین پر مونھ کے بل گر گر پڑتا تھا ازدلی کی
سوار و پیادے کھڑے مونھ تکتے تھے اور دم نہ مار سکتے تھے۔ چونکہ یہ محتسب سلطان کا خادم

سلہ علاوہ امور مندرجہ بالا کے محتسب کو ان امور کی نگرانی کرنی پڑتی تھی۔ بازار یا مجمع میں کوئی امر خلاف شریعت ہونے نپائے۔ جانوروں پر اُن کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ لادا جائے۔ کشتی میں زیادہ آدمی سوار نہ ہونے پائیں۔ جہاز اور مزدور پر مقدار مقررہ سے زیادہ وزن نہو۔ راستہ یا سڑک پر جو مکانات مخدوش ہوں اُنکو مالکوں سے گروا دے۔ جو معلم لڑکوں پر زیادہ سختی کرتے ہوں اُنکو سزا دے۔ نان بائیوں کی دوکان کی پکی ہوئی روٹیاں بھی وزن کراکے دیکھتے تھے۔ اور گوشت کا نرخ روزانہ درج کتاب کیا جاتا تھا۔ نائب محتسب مع سپاہی پیادوں کے دن رات بازاروں اور گلیوں میں گشت کرتا رہتا تھا۔ اب محتسب کی اکثر خدمات ناظم مجلس بلدیہ (میونسپل بورڈ کے سکرٹری) انجام دیتے ہیں۔ سلطنت اندلس میں اسی عہدہ کا نام خطۃ الاحتساب تھا۔ اور دراصل یہ عہدہ بھی عہدہ قضا کی شاخ ہے۔ محتسب کا اجلاس روزانہ جامع مسجد میں ہوا کرتا تھا۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۶۸ - ہرون الرشید، معتصم باللہ، المتوکل، المعتضد کو محکمۂ ڈاک پر خاص توجہ تھی۔

دوسرا ذریعہ خاص شاہی ڈاک کی روانگی کا نامہ بر کبوتر تھے۔ اور ملکشاہ کے عہد میں بھی انسے کام لیا، ہم نے
اگرچہ اسے معمولی بات خیال کر کے صرف عنوان قائم کر دیا ہے، اور تفصیل نہیں لکھی ہے۔ لہذا ناظرین کی اطلاع کے
لیے چند سطریں بطور تاریخی واقعہ کے لکھی جاتی ہیں۔ کہ نامہ بر کبوتر کس قسم کے ہوتے تھے۔ اور کیا کام کرتے تھے
مورخوں نے لکھا ہے کہ کبوتروں سے خبر رسانی کا کام اول یونان اور روم نے لیا ہے لیکن مسعودی کی روایت
بات ہے کہ جب خلیفہ المعتصم باللہ ابو اسحٰق محمد بن الرشید [illegible] نے بابک کو [illegible]
بانی ہے تو بغداد میں سب سے پہلے یہ خبر کبوتر لایا تھا۔

چنانچہ اس واقعہ کے بعد جو خلفا ہوئے انھوں نے اسپر خاص توجہ کی، [illegible] سکتا ہے اور سپاہیا
نورالدین محمود بن زنگی نے توجہ کی جسکی تفصیل یہ ہے کہ نورالدین کی حکومت
تک پھیل گئی [illegible] شام کے سرحد گاہ جو بحر روم کے مشرقی [illegible] جلوس کے ساتھ نکل کھڑا
[illegible] نے دیکھا کہ سو سواروں کے جھرمٹ میں سپہ سالار صاحب بہت جا رہے ہیں،
اسی وقت حکم دیا کہ اسکو گھوڑے پر سے اتار لو۔ اور اسکے بعد خود گھوڑے سے اتر کر اپنے
[illegible] سے درے لگائے اور وہ بھی اس سختی سے کہ زمین پر موہنہ کے بل گر گر پڑتا تھا اور دلی کے
سوار و پیادے کھڑے موہنہ تکتے تھے اور دم نہ مار سکتے تھے۔ چونکہ یہ محتسب سلطان کا خادم اور

سلہ علاوہ امور مندرجۂ بالا کے محتسب کو ان امور کی نگرانی کرنی پڑتی تھی۔ بازار یا مجمع میں کوئی امر خلاف
شریعت نہونے پائے۔ جانوروں پر اُن کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ لادا جائے۔ کشتی میں زیادہ آدمی سوار
نہ ہونے پائیں۔ جہاز اور مزدور پر مقدار مقررہ سے زیادہ وزن نہو۔ راستہ یا سڑک پر جو مکانات مخدوش ہوں
انکو مالکوں سے گروا دے۔ جو معلم لڑکوں پر زیادہ سختی کرتے ہوں اُنکو سزا دے۔ نان بائیوں کی دوکان
کی پکی ہوئی روٹیاں بھی وزن کراکے دیکھتے تھے۔ اور گوشت کا نرخ روزانہ درج کتاب کیا جاتا تھا۔ نائب
محتسب مع سپاہی پیادوں کے دن رات بازاروں اور گلیوں میں گشت کرتا رہتا تھا۔ اب محتسب کی اکثر
خدمات ناظم مجلس بلدیہ (میونسپل بورڈ کے سکرٹری) انجام دیتے ہیں سلطنت اندلس میں اسی عہدہ کا نام خطۃ الاحتساب
تھا۔ اور دراصل یہ عہدہ بھی عہدہ قضا کی شاخ ہے۔ محتسب کا اجلاس روزانہ جامع مسجد میں ہوا کرتا تھا۔

عموماً خبر کے اول بسم اللہ نہیں لکھتے تھے اور آخر میں دن اور وقت کے سوا سنہ بھی نہیں لکھتے تھے۔ مخاطب کی نسبت تعریف اور القاب کے لمبے چوڑے الفاظ نہیں لکھے جاتے تھے صرف واقع کو مختصر الفاظ میں لکھتے تھے اور عبارت حشو و زوائد سے بالکل پاک ہوتی تھی۔ عبارت کے آخر میں بطور تفاول کے یہ الفاظ لکھے جاتے تھے "حسبنا و نعم الوکیل" اگر دو کبوتر ایک ساتھ چھوڑے جاتے تھے تو ایک کبوتر کا حال دوسرے کے کاغذ میں درج کرتے تھے تاکہ اگر اُن میں سے کوئی کبوتر وقت پر نہ پہنچے تو اُسکے آنے کا انتظار کیا جاوے۔

قاضی محی الدین بن عبدالظاہر۔ قاضی فاضل اور عماد کاتب سے جو فن انشا کے امام خیال کیے گئے۔ نامہ بر کبوتروں کی تعریف اور اُنکے حالات میں قلم کا زور دکھایا اور رنگین مسجع طرز کی نہایت فصیح و بلیغ نثر میں لکھی ہیں۔ قاضی فاضل نے نامہ بر کبوتروں کو ملائکۃ الملوک۔ انبیاء الطیر۔ خطباء الطیر۔ وغیرہ کے القاب سے ملقب کیا ہی جو اُنکے لیے بہت موزوں ہیں۔ ابو محمد احمد بن علوی بن ابی عقبال قیروانی نے متعدد نظمیں ان کبوتروں کے حالات پر لکھی ہیں جسکا ایک مختصر نمونہ یہ ہی۔

خصر تفرق الریح فی طیرانها	یا بعد بین غدوها و رواحها
تاتی باخبار الغداۃ عشیۃ	لمسیر شهر تحت ریش جناحها
وکانما الروح الامین بوحیه	نفث الهدایة منه فی اراحها

کبوتروں کی ڈاک مصر و شام میں نورالدین زنگی کے وقت سے حاکم بامراللہ کے زمانہ تک جو مصر میں خلفائے عباسیہ کی یادگار تھا برابر دو سو برس تک جاری رہی ہی۔ ابن فضل اللہ دمشقی جو اس خلیفہ کے دربار میں تھا اور جس نے ۷۴۹ھ میں وفات پائی التعریف بالمصطلح الشریف میں لکھتا ہی کہ میرے زمانے میں مصر کے جنوب اور ملک نوبہ کی سرحد پر قوص۔ آسوان۔ عیذاب۔ تک جو کبوتروں کی ڈاک جاری تھی بند ہو گئی ہی۔ لیکن شام اور مصر میں اب بھی کبوتروں کی ڈاک کی بہت سی منزلیں آباد ہیں اور اُن میں ڈاک جاری ہی۔ اس کے بعد ابن فضل اللہ نے اپنے زمانے کی منزلیں گنوائی ہیں جسکو ضروری اور دلچسپ سمجھکر ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

کبوتروں کی ڈاک کی منزلیں

نام مقام	کیفیت
قاہرہ سے اسکندریہ تک۔	

نام مقام	کیفیت
دمشق سے قریتین	قریتین تدمر سے دو منزل کے فاصلے پر ہے
[illegible]ارا ۔ حمص	اگر حمص سے دمشق کو جائیں تو قارا پہلی منزل پڑتا ہے
[illegible]حمص ۔ حماہ	
[illegible]اہ ۔ معرہ	معرہ حلب کی نواح میں اُس سے پندرہ میل کے فاصلے پر ہے
[illegible]ہ ۔ حلب	
[illegible] ۔ بیرہ	بیرہ حلب کے قریب ایک قلعہ ہے
۔ قلعۃ المسلمین	
۔ کھسنی	کھسی ایک قلعہ ہے جو دریائے فرات کے مغربی کنارے پر سمیاط کے قریب واقع ہے
تدمر	
سحنہ	تدمر حلب سے ۵ دن کی راہ پر قدیم شہر ہے سحنہ تدمر کے قریب ہے
قباقب	سحنہ اور قباقب کے درمیان چند روز سے کبوتروں کی ڈاک بند ہو گئی ہے۔ اور
رحبہ	تدمر سے قباقب اور قباقب سے رحبہ کیطرف کبوتر اڑائے جاتے ہیں۔ (ابن فضل اللہ)

[illegible]نہیں کہ مصر و شام میں کبوتروں کی ڈاک ابن فضل اللہ کے زمانے تک جاری تھی اور اُس سے سلطنت کے
[illegible]امداد کی جاتی تھی لیکن نہیں معلوم ہوا کہ کب بند ہوئی اور اسوقت سے کبتک جاری رہی "

مسلمانوں نے بھی اپنے عہد سلطنت میں صدہا سال تک کبوتروں سے پیغام رسانی کا کام لیا ہے اور انتظام
[illegible]یں حُسن تدبیر کا کوئی دقیقہ نظر انداز نہیں کیا ہے۔ زمانہ موجودہ میں جرمنی اور فرانس وغیرہ کی سلطنت جو
[illegible]ابر کبوتروں سے میدان جنگ میں کام لیتے ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔

[illegible] دکتاب آثار الاول فی ترتیب الدول صفحہ ۱۰ معید النعم سبکی صفحہ ۱۴۔ مسعودی صفحہ ۹۹۔ حاشیہ کامل
[illegible]سن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ۔ صفحہ ۱۸۲ جلد دوم۔ انسائیکلوپیڈیا برطانیکا۔ اخبار صدق جدید
۱۵ جون ۱۹۱۳ء بحوالہ علی گڈھ گزٹ مضمون نوشتہ مولوی وحید الدین سلیم پانی پتی اڈیٹر معارف۔

فوج کے ساتھ بے تکلفی سے ربط ضبط نہیں کر سکتا ہے۔ اور اگر اس طرح پر سے ملے جُلے تو رُعب و داب میں فرق پڑجائیگا۔

جنکو سرکاری خدمتیں سپرد ہوں وہ مصاحب نہ بنائے جائیں۔ اور جو مصاحب ہیں وہ ملکی عہدوں پر نہ مقرر کیے جائیں۔ کیونکہ ایسے لوگوں سے رعایا کو بہت نقصان پہنچ جاتا ہے۔ عامل کی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۰۴) - اور ہرے بھرے میوہ دار درختوں کی قطاریں ہیں۔ صاف و شفاف پانی کی نہریں بھی جاری ہیں خوبصورت خوشرنگ چڑیاں بھی ادہر اُدہر چہچہاتی پھرتی ہیں اور ہزاروں طرح کی دلچسپیاں ہیں لیکن ہر گوشے میں شیر و پلنگ اور صحرائی درندے بھی اپنی تاک میں بیٹھے ہوے ہیں۔ ایسلیے مردہ دل اس منظر کو حسرت کی نگاہوں سے دیکھتے رہجاتے ہیں اور زندہ دل اپنی جوانمردی سے اس سرسبز اور سرسلک چوٹی تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور وہاں پہنچکر حظ نفسانی اُٹھاتے ہیں"۔ غرضکہ یہی مثال بادشاہ اور ندیم کی ہے۔ ایسلیے ندیم (اڈیکانگ) کا عہدہ نہایت، نازک اور خطرناک ہے کیونکہ بادشاہ خردسال بچوں کی طرح بگڑ جاتے ہیں۔ اور شیروں کی طرح غضبناک ہو جاتے ہیں جیسا کہ کسی حکیم کا قول ہے "من اراد صحبة الملوك فليدخل كالاعمىٰ وليخرج كالاخرس هو طريق السلامة"۔ یعنی بادشاہوں کے دربار میں حفظ جان کا صرف یہی طریقہ ہے کہ اندہوں کی طرح داخل ہو اور گونگوں کی طرح نکلے۔ نئے خواجہ نے ندیم کی خدمات کی صراحت کی ہے۔ اور کتب اخلاق و سیاست میں طول طویل ہدایتیں مصاحبوں کیواسطے تحریر ہیں مگر چونکہ مشرق اور مغرب کے بادشاہوں کے آداب میں اختلاف ہے۔ ایسلیے زیادہ لکھنے کی حاجت نہیں ہے البتہ ندیم میں اوصاف ذیل کا ہونا ضروری ہے اور یہ وہ صفات ہیں جو مشرق اور مغرب میں مشترک ہیں۔

(۱) خاندان اور شرافت کے لحاظ سے معزز ہو، دینداری اور پارسائی کے ساتھ فہمیدہ اور سنجیدہ ہو۔

(۲) صحیح الاعضا ہو اور جسم میں اعتدال ہو۔ حُسن صورت کے ساتھ زندہ دلی کا بھی جوہر رکھتا ہو۔

(۳) خوش پوشاک، طیب الرائحہ۔ اور معائب سے پاک ہو، اور لباس اخلاق و ادب سے آراستہ ہو۔

(۴) رازدار ہو، غیبت سے متنفر ہو۔ اور اشاروں پر کام کرنے والا ہو۔

(۵) نحو، لغت، علم الاشعار، تاریخ، سیر، نوادرات، حکایات، ضرب الامثال اور لطائف کا ماہر ہو۔

ضرورت ہے کہ وہ ہمیشہ بادشاہ سے خائف رہے اور ندیم کو یہ زیبا ہے کہ وہ خوش طبع و طرار ہو جس کی
بذلہ سنجیوں سے بادشاہ کا دل بہلے مگر ایسی باتوں کے لیے بھی فرصت کا وقت چاہیے تاکہ
سلطنت کے ضروری کاموں میں حرج واقع ہو

مصاحبوں اور ندیموں کا رکھنا فائدے سے خالی نہیں ہے اول یہ کہ ندیم بادشاہ کا مونس و ہمراز
دوسرے یہ کہ وہ سب دن رات ہمراہ رہتے ہیں اسلئے حفاظت جان بھی کرسکتے ہیں تیسرے یہ کہ
اگر خدانخواستہ کوئی خطرہ پیش آئے تو وہ بادشاہ پر جان فدا کریں اور سپر کا کام دیں چوتھے
یہ کہ ندیموں سے ہر قسم کی گفتگو ہوسکتی ہے پانچویں یہ کہ مثل جاسوس کے بادشاہوں کے حال سے
خبردار رہتے ہیں چھٹے یہ کہ بحالت مستی و ہوشیاری ندیم سے بہت سی اچھی بُری باتیں کہی جاتی
ہیں جو مصلحت سے خالی نہیں ہوتی ہیں

ندیم کے لیے شرط ہے کہ وہ مرتب فاضل، خوش اخلاق، زندہ دل، رازدار، پاک مذہب، اور
واقف قصص و حکایات ہو نرد و شطرنج کا کھیل جانتا ہو، سلطنت کا بھی ماہر ہو اور اگر مرد میدان
ہو تو اور بھی بہتر ہے اور سب سے بڑی ضرورت ہے کہ بادشاہ کے مزاج کے موافق اور اُس کا
ہمخیال ہو ندیم کو معلوم رہنا چاہیے کہ بادشاہ کی ہر بات پر کہاں تک جواب کہیے اور کہاں
اور کیوں ہوا کیونکہ بسا اوقات ایسی باتوں سے بادشاہ ناراض ہو جاتا ہے

مجلس نشینی، طرب، سرود، شکار، اور چوگان بازی کے (پولو) تمام سامان مہیا کرنا ندیم کا فرض ہے
علاوہ بریں سیر و حضر جنگ و جدال، شادی بیاہ، اور دیگر ملکی معاملات میں بھی اگر وزراء
وغیرہ سے مشورہ کرنے کی ضرورت ہو تو ہمراز بعض بادشاہ اپنے مصاحبوں میں منجم اور

طبیب بھی رکھتے تھے تب سے یہ تجربہ کرنا مقصود تھا کہ دیکھیں وہ اپنا اپنا کیا کام کرتے ہیں

لے دربار سلطنت میں طبیب، ڈاکٹر، موصوف فن اور علمی شرافت کے لحاظ سے ایک ضروری عنصر ہیں گو شاہان متقدمین کے
دور و انعامات، ہجو، و مرثیات ہی کا ... گذشتہ کی تاریخ بتاتی ہے کہ بادشاہ اور شہنشاہ کے دربار میں سخت درگاہ
اطبا ہوتے تھے، شہادت کے واسطے مسلمان بادشاہوں میں صرف دربار بغداد اور اندلس کی تاریخ کافی ہے۔ ان دربار(وں)
میں ہندو، عیسائی، یہودی طبیب موجود تھے اور جو اخلاقی برتاؤ ان سے کیا جاتا تھا آج اکا کوئی ہم مذہب بھی بمشکل
نہیں کر سکتا ہے ان کی سوانح عمریاں اگر دیکھنا چاہتے ہو تو ابن ابی اصیبعہ کی کتاب طبقات الاطبا، دیکھو۔ بہرحال
طبیب بادشاہوں کے دربار میں ایک ضروری رکن ہے۔ البتہ طبیب میں اوصاف ذیل کا ہونا لازمی ہے

(۱) طب کی علمی و عملی استعداد اور تصنیفات قدیم پر عبور رکھتا ہو
(۲) کثیر العلاج ہو۔ اور غور و فکر کا عادی ہو۔
(۳) حاذق اور طامع نہ ہو مزاج کا قیاس ہو۔
(۴) خوش رو بینا کی ہو اور عطریات سے ذوق رکھتا ہو۔
(۵) عقاقیر (جڑی بوٹی) اور ادویہ اعلیٰ سے واقف ہو
(۶) مفردات اور مرکبات کی اعلیٰ اور ادنیٰ قسموں سے ماہر ہو۔
(۷) موسم کی ہر فصل سے عموماً اور اعتدال کے زمانے سے خصوصاً باخبر ہو۔
(۸) پانی اور ہوا کے علم سے واقف ہو۔ اور کم از کم جغرافیہ کا وہ حصہ جانتا ہو جس کا تعلق علم طب سے ہے
(۹) بعض حکما کے نزدیک طبیب کو نجوم کا جاننا بھی ضروری ہے (زمانہ حال کے اطبا کو اس امر کیطرف توجہ کرنا چاہیئے)
اور تمام مہذب دنیا میں نہایت وسیع پیمانے پر آج نہ صرف محکمہ صحت قائم ہے بلکہ سرکاری خاندان میں با وقار و مستند
طبیب موجود ہیں لیکن نجم کے معاملے میں جو اختلاف زمانہ سابق میں تھا۔ میری رائے میں وہ آج بھی ہے لیکن قول فیصل
سے پہلے نجوم کی بہبود پر چند سطریں لکھنا ضروری ہیں۔
علوم و فنون کی تاریخ میں علم نجوم کا ہم کا مفصل تذکرہ ہے لیکن علوم طبیعیہ (سائنس) کی تاریخ میں حساب اور نجوم پر
(جو لازم و ملزوم ہیں) حکما نے مفصل بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دار العلوم اسکندریہ میں جب علوم طبیعی کا درس

کون کام کس ساعت میں کیا جائے جو مبارک ہو۔ لیکن بعض سلاطین اس کے خلاف ہیں اور

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۸۔ امداد سے پیدا ہوتے۔

امداد کے بعد نجوم کا وقت آیا اور خلاف وضع و منع کے اسکے ساتھ بھی وہی سلوک کیا گیا۔ اگرچہ نجوم کی ایجاد کا فخر بابل و عراق عرب کو ہی۔ مگر چوتھی اور پانچویں صدی عیسوی میں یونانیوں نے اسکو اوج کمال پر پہنچا دیا۔ اور سب سے پہلے انھوں نے جنم پترہ بنایا۔ مگر زمانہ مابعد میں جب مشاہدہ اور تجربہ کی ترقی ہوئی تو نجوم کی روشنی دھندلی پڑنے لگی چنانچہ اٹلی کی سلطنت (تخمیناً ۱۵۰۰ء) نے نجومیوں کو خارج البلد کرنیکا قانون پاس کیا۔ مگر چونکہ نجوم کا دلوں پر پورا قبضہ تھا اسلیے قانون کچھ نہ کرسکا۔ اور سلطنت روم کے اطراف و جوانب میں نجومی مثل سیاروں کے چلتے پھرتے رہے۔

بادشاہوں میں سے ٹائبیرس اور حکیموں میں سینکا دونوں نجوم کے معتقد اور تاثیر کواکب کے قائل تھے لیکن سسرو نے عراق عرب (کالڈیا) کے نجومیوں پر متواتر اعتراض کیئے۔ منجملہ انکے ایک یہ ہی کہ جب کہ ایک ہی ساعت میں بادشاہ، تاجر، کاشتکار اور فقیر کے گھر لڑکے پیدا ہوتے ہیں۔ اور باوجود اتحاد طالع (وقت) کے ہر ان سب کا حال مختلف ہوتا ہی جس سے ثابت ہی کہ کواکب کی سعادت اور نحوست کا کوئی اثر وقت ولادت پر نہیں ہوتا اگر کواکب کا اثر سچا ہوتا تو تمام بچوں کی حالت یکساں ہوتی۔ دوسرا اعتراض یہ تھا کہ آفتاب و ماہتاب کے مقابلے میں سیارے لاکھوں میل کے فاصلے پر ہیں اسقدر بُعد سے انکی تاثیر ہم تک متعدی نہیں ہوسکتی ہی غرضکہ اسی قسم کے متعدد عقلی اعتراضات تھے۔ نجومیوں نے انکے جواب بھی دیئے اور سب سے بڑھ کر جو جواب ہوسکتا تھا وہ یہ تھا کہ آیندہ کے متعدد واقعات پر اپنی تحریری رائیں دیں اور پیشین گوئیاں کیں جو انکے قول کے مطابق ہوئیں" اسکا یہ اثر ہوا کہ مخالفت کم ہوگئی اور کتنے ہی لوگوں کے عقائد متزلزل ہوگئے اور عام رائے یہ قرار پائی کہ بحیثیت ایک علم کے نجوم صحیح ہی اور اسپر غلطی کا اطلاق ظلم ہی۔ البتہ احکام میں جو غلطیاں ہوتی ہیں یہ نجومی کی بھول اور قوت عقلی کی کمزوری کا نتیجہ ہی۔ لیکن دنیا سے یہ فرقہ نابید نہیں ہوا البتہ اسلام نے نجوم کا قطعی استیصال کردیا اور یہ اثر اسدرجہ مستحکم تھا کہ باوجود انقضائے تیرہ سو برس کے مسلمانوں کے عقائد میں فرق نہیں آیا اور کبھی دل سے نجوم کے معتقد نہیں ہوئے۔ مگر باوجود اسکے بھی نجوم آجتک باقی ہی۔ اور اس سے قیاس کیا جاسکتا ہی کہ جب تک آسمان پر چاند، سورج اور

(۱۸) فوج خاصہ

ہمیشہ[1] دو سو منتخب سواروں کو بارگاہ سلطانی میں حاضر باش رہنا چاہیئے جو قد و قامت شکل و صورت اور قوت و جسارت میں خاص طور سے ممتاز ہوں۔ اور یہ سپاہی خراسانی اور دیلمی ہوں اور دونوں کی تعداد برابر ہو۔ ہر حالت میں خواہ سفر ہو یا حضر یہ ساتھ رہینگے۔ انکی وردیاں خوبصورت ہوں، اور اسلحہ سے آراستہ ہوں چنانچہ میش ڈھال اور پرتلے طلائی ہوں اور انکی سو اسّی نقرئی اور نیزے بھی اعلےٰ قسم کے ہوں۔ اور پھر ہر پچاس پر ایک افسر مقرر کیا جائے جو اُنکو کام تقسیم کرے۔ اور پیدل بقدر چار ہزار کے ہوں جنکا نام درج رجسٹر ہو۔ اور ہر ہزار کی جماعت ایک جداگانہ قوم سے ہو جمیں سے ایک ہزار خاص بادشاہ کی خدمت کے لیے رہیں اور بقیہ امیروں سپہ سالاروں کی ماتحتی میں دیدیئے جائیں تاکہ ضرورت کے وقت کام آئیں۔

---

[1] روم اور یونان کی فوجی نظام کی ہم نے تحقیق نہیں کی ہو کہ ان شاہوں نے فوج خاصہ (باڈی گارڈ) مقرر کی تھی یا نہیں لیکن یزدگرد شہنشاہ عجم کے حالات میں تحریر ہی کہ اسنے خاص اپنے واسطے دیلم کی فوج سے ایک دستہ مقرر کیا تھا۔ جس کی تعداد چار ہزار تھی اور وہ شہنشاہ شہنشاہ یعنی فوج خاصہ کہلاتا تھا چنانچہ قادسیہ کی لڑائی کے بعد یہ فوج ایرانیوں سے علٰحدہ ہوکر اسلام کے حلقے میں آگئی۔ اور سعد بن ابی وقاص گورنر کوفہ نے اُنکو فوج میں داخل کرلیا اور کوفے میں آباد کرکے اُن کی تنخواہیں مقرر کردیں۔" اور حضرت فاروق اعظم کی فوج میں عجمی۔ رومی یونانی۔ ہندی جاٹ یہودی، مجوسی، داخل تھے۔ گو یہ عام فوج تھی مگر فوج خاصہ کا پہلا عنوان اسی جگہ سے قائم ہوا۔ اور تمام قوموں کے اشخاص فوج میں داخل کیے گئے۔ ملک شاہ کے عہد میں ان سپاہیوں کا نام فوجی اصطلاح میں "مفردان" تھا۔

[2] فصل ۱۶ صفحہ ۸۵۔

(۱۹) فرامین و احکام شاہی کی عظمت

بارگاہ سلطانی سے فرمان مکتوب جاری ہوتے ہیں اور جس چیز کی کثرت ہوتی ہے پھر اس کی عظمت باقی نہیں رہتی اسلئے جب تک کوئی خاص مہم نہ ہو مجلس عالی سے کوئی فرمان شائع نہیں ہوتا ہے اور اشاعت کے بعد اس کی یہ عزت ہوتی ہے کہ جب تک حکم کی تعمیل نہ ہو جائے کوئی شخص اسکو ہاتھ سے زمین پر نہ رکھ سکے۔

اگر معلوم ہو کہ کوئی شخص فرمان شاہی کو بنظر حقارت دیکھتا ہے یا اُس کی تعمیل میں لیت و لعل کرتا ہے تو اُس شخص کو پوری سزا دینا چاہیئے اگرچہ وہ بادشاہ کا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو

بادشاہ اور عوام کے مکتوبات میں جو فرق ہے اس کی نہایت صحیح مثال یہ ہے کہ ایک عورت نے نیشاپور سے غزنی پہنچکر سلطان محمود سے فریاد کی کہ تیرے عامل نے میری زمین چھین لی ہے اور اُس پر اپنا قبضہ کر لیا ہے سلطان نے عامل کے نام پروانہ جاری کیا کہ اس عورت کی زمین واپس کر دے لیکن عامل نے بجائے تعمیل حکم کے اُس عورت سے حجت کی اور کہا کہ میں سلطان کو اس کے حالات سے اطلاع دونگا۔ کیونکہ یہ تیری ملکیت نہیں ہے، مجبوراً اس عورت نے پھر سلطان سے جا کر عرض کیا۔ سلطان نے ایک غلام کو عامل کی گرفتاری کا حکمنامہ دیا جب وہ حاضر ہوا تو حکم دیا کہ "ہزار ضرب بید کی سزا دیجائے" عامل نے بہت کچھ عذر کیا اور تضرع پیش کیے اور ہر ضرب بید کو ایک دینار نیشاپوری کے عوض خریدنا چاہا مگر سلطان نے

سلہ فصل ۱۱ صفحہ ۲۲

ایک سماعت نہ کی۔ سزا کے بعد لوگوں نے عامل کو سمجھایا کہ "اگرچہ زمین تمھاری تھی تاہم سلطان کے حکم کی تعمیل کیوں نہ کی۔ زمین کی سپردگی کے بعد جو صحیح واقعہ تھا وہ عرض کرنا چاہیئے تھا۔ اُسپر حکم عالی صادر ہوجاتا۔" سلطان محمود نے یہ سزا اسلیے دی تھی کہ دوسروں کو عبرت ہو۔ اور آیندہ عمّال ایسی سرکشی نہ کریں۔

جو کام بادشاہ کا ہی وہ اُسکو خود کرنا چاہیے، یا حکم دینا چاہیئے۔ مثلاً سزا دینا، قتل کرنا وغیرہ اور اگر بغیر حکم بادشاہ کے کوئی شخص اپنے نوکر یا غلام کو بھی سزا دے تو بادشاہ کو چاہیئے کہ اُس کی تنبیہ کرے۔

بہرام چوبین، خسرو پرویز کا بڑا پیارا وزیر اور سپہ سالار تھا۔ خلوت وجلوت میں ساتھ رہتا تھا ایک مرتبہ کا ذکر ہی کہ عامل ہرات اور سرخس نے تین سو اونٹ (سُرخ بال والے) جنپر بیش قیمت اور روزمرہ کی ضرورت کی چیزیں لدی ہوئی تھیں نذر کیے۔ پرویز نے سب بہرام کو بخشدیئے تاکہ مصارف باورچیخانے میں وسعت پیدا ہو۔ اُسکے دوسرے دن پرویز کو اطلاع ہوئی کہ بہرام نے کل اپنے غلام کو بیس بید لگائے ہیں۔ یہ خبر سُنکر اُسی وقت بہرام کی حاضری کا حکم دیا۔ اور جب وہ سامنے آیا تو سلاح خانے سے پانسو تلواریں منگائیں۔ اور بہرام سے کہا کہ ان میں سے جو اعلے درجے کی ہوں وہ علحدہ کرو۔ بہرام نے ڈیرہ سو پسند کیں۔ پھر حکم دیا کہ انکا بھی انتخاب کرو۔ غرضکہ اخیر میں صرف دو تلواریں رہ گئیں۔ تب پرویز نے حکم دیا کہ اب انکو ایک نیام میں رکھو۔ یہ سُنکر بہرام نے عرض کیا کہ "دو تلواریں ایک نیام میں ٹھیک طور سے نہیں آئینگی۔" پرویز نے کہا کہ "پھر دو بادشاہ ایک ملک میں کیونکر رہ سکتے ہیں؟" چنانچہ بہرام فوراً سمجھ گیا اور خطا کا اقرار کیا

یا آزمودہ کار سے کہیں بڑھ کر ہے۔ جس کی یہ مثال ہے کہ ایک شخص نے کسی مرض کا علاج طب کی کتاب میں دیکھا ہے، اور دواؤں کے نام سے بھی واقف ہے۔ مگر دوسرے شخص نے علاج کرکے تجربہ حاصل کیا ہے۔ یا ایک سفر کردہ اور تجربہ کار ہے اور دوسرے نے کبھی گھر سے باہر قدم نہیں نکالا ہے اس صورت میں ان دونوں میں بہت فرق ہے۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۸۴ - بہرحال اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جو کام مشورہ سے کیا جاتا ہے اُس میں ناکامی اتفاقیہ ہوتی ہے اور اگر ہو تو ارشاد نبوی کے مطابق ندامت اور ملامت سے تو بلاشبہ چھٹکارہ ہو جاتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ انسان کیسا ہی دانشمند اور مدبر کیوں ہو لیکن اُس کی شخصی رائے تمام مشکلات کے اطراف و جوانب کا احاطہ نہیں کر سکتی ہے۔ چنانچہ یورپ میں مجلس شوریٰ عمومی (پارلیمنٹ) و مجلس الاشراف (ہاؤس آف لارڈز) و مجلس العموم (ہاؤس آف کامنز) کا وجود فقط بادشاہوں کی مشکلات اور مہمات کے آسان کرنے کے واسطے ہوا ہے اور روزمرہ کا تجربہ شاہد ہے کہ ان مجالس کا فیصلہ ہر پہلو سے بہت مستحکم اور صحیح ہوتا ہے۔ اور انہیں مشاہدات کا نتیجہ ہے کہ شاہنشاہ ایران نے بھی مجلس شوریٰ قائم کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے۔ اور رعایائے روس بھی انعقاد مجلس کے واسطے دعائیں کر رہی ہے جو ایک دن کامیاب ہوگی۔

بہرام گور نے اپنے بیٹے کو وصیت کی تھی کہ ہر معاملے میں عقلاء سے مشورہ کرنا کیونکہ جو تدبیر مشورہ سے ہوتی ہے وہ ضرور کامیاب ہوتی ہے اور اس کی مثال یوں ہے کہ ایک شکاری سے اکثر شکار بچ کر نکل جاتا ہے اور نشانہ خطا کرتا ہے لیکن جب چند شکاری ہوتے ہیں تو اسکو گھیر کر مار ہی ڈالتے ہیں۔"

بادشاہ کو جن لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیئے اُنکی خواجہ نے صراحت کر دی ہے لیکن عام طور سے مشیروں میں امور ذیل قابل لحاظ ہیں

(۱) مشیر ایسا سچا دوست ہو۔ اور معاملات میں تجربہ رکھتا ہو

(۲) سلیم الفکر ہو۔ اور اُسکو نفس معاملے سے کوئی تعلق ہو۔

(۳) مشورہ دینے کے وقت اسقدر متوجہ ہو کہ اُسکا ذہن یا خیال کسی اور طرف منتقل ہو

(۴) حاسد، کاذب، معلم، اور جاہل عورتوں سے مشورہ نہ کیا جائے

ے معتمد کرے تاکہ وہ دوسری منزل تک پہنچا دے۔ غرضکہ اسی طرح سے ہر ہر شہر و ناحیہ کے
اپنے معتمد کے ہمراہ سفارت کو دار السلطنت تک پہنچا دیں۔ راستے میں خاطر و مدارات کی
بات اٹھا نہ رکھی جاوے۔ اور واپسی کے وقت بھی یہی طریقہ برتا جاوے کیونکہ سفارت کے
چھا یا برا جو برتاؤ کیا جائیگا وہ فی الحقیقت اُس ملک کے بادشاہ کے ساتھ سمجھا چاہیے
سفارت ہے۔
ا ہوں کا ہمیشہ یہ اصول رہا ہے کہ وہ اپنے ہمعصروں کی عزت اور اُنکے سفارت کی قدر
نہیں یہاں تک کہ اگر لڑائی کے زمانے میں سفیر آیا ہے اور اُسنے اپنی سفارت کا پیغام حق ادا
یا اُسکو حکم ملا ہے۔ تب بھی اُسکو آزردہ خاطر نہیں کیا ہے کیونکہ سفارت کا آزردہ کرنا
نہیں ہے۔ اور خداوند تعالے ارشاد فرماتا ہے وَمَا عَلَى الرَّسُولِ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ
سمجھ لو کہ شاہوں میں جو ظاہر طور پر سفیر آیا جایا کرتے ہیں۔ اس سے انکا مقصد صرف
م ہی نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ در پردہ سیکڑوں راز ہوتے ہیں وہ یہ دریافت کرنا چاہتے
نتے، گزرگاہیں، گھاٹیاں، نہریں، اور تالاب کس قسم کے ہیں۔ فوج اس طرف سے
ی یا نہیں۔ چارہ گھاس کہاں ملسکتا ہے اور کہاں نہیں۔ ان مقامات کا حاکم کون ہے
التعداد کسقدر ہے۔ اور دوسرے ساز و سامان کے کیا اندازے ہیں۔ دربار کا کیا
علاوہ اسکے طریقہ نشست و برخاست، سیر و شکار چوگان بازی، اور دیگر آداب
در عام اخلاق و آداب کا بھی اندازہ کرتے ہیں۔ اور یہ دیکھتے ہیں کہ بادشاہ بوڑھا
عالم ہے یا جاہل، عام رقبہ حکومت آباد ہے یا ویران، فوج و رعیت اپنے بادشاہ

رعایا مذہبی یا نا راض اور ملک کے لوگوں کی کیا حالت ہے بادشاہ کی نسبت بیدار ہے یا غافل ہے

دل میں سخاوت ہے یا بخالت ہے عام رجحان طبعی کا کیا حال ہے یعنی جد و جہد پر مائل ہے یا

سہل انگاری کا شیدا ہے عورتوں کی رغبت رکھتا ہے یا غلاموں کا شیدائی ہے اسکے بعد وزیر کو دیکھے

ہیں کہ کس قسم کا ہے آیا عقل و تدبر کے ساتھ متدین بھی ہے یا نہیں سپہ سالاروں کو دیکھتے

ہیں یا نو آموز مصاحبین کس رنگ ڈھنگ کے ہیں کس طرح کو دوست رکھتے ہیں اور کس کو دشمن

جانتے ہیں

مجھ ایسے جہاں بین کا یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی وقت میں بادشاہ سے مخالفت ہو جائے یا اسکے

ملک پر قبضہ کرنے کا ارادہ ہو تو آسانی سے کامیابی ہو سکتی ہے اس موقع پر میں ایک واقعہ

بیان کرتا ہوں، اور وہ یہ ہے کہ سلطان معزالدین سنجر حنفی المذہب تھا اور اکثر کہا کرتا

کہ کاش امراء دربار بھی حنفی المذہب ہوتا کیونکہ شافعی ہونے کی وجہ سے ان میں مناسبت

ذہنیت نہیں ہے۔

چونکہ سلطان متعصب تھا اس وجہ سے میں ہمیشہ اس سے ڈرا کرتا تھا حسن اتفاق سے سلطان کو

شمس الملک نصر بن ابراہیم (خان سمرقند) کی سرکشی کی وجہ سے ماوراء النہر کا سفر درپیش آیا تو

سلطان نے سفارت روانہ کی چنانچہ میں نے بھی اسی جانب سے التونتاش کو سفیر کے ساتھ

کر دیا تاکہ جو واقعات پیش آئیں وہ براہ راست مجھے معلوم ہو جائیں چنانچہ اسی سفارت پر

شمس الملک نے امام سفیر سلطان کی خدمت میں روانہ کیا چونکہ میں بھی سفارت میں داخل تھا

کہ سفیر دربار سے ملاقات کر کے بحث مباحثہ کرتے تھے تاکہ دربار کے واقعات کا پتہ لگا

حالات پہنچ جائیں، اور رخصت کیوقت بھی ملکر جاتے ہیں۔ چنانچہ شمس الملک کا سفیر بھی مجھسے ملنے آیا، میں اُسوقت جلسۂ احباب میں بیٹھا ہوا شطرنج کھیل رہا تھا۔ اور ایک بازی میں انگوٹھی جیت چکا تھا۔ مگر یہ انگوٹھی بائیں ہات کی انگلی میں ڈھیلی ہوتی تھی۔ اسلیے مینے داہنے ہات میں پہن لی تھی۔ جب اطلاع ہوئی کہ سفیر دروازے پر پہنچ گیا ہے۔ اسوقت بساط الٹ دی گئی اور سفیر بلا لیا گیا۔ اِدہراُدہر کی باتیں ہوا کیں۔ چونکہ میں اُس انگوٹھی کو اُنگلی کے چاروں طرف گھمارہا تھا سفیر نے بھی اُسکو دیکھا تھا۔ غرضکہ وقت خاص کا یہ معاملہ تھا۔ سفیر رخصت ہو کر چلا گیا۔ اور سلطان نے دوبارہ اپنا سفیر بجواب سفارت شمس الملک سمرقند روانہ کیا۔ اس مرتبہ بھی مینے دانشومند اشتر کو ساتھ کر دیا تھا۔ اور یہ دونوں شمس الملک کے روبرو دربار عام میں پیش ہوئے اُسوقت خان نے اپنے سفیر سے پوچھا کہ "سلطان کو عقل و تدبیر میں کیسا پایا؟ فوج کسقدر ہے۔ اور دیوان و دفتر کی ترتیب کا کیا حال ہے" سفیر نے ہر چیز کی مدح کر کے کہا کہ "مینے صرف ایک عیب پایا۔ اگر یہ نہوتا تو کسی کو مجال سرکشی نہوتی، خان نے پوچھا وہ کیا ہے؟ سفیر نے کہا کہ وزیر شیعی مذہب ہے۔ کیونکہ وقت ملاقات کے مینے دیکھا کہ وہ انگوٹھی داہنے ہات میں پہنے ہوئے تھا اور اُسکو گھمارہا تھا اور مجھ سے باتیں کرتا جاتا تھا۔ جب اس واقعہ کی مجھے اطلاع ہوئی تو نہایت صدمہ ہوا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ میرا شافعی المذہب ہونا ہی سلطان کو ناگوار ہے۔ اگر کہیں اُسکو یہ معلوم ہو جائیگا کہ میں شیعہ ہوں تو پھر وہ مجھے زندہ نہ چھوڑیگا۔ اسلیے مینے تیس ہزار دینار صرف کیے اور ہمیشہ کے لیے کچھ لوگوں کا وظیفہ مقرر کر دیا کہ اس واقعہ کی سلطان تک اطلاع نہو۔"

نتیجہ اس حکایت کا یہ ہے کہ سفیر اکثر عیب جو ہوا کرتے ہیں۔ اور اُن کی نظر عیب و ہنر پر یکساں ٹکی رہتی ہے

جو بادشاہ عاقل ہیں وہ اس قسم کی نکتہ چینیوں سے اپنے اخلاق درست کر لیتے ہیں اور مہذب ہو جاتے ہیں۔

سفیر ایسا شخص ہونا چاہیے جسکو بادشاہوں کی صحبت میسر ہوئی ہو اور راز ہائے سلطنت میں واقف ہو اور فضول گو نہ ہو کمال علمی کے ساتھ سفر کا تجربہ کار اور وجاہت ظاہری سے آراستہ ہو سفیر میں سامان عالم کو دوسروں پر شرف ہے

اگر بادشاہ اپنے کسی مصاحب کو سفارت پر روانہ کرے تو زیادہ اعتبار کے قابل ہے۔ اگر سفیر نوجوان اور فوجی تجربہ کار ہو تو زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس ایک شخص سے ہم سب کا اندازہ ہو جائیگا

خلاصہ یہ ہے کہ سفیر بادشاہ کی عقل و شعور کا آئینہ ہوتا ہے۔

ایسے موقعوں پر جب کسی ملک سے سفیر آئے اس وقت (لکم ارکم) مثل غلاموں کو بیش قیمت لباس اور مرصع اسلحہ سے آراستہ کر کے تخت کے گرد کھڑا کرنا چاہیے۔

برداشت خانوں میں چارہ جمع کرنا

[سلہ ۵۲] حالت سفر میں جس منزل پر بادشاہ کا قیام ہونے والا ہے وہاں پہلے سے چارہ گھاس پہنچ جانا

سلہ نقل ۳صفحہ۲ سلہ ملک ساوے نام ممالک محروسہ کا پانچ برس دورہ کرتا تھا اور بڑی شان وشوکت سے گھومتے نکلتا تھا لہذا ان احکامات کا جاری کرنا ضروری تھا مگر اس زمانے میں بادشاہوں کو فوج وحشم کے ساتھ طولانی سفر کرنے کی ضرورت باقی ہے اور نہ وہ اپنی محوروں سے دار سلطنت سے باہر جاتے ہیں انکی سب سے بڑی جولانگاہ چند منزل کی شکارگاہ ہوتی ہے اور اسکے واسطے تمام سامان دار الحکومت سے روانہ ہوتا ہے البتہ فوجوں کے کوچ و مقام پر ذیل کا انتظام بہت وسیع پیمانے پر ہوتا ہے ہر پڑاو پر رسد ہی رسد کا جاتا ہے جیسا کہ حواشی کے لکھا ہے ۔ اسکے سلسلہ (ان کے

اور ایک دن کے چارہ گھاس کے لیے بڑی کوشش کرنا پڑیگی۔ لہذا ان رستوں سے آیندہ گزرنا ہو یا جن پڑاویں ٹھہرنا ہو وہاں اسکا خاص انتظام پہلے سے کرنا چاہیئے۔ تاکہ اس نقص سے اصل مہم میں ناکامی نہ اٹھانا پڑے۔ اور اگر یہ ذخیرے سے کام نہ آویں تو بعد کو فروخت کرکے انکی قیمت مثل دیگر محاصل کے داخل خزانہ سرکاری کردی جاوے۔ اس انتظام سے قطع نظر سہولت کے رعایا کو بھی آرام ملتا ہے۔

(۲۳) قاعدہ تقسیم تنخواہ فوج

تمام فوج کی تنخواہ نقد ادا کردیجاوے جو جاگیر دار ہیں انکو بھی فوج کے اندازے پر حساب کرکے نقد دیدیا جائے۔ اور یہ حکم کبھی نہ دیا جاوے کہ خزانے سے اسقدر روپیہ برآمد کرو۔ بہتر یہ ہی کہ تنخواہ بادشاہ اپنے ہاتھ سے تقسیم کرے تاکہ دلمیں بادشاہ کی محبت پیدا ہو جاوے اور وقت پر وہ اچھی طرح سے کام کریں۔

قدیم بادشاہوں کا دستور تھا کہ سپاہیوں کو تنخواہ کے عوض میں جاگیر نہیں دیا کرتے تھے بلکہ سال میں چار مرتبہ اُن کی تنخواہیں خزانے سے دیجاتی تھیں جس سے وہ اپنی حالت کو درست رکھتے تھے۔ ملکی حکام ہر قسم کی آمدنی خزانے میں داخل کیا کرتے تھے اور تین مہینے کے بعد انکی تنخواہ دیجاتی تھی۔ دفتر کی اصطلاح میں اسکو پیشیہ گانی کہتے ہیں۔ یہ قاعدہ محمود غزنوی کے خاندان میں

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۹۰۔ فرائض میں یہ اہم خدمت ہے، البتہ جو دشواریاں اس انتظام میں تحصیلداروں کو پیش آتی ہیں۔ اُسپر ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہے۔

سلہ فصل ۲۳ صفحہ ۹۱۔ ۵۲ خواجہ نظام الملک نے بعد تحریر اس قانون کے یہ قاعدہ توڑ دیا تھا۔ اور سپاہیوں کو بجائے نقد تنخواہ کے جاگیریں دیدی گئی تھیں۔ یہ بحث خواجہ کے اولیات میں لکھدی گئی ہے۔

ایک جاری ہے اور جاگیرداروں کو ہدایت کیجاے کہ اگر ایک گھوڑا مرجاے یا کہیں غائب ہوجاے تو اُس کی اطلاع کیا کریں اور ہر مہم میں اُنکو مدد کرنا چاہیے اور اگر کوئی گریز کرے تو سختی کے ساتھ اُسے تاوان وصول کر لیا جاے

(۲۴) فوج بھرتی کرنے کا قاعدہ

فوج[1] میں جب ایک جنس کے سپاہی ہونگے تو اُن میں خطرے کا احتمال ہے اور اُسے بغاوت بھی ہو سکیگی اسلیے فوج میں ہر جنس کے سپاہی یعنی دیلمی، خراسانی، گرجی وغیرہ ہونا چاہیے[2] چنانچہ سلطان محمود غزنوی کی فوج میں ترکی، خراسانی، عربی، ہندی، دیلمی، غوری سپاہی بھرتی تھے اور سفر کیحالت میں مختلف ممالک کے سپاہیوں کا پہرہ رہتا تھا جسکا یہ اثر تھا کہ ہر گروہ دوسرے سے ڈرتا رہتا تھا۔ اور جس کی نوکری جس جگہ ہوتی تھی وہ صبح تک اسی مقام پر ڈٹا رہتا تھا اور جب اُن کو کوئی لڑائی ہوتی تھی تو ہر ملک کا سپاہی اپنی تعریف کے خیال اور بدنامی کے ڈر سے

[1] فصل ۲۴ صفحہ ۹۰ [2] مختلف اقوام سے فوج بھرتی کرنیکا اصول بہت قدیم ہے اسی سبب سے جنگ عمان میں جسکی مرتب کا ہم ذکر کر چکے ہیں لیکن مسلمانوں نے سلام میں اس اصول پر ہندوؤں سے عملدرآمد کرتے چلے آئے ہیں چنانچہ ۲۲۴ھ میں مسعود غزنوی نے سلطان کے معاملے میں جو فوج بھیجی تھی اس میں ہندوستان کی ایک پلٹن موجود تھی جسکا افسر تلک نام تھا اسکے بعد کئی لڑائیاں ہوئیں اور اسکے بعد سلاطین اسلامیہ اور جنگی راجاؤں کے عہد میں ہندوؤں کو داخل کرنا عام تھا اور ہندوؤں نے بھی ان کی فوج میں بھرتی ہونا قبول کیا اس زمانہ میں ہندوستانی قوم کی مختلف جماعتیں بھی شامل ہوتی تھیں ان قوموں کے اعمال و عادات اور خواص سے موجود ہیں کہ ہر قوم کو فوج میں بھرتی کرنا چاہیے تو پہلے دو صدی ہندوستان میں اسی اصول کی پابندی کی جاتی تھی العارف مسلمانی بحوالہ فتوح البلدان بلاذری تاریخ ہند و ہندوستان مصنفہ خان بہادر مولوی عبدالرحیم مطبوعہ کلکتہ صفحہ ۱۰۰

جان لڑا دیتا تھا تاکہ کسی فریق کے مقابلے میں غفلت دستی کا الزام عائد نہو۔

جب فوج میں اُصول سے کام لیا جائیگا تو یقین ہی کہ ہر سپاہی تلوار کے قبضے پر ہات رکھکر قدم پیچھے نہ ہٹائیگا، تاوقتیکہ وہ اپنے دشمن کو شکست نہ دیدے۔

اور یہ بھی قاعدہ ہی کہ جب فوج ایک دو مرتبہ نمایاں فتح حاصل کر لیتی ہی تو اُس فوج کے ایک سوسوار اپنے مقابلے میں ایک ہزار کو کوئی مال نہیں سمجھتے ہیں۔ اور دشمن کو بھی یکایک ایسے فتحیاب لشکر کے مقابلے کی جرات نہیں پڑتی ہی۔

[1] شیوخ عرب، سرداران کرد، دیلمی و رومی اور ایسے اشخاص جنھوں نے حال میں اطاعت کا حلف اُٹھایا ہو۔ اُنکو حکم دینا چاہیے کہ وہ اپنے لڑکوں اور بھائیوں کو (بطور اُول کے) حاضر دربار رکھا کریں۔ اور ایک سال کے بعد رخصت کر دیے جائیں لیکن جب تک اپنے قائم مقاموں کو حاضر نکریں ہرگز نہ جانے پائیں۔ اس اُصول کی پابندی سے بغاوت نہیں ہو سکتی ہی۔ اور بڑا فائدہ یہ ہی کہ ضرورت کے وقت ہر قبیلے کے سردار موجود رہینگے۔ یہ جماعت پانسو آدمیوں سے کم نہونا چاہیئے

(۲۵) خدمتگار اور غلاموں سے کام لینے کا طریقہ

[2] ہر وقت اور بلا ضرورت نوکروں کے پیچھے نہ پڑنا چاہیئے، کیونکہ کسی وقت اگر سب کے سب غائب ہو جاتے ہیں تو تھوڑی دیر بعد پھر آجاتے ہیں۔ ایک بار کام بگاڑیں تو دوسری مرتبہ اچھی طرح سمجھا دینا چاہیئے۔ تاکہ بار بار کہنا نہ پڑے۔ اور جو غلام، امیر حاجب وغیرہ کی ماتحتی میں ہوں

---

[1] فصل ۲۵، صفحہ ۹۳ [2] فصل ۲۶، صفحہ ۹۴- لغایت ۱۰۸

ایک جاری ہو اور جاگیرداروں کو ہدایت کیجائے کہ اگر ایک گھوڑا مر جائے یا کہیں غائب ہو جائے تو اس کی اطلاع کیا کریں اور ہر مہم میں انکو مدد کرنا چاہیے اور اگر کوئی گریز کرے تو تنبیہ کے ساتھ لیے ہوے تاوان وصول کر لیا جائے۔

(۲۴) فوج بھرتی کرنے کا قاعدہ

[۱] فوج میں جب ایک جنس کے سپاہی ہونگے تو اس میں خطرے کا احتمال ہے اور انسے جانفشانی بھی نہ ہو سکے گی اسلیے فوج میں ہر جنس کے سپاہی یعنی دیلمی، خراسانی، گرجی وغیرہ ہونا چاہیے [۲] چنانچہ سلطان محمود غزنوی کی فوج میں ترکی، خراسانی، عربی، ہندی، دیلمی، غوری سپاہی بھرتی تھے اور سفر کی حالت میں مختلف ممالک کے سپاہیوں کا پہرہ رہتا تھا جسکا یہ اثر تھا کہ ہر گروہ دوسرے سے ڈرتا رہتا تھا اور جس کی نوکری جس جگہ ہوتی تھی وہ صبح تک اسی مقام پر ڈٹا رہتا اور جنگ میں کوئی لڑائی ہوتی تھی تو ہر ملک کا سپاہی اپنی تعریف کے خیال اور نیکنامی کے واسطے

---

[۱] فصل ۲۴ صفحہ ۹۰ [۲] مختلف اقوام سے فوج بھرتی کرنیکا اصول ہمارے ہندوستان میں اب بھی مدنظر رکھا جاتا ہے جسکی
طرف کہ فوج میں جو کمی سلاطین اسلام نے اصول پر ہندوؤں سے علیحدہ کرکے بنائے تھے چنانچہ ۴۴۴ھ میں مسعود غزنوی نے
سلجوقیوں کے مقابلے میں جو فوج بھیجی تھی اس میں ہندوستان کی ایک جمعیت موجود تھی جسکا افسر تلک تھا انکے بعد بیہقی نے
لکھی ہے اور روایت بیان کیا ہے کہ در عہد سلاطین آل ناصر افواج جنگی را طلبہ ہندوان نگاہ و داشتن عادت
کرده بودند و ہندوان دعوی کردند ... ہندوستان کی اسلامی تاریخ ...
آثار الاول میں ایک پورا باب ان قوموں کے احوال و عادات اور خواص میں موجود ہے جنکو فوج میں بھرتی کرنا چاہیے
تو پھر وہ ہندوستان میں اسی اصول کی پابندی کی جاتی ہے الخ اور سلطانی کو الو نسخ السلطان سیاست نامہ
تاریخ ہندوستان مصنفہ خانی مترجمہ فارسی مولوی عبدالرحیم مطبوعہ کلکتہ صفحہ ۱۰۹

جان لڑا دیتا تھا تاکہ کسی فریق کے مقابلے میں غفلت وسستی کا الزام عائد نہو۔
جب فوج میں اُصول سے کام لیا جائیگا تو یقین ہو کہ ہر سپاہی تلوار کے قبضے پر ہات رکھکر قدم پیچھے نہ ہٹائیگا تاوقتیکہ وہ اپنے دشمن کو شکست نہ دیدے۔
اور یہ بھی قاعدہ ہو کہ جب فوج ایک دو مرتبہ نمایاں فتح حاصل کرلیتی ہو تو اُس فوج کے ایک سو سوار اپنے مقابلے میں ایک ہزار کو کوئی مال نہیں سمجھتے ہیں۔ اور دشمن کو بھی یکایک ایسے فتحیاب لشکر کے مقابلے کی جرات نہیں پڑتی ہو۔
شیوخ عرب، سرداران کرد، دیلمی ورومی اور ایسے اشخاص جنھوں نے حال میں اطاعت کا حلف اُٹھایا ہو۔ اُنکو حکم دینا چاہیے کہ وہ اپنے لڑکوں و بھائیوں کو (بطور اول کے) حاضر دربار رکھا کریں۔ اور ایک سال کے بعد رخصت کردیے جائیں لیکن جب تک اپنے قائم مقاموں کو حاضر نکریں ہرگز نہ جانے پائیں۔ اس اُصول کی پابندی سے بغاوت نہیں ہوسکتی ہو۔ اور بڑا فائدہ یہ ہو کہ ضرورت کے وقت ہر قبیلے کے سردار موجود رہینگے۔ یہ جماعت پانسو آدمیوں سے کم نہونا چاہیے

(۲۵) خدمتگار اور غلاموں سے کام لینے کا طریقہ

ہر وقت اور بلا ضرورت نوکروں کے پیچھے نہ پڑنا چاہیئے، کیونکہ کسی وقت اگر سب غائب ہو جاتے ہیں تو تھوڑی دیر بعد پھر آجاتے ہیں۔ ایک بار کام بگاڑیں تو دوسری مرتبہ اچھی طرح سمجھا دینا چاہیئے۔ تاکہ بار بار کہنا نہ پڑے۔ اور جو غلام، امیر حاجب وغیرہ کی ماتحتی میں ہوں۔

[1] فصل ۲۵۔ صفحہ ۹۳ [2] فصل ۲۶۔ صفحہ ۹۴۔ لغایت ۱۰۸

انکے افسروں کو حکم دیا جائے کہ ہر دو راستہ غلام کا خدمت کے لیے بھیجے جائیں۔

زمانہ سامانیوں میں جسدن غلام خرید ہوکر آتا تھا اُسدن سے بڑھاپے تک ہر دور اُس کی تعلیم و تربیت کیجاتی تھی اور ملحاظ تعلیم و تربیت انکے درجے مقرر ہوتے تھے مگر ہمارے زمانے میں اس قاعدے کی پابندی نہیں ہوتی ہے مثال کے طور پر مختصراً بیان کرتا ہوں۔

سامانیوں میں قاعدہ جاری تھا کہ آہستہ آہستہ خدمات اور شائستگی کے لحاظ سے غلاموں کا درجہ بڑھاتے تھے جیسا کہ جو غلام نیا خرید کیا جاتا تھا وہ ایک سال پیادہ رکھا جاتا تھا اور سواری کے ہمراہ زندنیچی[1] پہنکر چلتا تھا اور انکو سخت تاکید تھی کہ چوری چھپے سے بھی ایک سال تک گھوڑے پر سوار ہو اور بخلاف خلاف ورزی انکو سزا دیجاتی تھی ایک سال کے بعد وثاق باشی کی تحریر پر حاجب سواری کے لیے ترکی گھوڑا دیتا تھا مگر لگام اور دوال سادہ ہوتی تھی پھر ایک سال بعد قراچوری[2] دی جاتی تھی کہ وہ کمر میں باندھیں اور پانچویں سال عمدہ زین و لگام و درفشانے[3] وارلی اور تبہی گرز دیا جاتا تھا چھٹے سال جامۂ عنوان[4] ملتا تھا۔ اور ساتویں سال خیمۂ یکسری (جس کی طنابیں سولہ میخوں میں کھینچی جاتی تھیں) اور تین غلام اُسکو اور دیئے جاتے تھے۔ اور لقب وثاق باشی ہوتا تھا نمد سیاہ کی ٹوپی ہوتی تھی جس پر انکی سنہری تحریر کردی جاتی تھی اور قبائے گنجہ کا لباس ہوتا تھا غرضکہ اسی طرح ہر سال درجہ بدرجہ بڑھتے بڑھتے چہل باشی سے حاجب کے مرتبے پر پہنچ جاتا ہے۔

---

[1] زندنیچی سوتی کا دھاری دار کپڑا [2] قراچوری لانبی تلوار [3] درفشانی ایک قسم کا ریشمی کپڑا [4] جامہ عنوان اس اصطلاح کے معنے نہیں معلوم ہوسکے ۔

اگر ہر موقع پر اُنکے ہات سے بڑے بڑے کام ہوتے اور وہ اپنی شائستگی اور قابلیت کے جوہر دکھاتا تب کہیں پینتیس[۳] برس کی عمر میں امارت اور حکومت کا اعزاز بخشا جاتا تھا۔
الپتگین[۱] نے جو خاندان سامانیہ کا پروردہ تھا اسی عمر میں خراسان کی سپہ سالاری پائی تھی۔
عقلا کا قول ہو کہ لائق خدمتگار اور شائستہ غلام بیٹے سے کہیں بڑھ کر ہو۔ اور خدا نکرے کہ اچھے نوکر اور تعلیم یافتہ غلام ہات سے نکلجائیں جیسا کسی شاعر کا قول ہو ؎

یک بندہ مطاوع بہ از صد فرزند　　کین مرگ پدر خواہد وآن عمر خداوند

غلاموں کی نگرانی اس امر میں بھی کیجاے کہ وہ بغیر حکم شاہی (اور وہ بھی بحالت خاص ضرورت) کسی مہم پر نہ روانہ کیے جائیں کیونکہ ان کی ذات سے رعایا کو سخت تکلیف پہنچتی ہو۔ اگر کسی سے دو سَو دینار وصول کرنے کا حکم ہو تو یہ پانسو وصول کر لاتے ہیں" (فصل ۲۷ صفحہ ۷۸)

سلہ امیر احمد بن اسمعیل سامانی کا پروردہ اور جان نثار غلام تھا اور ترکی نسل سے تھا۔ جو طریقہ اس عہد میں غلاموں کی تعلیم اور تربیت کا تھا الپتگین اُسکا پورا نمونہ تھا۔ خراسان میں اُس کی گورنری کا زمانہ یادگار ہی سبکتگین (ترکی لفظ ہی" دوسر پتے" اسکا ترجمہ ہی) کو اسی جگہ خرید کیا تھا۔ اور اسکا مختصر واقعہ یہ ہی کہ ایک دن تیس غلام بکنے کو آئے الپتگین نے سب کو خرید کر لیا ان میں سے ممتاز سبکتگین تھا۔ چنانچہ تیسرے دن حاجب نے اطلاع کی کہ ایک داق باشی مرگیا ہو اُسوقت سبکتگین سامنے تھا۔ الپتگین نے کہا کہ اسی کو مقرر کردو۔ حاجب نے عرض کیا کہ یہ خدمت قبل از وقت ہی الپتگین نے کہا کہ میں حکم دیدیا ہی اور اسنے سُن لیا ہو اب میں اس عطیہ کو واپس کرنا نہیں چاہتا ہوں۔ غرضکہ اٹھارہ برس تک سبکتگین معزز درجوں پر مقرر ہوتا رہا اور ہر خدمت پر اعلیٰ درجے کی کارگزاری دکھائی۔ اور الپتگین کی موت تک ساتھ رہا۔ سنہ ۳۵۰ھ / ۹۶۱ء میں جب امیر عبدالملک سامانی چوگاں کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر کر مرگیا اُسوقت الپتگین نیشاپور میں تھا۔ اُمراے دارالسلطنت نے قاصد بھیجکر الپتگین سے مشورہ کیا کہ آپ کی راے میں کس کو بادشاہ مقرر کیا جائے۔ الپتگین نے دو راییں دیں قاصد ہنوز واپس نہیں آیا تھا کہ اُمراء نے منصور برادر عبدالملک کو تخت نشین کر دیا۔ چونکہ منصور کا انتخاب الپتگین کے

(۲۹) دربار

دربار عام دربار کی ترتیب[1] اس طرح رکھی جائے کہ اول بادشاہ کے عزیز و اقارب آئیں اُنکے بعد ملک کے معزز سردار اور ارکان فوج پھر دیگر اشخاص، اور جب عام گروہوں کا جلسہ ایک ہی مرتبہ ہو، تو وضیع و شریف کا امتیاز کر لیا جائے جب دربار شروع ہو تو پردہ اٹھا دیا جائے اور حاجب کی روک ٹوک بند ہے کیونکہ یہی ساخت دربار عام کی ہے اور اس علامت کا ہونا ضروری ہے کیونکہ امرا کو بغیر ملازمت بادشاہ واپس جانا بہت گراں

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۹۵ خلاف تھا اس وجہ سے امرا دربار نے ابواسحاق کو الپتگین سے ناراض کر دیا جب یہ خبر خراساں تک پہنچی تو امرا و ذو را(؟) بسی الپتگین نے خراساں چھوڑ دیا اور سلطان(؟) کو عہد دیکے ادھر سے روانہ ہوا لیکن چونکہ غزنی الپتگین کا مولد و مسکن تھا اس وجہ سے اسی کو دار الحکومت بنایا اسوقت غزنی ایک معمولی گاؤں تھا یہاں تک کہ بہت جلد مشہور کشور ستانی سے حتیٰ کہ وہیں پیدا کی گئیں اور لڑائیاں ہوئیں مگر آخر کو الپتگین کا ساتھ ابوسالق(؟) نے اپنے آقا کی خدمت کر کے رابط(؟) بڑھائی اور کرتے ۳۶۷ھ میں فوت ہوا اس زمانہ کا وقار اسماعیلی العقول شجاع مدبر خاص خدا ترس اور حدیث گراہ علام تھا خود مختار ہو کر صرف سترہ برس زندہ رہا چنانکہ غزنی میں سلطنت کی بنا اسی کی ذات سے پڑی مورخوں کا بیان ہے کہ مزار خواجہ والی علام خراسانی ہے الپتگین کے ہمراہ چلے گئے تھے اول انھیں کی ذات سے غزنی کی آبادی ہوئی اسکے بعد اعلیٰ حرکے گئیں میں غزنی کے کے اسکے اعمال پر ابواسحاق اسکا جانشین ہوا لیکن کرد ماوراء النہر ساہزادہ[۳۶۶] میں فوت ہو گیا اور ترک نے سبکتگین کو اسکا جانشین بنا دیا چنانچہ اسی مامور کا جانشین محمود غزنوی ہے جو سال ۳۸۷ھ میں پیدا ہوا سبکتگین کا بیٹا ۔ مامور بنا جسا کہ تسلیم ہوا ہے۔ یہ سچ ہے کہ اسلام کی تعلیم درجہ ہے اپنے عہد میں جس شان و شکوہ کے غلام ممالک کے اس ورکی اصولوں سے حکومت کی ہے اسکی نظیر آج آزاد بادشاہوں میں بھی بمشکل مل سکتی ہے۔ اسکا حال ربا ربع نامہ ہسروان حکم لکھنٹس مسلمات نامہ۔

[1] فصل ۲۹ و ۳۰ ۔ صفحہ ۱۹۰ ۔

گزرتا ہی۔ اور دربار میں پہنچکر شرف حضوری حاصل نہواس سے بھی بادشاہ پر بدگمانیاں شروع ہوجاتی ہیں۔ اور بہت سے جھگڑے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور درباروں کے کم ہونیسے لوگوں کے کاروبار بند ہوجاتے ہیں۔ اس لیے بادشاہ کو اکثر دربار منعقد کرنا چاہیئے ہفتے میں ایک دو روز عام جلسہ ہونا چاہیئے اور داخلے میں کسی کی روک ٹوک نہ کیجائے جسدن دربار میں خواص کے جانے کا دن ہو اُسدن عوام نہ جائیں۔ مگر دونوں کو اپنی تاریخوں سے اطلاع ہونی چاہیئے۔ تاکہ یہ نوبت نہو کہ ایک بُلایا جائے اور دوسرا نکالا جائے۔ اور آنے والوں کے ہمراہ ایک غلام سے زیادہ نہو۔

دربار خاص عیش وطرب[1] کی مجلس میں یہ نہایت ناپسندیدہ ہی کہ آنے والے جام وصراحی اور ساقی لیکر حاضر ہوں۔ کیونکہ یہ رسم قدیم سے چلی آتی ہی کہ تمام خورد ونوش کا سامان اُمرا بادشاہ کے گھر سے اپنے گھر لیجاتے ہیں نہ برعکس اسکے۔ کیونکہ بادشاہ اور رعایا میں آقا اور غلام کی نسبت ہی۔

اس مجلس کے ارکان صرف ندیم ہونا چاہئیں۔ مگر جیسا کہ میں اول بیان کرچکا ہوں، غلام اور سپہ سالاران فوج یا معزز طبقہ کے لوگ اس زمرہ میں داخل نہ کیئے جائیں۔

بادشاہ کے حضور میں بیٹھنے اور کھڑے ہونے دونوں کی جگہیں مقرر ہیں۔ لہٰذا اس میں بھی پہلی ترتیب کا خیال رکھنا چاہیئے اور تخت کے گرد معزز طبقے کے ارکان کھڑے ہوں۔ اگر ان میں کوئی اور شامل ہوجائے تو حاجب کو چاہیئے کہ علٰحدہ کردے اسی طرح ہر درجے میں

[1] فصل ۳۰ صفحہ ۱۱۱۔

نظر رکھنا چاہیے تاکہ کوئی نااہل شریک[۱] نہ ہو جائے

(۲) اہل فوج کی حاجتیں

تمام[۲] سپاہیوں کی عرضداشتیں اور ان کی خواہشات کی اطلاع افسروں کے ذریعے سے بادشاہ تک پہونچنا چاہیے تاکہ جو کمی ہو دور کی جائے اس کارروائی سے فوجی شرارتوں کی جڑ کٹ جاتی ہے اگر کوئی سپاہی اپنے افسر سے بدزبانی کرے تو اسکو سزا دیجائے تاکہ چھوٹے بڑے کا فرق معلوم ہوتا رہے

(۳) صاحبان جاگیر و منصب

جن[۳] افسروں کو بڑی بڑی جاگیریں اور منصب دیئے جائیں انکو یہ بھی تاکید کیجائے کہ اسکے دستے کا فوجی سامان رکھیں اور غلاموں کو خرید کریں کیونکہ ان کی شان و شوکت کا یہی ذریعہ ہے اور محض اپنے مکان کی آرائش سے ان کی زینت نہیں ہو سکتی ہے جس جاگیردار کو اس بات کا خیال ہوگا اسکا درجہ اختصاص بادشاہ سے اپنے ہمچشموں کے مقابلے میں بڑھ جائیگا

ان لوگوں کے قصور کی سزا جنکو سلطنت نے درجہ ادنیٰ سے اعلیٰ پر پہنچایا ہے (۳۹)

جن[۴] لوگوں کو خود ہی بادشاہ درجہ ادنیٰ سے اعلیٰ پر پہنچاتا ہے اُن کی تربیت میں ایک بار دیدہ

سلہ ا عمال جن دربار داری کے خود واسطہ ہیں عہدہ قدیم سے بالکل جدا کا ہیں یہ ان آداب دربار پر عام ادب انتظام کو لکھنے کی ضرورت نہیں ہے ۔ سلہ فصل ۲ صفحہ ۔ سلہ فصل ۳۲ صفحہ ۱۱۲ سلہ فصل ۳۲ صفحہ ۱۱۳

اور نہایت بیش قیمت لباس پہنے
بند ہا تھا کہ پیچھے سے غلام نے ـــــے کوئی قصور ہو جاے تو علانیہ عتاب کرنے سے انکی آبرو
یکایک پیالہ چھوٹ گیا۔ جب ـــھ عزت افزائی سے بھی وہ اپنے اصلی درجے پر نہیں پہنچ سکتے ہیں
آپ کو غصّہ آیا اور چہرہ سرخ ہو ـــان کی خطاؤں پر اول چشم پوشی کیجاے اور بلا کر سمجھا دیا جاے کہ
اوٹھا کہ اکا ظِمِینَ الغَیظ ـــ نہایت نا شائستہ کی ہی چونکہ ہم اپنے پرور دہ کو ذلیل نہیں کرتے ہیں
آپ کا غصّہ جاتا رہا ـــ جاتی ہی۔ مگر خبردار اب آیندہ ایسا نہو۔ ورنہ تم اپنے درجے سے نیچے اُتارے
لہ جا میںنے تجھ کو آزاد کیا ـــ ہماری طرف سے کوئی قصور نہوگا بلکہ وہ تمھارے ہی کرتوتوں کی سزا ہوگی
ـــلی کرم اللہ وجہہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے نزدیک سب سے زیادہ جاہل

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ ہاشم کے پوتے اور ابو طالب کے نامور بیٹے ہیں، آپ کی والدہ کا نام فاطمہ تھا (بنت اسد بن ہاشم) اور ہاشمیوں میں سے سب سے پہلے ہاشمی حضرت علی ہیں فضائل میں سب سے بڑی فضیلت یہ ہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی اور داماد ہیں اَنَا مَدِینَۃُ العِلمِ وعَلِیٌّ بَابُھَا آپ ہی کی ذات پاک کی تعبیر ہی حالات سے دنیاوی انتظام میں اگرچہ آپکا چوتھا درجہ ہی۔ مگر سلسلۂ امامت میں آپ رکن اول ہیں۔ عام الفیل کے تیسویں برس ۱۳ رجب کو بمقام مکۂ معظمہ آپ کی ولادت ہوئی اور ۳۵ھ مطابق ۶۵۵ء میں مسند خلافت پر جلوہ فرما ہوے۔ آپ کے عہد کے اہم واقعات میں سے جنگ جمل اور جنگ صفین ہی اور مسلمانوں کی بدنصیبی سے یہی نزاع تھی جو حادثہ اسلام میں پیدا ہوئی اگرچہ ملکی فتوحات میں اضافہ نہوا مگر روحانی فتوحات میں بڑی ترقی ہوئی۔ شجاعت، ہمت، فیاضی، اور صاف دلی میں آپ کی ذات عدیم المثال ہی ۲۰ جنوری ۶۶۱ء مطابق ۴۰ھ میں بمقام کوفہ (۱۷) رمضان المبارک یوم جمعہ جبکہ آپ نماز صبح کے واسطے مسجد جا رہے تھے عبد الرحمن ابن ملجم نے زہرآلود تلوار سے زخمی کیا۔ اور اسی صدمہ سے شب یک شنبہ میں بتاریخ ۲۱ رمضان المبارک سفر آخرت قبول فرمایا۔ اور نجف اشرف میں دفن ہوے جو مسلمانوں کا مرجع و مآب ہی تاریخ وفات میں یہ شعر مشہور ہی ؎

ابن ملجم سر علی چو برید ـــ سال فوتش ازاں عیاں گردید

ازانتخاب ومعارف ابن تفسیر سیوطی التوفیقات الالہامیہ۔

ایت بیش قیمت لباس پہنے ہوئے تھے۔ اور عمامہ بھی بہت موزوں اور خوبصورت
تھا کہ پیچھے سے غلام نے ایک کھانے کا پیالہ اُٹھا کر سامنے رکھنا چاہا مگر اُسکے ہاتھ سے
پیالہ چھوٹ گیا۔ جس سے تمام چہرہ اور سر مبارک آلودہ ہوگیا۔ بمقتضائے بشریت
غصہ آیا اور چہرہ سرخ ہوگیا اور اُسی حالت میں غلام کی طرف دیکھا وہ کانپ کر فوراً بولا
کہ اَلْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ خدا کا حکم سُنتے ہی
کا غصہ جاتا رہا اور چہرہ سے فرحت اور مسرت کے آثار نمایاں ہوگئے۔ اور غلام سے فرمایا
میں نے تجھ کو آزاد کر دیا۔ اب تو ہمیشہ کے واسطے میرے غصے اور تنبیہہ سے بیخوف رہیگا۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۰۰

می چو خضر مرد فرات اگر آبحیات
خضر کے ماندہ لب چشمۂ حیواں تشنہ

آہ ازاں لحظہ کہ اصغر بسر دوش پدر
داد جنجر بدہم غنچہ پیکاں تشنہ

کودکا م کہ ہمہ شہد و شکر میخوردہ
حال طوطی صفتند در شکرستاں تشنہ

گفت شاہ شہدا با پسر سعد لعیں
آب در کوزہ روا داری مہماں تشنہ

مہر زہرا بود ایں آب ہمہ اولاد بتل
کشتہ گشتند دہا دند بمیداں تشنہ

دیو و دد جملہ ازیں آب ہمہ سیراب اند
کس ندید ست لب آب سلیماں تشنہ

گبر و ترسا و نصاریٰ ہمہ زیں آب خورند
ملب نہر جگر گوشۂ عمراں تشنہ

اکبرم کشتہ شد از تیغ تما در میداں
رفت در خلد بریں شاہ جواناں تشنہ

دستہا از تن عباس فگندند چنانک
کس ندید ست کہ سقا سپرد جاں تشنہ

ناصرا آب خوری یاد کن از شاہ شہید
رانکہ شد کشتہ شہنشاہ شہیداں تشنہ

(۳) امیر معاویہ کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ انتہا درجے کے حلیم تھے ایک دن کا واقعہ ہے کہ دربار عام میں ایک نوجوان شکستہ حال آیا اور سلام کرکے گستاخانہ امیر کے سامنے جو بیٹھا اور اس طرح گفتگو کرنے لگا

نوجوان　امیر المومنین ایک بہت مشکل کام لیکر آیا ہوں اگر آپ اسکے ادا کا وعدہ کریں تو عرض کروں۔

امیر معاویہ　ہاں تم اپنی حاجت بیان کرو جہانتک ممکن ہوگا اُسکے پورا کرنے کی کوشش کرونگا

نوجوان　میں ایک مفلس آدمی ہوں۔ اور میری بی بی نہیں ہے اور آپ کی والدہ بیوہ ہیں اگر آپ اُنکا عقد مجھ سے کردیں تو میں بی بی والا ہو جاؤنگا اور وہ شوہر والی اور آپ کو اصل ثواب ہوگا۔

اور ایک دو کلمے ایسے کہے جنکے لکھنے سے تہذیب مانع ہے مگر امیر کے مزاج میں کسی طرح کا

سلہ معاویہ بن ابو سفیان، اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیں اور حدیث کتابت پر لکھا رہتے تھے مگر بعد میں اور ان کی بی بی ہندہ نے خود سلوک اس حضرت سے کی جو اوظاہر ہیں حاوی نے خاص اپنی قابلیت سے بڑا پایہ امارت کا درجہ حاصل کیا اور خلفائے امویہ میں سب سے پہلے امیر ہیں امیر المومنین حضرت علی کے انتقال اور امام حسن کی شہادت کے بعد بلا مزاحمت امیر ہوگئے چنانچہ ۲ ربیع الثانی یوم یکشنبہ ۴۱ہ میں مقام دمشق خلیفہ ہوئے اور دار الخلافت کو دمشق سے شام میں منتقل کردیا ۱۹ برس ۳ ماہ ۵ یوم حکومت کرکے ۷۸ برس کی عمر میں ۶۰ ہجری میں فوت ہوئے اور ان کے تخت نشین ہوا ساتھ ان کے عہد میں ہزاروں قسم کی پریشانیاں اسی عہد میں ہوئیں جس کی تفصیل کے واسطے ایک مستقل کتاب چاہئے فتوحات بھی بہت ہوئیں کابل فتح ہوا اور سندھ تک فوج اگر واپس ہوگئی قسطنطنیہ پر حملہ ہوا اہل روم کو باجگذار بنایا اور اس شرط پر صلح ہوئی کہ روم ۲ سو ہزار سالانہ ادا کرے یہ سونے کی اشرفی وغیرہ۔

تغیر واقع نہیں ہوا اور اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ اور سب نے تسلیم کرلیا کہ امیر معاویہ سے زیادہ حلیم اب کون ہوسکتا ہے۔؟

عُقلا کا قول ہے کہ حلم اچھی چیز ہے لیکن اقبال کے زمانے میں اولےٰ تر ہے۔ اور نعمت بھی عمدہ شے ہے لیکن بحالت شکر گزاری اعلےٰ تر ہے۔ مگر جب علم اور خدا ترسی بھی ہو تو سبحان اللّٰہ

(۳۰) پاسبان اور دربان

پاسبانؔ اور دربانؔ اور نوبت بجانے والوں پر جو ناظر ہوئے چاہیئے کہ ان لوگوں کے معاملات میں خاص احتیاط رکھے اور سب کو پہچانے۔ اور روزانہ اندرونی طور پر تحقیقات کرتا رہے۔ کیونکہ یہ معمولی آدمی ہیں ذرا سے لالچ میں آجاتے ہیں جب کوئی غیر شخص اس گروہ میں پایا جائے تو فوراً اُس کی تحقیقات کرلیجائے اور شب کے وقت ہر نوبت والے کو بنظر تجسس دیکھ لینا چاہیئے۔ اور کسی وقت بھی غافل نہونا چاہیئے۔ کیونکہ یہ خدمت نازک اور خطرناک ہے۔

(۳۱) دسترخوان شاہی

بادشاہوں کے سامنے طرح طرح کے کھانوں کے خوان سجائے جاتے ہیں اور وہ ہمیشہ اسکے پر تکلف کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو لوگ صبح کو حاضر خدمت ہوں اُنکو ہمیشہ بادشاہ کے ساتھ ناشتے میں شریک ہونا چاہیئے، اور اگر کسی وجہ سے کوئی شریک نہو تو بطور خود

لے فصل ۲۴-صفحہ ۱۱۴-　　　　ے فصل ۲۵-صفحہ ۱۱۵-

وقت مقررہ پر بادشاہ کو کھانا چاہیے لیکن یہ کسی طرح بس ہو سکتا ہے کہ صبح کے وقت عام
دسترخوان بچھایا جائے

سلطان طغرل سلجوقی صبح کے کھانے میں خاص تکلف کیا کرتا تھا حتے کہ اگر جنگل میں شکار
کھیلتا ہوتا تو اسی جگہ پر دسترخوان بچھاتا اور اس کثرت سے خوان لگائے جاتے تھے
کہ دیکھنے والے حیرت زدہ رہ جاتے تھے یہی اصول خاص ترکستان کا تھا اور ان کے
بادشاہوں کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا تاکہ سب مستفیض ہوں اور یہ ظاہر ہے کہ
ہر شخص کی ہمت اور مروت اسکے درجے کے مطابق ہوا کرتی ہے اور بادشاہ کا مرتبہ ظاہر
ہے لہذا انکو اپنی شان کے موافق دسترخوان رکھنا چاہیے بلکہ اس معاملے میں اگلے
بادشاہوں سے سبقت لیجانا چاہیے

حدیث شریف میں ہے کہ بندگان خدا کو جو بادشاہ فراخ حوصلگی سے کھانا کھلاتے ہیں انکے

ملہ سامانِ عجم کا دسترخوان بہت وسیع اور پرتکلف ہوتا تھا اس کی علاوہ کسی سے بس ہو سکی لیکن اسلامی تاریخ میں
امیر معاویہ کے عہد سے خلفاے عباسیہ تک اور انکے بعد انکے جانشین حکمرانوں میں صرف بہت سے مسلسل
بانی بانی ہوا اور انکے داستان سے تاریخ کے صفحے پر ہیں حجاج ابن یوسف (جسکا ظلم نام کی سخاوت سے بدنام
مشہور ہے) جو ولید ابن عبدالملک اموی کی طرف سے عراق کا گورنر تھا اسکے دستر میں ہزار خوان بس کیوں سے کے
اہل مجلس کے سامنے چنے جاتے تھے حالانکہ صرف ایک صوبے کا حاکم تھا امیر معاویہ کے حالات میں لکھا
ہے کہ کھانے کے وقت دربان و حاجب کا عمل دخل اٹھ جاتا تھا اور صلاے عام ہوتا تھا اور آج بھی ہمارے سلطان
عبدالحمید خان اور مظفر الدین شاہ بادشاہ ایران خلد اللہ ملکہم کا دسترخوان عہد قدیم کی خاصیوں کا اصلی نمونہ ہے
اور چھوٹے پیمانے پر مسلمان حکمرانوں میں کثرت سے نظائر موجود ہیں

ملک ومال اور عمر میں ترقی ہوتی ہے۔

یہ تاریخی واقعہ ہے کہ فرعون[1] بادشاہ مصر کے باورچیخانے میں روزانہ چار ہزار بکریاں اور چار سو بیل اور دو دسو اونٹ ذبح ہوتے تھے۔ اسکے علاوہ طرح طرح کے حلوے اور غذائیں مع تحریم اور تمام اہل مصر اور فوج والے شریک دسترخوان ہوتے تھے۔ اور جب تک اس کی سلطنت رہی یہی طریقہ جاری رہا۔

حضرت موسیٰ[2] علیہ السلام کے حالات میں مورخوں نے لکھا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی دعا پر وعدہ فرمایا تھا کہ "میں فرعون کو دریائے نیل میں غرق کرکے اسکی سلطنت کا تمکو مالک بنادونگا" چنانچہ جب اس وعدے کو کئی برس گزر گئے اور فرعون کی فرعونیت میں کچھ کمی نہ ہوئی۔ تب حضرت موسیٰ نے چالیس دن روزے رکھے اور طور سینا پر جاکر مناجات کی اور عرض کیا کہ خداوند عالم تیرا وعدہ کب پورا ہوگا۔؟

[1] جس طرح بی زمانہ شاہان مصر کا لقب خدیو ہے ویسے ہی زمانہ قدیم میں انکا لقب فرعون تھا۔ جسکے معنی متکبر اور سرکش کے ہیں۔ فراعنہ یکے بعد دیگرے دش ہوئے ہیں۔ بنی اسرائیل کو انھوں نے سخت تکلیف دی اور مصر میں دو سو سولہ برس قید رکھا (یہ زمانہ حضرت یعقوبؑ کی آمد سے خروج حضرت موسیٰؑ تک ہے) فراعنہ کا سلسلہ نسب عملیق بن عولج بن عادیر ختم ہوتا ہے۔ کلام مجید میں فرعون اور حضرت موسیٰ کا جسقدر واقعہ ہے وہ صرف ایک ہی فرعون سے متعلق نہیں ہے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ بڑا حصہ ولید بن مصعب کے متعلق ہے اور بحر احمر میں یہی فرعون غرق ہوا ہے ناسخ التواریخ جلد اول

[2] موسیٰ بن عمران بن قاہث بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام۔ خدا کے ان جلیل الشان رسولوں میں سے ہیں کہ جنپر توراۃ مقدس نازل ہوئی۔ (والدہ کا نام یوکبد، یوحانذ، اباحتہ، یا یوخاث تھا) عمران کے آپ دوسرے بیٹے تھے جو ہارون کے بعد اسی برس میں پیدا ہوئے تھے۔ اور حضرت موسیٰ کو اسی برس کی عمر میں

غیب سے آواز آئی کہ اے موسیٰ ! تم فرعون کو جلد ہلاک کرنا چاہتے ہو لیکن اُسکے دم سے
ہزارہا بندے پرورش پاتے ہیں قسم ہے مجھے اپنے عزت وجلال کی جب تک اُسکا
دسترخوان وسیع رہیگا، یاد رکھو کہ میں اُسکو ہلاک نہ کرونگا اور جب اس میں کمی دیکھو تو سمجھ لینا
کہ اس کی موت قریب ہے چنانچہ جب حضرت موسیٰ نے فرعون کے مقابلے کی طیاریاں
شروع کیں، اور یہ خبر فرعون کو پہنچی تو اُسنے ہامانؔ سے کہا کہ ”موسیٰ بنی اسرائیل کو میرے

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۰۵ موت ہر طرف مول لی تھی! حالانکہ بنی اسرائیل کو مدت طویل درکار تھی انکو تُرس کی
عمر ہی سال تھا اسوقت مصر کے تخت پر اقامہ میں سے ولید بن مصعب حکمراں تھا جو مصر کا آخر فرعون تھا اور ایران
میں اسوقت منوچہر کی حکومت تھی حضرت دینی کی اسی کی سب کی بنی صفورا سے موسیٰ تھی ماروں پر صابرین تا
بن لاوی ابن کا تھی او بھائی تھا جو اسوقت کے ولیمدوں میں بیٹے رکھا تھا او سامری جسکا نام موسیٰ بن ظفر تھا
تھی اسی زمانہ میں تھا تفسیر و تاریخ کی کتابوں میں ان سب کے حالات مفصل تحریر ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام تا ل اقا
ہے اور حال گلو گرفتہ برس میں عبرت نہیں تھا اور زبان میں لکنت تھی ارمعار حسان تفسیر و جامع التواریخ جلد اول
اس جلد میں جہسار بنی اسرائیل ملک ولید بن مصعب کا مور و بدی جس طرح فرعون دعوی الوہیت میں ہرسا ہدا
دسا ہی ’رو کم ورمدہ میں مبتلا تھا حضرت موسیٰ کے وعظ سے فرعون ایمان لانے پر آمادہ ہوگیا تھا مگر ہامان نے
کہا کہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ آج تک تو خدائی کرتا تھا اور لوگ تیرے سامنے سجدہ کرتے تھے اور اب تو موسیٰ کے
کہنے سے خدا کی عبادت کریگا او خدائی کرکے بندوں میں شامل ہوگا اور اسی طرح سے وہی کے ہر منصوبہ کی
رد کرتا تھا بحر احمر میں فرعون کے غرق ہونے کا سبب بھی یہی ہامان تھا
سیاہ خضاب کا موجد بھی یہی ہامان ہے کیونکہ حضرت موسیٰ نے فرعون سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تو خدا پر ایمان لائے تو تیرا شباب
لوٹ آئیگا جب ہامان نے سنا تو کہا تو میں کرسکتا ہوں اور خضاب لگاکر سفید بالوں کو سیاہ کر دیا چنانچہ سیاہ خضاب
لگانے والے فرعون کی سنت ادا کرتے ہیں اور انصاف یہ ہے کہ بھی حصول کیونکہ سہ

خضاب بردہ مری بھی سود حاصل ◦ کہ گرہ حیلہ جبران ناہمواریاں کرد

مقابلے کے لیے جمع کر رہے ہیں۔ انجام کی خبر نہیں ہو کہ کیا ہو۔ اسیلئے خزانے کو معمور رکھنا چاہیئے تاکہ کسی وقت ہماری قوت کم نہو۔ اور اس کی تدبیر یہی ہو کہ باورچیخانے کا خرچ نصف کر دیا جائے چنانچہ اس خرچ میں کمی ہوئی گئی حضرت موسیٰ اس خبر کو سُنکر نہایت خوش ہوئے اور خدا کا وعدہ یاد آگیا۔ چنانچہ جس روز فرعون دریائے نیل میں غرق ہوا ہی اُسدن اُسکے باورچیخانے میں صرف دو بھیڑیں ذبح ہوئی تھیں"۔ اور اسی مہمان نوازی کے سبب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خداوند تعالےٰ نے تعریف کی ہی۔

حاتم طائی کا نام دنیا میں صرف اسی صفت سے زندہ ہی حق تعالیٰ سب کو اسی صفت سے بہرہ ور کرے۔ آمین وَلِلّٰہِ دَرُّ مَنْ قَالَ۔

جوانمردی از کارہا بہتر است — جوانمردی از خوئے پیغمبر است
دو گیتی بود بر جوانمرد راست — جوانمرد باش و دو گیتی تراست

سلہ تاریخ اسلام میں چند نامور حاتم گزرے ہیں، مگر سب میں ممتاز اور ضرب المثل حاتم طائی ہی۔ اور حاتم کو صرف فیاضی، مروت اور خلق نے عوام و خواص میں روشناس کر دیا۔ حالانکہ وہ ایام جاہلیت کا نامور شاعر بھی ہی۔ یہ نامور عرب کے مشہور قبیلہ طے میں پیدا ہوا۔ عبداللہ کا بیٹا اور سعد کا پوتا اور حشرج کا پروتا تھا۔ حاتم کی ماں عتبہ بھی فیاضی میں مشہور ہی۔ اسیلئے یہ کہنا مبالغہ نہیں ہی کہ حاتم مادرزاد فیاض تھا حاتم کا باپ اپنے نونہال کو شیرخوار چھوڑ کر مرگیا تھا۔ اسیلئے دادا نے پرورش کیا ہوش سنبھالنے پر دادا نے اونٹوں کی نگرانی سپرد کر دی اور حاتم جنگل میں رہنے لگا لیکن حضرت نے پہلی ہی فیاضی میں ۲۰۰۔ اونٹ عبید بن ابرص، بشر بن ابی حازم اور نابعہ ذبیانی کو بحصہ برابر تقسیم کر دیئے اور اس جرم پر دادا نے گھر سے نکالدیا۔ مگر خدا نے حاتم کو مال و دولت سے بہرہ ور کر دیا۔ اور تمام عمر فیاضی کرتا رہا۔ اور اس کی فیاضی کا ہر واقعہ عجیب و غریب ہی۔ یہ زمانہ جاہلیت کے مشاہیر میں سے ہی۔ ظہور اسلام سے قبل فوت ہوا۔ ولادت اور وفات کی تاریخ کا پتہ نہیں لگا۔ حاتم کا دیوان بیروت میں

ہر روز اُسے شراب و طعام پہنچا دیا کرتا تھا۔ جب پرویز کو یہ خبر ہوئی تو باربد سے کہا کہ جو شخص میری حراست میں ہو اُس کی خبرگیری کا تجھ کو کیا حق ہی۔ باربد نے عرض کیا کہ جو احسان حضور نے اُسکے ساتھ کیا ہی اتنا تو مجھ سے نہیں ہو سکتا ہی۔ پرویز نے پوچھا وہ کیا ہی؟ باربد نے کہا کہ حضور نے اُس کی جان بخشی کر دی ہی۔" یہ سُنکر خوش ہوا اور امیر کو چھوڑ دیا۔

آلِ ساسان کا یہ دستور تھا کہ اُنکے سامنے اگر کوئی اچھی بات کہتا یا کوئی جوہر دکھاتا اور وہ کہتے کہ بہت خوب تو اُسی وقت خزانچی ایک ہزار درہم دیدیتا تھا۔

اور شاہانِ اکاسرہ عدل، مروت، ہمت میں تمام شاہانِ سلف سے فائق تھے اور اُن میں بھی نوشیرواں عادل سب سے افضل تھا۔

(۳۳) عمال کی شکایت کی خفیہ تحقیقات

اگر کسی گوشۂ ملک سے یہ خبر پہنچے کہ وہاں کی رعایا پریشان ہی، اور شبہ ہو کہ مخبر خود غرض ہیں تو بادشاہ کو اپنے معتمدین میں سے کسی شخص کو نامزد کر کے اس طرف خاموشی سے بھیج دینا چاہیئے تاکہ کسی کو معلوم نہ ہو کہ وہ کس کام کے لیئے جاتا ہی۔ اور وہ ایک مہینے تک اُن اطراف میں پھر کر شہر اور گاؤں کی آبادی اور ویرانی کی حالت دیکھے اور عامل کے متعلق جو خبریں سُنائی دیں اُس کی جانچ کرے۔ کیونکہ عمال کا یہ بھی دستور ہی کہ ایسے موقع پر وہ کہا کرتے ہیں کہ مجھ سے لوگ رنج و عداوت رکھتے ہیں۔ لہذا اُن کی باتیں قابلِ سماعت نہیں۔ اگر ان کے

لے فصل ۳۰۔ صفحہ ۱۱۹۔

اقوال پر توجہ کیجائیگی تو وہ اور سرکش ہو جائینگے“ ایسے خود غرضوں کی باتوں میں آجانے سے

رعایا تباہ و برباد ہو جاتی ہے

(۳۴) امور سلطنت میں بادشاہ کو جلدی نکرنا چاہیئے

[1] بادشاہ کو جب کوئی خبر پہنچے یا کوئی معرکہ پیش آئے تو اس میں عجلت سے کام لیا جائے

بلکہ آہستگی سے جانچ کرنا چاہیئے تاکہ جھوٹ اور سچ کی تصدیق ہو جائے۔

جب دو فریق حاضر ہوں اور اپنی روداد بیان کریں اسوقت کسی طرح دلی یقین پر یہ ظاہر ہونے

پائے کہ بادشاہ کا میلان کس جانب ہے کیونکہ درصورت اظہار جو فریق سچائی پر ہے وہ ڈر جائیگا

اور عرض مدعا سے قاصر رہیگا مگر جھوٹے کا حوصلہ بڑھ جائیگا چنانچہ بھی قرآن مجید میں ہے

یاایھا الذین امنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا بزرگان دین کا مقولہ ہے کہ العجلة من

الشیطان والتانی من الرحمٰن بزرجمہر کہتا ہے کہ کسی کام میں جلدی کرنا ہلکے پن کی دلیل ہے

اور ایسے لوگ ہمیشہ پشیمان و غمناک ہوا کرتے ہیں اور اپنی حرکتوں پر خود ہی نادم ہو کر بار بار

استغفار کرتے ہیں

(۳۶) امیر حرس و چوبدار کی خدمات

[2] ہر دور سلطنت میں امیر حرس کا عہدہ نہایت معتمد شمار کیا گیا ہے اور حاجب کے بعد

اس عہدہ دار کا مرتبہ ہے کیونکہ امور سیاسی سے اسے زیادہ تعلق ہے جب بادشاہ کسی پر غصہ

---

[1] فصل ۹ صفحہ ۱۲ - [2] فصل ۱۳ صفحہ ۱۲۱ -

ہوتا ہے تو وہ اس عہدہ دار کو حکم دیتا ہے کہ فلاں شخص کو قتل کر، ہات پاؤں کاٹ ڈال، پھانسی دے، بید لگا، جیلخانے میں لیجا، یا کنوئیں میں قید کر، اسوجہ سے سب لوگ امیر حرس سے ڈرتے ہیں اور جان کے خوف سے مال و دولت اس پر نثار کرتے ہیں۔

امیر حرس ہمیشہ صاحب نقارہ و نشان رہتا ہے۔ اور اس کی سیاست کا لوگوں پر بادشاہ سے زیادہ خوف ہوتا ہے اور یہ عزت اسکے عہدے کے لیے ضروری ہے۔

چوبدار بارگاہ سلطانی میں کم از کم پچاس چوبدار ہر وقت حاضر رہنا چاہیئے جنمیں سے بیس کے عصا نقرئی ہوں اور بیس کے طلائی اور دس بہت ہی شاندار ہوں۔

(۳۶) خطاب و القاب

بادشاہوں نے ہمیشہ کثرت سے القاب کے دینے میں بخل کیا ہے۔ کیونکہ جو چیز با فراط ہوتی ہے اُس کی قدر و قیمت گھٹجاتی ہے ہر شخص کے درجے و مرتبے کا خیال رکھنا اور اُسکو اُسی حیثیت کا خطاب دینا معمولی بات نہیں ہے بلکہ یہ ناموس سلطنت میں داخل ہے۔ کیونکہ اگر گنوار اور شہری کو ایک ہی لقب سے یاد کریں یا جاہل اور عالم دونوں ایک ہی خطاب سے پکارے جائیں تو پھر اُنکے درجے میں کیا فرق ہوگا۔ اس لیئے بادشاہ کے لیئے جائز نہیں ہے کہ عطائے خطاب میں فرق امتیاز باقی نہ رکھے۔ پہلے زمانے میں اُمرا اور ترکوں کا لقب حسام الدین سیف الدولہ وغیرہ ہوا کرتا تھا۔ اور ارکان سلطنت کا عمید الدولہ، ظہیر الملک، قوام الملک وغیرہ۔ لیکن ہمارے

ـــــــــــــ

۵۷ سیاستنامہ صفحہ ۱۳۱ لغایت ۱۳۴ فصل حلیم۔

زمانے میں یہ رسم اُٹھ گیا اور ایک دوسرے کے لقب باہم خلط ملط ہو گئے ہیں۔ ذیل کے
واقعہ سے معلوم ہو جائیگا کہ القاب و خطاب کسقدر عزت کی چیز تھے
دارالسلطنت غزنی میں جب سلطان محمود تخت نشین ہوا تو امیر المومنین القادر باللہ[1]
عباسی سے عطائے خطاب کی استدعا کی چنانچہ دربار خلافت سے یمین الدولہ کا خطاب
مرحمت ہوا لیکن جب سلطان نے ولایت نمروز، خراسان، ہندوستان (سومنات)
تک مع تمام عراق کے فتح کرلیا اُسوقت دربار کو ایک سفارت مع گراں بہا تحائف کے
روانہ کی اور خلیفہ سے خواہش ظاہر کی کہ یمین الدولہ کے لقب پر کچھ اور اضافہ کیا جائے
مگر درخواست نامنظور ہوئی جسکے بعد سلطان نے دس مرتبہ اپنا قاصد بھیجا مگر کچھ کامیابی نہوئی
اور سلطان محمود کی ناکامی کا سبب تھا کہ خاقان سمرقند کو خلیفہ نے تین لقب دیئے تھے
یعنی ظہیر الدولہ، معین خلیفۃ اللہ، ملک المشرق والصین اور سلطان کو صرف
یمین الدولہ کا لقب دیا گیا تھا اسلیئے سلطان نے پھر خلیفہ کو پیغام بھیجا کہ خاقان کو جس کو
میں نے تخت پر بٹھایا ہے حضور نے تین لقب عطا کئے ہیں اور مجھ کو صرف ایک حالانکہ میری
نڑاکر توراہی ملی خدمات کا لحاظ فرمایا جائے خلیفہ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ لقب حقیقت میں
ایک تشریف ہے جس سے مرد کی عزت و عظمت بڑھ جاتی ہے لیکن چونکہ تم خود ہی شریف اور معزز ہو

[1] القادر باللہ ابوالعباس احمد بن اسحاق بن مقتدر سنہ ۳۸۱ھ میں تخت نشین ہوا اسنے اپنی حکمت عملی سے امرائے آل بویہ کا
زور توڑا اور عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لیکر دولت عباسیہ کو زندہ کر دیا بہاء الدولہ بن عضد الدولہ کی بیٹی سے اس خلیفہ
نے بعوض ایک لاکھ دینار عقد کیا یہ وہی خلیفہ تھا کہ دربار خلافت سے محمود کو سلطان اور یمین الدولہ کا خطاب اور خلعت
مرحمت ہوا سنہ ۴۲۲ھ میں خلیفہ فوت ہوا (طبقات ناصری و الفخری)

لہذا تمہارے واسطے ایک لقب کافی ہی۔ رہا خان سمرقند کا مقابلہ۔ تو وہ ایک نادان ترک ہے
اسلیئے مینے اُس کی درخوست کو منظور کرلیا ہی۔ اور تمہاری جو عزت میرے دل میں ہی اُس کا
اندازہ میں خود ہی کرسکتا ہوں" لیکن سلطان کی اس جواب سے تشفی نہوئی بلکہ سخت صدمہ ہوا
اور محل میں آکر ایک ترکی خواص سے جو اکثر اپنی خوش بیانی سے سلطان کو خوش رکھا کرتی تھی
تمسکاً کہا کہ مینے اس امر میں کہ خلیفہ میرے لقب پر کچھ اضافہ کرے بہت کوشش کی مگر کامیابی
نہوئی اور خاقان سمرقند جو در اصل میری رعیت ہی۔ وہ کئی لقب سے ممتاز ہی۔ اسلیئے چاہتا ہوں
کہ خاقان کے گھر سے وہ تمام سندیں جو امیرالمومنین نے وقتاً ° ہمارے لقب مرحمت فرمائی
ہیں۔ کوئی چُرالاے۔ اسکا صلہ میں خاطر خواہ دونگا" چنانچہ اس خواص نے اقرار کیا کہ میں
اس کام کو پورا کر دونگی۔ سلطان نے خوش ہوکر سامان سفر درست کر دیا اور یہ خواص روانہ ہوگئی
اور واپسی کے بعد سلطان سے اپنا سفرنامہ اس طرح سے بیان کرنا شروع کیا کہ میں حضور سے
رخصت ہوکر غزنیں سے کاشغر گئی اور وہاں سے چین و خطا کے ریشمی کپڑے وغیرہ خرید کرکے
مع چند کنیز اور ترکی غلاموں کے ایک قافلے کے ہمراہ سمرقند روانہ ہوئی۔ اور منزل مقصود پر
پہنچکر تین روز کے بعد خاتون (بیگم خاقان سمرقند) کی خدمت میں سلام کے لیے حاضر ہوئی اور
حضور میں پہنچکر ایک خوبصورت کنیز پیش کی اور بولی کہ میں ایک سوداگر کی بی بی ہوں وہ مجھ کو
اپنے ساتھ سفر میں رکھتا تھا۔ شہر خطا جانیکا قصد تھا۔ مگر ختن پہنچکر اُنے عالم آخرت کا سفر اختیار کیا
تب میں ختن سے کاشغر چلی گئی خان موصوف کو مینے نذر دی اور عرض کیا کہ میرا شوہر خاقان سمرقند
کا غلام تھا۔ اور میں اُس کی کنیز چنانچہ یہ لڑکا اُس مرحوم کا یادگار ہی اور جسقدر سرمایہ باقی ہی وہ بھی

خاقان کا عطیہ ہے۔ دو سواری ہوئی اگر چند ایک آدمیوں کے ہمراہ محمد بیو اور اس یتیم بچے کو
حضور یورکند اور سمرقند تک پہنچا دیں میں تمام عمر آپ کی دعا گو رہونگی چنانچہ خاقان کا شعر ملے
ایک رہبر ساتھ کر دیا اور حاکم یورکند کو حکم دیا کہ وہ مجھے اچھی طرح سے سمرقند پہنچا دے چنانچہ
حضور کے صدقے میں خدا خدا کر کے یہاں تک پہنچ گئی ہوں اب میری یہ آرزو ہے کہ سرکار
مجھ پر شفقت کا ہاتھ رکھیں اور اپنی لونڈی سمجھ کر حضور میں رہنے دیں اور میرے شوہر کی
بھی یہی آرزو تھی کہ سمرقند پہنچ کر تمام عمر یہاں سے قدم نہ نکالونگا۔ اور میرے پاس جو سرمایہ ہے
اُسکو سمجھ کر کوئی جائداد خریدلوں گی جو میرے اور اس یتیم بچے کے واسطے کافی ہوگی۔" خانم
نے کہا کہ بی بی اطمینان سے رہو جو کچھ مجھ سے ہو سکیگا تمہارے لیے اُٹھا نہ رکھوں گی مکان
اور کھانے کپڑے کا خرچ میرے ذمے ہے تم شوق سے میرے پاس رہا کرو۔ اور میں خاقان
سے بھی تمہاری سفارش کرونگی" چنانچہ پہلے دن بیگم سے بات چیت کر کے چلی آئی اور دوسرے
دن پھر حاضر خدمت ہوئی بیگم کے ذریعے سے خاقان کا بھی سلام میسر ہوا میں نے اول ایک
ترکی غلام اور ایک خوبصورت گھوڑا نذر کیا اسکے بعد اپنا مختصر حال خاقان سے کہا پھر آہستہ
آہستہ تحفے تحائف اور لطائف ظرائف سے میں نے دونوں کو اپنا کر لیا اور خاقان سے باوجود
اُسکے اصرار و تاکید کے کچھ نہیں لیا جب مہینے گزر گئے تو ایک دن میں نے خاقان اور اُس کی
بیگم کے سامنے بعد تمہید دعا و ثنا کے عرض کیا کہ ایک حاجت رکھتی ہوں اگر قبول ہو تو عرض
کروں دونوں نے کہا یہ تو ہماری خوش بختی ہے" میں نے کہا کہ میری نہ بیٹی ہے نہ بچی صرف میرا ایک
بیٹا ہی ہے میں نے اسکو علم القرآن اور علم ادب کی تعلیم دی ہے باقبال خداوند یقین ہے کہ ذی صالح ہوگا

اور یہ مسلمات میں سے ہو کہ خدا اور رسول کے احکام کے بعد امیر المومنین کے فرمان کا درجہ
ہو اور دربار خلافت کا کاتب نہایت نامور ادیب ہو اگر مرضی مبارک ہو تو دو تین روز کے
واسطے وہ فرامین مرحمت ہوں تاکہ کسی ادیب سے حضور کا غلام اسکو پڑھ لے" میری التجا
سنکر دونوں نے کہا کہ یہ تو محض معمولی بات ہی تمکو کوئی شہر اور جاگیر طلب کرنا چاہیے تھا۔ اور
فرامین تو امیر دولت کے یہاں پچاس ہونگے چاہو تو سب لیلو میںنے کہا نہیں صرف ایک کافی
ہی۔ چنانچہ حسب الحکم خزانے سے وہ دستاویز برآمد ہو کر میرے حوالے کر دی گئی۔ جب میں
حصول مدعا میں کامیاب ہوئی تو میںنے سفر کا سامان کیا اور اُنٹوں پر اسباب لادکر اہل محلہ سے
ظاہر کیا کہ ایک ہفتہ کے واسطے پرگنہ میں دیہات خریدنے جاتی ہوں چنانچہ کڑی منزلیں طے
کرتی ہوئی ایک ہفتہ میں غزنین پہنچی اور اب سلطان کی خدمت میں وہ فرمان پیش کرتی ہوں"
سلطان محمود نے اس فرمان کو ایک حاکم کے ہات خلیفہ قادر باللہ کے حضور میں بھیجدیا۔
اور عریضے میں لکھا کہ میرا ایک نوکر سمرقند گیا تھا وہاں کے کسی مکتب میں ایک لڑکا یہ پڑھ رہا تھا
اُسنے لڑکے سے چھین کر میرے سامنے پیش کیا ہو حقیقت یہ ہو کہ نامہ و فرمان ایسے شخص کے
پاس بھیجنا چاہیئے جو اُسکو عزیز سمجھے اور اپنے سر کا تاج بنائے۔"
خلیفہ قادر باللہ کو جب یہ حال معلوم ہوا تو اُسنے خاقان کو نہایت غصے سے لکھا اور سلطان
محمود کا سفیر چھ مہینے تک بغداد میں پڑا رہا۔ اسکو اور کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ تب سفیر نے جو کہ
خود بھی بڑا عالم تھا قاضی القضاۃ سے یہ مسئلہ پوچھا کہ "ایک مسلمان بادشاہ جسنے محض دین کے
واسطے کفار پر جہاد کیا ہو اور جسنے دار الکفر کو دار الاسلام بنایا ہو۔ اور وہ خلیفہ سے ملنا چاہیے

لیکن بعد مسافت مانع ہو تو اس صورت میں وہ کسی عباسی کو تخت پر بٹھا کر بطور خلیفہ کے اُسکی
پیروی کر سکتا ہے یا نہیں" قاضی القضاۃ نے لکھدیا کہ ہاں وہ ایسا کر سکتا ہے"
اس سفیر نے اپنی عرضداشت کے ہمراہ فتوے کو خلیفہ کے حضور میں پیش کیا اور لکھا کہ میں
عرصے سے در دولت پر پڑا ہوں سلطان محمود نے لاکھوں ہی مرتبہ ساحت سے اضافہ لقب
کی درخواست کی مگر افسوس ہے کہ وہ نامنظور ہوئی اگر سلطان قاضی القضاۃ کے فتوے پر
(جو شرع کا حاکم ہے) عملدرآمد کرے تو امیر المومنین کے نزدیک وہ معذور سمجھا جائیگا یا نہیں؟
خلیفہ نے عرضداشت پڑھنے کے ساتھ ہی حاجب کو حکم دیا کہ سفیر کو رخصت کر دو اور اُسے مطمئن کر دو کہ
وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگا اور محمود کو خطاب ملیگا "
لیکن محمود جیسے شخص کو باوجود خدمات شائستہ کے یمین الدولہ و امین الملۃ کا لقب کن مشکلوں سے ملا
تھا سلطان جب تک زندہ رہا وہ یمین الدولہ و امین الملۃ کے لقب سے مشہور رہا۔

سلہ ایک مورخ نے لکھا ہے کہ سلطان محمود نے خلیفہ قادر باللہ سے علاوہ اسماء القاب کے بھی خواہش کی تھی کہ وہ اپنی
بعد کے بیکار ملے میں شہر ادام ترا ہاتھ ملک خلیفہ نے درخواست منظور کی سب محمود نے غصہ ہو کر لکھا کہ مری درخواست
منظور کیجائے ورنہ بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دونگا اور خاک کا ملبہ ہاتھیوں کی پشت پر لاد کر غزنی لے جاؤنگا چنانچہ خلیفہ نے
جواب میں ایک خط سربمہر روانہ کر کے محمود کے پاس بھیجا جب خط کھولا تو بسم اللہ کے بعد الم الف لام میم لکھا ہوا تھا اور سطر میں
الم اور آخر میں الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی النبی لکھا ہوا تھا اور سارے پرچہ پر یہ تحریر دیکھکر محمود اور مشیر حیرت زدہ ہو
گئے لیکن ابو نصر نے جو کہ اسوقت حاضر تھا اس کا مطلب سمجھا کہ خلیفہ نے اس تحریر میں
الم ترکیف فعل ربک باصحاب الفیل کی طرف اشارہ کیا ہے یہ جواب محمود کی سمجھ میں آگیا اور اُسکے
دل پر خوف طاری ہوگیا اور اسی تحریر پر نادم ہو کر سفیر کے ساتھ پیش بہا تحائف روانہ کیے جس میں عبداللہ صفی بھی تھا اس قسم کی تحریر کا نام
دروغ گو را خود سلطان اسلام اور کے کانٹے داری کے مواقع پر کسی تحریر میں کیا کرتے ہیں کیونکہ تاریخ میں موجود ہیں

آل سامان جنھوں نے عرصے تک سلطنت کی ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا صرف ایک لقب تھا مثلاً امیر نوح کا شہنشاہ؛ اور اُسکے باپ کا امیر سدید، اور اُسکے دادا کا امیر حمید، اور اسمٰعیل بن احمد کا امیر عادل[1]۔

قضاۃ اور ائمہ کے لقب اس طرح ہوا کرتے تھے۔ جیسے مجدُ الدِّین، شرفُ الاسلام، سیفُ السُّنَّة، زَینُ الشَّرِیعَة، فخرُ العُلَمَاء وغیرہ چونکہ شریعت کا تعلق خاص علماء سے ہی لہٰذا اُن کو ایسے لقب دیے جاتے تھے۔ اور اگر کوئی جاہل خود ہی صاحب لقب بنجاتا تو اُسکو سلطنت کیطرف سے سزا دیجاتی۔ سپہ سالاران فوج اور عمّال کو دولہ کا خطاب دیا جاتا تھا۔ مثلاً سیف الدولہ، حسام الدولہ، ظہیر الدولہ اور وزیروں کو شرف الملک، عمید الملک، نظام الملک، کمال الملک وغیرہ۔

سلطان الپ ارسلان کے عہد حکومت تک خطابات باقاعدہ تقسیم ہوا کرتے تھے لیکن اس عہد کے بعد پھر مٹیا زاٹھ گیا۔ اور خطاب گڈ مڈ ہو گئے۔ اور اسی کثرت کی وجہ سے کوئی خطاب کا طالب نہیں رہا۔ حکمران عـراق (قونیہ) کا لقب عصل دولۃ اور رکن الدولۃ تھا۔ اور انکے وزیر استاد جلیل اور استاد خطیر کے لقب سے سرفراز تھے۔

طبقہ وزراء میں سب سے زیادہ فاضل اور بزرگ صاحب بن عباد تھا۔ اسکا لقب صاحِب کَافِی الکُفَاة تھا سلطان محمود کے وزیر کا لقب شمس الکفاۃ تھا۔

بادشاہوں کے القاب میں دنیا اور دین کا لقب زمانہ سابق میں نہ تھا لیکن سب سے پہلے خلیفہ المُقتَدِیْ بِاَمرِاللّٰہ نے سلطان ملک شاہ کو مُعِزُّ الدُّنیَا وَالدِّین کا لقب عطا فرمایا لیکن سلطان

[1] المقتدی بامر اللہ ابو القاسم عبداللہ ۴۶۷ھ میں اپنے باپ القائم بامر اللہ کے انتقال پر تخت نشین ہوا۔ اس خلیفہ کے

کے انتقال کے بعد یہ لقب موقوف ہو گیا کیونکہ سلطان برکیارق رکن الدنیا والدین اور محمود
غیاث الدنیا والدین کے لقب سے پکارا جاتا تھا علی ہذا القیاس ناصر الدنیا والدین اور
محی الدنیا والدین بھی القاب تھے اور بیگمات کو بھی لقب الدنیا والدین دیا جاتا تھا۔ مگر
حقیقت حال یہ ہے کہ یہ القاب و خطاب بادشاہوں کو سزاوار ہیں کیونکہ دین و دنیا کی سلطنت
انہیں کی ذات سے وابستہ ہیں مجھے بہت تعجب ہوتا ہے جب میں ایک معمولی غلام کا لقب
معین الدین و تاج الدین سنتا ہوں حالانکہ بدمذہب کو ان حضرات سے نہایت ناشائستہ پیشے
ہیں اور ایسے زیادہ بدمذہب کوئی دوسرا نہیں ہے۔

ماحصل اس بیان کا یہ ہے کہ صرف چار گروہوں کو لقب دین و اسلام کے سزاوار ہیں۔
(۱) بادشاہ (۲) وزیر (۳) عالم (۴) امیر۔ اور امیر بھی عام طور سے نہیں
بلکہ وہ جو جہادی لڑائیوں میں مشغول رہتا ہو اور انکے علاوہ جو کوئی دین و اسلام اپنے
لقب میں اضافہ کرے اسکو سزا دیجائے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو اور عطائے خطابات سے
صرف یہی غرض ہے کہ وہ شخص عوام سے ممتاز سمجھا جائے مثلاً ایک مجلس میں دس آدمیوں کا
نام محمد ہے اب اگر ہم ان میں سے صرف ایک کو پکاریں تو سب کے سب پکار اٹھینگے کہ لبیک
گو خطاب ایک ہوگا مگر ہر شخص سمجھیگا کہ محمد کو بلاتے ہیں اور جب ان میں سے ایک کا موفق

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۱۷ وقت میں دولت بنی بویہ کا خاتمہ ہو چکا تھا مگر آل سلجوق نے بھی انکی تقلید کرتے رہے
خلفاء عباسیہ میں المقتدی ایک عالی ہمت اور دانشمند شخص تھا جس نے احکام کی اشاعت پر خاص توجہ کی سنہ ۴۸۵ھ میں ملک
شاہ کا انتقال ہوا سلطان ملک شاہ اور المقتدی کے تعلقات کو ہم نے کسی قدر حصہ اول کے صفحہ ۱۶۷ و ۱۶۸ میں لکھا
ہے لہٰذا اس موقع پر تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔

دوسرے کا کامل تیسرے کا سدید چوتھے کا رشید لقب ہوگا تو آواز دینے پر صرف وہی ایک شخص بولیگا۔ اور لقب ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جس سے ہر ایک درجے و مرتبے میں بلحاظ خرد و بزرگ تمیز ہوتی ہی۔ شاہان بیدار و عادل کو چاہیئے کہ آئین قدیم پر بھی نظر ڈالتے رہیں اور کوئی کام بغیر غور و فکر نہ کریں۔

سلہ جو شکایت پانچویں صدی ہجری میں خواجہ نظام الملک نے اپنی سلطنت سے کی ہو بجنسہ وہی شکایت آج بھی موجود ہی کیونکہ شاہی تقریبات پر جب خطاب پانیوالوں کی فہرست چھپتی ہی تو اُس میں عجیب قسم کا فرق نظر آتا ہی۔ اور کوئی خاص اُصول خطاب ملنے کا سمجھ میں نہیں آتا ہی۔ کیونکہ عام نگاہوں میں جو شخص بہمہ وجوہ خطاب کا مستحق ہوتا ہی وہ گورنمنٹ کی عزت افزائی سے محروم رہ جاتا ہی اور ایسے شخص کو خطاب ملجاتا ہی جس کی نسبت وہم و گمان بھی نہیں ہوتا ہی۔ ہاں یہ اور بات ہی کہ سلطنت نے عطائے خطاب کیواسطے کسی خاص سفارش پر لحاظ فرمایا ہو جسکی عوام کو خبر نہو۔ دوسری غلطی یہ ہوتی ہی کہ جو جس خطاب کا مستحق ہی اُسکو وہ خطاب نہیں ملتا ہی بلکہ دوسرا خطاب دیا جاتا ہی جسکو پانیوالا بھی پسند نہیں کرتا ہی۔ مثلاً علماء کو بجائے شمس العلماء کے خاں بہادر کا خطاب ملتا ہی اور جو خان بہادری کے مستحق ہیں وہ شمس العلماء ہوجاتے ہیں۔ تمام ہندوستان اور عموماً ہر طبقے میں اسوقت ایسے باکمال اور خیر خواہ سلطنت موجود ہیں جو قدر دانی کے مستحق ہیں مگر وہ حکام ماتحت کے غلط انتخاب کی وجہ سے ہمیشہ محروم رہجاتے ہیں۔

ایسی ہی شکایت ہم کو اپنے علماء سے بھی ہی کہ وہ خود اپنے لیے جوڑے جوڑے القاب تجویز کر لیتے ہیں اور بجائے مختصر ناموں کے بڑی بڑی طولانی عبارتیں نظر آتی ہیں اور سب سے زیادہ اُنکے حال پر افسوس ہوتا ہی جنکے ناموں کے قبل "علامہ" اور "ابو الفضل" وغیرہ لکھا جاتا ہی۔ کیونکہ یہ القاب نہ سلطنت کی طرف سے عطا ہوئے ہیں نہ ملک کی طرف سے دیئے گئے ہیں بلکہ خود انھیں کے دماغ اور قلم کا نتیجہ ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مسلمانوں نے اپنے عروج کے زمانے میں بھی عطائے القاب میں نہایت ہی بخل سے کام لیا ہی۔ ہمارے زمانے کے فرضی "علامہ" اور "ابو الفضل"، "بو علی سینا" سے بڑھکر نہیں ہیں جسکو باوجود اس فضل و کمال کے صرف ایک مختصر خطاب دیا گیا تھا۔ یعنی "شیخ" مگر انصاف یہ ہی کہ جو عظمت و جلال "شیخ" کے لفظ سے ہویدا ہی وہ مطلقاً و میسنا کار قعوں میں بھی ڈھونڈھے سے نہیں ملسکتی ہی۔

(۳۷) ہر کسی را بہر کاری ساختند

لکل عمل رجال

تنا ہان بیدار او ر دور رائے تجربہ کار نے کسی رسالے میں یہ بھی کہا ہے کہ ایک شخص کو دو خدمتیں
سپرد کی ہوں کیونکہ اس صورت میں دو کاموں میں سے جس دخولی کے ساتھ صرف ایک
ہی ہوگا اور ایک یا تو کُلّیۃً خراب ہو جائیگا یا اُس میں کوتاہی ہوگی۔ عرصکہ یا اُصول ہے کہ
اور دوسرے اور جب تم خود غور سے دیکھوگے تو اس قسم کے عہدے دار کو ہمیشہ حیران و پریشان
ہوا پاؤگے اور حیرانی کا تم پر تم اُسکا یہ بھی عذر سنو گے کہ میں کیا کیا کروں؟ اور اس کی ٹھیک
مثال یہ ہے کہ جس گھر میں دو بیبیاں ہوتی ہیں وہاں اچھی طرح جھاڑو نہیں دی جاتی ہے
(خانہ دو کد بانو نارفتہ بود) سلطان کی غفلت اور وزیر کی نااہلیت کی ایک یہ بھی نشانی ہے
کہ دفتر وزارت سے ایک عامل کو دو خدمتوں کا پروانہ دیا جائے اس انتظام سے علاوہ دیگر
مشکلات کے ایک دقت یہ بھی پیش آتی ہے کہ سب سے کام والے بیکار بیٹھے رہتے ہیں
زمانہ سابق میں ایک خاص اہتمام یہ بھی تھا کہ جو لوگ شریف خاندان، پارسا اور مذہب میں
راسخ الاعتقاد ہوتے تھے انہیں کو خدمتیں دیجاتی تھیں اس معاملے میں میں یہ کہونگا کہ ملک
کا سب سے بڑا کروہ دشمن ہے کہ دس آدمی بیکار پڑے رہیں اور انکا کام تنہا ایک شخص کرتا رہے
سلطنت کے لیے دشمن کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص بادشاہ سے یہ کہتا ہے کہ خداوند عالم

سلہ صفحہ ۱۲ باب ۶ و ۱۵ فصل ۴۴۔

ملک میں ہرطرف امن وامان ہی۔ اسوقت کوئی دشمن مقابلے پر آمادہ نہیں ہی۔ ستمام فوج
کی تعداد قریب سات لاکھ کے ہی۔ مگر میرے نزدیک صرف ستر ہزار کافی ہی۔ اگر بقیہ سب
اورٹیں توڑ دی جائیں تو خزانے میں اسقدر روپیہ کی توفیر ہوجائیگی اور چند سال کے بعد خزانہ
پورے طور سے معمور ہوجائیگا۔"

مثال کے طور پر سمجھ لوکہ ہمارے خداوند نعمت کے قبضۂ حکومت میں آج ملک خراسان ماوراء النہر
کاشغر، بلاساغون، خوارزم، نیمروز، عراق، فارس، شام، آذربائجان، ارمن، انطاکیہ اور
بیت المقدس ہی۔ اور فوج کی تعداد صرف چار لاکھ ہی۔ اگر بجائے چار لاکھ کے سات لاکھ سوار ہوتے
تو سندھ، ہند، ترکستان، چین، ماچین، حبش، بربر اور اقصائے مغرب پر ہمارا قبضہ ہوتا۔ اب ہم
اگر ان میں سے بھی تین لاکھ تیس ہزار سواروں کے نام کاٹ دیں تو بتائیے کہ آخر یہ لوگ کہاں جائینگے
ضرور ہی کہ دوسری سلطنت میں رجوع کرینگے۔ یا کسی کو اپنا افسر بناکر سارے ملک میں تاخت و
تاراج شروع کرینگے اور اُن کی ذات سے اسقدر شورش پیدا ہوگی کہ بزرگوں کے جمع کیے ہوئے
خزانے بھی خالی ہوجائینگے۔ جیساکہ فخرالدولہ کے عہد میں ہوا تھا۔

حقیقت یہ ہی کہ سلطنت کا قیام فوج سے ہی اور فوج روپیہ کے بل پر رکھی جاتی ہی۔ اب جو شخص
اسکے خلاف ہوگا وہ ملک کا دشمن ہی۔

جس طرح فوج کی نگہداشت ضروری ہی اسی طرح اُن عمّال کی بھی جو اپنے فرائض سے سبکدوش
کردیے گئے ہیں بڑے عہدہ داروں سے جب اُن کی خدمتیں لے لیجائیں تو اُن کی خورد و نوش
کا بھی خیال رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ انکے حقوق کو نظر انداز کرنا مصلحت ملکی اور اخلاق مروت کے بھی خلاف ہے

مراتب جو علما و فضلا کا ہے یعنی بیت المال سے وظیفہ پانے کے مستحق ہیں میں اُس وزیر کو
اچھا نہیں سمجھتا ہوں جو اس گروہ کے حالات سے بادشاہ کو مطلع نہ کرتا ہے کیونکہ جب انکا
وظیفہ بند ہو جائیگا تو پھر سلطنت کے خیرخواہ نہ رہینگے اور ارباب عدالت پر علاوہ طعنہ زنی کے
ملک کے بیرونی دشمنوں سے سازش کر جائینگے بزرگوں کا قول ہے کہ لکل عمل رجال انکا
مطلب یہ ہے کہ سلطنت میں اولی اوسط اعلیٰ درجے کے کام ہوتے ہیں اسلئے ہر عامل اور
حکمران کو بلحاظ اُنکے علم وفضل و شائستگی کے عہدہ دینا چاہیئے اگر کوئی عہدہ دار ایک کام
کے ہوتے ہوئے دوسری خدمت کی درخواست کرے تو وہ ہرگز منظور نہ کیجائے ۔

اس انتظام سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ لائق اشخاص برسر کار ہو جاتے ہیں اور ملک کی سرسبزی
میں ترقی ہو جاتی ہے

وزیر جو تمام عمال اور والیان ملک کا افسر اعلیٰ ہے اسکے لیے بھی یہ شرط ہے کہ مرتبی اور حامی ہو
کیونکہ اسکا اثر اکثر لوگوں پر پڑتا ہے جو وزیر نیک نام اور نیک سیرت ہوتے ہیں وہ بادشاہ کو
اپنا جیسا کر لیتے ہیں اور جن بادشاہوں کا آج ذکر خیر کیا جاتا ہے دراصل یہی ہیں جنکے وزیر نیک تھے
مثلاً

نام بادشاہ	نام وزیر
۱ حضرت سلیمان علیہ السلام	۱ آصف بن برخیا
۲ حضرت موسیٰ علیہ السلام	۲ ہارون علیہ السلام
۳ حضرت عیسیٰ علیہ السلام	۳ شمعون

نام بادشاہ	نام وزیر
۴ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۴ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
۵ کیخسرو	۵ گودرز
۶ منوچہر	۶ سام
۷ افراسیاب	۷ پیران پسرویسہ
۸ گشتاسپ	۸ جاماسپ
۹ بہرام گور	۹ خوردہ روز
۱۰ نوشیرواں	۱۰ بزرجمہر
۱۱ ہرون الرشید	۱۱ برامکہ (یحیٰ فضل جعفر)
۱۲ سلطان محمود	۱۲ شمس الکفاۃ احمد حسن میمندی
۱۳ فخر الدولہ دیلمی	۱۳ اسمٰعیل عباد (ملقب بہ صاحب)
۱۴ سلطان طغرل سلجوقی	۱۴ ابونصر کندری

یہ چند نام مینے بطور مثال کے لکھدیئے ہیں۔ حالانکہ اس قسم کی طولانی فہرست طیار ہوسکتی ہے

سلہ وزراء اسلام وغیرہ کی یہ ایک مختصر فہرست ہے۔ اگر ملک کے نامور مصنف ان میں سے ایک ایک وزیر کی سوانح عمری لکھنا شروع کریں تو نہایت بیش قیمت تاریخی ذخیرہ جمع ہو جائے۔ خواجہ نظام الملک بھی اسی فہرست میں داخل ہے اور برامکہ کی مکمل سوانح عمری اسکے قبل شائع ہو چکی ہے۔

اس دور میں جو بحث خواجہ نظام الملک کی ہے ذرا زمانہ حال میں بھی مباحثہ طلب ہے اور ہندوستان کی مشہور و معروف انجمن "نیشنل کانگریس" کا بھی یہی دعویٰ ہے کہ جو حکام دو قسم کے اختیارات رکھتے ہیں اُنکا جُداگانہ بندوبست کیا جائے۔"

وزیر کے واسطے یہ بھی شرط ہے کہ وہ مذہب کا پکا عقائد کا مستحکم اور بادشاہ کا جاں نثار ہو،
اور اگر یہ خاندان وزارت سے ہو تو سبحان اللہ
چنانچہ اردشیر بابکان کے زمانے سے یزدجرد اخیر شہنشاہ عجم تک یہی سلسلہ جاری رہا اس طرح
بادشاہ ابن بادشاہ ہوتا تھا اسی طرح سے وزیر ابن وزیر ہوا کرتا تھا لیکن زوال سلطنت کے
ساتھ ہی وزرائے عجم کے خاندان سے وزارت بھی جاتی رہی۔
خلاصہ یہ ہے کہ جو کام جسکے سپرد کیا جائے وہ اسکا اہل ہو اور دوسرے مثلاً ایک شخص کو دیکھیا
بادشاہ بہتر رعایا کے حالات کی تفتیش کرتا ہے اور لڑکوں کو بھی اعلیٰ درجہ مدرسے اور
لوٹتا ہے اور عقل لوگوں سے صلاح اور مشورہ کرتا ہے اور عدل و سیاست کی ترازو سے
تمام کاموں کو تولتا ہے

(۴۸) بیگمات شاہی کے اختیارات

بادشاہ کو چاہیئے کہ وہ بیگمات زیر دستوں کو حاوی ہونے نہ دے کیونکہ اس سے بڑی خرابیاں
پیدا ہو جاتی ہیں اور بادشاہ کی رعب و دبدبہ گھٹتا ہے خصوصاً بیگمات کہ ہر دو فتنوں کا
گروہ ہے اور ان میں اعلیٰ درجے کی عقل نہیں ہوتی ہے اور یہ نصیحتیں صرف موبدوں کے قول
کی ہیں (گو ہر نسل مقصود نہیں) چنانچہ مشہور قول ہے کہ ہر چہ اصیل تر شاہانہ تر ہر چہ مستور تر ستودہ تر
بیگمات شاہی جو حکم دیتی ہیں یہ ہمیشہ نہیں ہوتے ہیں جو اہل غرض انکو سمجھا دیتے ہیں کیونکہ
مردوں کی طرح عورتوں کو برائے العین دیکھنے کا موقع نہیں ملتا ہے بلکہ ان کی بیت حد متیں

ف ۵ دفعہ ۲۲م صفحہ ۱۵۱

کان بھرتی رہتی ہیں۔ اسلئے عورتوں کے احکام اکثر راستی کے خلاف ہوتے ہیں، جنسے فتنے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

زمانۂ سابق میں بھی جب عورتوں کا سلطنت پر غلبہ ہوا ہی تو ایسے شور و شر پیدا ہوئے ہیں جسکی نظیر[1] سودابہ اور کیکاؤس کا معاملہ ہی۔

بادشاہوں کا ہمیشہ یہ اُصول رہا ہی کہ وہ کبھی عورتوں کے فرمانبردار نہیں ہوئے ہیں اور کبھی اُنکے راز عورتوں کے کانوں تک پہنچے ہیں۔

سکندر[2] اعظم نے جب دارا[3] ئے عجم پر فتح پائی اور دارا کو اُسکے ایک نمک حرام خدمتگار نے قتل کر ڈالا

---

[1] شاہ ہاماوراں کی بیٹی اور کیکاؤس کی بی بی کا نام ہی۔ یہ اپنے سوتیلے بیٹے سیاوش پر فریفتہ ہوگئی تھی۔ پورا قصہ شاہنامۂ فردوسی میں درج ہی۔ [2] دنیا کے مشہور ترین بادشاہوں میں سے ایک سکندر اعظم بھی ہی یہ نامور اور بلند اقبال فاتح صوبۂ مقدونیہ (یونان کے شمال میں ہی) کے شہر پیلا میں ۳۵۶ برس قبل مسیح علیہ السلام پیدا ہوا۔ اسکا باپ فیلقوس مقدونیہ کا بادشاہ تھا۔ اور اس کی ماں کا نام المپیاس تھا۔ سکندر بچپن ہی سے ہونہار معلوم ہوتا تھا۔ اور اسکی تعلیم و تربیت شاہانہ طریقے سے کی گئی تھی۔ سکندر کی پہلی معلمہ اسکی دایہ (لے نیکا) تھی اسکے بعد لیونڈس سیمانوس، اتالیق مقرر ہوئے۔ اور تکمیل ارسطو کی تعلیم سے ہوئی جس میں بڑا حصہ فلسفہ اور ریاضی کا تھا سکندر کی سوانح عمری میں سب سے تعجب انگیز امر یہ ہی کہ اُسنے بیس سال کی عمر میں سلطنت شروع کی اور بتیس سال کی عمر میں فوت ہوگیا اور صرف دوازدہ سال میں دنیا کا اسقدر حصہ فتح کر لیا جو آج ایک صدی میں بھی دشوار ہی۔ سکندر کی فتوحات میں سب سے عظیم الشان دارا کا مقابلہ ہی جس میں گیارہ لاکھ پیدل اور دس ہزار ایرانی سوار تھے اور سکندر کی کل فوج پچاس ہزار تھی مگر دارائے عجم کو بمقام ارسیلا (اردبیل) ۳۳۱ قبل مسیح میں شکست ہوئی۔ اس فتح سے کل مغربی ایشیا پر سکندر کا قبضہ ہوگیا۔ اسکے بعد سکندر نے اُس علاقے پر قبضہ کر لیا جو دریائے ڈینوب اور دریائے اندس کے درمیان واقع ہی اور آخر میں فتوحات کا سیلاب بیاس اور ستلج کے سنگم تک پہنچا۔ اسوقت سکندر کی عمر ۲۶ برس کی تھی۔ فتوحات سے سکندر کا غرور بڑھتا جاتا تھا۔ اور مزاج سے سپاہیانہ پن، سادگی، اعتدال، انصاف پسندی، رخصت ہوتی جاتی تھی (بقیہ بر صفحۂ آیندہ)

[3] شاہان عجم کے سلسلۂ کیانی میں دارا دوئم تاجدار ہی۔ یہ داراب کا بیٹا تھا۔ دنیا کی عظیم الشان سلطنت پر حکمرانی کرتا تھا۔ چودہ برس حکومت کرکے دنیا سے سدھارا۔

گرو ہ کے سپرد ہوں تو جان لو کہ اب سلطنت اس گھر سے رخصت ہوا چاہتی ہی۔

مامون الرشید عباسی کا قول ہی کہ "کوئی بادشاہ ایسا نہونا چاہیئے جو پردہ نشینان حرم کو سلطنت اور فوج اور خزانے کے معاملات میں گفتگو یا داخلت کرنے کی اجازت دے۔ یا وہ کسی کی حمایت کریں یا ایک کو مقرر اور دوسرے کو برطرف کریں یا کسی کو سزا دیں۔ کیونکہ جب ایسی صورت ہوگی تو مردوں کا اس دربار میں ہجوم ہوگا۔ اسوقت اُس کے دماغ میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہونگے۔ اور اسکا اثر سلطنت پر پڑیگا۔"

کیخسرو کا قول ہی کہ جو بادشاہ یہ چاہتا ہی کہ اس کی سلطنت قائم رہے اور ملک تباہ نہ ہو اُسکو چاہیئے کہ بیگمات کو سر نہ چڑہائے اور سوائے اپنی لونڈی باندیوں کے اُنکو اسقدر موقع نہ دیا جائے کہ وہ کسی اور معاملے میں گفتگو کریں۔"

امیر المؤمنین فاروق اعظم فرماتے ہیں کہ "عورتوں کا کلام بھی مثل عورتوں کے پردے میں رہنا چاہیئے یعنی جس طرح علانیہ کوئی اُنکو نہیں دیکھ سکتا ہی۔ اسی طرح کھلم کھلا کوئی اُن کی بات بھی نہیں سُن سکتا ہی۔" یہ چند نظائر اس مضمون میں کافی ہیں۔ زیادہ لکھنے کی حاجت نہیں ہی۔

اب یہ سمجھ لو کہ زبردست اور زیردست کے کیا معنی ہیں۔ خلاّق عالم نے سب سے زبردست بادشاہ کو پیدا کیا ہی اور ساری دنیا اس کے ماتحت (زیردست) اور وظیفہ خوار ہوتی ہی۔ لہذا اُنکے ساتھ ایسا برتاؤ رکھنا چاہیئے کہ وہ ہمیشہ فرمانبردار رہیں اور حد سے زیادہ نہ بڑھنے پائیں۔

ایک دن حکیم بزرجمہر[1] نے نوشیروان عادل سے کہا کہ ملک و سلطنت بادشاہ کے لیے ہی۔ لیکن

---

[1] بزرجمہر (بوزرجمہر، ابوزرجمہر، زرمہر، بزرگ مہر) نوشیروان عادل کا مشہور وزیر ہی جو عام طور پر حکیم بزرجمہر کے

بادشاہ نے ملک فوج کو دے رکھا ہے حالانکہ یہ حق اہل ملک کا ہے۔ اگر فوج والے رعایا پر
مہربان ہوں اور صرف اپنے فوج کی خیر منائیں اور انکو ہر قسم کی سیاست کا حکم دیدیا جائے
تو پھر بادشاہ اور فوج میں کیا فرق باقی رہیگا احکام سیاست ہمیشہ بادشاہ سے متعلق ہوتے
رہے ہیں فوج کو کبھی حد سے زیادہ اختیار نہ دیا جائے

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۲۷ نام سے مشہور ہے لیکن اس کا نام "سوخرا" ہے۔ الف بختگان اور اسی مناسبت سے بزرجمہر کو
ابن بختگان کہتے ہیں سوخرا کا سلسلۂ نسب طوس بن نوذر تک پہنچتا ہے
آثار الوزراء کی روایت ہے کہ دربار نوشیرواں میں بزرجمہر کی رسائی اس طور سے ہوئی تھی کہ نوشیرواں نے ایک
شب میں یہ خواب دیکھا کہ اسکے سامنے ایک پیالہ شراب کا بھرا ہوا رکھا ہے اور ایک سور آکر اسکو
پی جاتا ہے۔ خواب دیکھکر وہ بدحواس ہوگیا اور موبدوں سے جو ملازم دربار تھے کوئی اس خواب کی صحیح تعبیر
نہ بتا سکا سب اطراف ملک سے اور معبر طلب ہوئے چنانچہ مرد آزاد نامی ایک موبد بزرجمہر کو مرو سے لایا
اور اس نے نوشیرواں کو بتایا کہ حرم سرا میں خواجہ سراؤں کے لباس میں ایک مرد چھپا ہوا ہے اور کوئی بیگم اس سے ناجائز
تعلق رکھتی ہے۔ چنانچہ تحقیقات سے قیصر روم کی بیٹی پر (جو نوشیرواں کی ایک بیگم تھی) جرم ثابت ہوا
اس واقعہ کے بعد نوشیرواں نے بزرجمہر کو اپنا مصاحب بنا لیا اور پھر آہستہ آہستہ ترقی دیکر درجۂ وزارت تک پہنچا دیا
نوشیرواں کو جو بعضی سے جیسے ارکان سلطنت ملگئے تھے اس کی نظیر سے سلاطین کی تاریخ خالی ہے۔ اس
نامور اور مدبر وزیر کے مشورے سے نوشیرواں نے بہت سے ایسے کام کئے ہیں جنکے سبب سے نوشیرواں کا
نام ہمیشہ زندہ رہیگا چنانچہ مزدک کا قتل اور ہر مزدکیہ کا استیصال بھی اسی وزیر کے مشورے سے ہوا تھا
ہند و ہندوستان کے راجہ پربات چندے بزرجمہر کے زمانے میں نوشیرواں کو شطرنج روانہ کی تھی جسکے جواب میں بزرجمہر
نے نرد ایجاد کرکے بھیجدی تھی۔ آخر زمانے میں ایک قصور پر نوشیرواں نے بزرجمہر کو پھانسی دیدی اس
حکیم کے اقوال کتب تواریخ اور کتب ادب میں بکثرت تحریر ہیں چنانچہ علامہ بہاء الدین عاملی نے اپنی کتاب کشکول
اور مخلاۃ میں بہت سے اقوال نقل کئے ہیں۔
اقتباس از کتاب آثار الوزراء سیف الدین و جامع التواریخ جلد دوم صفحہ ۳۸۰۔

اگر کوئی بادشاہ چاہتا ہو کہ سلاطین سابق پر سبقت لیجائے تو اُسکو اپنے اخلاق درست کرنا چاہیے۔ اور یہ اس طرح پر ممکن ہو کہ کینہ، حسد، کبر، غضب، شہوت، حرص، لجاجت، بخل، ظلم، خودکامی، ناسپاسی، اور دروغگوئی، کو چھوڑ دے۔ اور حیا، حلم، عفو، تواضع، سخاوت، راستی، صبر، شکر، عدل، انصاف، کو اپنا شعار بنائے۔ جو بادشاہ ان صفات سے آراستہ ہوتا ہو اُسکو کبھی مشیر سلطنت کی حاجت نہیں ہوتی ہو۔

(۳۹) خزانہ

بادشاہوں کے ہمیشہ دو خزانے ہوا کرتے تھے۔ ایک خزانہ اصلی یعنی سرمایۂ دوامی اور دوسرا خزانہ خرچ، جس سے روزمرہ صرف ہوتا تھا۔ ملک کا خراج اور تمام آمدنیاں سرمایۂ دوامی میں جمع کیجاتی تھیں اور بغیر خاص مجبوری کے اس خزانے سے نہیں لیا جاتا تھا اور اگر لیا جاتا تھا تو قرض کے طور پر اور جب بادشاہ کو یہ خیال نہوگا اُسکا خزانہ ہمیشہ خالی رہیگا اور مہم کیوقت وقت اُٹھانا پڑیگی۔

خزانے کے معاملے میں یہ بھی احتیاط رکھنا چاہیے کہ جو محصول وقت پر آنے والے ہوں اُنکو کسی دوسری رقم میں محسوب نہ کیا جائے ورنہ اخراجات میں دشواری پیش آئیگی چنانچہ ایک تاریخی واقعہ بیان کرتا ہوں۔

سلطان محمود نے اپنے حاجب امیر التونتاش کو ولایت خوارزم پر نامزد کیا۔ سالانہ خراج خوارزم کا ساٹھ ہزار دینار تھا اور التونتاش کا سالانہ وظیفہ ایک لاکھ چوبیس ہزار۔ امیر مذکور کو جب ایک سال ہوگیا۔ تو سلطان کی خدمت میں عرضداشت روانہ کی کہ ساٹھ ہزار دینار جو خوارزم کا خراج ہو

دو میرے وظیفے میں محسوب کر دیا جائے بجائے اسکے کہ حوالے سے یہ رقم ادا کی جائے۔

دربار برا سوقت شمس الکفاۃ احمد حسن میمندی تھا اُسنے عرضی کو پڑھ کر یہ جواب لکھا

بسم اللہ الرحمن الرحیم، امیر ابو ماش کو واضح ہو کہ امر کسی طرح پر بہتر نہیں ہے کہ جس قدر خراج کی ادائی تمھارے ذمے ہے وہ کبھی چھوڑا نہیں جا سکتا ہے لہذا محصول ملکی حوالے میں داخل کرو اور تمھارے وظیفے کی دہا سدملک سیستان سے کرائی جائیگی تاکہ آقا اور غلام میں فرق باقی رہے۔

مجھے سخت حیرت خوارزم کی عقل پر تعجب آتا ہے کہ اسنے ایسی درخواست کرنے کی کیونکر جرأت کی یا تو اُسنے محمود کو بنظر حقارت دیکھا ہے یا احمد حسن کو جاہل اور ناتجربہ کار سمجھ رکھا ہے بہرحال اس خیال سے دور کرنا چاہیے غلام کا اپنے آقا سے ساجھا کرنا نہایت خطرناک ہے"

چنانچہ احمد حسن نے ایک سپاہی کے ہاتھ خط بھیجدیا اور خوارزم شاہ نے ساٹھ ہزار دینار حوالے میں داخل کیے اور عامل سیستان کو لکھا گیا کہ وہ مار داد دریوست؟ مارا دررودی خوارزم بھیجدے

(۴) فیصلہ مقدمات

بادشاہ کے دربار میں ہمیشہ فریادی جمع رہا کرتے ہیں اور جب تک اُن کی دادرسی نہیں ہوتی ہے وہ موجود رہتے ہیں کوئی مسافر یا کسی ملک کا سیاح یہ حالت دیکھیگا تو وہ خیال کریگا کہ اس ملک میں بہت ظلم وستم ہوا کرتے ہیں۔ اسلیئے ظلم کا دروازہ بند ہونا چاہیئے بعد سماعت

سلہ فصل ۱۴ صفحہ ۲۔

واقعہ دار جلد احکام فرما دی فوراً رخصت کر دئیے جائیں۔

مشہور ہے کہ یزدگرد شہنشاہ عجم نے امیر المومنین فاروق اعظم کے دربار میں اپنا سفیر بھیجا۔ اور یہ کہلا بھیجا کہ "ساری دنیا میں میرے دربار سے زیادہ شان و شوکت کسی دربار میں نہیں ہے نہ مجھ سے زیادہ کسی کے پاس لشکر و خزانہ ہے۔ اور جسقدر ساز و سامان ہے وہ بے نظیر ہے"

امیر المومنین نے جواب میں کہلا بھیجا کہ "تیرا یہ کہنا سچ ہے کہ دربار میں لوگوں کی کثرت ہے، مگر وہ ستم رسیدہ فریادی ہیں۔ تیرا خزانہ بھی آباد ہے مگر وہ حرام کا مال ہے۔ فوج کے سپاہی دلیر ضرور ہیں، مگر نافرمان ہیں۔ یاد رکھ جب سلطنت جاتی رہیگی، تو کوئی ساز و سامان کام نہ آئیگا۔ جن چیزوں پر تجھے فخر ہے۔ یہ تیری بداقبالی اور زوال کی علامتیں ہیں"

بادشاہ کو چاہیئے کہ خود عادل ہو اور طمع نہ کرے تب دوسروں پر اُسکا اثر پڑیگا۔ جیسا کہ سلطان محمود[1] غزنوی کا واقعہ ہے کہ ایک سوداگر نے سر دربار سلطان محمود سے شہزادہ مسعود کی شکایت کی اور کہا کہ "میں پردیسی سوداگر ہوں۔ اور مدّت سے اس شہر میں پڑا ہوا ہوں، گھر جانا چاہتا ہوں

---

[1] اس نامور سلطان کا پورا نام بصراحت نسب نامہ یہ ہے" یمین الدولہ نظام الدین ابوالقاسم سلطان محمود غازی بن امیر ناصر الدین سبکتگین بن جوق قرا بحکم بن قرا ارسلان بن قرا ملت بن قرا النعمان بن فیروز بن یزدجرد شہریار فارس"

یہ بہادر فاتح جمعرات کی شب کو (شب عاشورا) بتاریخ نویں محرم الحرام ۳۶۱ھ (مطابق یکم اکتوبر ۹۷۱ء) پیدا ہوا۔ اور امیر سبکتگین کے سایہ عاطفت میں سن رُشد کو پہنچا۔ اور امیر مذکور کے انتقال پر چھبیس[26] برس کی عمر میں بمقام غزنین ۳۸۷ھ میں ۹۹۷ء تخت نشین ہوا۔ خراسان، بخارا اور بلخ کی فتوحات کے بعد بروز یکشنبہ ماہ صفر ۳۸۹ھ (مطابق ۲۲ جنوری ۹۹۹ء) سلطان نے امیر الامرائی کے عہدے سے (یہ منصب سلاطین سامانیہ کیطرف سے تھا) اپنی خود مختاری کا اعلان کیا۔ اور خطبے سے عبدالملک بن نوح سامانی کا نام خارج کراکے اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ اور اسی سال خلیفہ القادر باللہ عباسی نے

ایک ساتھ کچہری میں قاضی کے سامنے حاضر ہو۔ تاکہ شرعی حکم جاری کیا جاے۔" چنانچہ سوداگر قاضی کے سامنے حاضر ہوا جب سلطان کا پیام مسعود تک پہنچا۔ اُسنے فوراً تحویلدار سے پوچھا کہ خزانے میں کسقدر نقد موجود ہی؟ اُسنے عرض کیا کہ بیس ہزار دینار۔ شہزادے نے کہا کہ یہ رقم سوداگر کو دیکر بقیہ کے لیے تین دن کی مہلت مانگو۔ اور سلطان کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ بیس ہزار دینار مینے اسوقت ادا کردیے اور تین دن میں بقیہ بھی ادا کردونگا میں کپڑے پہنکر طیار بیٹھا ہوں کیا حکم صادر ہوتا ہے۔ آیا میں دارالعدالت کو جاؤں یا نجاؤں۔" سلطان نے کہلا بھیجا کہ "میں کچھ نہیں جانتا۔ جبتک سوداگر کا روپیہ بیباق نکرگا میں تیری صورت دیکھنا نہیں چاہتا۔" مسعود بھی ان باتوں کی تاب نہیں رکھتا تھا۔ اِدھر اُدھر سے قرض لیکر دوسری نماز کے وقت تک ساٹھ ہزار دینار نقد سوداگر کو ادا کردیے۔ جب یہ خبر سوداگروں کے ذریعے سے ملک چین، خطا، مصر اور دیگر اطراف عالم میں پہنچی۔ تب ہرطرف کے سوداگر غزنین میں جھک پڑے اور دنیا کی کوئی چیز ایسی نہ تھی جو غزنین کے بازار میں موجود نہو۔

شہر حمص کے عامل نے حضرت عمر ابن عبدالعزیز[۱] کو درخوست بھیجی کہ شہر کی فصیل گر گئی ہو مرمت کے لیے جیسا حکم ہو اُسکی تعمیل کیجائے۔ خلیفہ نے جواب میں لکھا کہ پتھر و اینٹ و چونے سے دیوار کا

---

[۱] عمر بن عبدالعزیز بن مروان، سلسلۂ خلفاے بنی امیہ میں ساتویں خلیفہ ہیں۔ لیکن بلحاظ صفات و تقدس آپکا درجہ خلفاء راشدین کے بعد سمجھا جاتا ہی چنانچہ سفیان ثوری حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد آپ کو پانچواں خلیفہ قرار دیتے ہیں ۶۱ ہجری میں حضرت عمر کی ولادت موضع حلوان (مصر کا ایک مشہور گاؤں ہی) میں ہوئی آپ کی والدہ ام عاصم، فاروق اعظم کی پوتی تھیں اور حضرت فاروق کی پیشین گوئی کہ میری اولاد میں ایک شخص ایسا عادل پیدا ہوگا کہ جسکے عدل سے دنیا بھر جائیگی" وہ عمر ابن عبدالعزیز کے ذریعے سے پوری ہوئی۔ خلیفہ عبدالملک نے اپنی بیٹی فاطمہ سے بمقام دمشق آپکا

اس کی یہ ہی کہ پارسا لوگوں کو عامل مقرر کرنا چاہیے تاکہ بندگان خدا کو نہ ستائیں۔ اور اگر کوئی جان
بوجھ کر ایسا نہ کرے تو گویا وہ خدا اور رسول کے ساتھ خیانت کرتا ہی۔
یہ دنیا حقیقت میں بادشاہوں کا روزنامچہ ہی اگر وہ یہاں نیکی کرینگے تو نیکی سے یاد کیے جائینگے
اور اگر بد ہیں تو برائی سے یاد کیے جائینگے اور لوگ اُن پر نفریں کرینگے۔ حکیم عنصری نے خوب لکھا ہی

ہم سر خواہی شدن گر سازی از گردون سریر — ہم سخن خواہی شدن گر بندی از گردون کمر
جہد کن تا چون سخن گوی تو ی باشد سخن — رنج بر تا چون سمر گردی نکو باشد سمر

(۴۱) مداخل و مخارج

ملک کی آمدنی و خرچ قلمبند کرنا چاہیئے خاصکر خرچ کی رقموں کو بنظر تامل دیکھنا چاہیئے۔ جو
رقم قابل مجرائی نہو وہ کاٹ دیجائے۔ اور اگر آمدنی میں تو فیر ہو یا کمی تو عامل سے باز پرس
کیجائے اگر اُس کا بیان صحیح نہو تو درصورت کی مطالبہ کرنا چاہیئے۔ دنیاوی مال کے حصول میں
بادشاہ کو منصفی کے ساتھ میانہ روی اختیار کرنی چاہیئے اور حتی الوسع آئین ملک اور قدیم
اصولوں پر چلنا چاہیئے۔ اور خود کسی بدعت کا موجد نہو۔ بادشاہ کا فرض ہی کہ وہ عُمّال کی جانچ
کرے اور آمدنی و خرچ پر نظر رکھے۔ اور دشمنوں کی حفاظت و بچاؤ کی غرض سے خزانہ معمور رہے
بادشاہ کی زندگی ایسی ہونا چاہیئے کہ نہ تو کوئی اُسکو بخیل کہے۔ اور نہ اسقدر صرف کرے کہ
لوگ اُسکو فضول خرچ کہیں۔ فیاضی کے موقعے پر لینے والے کی حیثیت پر نظر رہے جو شخص
ایک دینار کا مستحق ہی اُسے سو دینار نہ دینا چاہیے۔ اور جو سو کا مستحق ہی اُسے ایک دینار نہ دینا چاہیے

کیونکہ اس سے بزرگوں کی قدر و منزلت میں امتیاز ہونا چاہیے اور لوگ یہ کہنے لگے ہیں کہ
بادشاہ اہل فضل اور ارباب دانش کو نہیں سمجھتا اور سلاطین سنجیدگی بڑھ جاتی ہے ایسے
دشمنوں سے اس طرح لڑے کہ صلح کی جگہ باقی رہے اور دوست دشمن سے ایسا ملا جلا رہے
کہ جب چاہے الگ ہو جائے اور جب چاہے ملجائے ہمیشہ خوش طبعی کرے اور
ایک دم سے ترش رو ہو جائے اور اگر کبھی سیر و شکار و لذات دنیاوی میں مشغول ہو جائے تو کبھی
کبھی خدا کا شکر ادا کرے صدقہ دے روزے رکھے، قرآن شریف کی تلاوت کرے تاکہ
دین و دنیا میں برابر حصہ لیتا رہے اور ہمیشہ خیر الامور اوسطہا پر عمل کرے۔
حتی الامکان ایسی کوشش کرتا رہے کہ اُسکا ہر کام دنیا میں یادگار رہجائے اور ایسا بھی
نہ کرے دنیا کی ساری تکلیفیں صرف نیکنامی کے واسطے ہیں مذہب کے معاملات میں بھی پوری
کوشش کرتا رہے تاکہ خداوند تعالے اُسکے سارے مقصد پورے کرے

خاتمہ قانون سلطنت ختم ہو چکا قبل اسکے کہ اس مضمون پر ہم کچھ لکھیں بطور یادگار
ایک شاعر کے قصیدے سے چند اشعار نقل کرتے ہیں جسکو نظم میں مختصر سیر لکھنا چاہیے وہو ہذا۔

شکر است این کتاب نزار گونہ گوہر	یا لوح جان فزای بہار گونہ گون تر
باغ است گر بساغ بود موضع ثمار	بحر است گر بحر بود موضع دُرر
ہر فصل اندر و چو درختے است بارہ دار	نازش ہمہ غرائب و برگش ہمہ غُرر
گنجے ست پر لطائف و کانیست پر طرف	درجیست پر بدائع و درجے ست پر گہر
اصلش ہمہ نوادر و فرعش ہمہ مفید	فصلش ہمہ معانی و شرحش ہمہ عبر

چند ہست پند و حکمت و امثال و داستاں
بے حد در و حکایت دیگر در و نگر

الفاظ او مہذب و عالی چو آسماں
معنی از و چو زهرهٔ تاباں گہہ سحر

آئین و رسم و سیرتِ شاہانِ تاجدار
ترتیب ملک و ملت و تقدیر خیر و شر

بینی در و عیاں صفتِ بزم و بارگاہ
یابی درو نہاں صفتِ رزم و کر و فر

تحصیل مال و مملکت آئین و داد و دیں
تدبیر کار لشکر و تقدیر روزگر

پیدا در و طریقت بدخواہ و نیک خواہ
ہنجار جرِّ منفعت و رائے دفع ضر

ہر لفظ و ہم معانی کاندر فصول اوست
نیکوتر از جوانی و شیریں تر از شکر

صافی ز ہزل و بدعت و پاکیزہ از ہوا
شائستہ ہمچو دانش و بائستہ چوں مطر

از خواندنش نگیرد خوانندہ را ملال
گردد بصیر ہر کہ گمارد برو بصر

ہر قصہ را ز آیتِ قرآں یکے دلیل
ہر فصل را ز قولِ پیمبر یکے خبر

از ہر سخن کہ یاد کنے اندرو نشان
از ہر ہنر کہ نام بری اندرو اثر

قانون رسمہائے بزرگان نامدار
فہرست کارنامہ شاہان تاجور

ہر کس کہ ایں بخواند و بود کار بند ایں
اقبال جاوداں بودش بیگماں بر

اندر خورِ شہنشہ دیندار و دادگر
تالیفِ یادگار نظام نکو سیر

ہر گز بشہ ندید وزیرے دگر چنیں
ہر گز کسے نکرد کتابے چنیں دگر

ایں دفتر مبارک و دستور خسرواں
فرخندہ باد بر شہ دیندار و دادگر

خاتمہ

سیاست ملکی، اورنظم ونسق سلطنت پر خواجہ نظام الملک نے جسقدر لکھا ہے اگرچہ اس عہد
کی ترقی میں اسکو کسی خاص صیغہ کا قانون یا ضابطہ نہیں کہہ سکتے ہیں تاہم سلطنت اور رعایا کے
جو حقوق ایک دوسرے پر ہیں اُن کی صحیح تعبیریں اوراق میں موجود ہیں اور نظام حکومت کے
لیے جن محکموں کی ضرورت ہو بالاجمال وہ بھی خواجہ نے بتا دیے ہیں البتہ وزارت اور
اور اس کی مشکلات ومتعلقات پر خواجہ نے بحث نہیں کی ہے بلکہ اس موضوع پر کتاب الوصایا
میں اپنے خیالات ظاہر کیے ہیں۔ لہذا کتاب مذکور کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے جس کے مطالعے
کے بعد، قانون سلطنت اور وزارت پر تفصیل سے گفتگو کرنے اور نتائج اخذ کرنے کا موقع ملیگا

سلہ دیکھو صفحہ ۳ جلد اول کتاب ہذا

دستور الوزرار

مرتبہ

خواجہ نظام الملک طوسی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فرزند ارجمند! میں تجھے چند نصیحتیں کرنا چاہتا ہوں۔ گو میں جانتا ہوں کہ تو اُنھیں کان لگا کر نہ سُنیگا اور نہ کسی طرح سے تیری طبیعت اُن کو قبول کریگی (لیکن پھر بھی میں تجھ کو معذور سمجھتا ہوں) کیونکہ سمجھ بوجھ کا زمانہ اخیر عمر میں ہوتا ہی۔ جب میں عمر میں تمھاری برابر تھا اگر اسوقت مجھ کو بھی سو مخبر عادل اور مشیر صادق سمجھاتے تو بھی میں اُن کی بات کو ہرگز ہرگز نہ سُنتا اور نہ کچھ مجھے احساس ہوتا لیکن تم میرے فرزند ہو! بلحاظ مروّت اور رشتہ پدری میرا فرض ہی کہ میں تمکو اُن حقائق سے آگاہ کرکے اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں۔ لہٰذا ہر امر کو تفصیل سے بیان کرتا ہوں

(۱) ترک وزارت | پہلی بات تو یہ ہی کہ میرے بعد وزارت اختیار نکرنا اور جہانتک ہوسکے دولت جاوید یعنی قناعت کے دامن کو ہات سے نہ چھوڑنا اور دنیا کی چاپلوسی پر شیدا و فریفتہ نہو جانا' کیونکہ اوّل کی لذتیں آخر کی حسرتوں کی برابر قیمت نہیں رکھتی ہیں۔ اور حقیقت میں دنیا ایک خواب کا خیال یا شراب کا غرور ہی کہ ذرا دیر میں سب کچھ ہی اور پھر کچھ بھی نہیں۔ اور آخرت کا مؤاخذہ صرف دنیا کی وجہ سے ہی لہٰذا خدا سے پناہ مانگنا چاہیئے۔

چونکہ اس مضمون کو بزرگان دین نے اپنی تصنیفات میں نہایت تفصیل اور تحقیق سے لکھا ہے لہذا
مجھے تفصیل کی ضرورت نہیں ہے صرف مقصود اصلی تمہیداً بیان کرتا ہوں

علی العموم ہر منصب میں ضرر اور خطرہ ہے خصوصاً وزارت کہ وہ مناصب کا مجموعہ ہے اسلیئے چاہتا ہوں
کہ تمکو وزارت کی مضرتوں سے آگاہ کردوں

تو سب ہی جانتے ہیں کہ دنیاوی مراتب میں انسان کے لیے سلطنت کے بعد سے بڑھکر وزارت
کا درجہ ہے مگر ساتھ ہی اسکے یہ منصب اتنا خطرناک بھی ہے اگر الگ الگ ہر خطرے کی تفصیل کیجائے تو
طوالت ہوگی لہذا ایسی کلیات بیان کرتا ہوں کہ جس کی ہر کلی میں بکثرت جزئیات شامل ہیں
اور مجھے یقین ہے کہ اس مختصر بیان سے نہایت عمدہ نتیجے پیدا ہونگے انشاء اللہ تعالی

(۱) پہلا خطرہ — صبح سے شام تک بلا ناغہ لوگوں کے معاملات میں وزیر کو مختلف احکام صادر
کرنا پڑتے ہیں اور حکم الہی یوں ہے ان تحکموا بین الناس بالعدل یعنی جو حکم ہو وہ کانٹے کی تول
ہو ایسی صورت میں خدانخواستہ اگر ان میں سے کوئی ایک ہی حکم حد اعتدال کے خلاف صادر ہو جائے
تو اس ایک لحظے کے نقصان کی تلافی سو برس کی حکومت میں بھی نہیں ہو سکتی ہے

اگرچہ عقلاً یہ ممکن ہے کہ تائید الہی سے تمام احکام انصاف پر مبنی ہوں لیکن ہر موقعے پر عدل کا قائم رہنا
تو یہ قریب محال کے ہے چنانچہ میں ایسا ایک واقعہ بیان کرتا ہوں

(۱) مجھے ہمیشہ خوف رہتا تھا کہ معاملات میں کوئی حکم شرع کے خلاف نہ صادر ہو سلطان
الپ ارسلان سلجوقی کے عہد میں بھی اگرچہ یہ خیال تھا لیکن سلطان ملکشاہ کے زمانے میں
خیال بہت کچھ ترقی کر گیا تھا اور اسکا سبب یہ ہوا کہ ایک عامل کے ذمے سرکاری مطالبہ تھا

اور وہ فوت ہوگیا۔ چنانچہ بعلت بقایا اُسکا ایک انگور کا باغ ضبط کرلیا گیا۔ لیکن اُسکے لڑکوں نے دعوی کیا کہ یہ باغ ہمکو ماں کی طرف سے وراثتاً ملا ہی۔ اور اپنے ثبوت میں دستاویزات پیش کیں تب میں نے حکم دیا کہ یتیموں کے حق میں باغ واگزار کردیا جائے کیونکہ انگور کی پھلت سے سرکار فائدہ اُٹھا چکی ہی۔ لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ انگوروں کا معاوضہ بھی یتیموں کو ملنا چاہیئے لیکن چند روز کے بعد یہ خیال دل سے جاتا رہا۔ اور مینے خواب دیکھا کہ گویا میں حشر کے میدان میں کھڑا ہوں اور نہایت سختی سے پوچھا جاتا ہی کہ تو نے یتیموں کا حق کیوں باطل کردیا اسکے بعد عذاب کے فرشتے مجھ کو ایک غار کے کنارے گھسیٹ کرلے گیے جو حد سے زیادہ تاریک، ہولناک اور عمیق تھا۔ اور وہ چاہتے تھے کہ مجھے اُس غار میں ڈھکیل دیں تب مینے اُنسے پوچھا کہ یہ کون مقام ہی؟ اُنھوں نے کہا کہ اسکو ویل کہتے ہیں (نام طبقۂ جہنّم) ویل کا نام سُنکر میں چیخ اُٹھا اور فوراً آنکھ کھلگئی ویل کی خوفناک تصویر چند روز تک میرے سامنے رہی۔ اسلیے میں بیمار ہوگیا۔ اچھے ہونے پر بہت کچھ صدقہ اور خیرات دیا اور اُن یتیموں کو انگوروں کا بھی معاوضہ دلا دیا گیا لیکن اس خواب کا مینے کسی سے ذکر نہیں کیا۔

اس عہد میں (ایّام حکومت ملکشاہ) عدالت کا کام بہت بڑھ گیا ہی۔ اور جبتک معاملے کی تحقیقات انتہا پر نہیں پہنچ جاتی ہی میں قطعی فیصلہ نہیں سُناتا ہوں اور جب کسی مقدمے میں زیادہ اُلجھن ہوتی ہی تو اُمرا سے مشورہ کرلیتا ہوں۔

چونکہ میں شیخ ابو اسحٰق[1] فیروزآبادی کا معتقد تھا اسلیے ایک دن اُنسے عرض کیا کہ قبلۂ عالم! میں

---

[1] شیخ کے حالات صفحہ ۱۲۳ - حصہ اول میں تحریر ہیں۔

ان دنوں سخت تشویش میں مبتلا ہوں اور دن رات میرے دل پر خوف چھایا رہتا ہے۔ شیخ نے
فرمایا کیا فکر ہے بیان کرو۔ میں نے عرض کیا کہ سلطنت کی وجہ سے مشرق و مغرب کے معاملات
میرے سامنے پیش ہوتے ہیں اور ہر معاملے میں مجھے حکم کرنا پڑتا ہے ڈرتا ہوں کہ کہیں انصاف
کا خون ہو جائے"

شیخ نے فرمایا کہ اے خواجہ اگر عبدہ دیوان میں ہوتا تو پھر بھی طبقہ اولیاء اللہ میں شمار ہوتا۔ اور وزارت
کرنا حقیقت میں خدا کے نیک بندوں کا کام ہے اسلئے کہ ایک حکم (جو انصاف کے ساتھ دیا گیا ہے)
عمل میں ہزار رکعت نفل کے برابر ہے لیکن سخت مشکل ہے کہ کبھی ایک آدمی صرف انگور کے [illegible] فیصلہ
کرنے کے جرم میں جہنم کے طبقہ ویل کی طرف کھینچا جاتا ہے اور اگر وہ کہیں باغ کا بھی حکم دے دیتا تو
سر و تن جہنم میں ڈال دیا جاتا اور پھر کبھی رہائی نصیب ہوتی'

چونکہ شیخ نے میرا یہی معاملہ اپنے صفائے باطن سے بیان کر دیا تھا لہذا میں نے ان کے مبارک پاؤں کو
بوسہ دیا اور معلوم ہو گیا کہ شیخ بھی اصحاب مقامات اور ارباب کرامات میں سے ہیں اور صرف یہی
واقعہ میرے مرید ارادت کا باعث ہوا۔

ملازمت سلطان

دوسرا خطرہ یہ بڑا خطرہ ہے کہ بعض اوقات محض ایک فرد واحد کی رضامندی کے حاصل
کرنے سے ہزاروں آدمیوں کو جن میں ہر درجے اور مرتبے کے لوگ شامل ہوتے ہیں اور جو مختلف
ملک و دیار میں رہتے ہیں آزردہ اور رنجیدہ کر دیا جائیگا اور پھر بھی یہ خیال ہوگا کہ درحقیقت وہ شخص
دل سے بھی خوشامد ہے یا نہیں؟ بلکہ بجائے عاطفت و عنایت کے ہمیشہ ملال و خفا ناراضی اور کدورت
ہی پائی جائیگی اور یہی مذہب گراں رہیگا"

ایک دن میں نے ابو المعالی امام الحرمین عبدالملک جوینی سے جن کی خدمت میں مجھے عالم شباب سے قرب و صحبت کا اعزاز حاصل تھا۔ عرض کیا کہ "اے امام مسلمانان! مجکو آپ کی کمال ذکاوت و ذہانت میں کچھ بھی شبہ نہیں ہی۔ اسلئے اپنی ایک مشکل جسمیں عرصہ دراز سے گرفتار ہوں (اور جسکو میں نے آج تک کسی سے کہا بھی نہیں ہی) حل کرنا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ ہی کہ ایک زمانہ دراز تیس ابر بادشاہ کی (ملک شاہ سلجوقی) خدمت کرتا ہوں اور انجام فرائض میں اسقدر سعی کرتا ہوں کہ جو طاقت بشری سے زیادہ ہی۔ اور اپنی کارگزاریاں اسدرجہ دکھلاتا ہوں کہ جو دوسرے سے نہیں ہوسکتی ہیں۔ اور جہانتک غور و تامل سے دیکھتا ہوں تو مہمات ملکی میں (ظاہر و باطن) کسی قسم کی کوتاہی بھی نہیں پاتا ہوں، اور سلطان اظہار عنایت میں بھی کمی نہیں کرتا ہی بلکہ سالہا سال سے ایسی عظیم الشان سلطنت کا انتظام میرے سپرد کر دیا ہی اور اپنی مہربانیوں سے مجھے محسود خلائق بنا دیا ہی۔ اور یقین واثق ہی کہ اس حالت میں بھی ہرگز تغیر و تبدل نہو گا۔ لیکن جب میں نے گہری نظر سے جانچ کی تو معلوم ہوا کہ طبیعت سلطانی میں میری طرف سے کچھ غبار ہی۔ مگر اس دقیقے سے سوائے میرے کوئی اور واقف نہیں ہی۔ اب فرمائیے کہ آپ کی رائے میں اسکا کیا باعث ہی؟

امام نے فرمایا کہ "اے خواجہ! اگرچہ تو اوروں سے فضل و عقل میں بہت بڑھ کر ہے لیکن تعجب ہے کہ تو نہیں سمجھتا کہ مال و ملک پر ہر انسان اپنا دل فدا کرتا ہی۔ خاص کر ملوک و سلاطین! پس جبکہ تو نے کسی کے معشوق و محبوب پر قبضہ کر لیا ہی تو پھر کیونکر ممکن ہی کہ اُسکا دل تجھ سے صاف ہو؟ اور خوب سمجھ لو! کہ ہر وقت بادشاہ کے دل میں یہ خیال گزرتا رہتا ہی کہ جو چیز میری ہی وہ تمام و کمال فلاں

---

۵۷ امام الحرمین کے حالات صفحہ ۱۳۰ حصہ اول میں تحریر ہیں۔

شخص کے قبضہ تصرف میں ہو کہیں ایسا ہو کہ اس میں خیانت کر جائے چنانچہ اس تصور کے کرنے
ہی ملک ہلکا سا غبار اُسکے آئینہ دل پر چھا جاتا ہی اور پھر حسد رذیل گرتے جاتے ہیں اور قصد
تصدیق حسب ہوتا جاتا ہی یہاں تک کہ رضا مندی پر بُرائی اور صفائی پر کدورت غالب آجاتی
ہی بتلا سماری کہ ابتدا میں وہ طبیعت کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہی اور بہت کچھ دبی رہتی ہی لیکن
جب کہ وہ کر طول پکڑ جاتی ہی تو پھر ہر چند طبیعت اسکو دفع کرتی ہی لیکن اُسکا اثر آہستہ آہستہ ہوتا
جاتا ہی اور یہ ایسی صورت ہی کہ وزیر اپنی کفایت شعاری اور توفیر خزانہ دکھلا کر بھی اسکا تدارک نہیں
کر سکتا ہی بلکہ یہ مادہ روز افزوں ترقی کرتا جاتا ہی مثلاً بادشاہ کے کسی مد میں پچاس ہزار دینار کا
جمع ہی لیکن اُسکو شک ہی کہ اس میں سے پانچ ہزار دینار اڑا لیے گئے ہیں گو پانچ ہزار کی رقم بھی اوسکی
خاطر کے لیے کچھ زیادہ نہیں ہی لیکن اگر خیال پانچ ہزار سے بڑھتے بڑھتے ایک لاکھ تک پہنچ جائے
تو خیال کرو کہ رنج کس قدر ترقی کر جائیگا ۔

(۱) اور ایک بڑی دشواری یہ ہی کہ سلاطین بعض کام وزراء سے ایسے لیا چاہتے ہیں کہ جو سر انجام
کے ہوتے ہیں مثلاً وہ چاہتے ہیں کہ اعیان حضرت اور مقربان دولت ملک و سلطنت کے معاملے
میں دخل ہونے پائیں اور تنخواہ دے وغیرہ بھی مالی تصرفات سے روکے جائیں اور ان میں سے
اگر کسی معاملے کی وزیر کو اطلاع ہو تو وہ اُسے باز پرس بھی کرے اور باوجود اسکے یہ شرط ہی کہ کوئی
ناراض ہو اور نہ بادشاہ سے شکایت ہو۔

(۲) دوسرے یہ کہ اگر کسی شخص سے متعدد ابواب میں عمدہ کام انجام پائیں اور اُسکی خدمات کے
سابق بھی سامنے ہوں اور بدیہی طور پر یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اس شخص کی ہدایت و دیانت سے

مثلاً ایک سو ملکی انتظامات سدھر گئے ہیں اور اس کی حسن تدبیر سے خزانے میں بھی توفیر ہوئی ہے تب بھی اسکا شکریہ نہیں ادا کیا جاتا ہی۔ اور اگر کبھی اتفاقیہ کیا بھی تو اوپری دل سے۔ اور اگر شاذ و نادر حسن خدمات کا تذکرہ کیا بھی جاتا ہی تو وہ دیرپا نہیں ہوتا ہی۔ اور اگر بادشاہ کی زبان پر اسکی خدمات کا ذکر آگیا تو ارکان مجلس خاموش بیٹھے رہتے ہیں۔ اور خدانخواستہ اگر اسکے برخلاف کوئی سستی ہوئی اور ذراسا بھی اوضاع ملکی میں خلل پڑا یا جزئی نقصان امور مالی میں ہوگیا تو پھر شکایت کے دفتر کھلجاتے ہیں اور مدتوں نہیں بھولتے ہیں بلکہ بادشاہ کو بھولی بسری کہانیاں یاد دلائی جاتی ہیں۔ غرضکہ یہ وہ حالتیں ہیں جنکا آخیر نتیجہ نقصان و مضرت ہی۔ اسلیئے قناعت بہتر ہی کیوں کہ اسکے صدقے میں تمام تردّدات سے کامل استغنا میسّر ہوجاتا ہی۔ اور اگر قناعت کے ساتھ عبادت بھی شامل ہو تو زہے قسمت۔

(۴) "فضل[۵۱] بن ربیع" کچھ دنوں کے لیے خلیفہ ہرون الرشید عباسی کا وزیر مقرر ہوگیا تھا۔ اتفاق سے اسی زمانے میں حج کا موسم قریب آگیا خلیفہ نے فضل سے مشورہ کیا کہ امسال صاحب محمل (قافلہ سالار حج) کون ہوگا؟ فضل نے کہا کہ اس میں مشورے کی کیا حاجت ہی۔ خلیفہ نے کہا کہ سالار قافلہ ایسا ہونا چاہیئے کہ جسپر اعتبار ہو کیونکہ ناموس امیر المومنین اور بیگمات شاہی کے محمل بھی ساتھ ہونگے۔ اور عراق سے مکہ معظمہ تک کا سفر ہی۔" فضل نے عرض کیا کہ سچ پوچھیئے تو مجھ سے زیادہ کون اس عزت کا مستحق ہوسکتا ہی؟ امیر المومنین اپنی فیاضی سے اگر اجازت مرحمت فرمائیں تو ایک

[۵۱] ابو العباس فضل بن ربیع بن یونس بن محمد بن عبداللہ دربار ہرون الرشید عباسی کا ایک نامور رکن ہی۔ برامکہ کے عہد وزارت میں حاجب کے درجے پر ممتاز تھا۔ بعد کو چند روز کیواسطے وزیر بھی ہوگیا تھا۔ برامکہ کی تباہی و بربادی میں فضل نے خاص طور پر حصہ لیا تھا (تفصیل کے لیے دیکھو البرامکہ و ابن خلکان جلد اول) ذیقعدہ ۲۰۸ھ (۸۲۳ء) میں انتقال کیا۔

ترس بھی ادا ہو جائیگا غرضکہ بڑی سماجت سے فضل کی دو خواہش منظور ہوئی لیکن بعد
واپسی حج کے فضل کی حالت کچھ اور ہی ہوگئی اُسے وزارت چھوڑ دی تھی اور یاد الٰہی میں مصروف
ہوگیا تھا

خلیفہ کا دستور تھا کہ وہ ایام متبرکہ میں دوستوں اور گوشہ نشینوں سے ملا کرتا تھا چنانچہ
ایک دن اُسکو خیال ہوا کہ فضل برامکہ بڑی خدمت گزار ہے اگر میں اُسکے پاس جاکر ملوں تو مروت
شاہانہ سے کچھ بعید ہوگا چنانچہ خلیفہ فضل کے مکان پر گیا اور اثنائے گفتگو میں فضل سے پوچھا کہ
تمہارے ترک وزارت کا کیا سبب ہے فضل نے اسکا کوئی جواب نہیں دیا پھر پوچھا کہ اچھا بتاؤ
اب تمہاری کیسی گزرتی ہے؟ فضل نے کہا بہ نسبت پہلے کے اب بہت اچھا رہتا ہوں عہدۂ وزارت
میں جس بادشاہ کا میں فرماں بردار تھا وہ میری دس خدمتوں کا صرف ایک صلہ دیتا تھا اور
اب ایسے بادشاہ کی اطاعت کرتا ہوں کہ جو ایک خدمت کا دس گنا اجر دیتا ہے مَنْ جَاءَ
بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ اَمْثَالِهَا پہلے جب میں دربار خلافت میں کچھ عرض کرنا چاہتا تھا تو موقع محل
کی دیکھ بھال میں بہت کچھ سختیاں اٹھانا پڑتی تھیں اور آج اس کی کچھ پابندی نہیں ہے جو میرے
دل میں ہے وہ خود جانتا ہے "اِنَّ اللهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ" پہلے مجھ کو بادشاہ کے احکام
کی تکمیل کرنا پڑتی تھی اور اب وہ خود میرے کاموں کا ذمہ دار ہے پہلے جب بادشاہ خواب
میں ہوتا تھا تو مجھے جاگنا پڑتا تھا اب میں بے خبر سوتا ہوں اور وہ میری حفاظت کرتا ہے "لَا
تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ" پہلے میں جانتا تھا کہ میرا رزق اس بادشاہ کے ہاتھ میں ہے لیکن
اب معلوم ہوا کہ ہم دونوں کا رزق اُس بادشاہ کے ہاتھ میں ہے "وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ

الاعلیٰ اللہ رزقھا، جب فضل نے ایسی طولانی تقریر کی تو خلیفہ ہرون الرشید کو رقت طاری ہوئی اور فضل کا ہات پکڑ کر کہا کہ خدا کی قسم اسپہلے تو میرا خدمتگار تھا لیکن آج تو میرا بھائی ہے"

فضل نے کہا "خدا کا شکر ہی کہ آج میرے سوال کا جواب مرحمت ہوا۔ اگر میں تمام عمر نوکری کرتا تو بھی مجھ کو یہ عزت حاصل نہ ہوتی۔

اسلیے اے فرزند! قناعت کو غنیمت جان اور دنیا کی ابتدائی شیرینی پر آخرت کی تلخی کو قربان نہ کر۔ واللہ الموفق والمعین"۔

تیسرا خطرہ شاہزادوں کے ملال اور آزردگی کا تدارک کرنا سخت مشکل ہی کیونکہ بادشاہوں کا دستور ہی کہ وہ اپنی اولاد کی تکمیل اور اُن کی نگرانی خود کرتے ہیں۔ اور اُنکے عروج وکمال کا ایک خاص وقت ہوتا ہی اسلیے شروع زمانے میں جب اُن کی کامیابی میں دیر ہوتی ہی۔ (مثلاً مالی وملکی اختیارات کا نہ ملنا جسکا اجرا خاص بادشاہ کے ہات میں ہی) تو وہ سمجھتے ہیں کہ یہ سارا قصور وزیر صاحب کا ہی۔ جس طرح طبیب تشخیص مرض میں مادے کو بیرونی اسباب سے تمیز نہیں کرتا ہی۔ عیاذاً باللہ منہا۔

شہزادوں کا میلانِ خاطر ہر روز کسی نہ کسی مقصد کیطرف ہوتا ہی۔ اور جب اُن کی مُراد پوری نہیں ہوتی ہی تو وہ خفا ہوجاتے ہیں۔ غرضکہ ہر خواہش کے بڑھنے پر رنج وملال کا درجہ بڑھتا جاتا ہی اور بعض اوقات شہزادے کو کسی شخص سے بدگمانی نہیں ہوتی ہی لیکن نوجوان اور ناتجربہ کار ملازم اپنے بیہودہ مقاصد کی کامیابی کی وجہ سے بہکا کر سیدھے رستے سے پھیر لاتے ہیں بہر حال اس میں کوئی شبہ نہیں ہی کہ شاہزادوں کی تالیف قلوب اور اُنکی رضامندی حاصل کرنا

بہت مشکل ہو کیونکہ ان کی اکثر خواہشیں ممکن الحصول نہیں ہوا کرتی ہیں مثلاً وہ چاہتے ہیں
کہ یکبارگی ادنیٰ درجے سے مقربان حضرت شاہی کے مرتبے میں پہنچ جائیں یا مدارج مال و
جاہ میں اُنکے ہم پلہ ہو جائیں علیٰ ہذا القیاس اور معاملات بھی ہیں

خلاصہ یہ ہو کہ اگر شہزادوں کی کامیابی کی کوشش کیجائے تو پھر وزارت کی بڑی تعریف ہوتی
ہو لیکن تجربے سے ثابت ہو کہ اس گروہ کی متابعت ہمیشہ بادشاہ کی ناراضی کا باعث ہوتی ہو

حکایت سلطان ملکشاہ نے شمس الملک[1] خاقان ترکستان کو بمقام ترمذ[2] شکست دیکر ارادہ کیا
کہ ترکستان پر پورے طور سے خاقان کی قوت کا خاتمہ کر دیا جائے لیکن جب ربان الدولہ
انگس سلطان نے ملکشاہ کا بخت تک استقبال کیا اور خاقان کی جانب سے معذرت کے ساتھ
از سر نو معاہدہ کیا اُسوقت سلطان کا غصہ دہیما ہوا اور بخت سے ملک شام کا قصد کیا
لیکن ملکی ضرورتوں سے یہ رائے قرار پائی کہ موسم سرما رے میں بسر کیا جائے اور اسی عام
یہ ہر طرف سے فوجیں آکر جمع ہو جائیں اور شروع فصل بہار میں شام کا سفر کیا جائے جس پر تمہید
ایک جملہ معترضہ تھا نفس مطلب یہ ہو کہ اسی زمانے میں بمقام بسطام[3] شہزادہ محمد کے یہاں بیٹا

---

[1] شمس الملک لو بھی ابراہیم بن نصر الملک خان بادشاہ ماورا النہر کا بیٹا تھا جسکو ملکشاہ نے اپنا باجگذار بنا لیا تھا دیکھو ۴۶۲ء کا ہجری الوافی جلد اول صفحہ ۲۰۳ و کامل ابن اثیر جلد ۱۰ صفحہ [2] ترمذ ایک شہر ہے جیحوں کے کنارے ماوراالنہر کے شہروں میں سے ہاتھ صنم اد مشہور ہو اس شہر کی آب و ہوا ضرب المثل ہو گیا ہے کہ بہت سے بیمار پڑے اکثر بڑی بڑی مشہور بادشاہوں کا دار السلطنت رہا ابو علی محمد بن عیسیٰ بن سورہ ترمذی صاحب صحیح اسی خاک سے ہیں مرآۃ الاطلاع صفحہ ۲۰ و گنج دانش صفحہ ۱۱۴ و معجم البلدان جلد ۲ صفحہ ۲۶ [3] بسطام ماوراالنہر کا مشہور شہر ہو دامغان اور نیشاپور کے درمیان میں ہو مراصد الاطلاع صفحہ ۲۰۵ و معجم البلدان جلد ۱ صفحہ ۶۲۳ بسطام کو بعض معجم البلدان اور القاموس

پیدا ہوا سلطان نے خوش ہو کر لڑکے کا نام پوچھا شہزادے نے کہا میں نے سلطان بایزید نام رکھا ہی۔ چنانچہ یہ نام پسند فرمایا اور حکم دیا کہ لڑکے کی کھلائی اور دائی اور گہوارہ وغیرہ کے مصارف کے لیے بسطام کی آمدنی مرحمت کیجاتی ہی۔ لیکن اتفاق سے دو دن کے بعد لڑکا فوت ہو گیا۔ اور آج حساب سے پورے سات برس اس واقعہ کو ہو چکے ہیں لیکن شاہزادہ محمد چاہتا ہی کہ بجوالۂ فرمان سابق، اس آمدنی سے نفع اُٹھاتا ہے لیکن خود اسقدر جرأت نہیں رکھتا کہ سلطان سے عرض کرے۔ اور نہ ارکان سلطنت سے کہنا چاہتا ہی (کیونکہ کھٹکا ہی کہ جواب باصواب نہ ملیگا) اور نہ اسپر رضامند ہی کہ میں سلطان سے عرض کروں۔ اور مجھے بھی یہی مصلحت معلوم ہوتی ہی کہ سلطان سے اسکا کچھ ذکر نہ کروں کیونکہ سلطان کا جواب شاہزادے کے خلاف ہوگا اور وہ سمجھیگا کہ مینے کچھ سعی نہیں کی ہی۔ بلکہ سلطان سے اُلٹی شکایت کی ہی۔ غرضکہ ہر سال اپنی جاگیر قومس[۱] سے بسطام کی آمدنی شہزادے کے نذر کیا کرتا ہوں لیکن پھر

بقیہ نوٹ صفحہ ۴۴۸۔ کو رہ قومس کے مشہور شہروں میں شمار کیا ہی اور بعض نے خراسان کے شہروں میں شمار کیا ہے۔ نیشاپور کی سڑک پر واقع ہی ایران کے آباد شہروں میں ہی قطب العارفین حضرت بایزید کا مولد و مدفن یہی شہر ہی شیخ کے حالات تذکرہ صوفیہ میں دیکھو آپ کی رباعیات مشہور ہیں مثلاً ؎ اے عشق تو کشتہ عارف و عامی را + سودائے تو گم کردہ نکونامی را ذوق لب میگوں تو آوردہ برون + از صومعہ بایزید بسطامی را + تفصیلی حالات کے دیکھو سفرنامہ خراسان ناصرالدین شاہ مرحوم ۔ از مرأۃ البلدان ناصری و معجم البلدان صفحہ ۱۸۰ جلد دوم۔

[۱] قومس۔ اصلی نام کومس ہی عربوں نے قومس کر دیا ہی جبل طبرستان کے ذیل میں ہی اس میں متعدد شہر اور قصبے ہیں جنمیں سے رَیّ اور نیشاپور کے مابین قصبۂ دامغان بہت مشہور ہی۔ اور دامغان سے دو منزل بسطام ہی مرا صد معجم البلدان صفحہ ۱۰۵ جلد۔

تیری طرف سے اُنکے تیور اچھے نہیں ہیں

میرے بیٹا تجھے یہ خیال پیدا ہوا ہوگا کہ تمہارے دل سے حصول مقاصد کے لیے تکلیف اُٹھانا
چاہیے اور کسی طرح کا خیال نہ کرنا چاہیے تاکہ اُنکے ملال کا سبب نہ ہو
سنو! اگرچہ عقلاً یہ محال نہیں ہے لیکن عادتاً مستبعد سے ہے کیونکہ جو صورتیں اُن کی رضامندی
کی ہیں۔ اگر بعض سے ایسی کسی نامرادی ہوتی ہے۔ اور کوئی انسان اپنے الوں، نا دیدہ
پسند نہیں کرتا ہے جس کی نظیر دل کا واقعہ ہے

جب سلطان الپ ارسلان[1] کو معلوم ہوا کہ شام و روم اور فرانس کے عیسائیوں نے
قیصر روم کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف یہ عہد کیا ہے کہ بغداد سے دولت عباسیہ کے
تاجدار کو خارج کر کے بجائے اُنکے کسی جاثلیق[2] کو تخت نشین کریں۔ اور دارالسلام بغداد
کی تمام مسجدیں گرجا و کلیسا کر دی جائیں اور اسپر بھی بس کیا جائے، بلکہ تمام ممالک اسلام

[1] مصر ارمانوس اور الپ ارسلان کا تاریخی واقعہ بہت مشہور ہے ذی قعدہ ۴۶۳ھ میں لڑائی ہوئی تھی
تمام عربی تاریخوں میں تفصیل سے مذکور ہے اور مسٹر گبن نے بصراحت لکھا ہے

[2] جاثلیق یونانی کثلکوس Kathonkas فرقۂ ارتداد کی مذہب حکومت نصاریٰ کا ولک
(کیتھولک) جواہر سواء الحسیل الی معرفۃ المعرب والدخیل صفحہ ۳۴، عیسائی علما اور مجتہدین کے متعلق سب
ذیل الفاظ یاد رکھنے کے قابل ہیں

(۱) بطرک، بطریق (موث دمی) Patriceus سردار اعظم پوپ روم، دس ہزار کا افسر
(۲) جاثلیق علماء اسلام میں عیسائیوں کا مذہبی پیشوا، بطریق کا نائب
(۳) مطران رئیس الکہنہ (۴) اسقف، مطران کا نائب (۵) طرخان، ماتحرار کا افسر
(۶) قومس، دو سو کا افسر معرب Comes اور ادب اللہ جلد اول مصنفہ جرجی زیدان مطبوعہ مصر ۱۸۹۸ء صفحہ ۳۳

مساجد کے ساتھ بھی سلوک کیا جائے اُسوقت سلطان نے عیسائیوں کی مدافعت کے لیے
دوبارہ روم کا قصد کیا۔ اور قیصر روم پر فتحیاب ہو کر اُسکو گرفتار کرلیا۔ جب قیصر سامنے آیا تو
سلطان بہت دیر تک اُس سے مذاق کی باتیں کرتا رہا۔ قیصر کا مکالمہ تاریخوں میں لکھا ہوا ہی
اور اُسکا یہ فقرہ جو اپنی رہائی کے واسطے سلطان سے کہا تھا۔ بہت مشہور ہی کہ "اگر تو قصاب ہی
تو ذبح کر ڈال اور اگر سوداگر ہی تو بیچڈال اور اگر بادشاہ ہی تو بخشدے"۔ چنانچہ سلطان مرحمت
شاہانہ سے پیش آیا۔

ایک دن قیصر نے جبکہ فوجیں دارالسلطنت کو واپس جارہی تھیں سلطان سے کہا کہ میں تو یہاں
قید میں پڑا مر رہا ہوں۔ اور اس میں شک نہیں کہ کوئی ملک بغیر بادشاہ کے نہیں رہ سکتا ہی۔
اس صورت میں میرے ملک پر دوسرے کا قبضہ ہوجائیگا اور اُسکے دفع کرنے میں سلطان
کو دوبارہ تکلیف اُٹھانا پڑیگی۔ اور ابھی تو خیریت ہی کہ تمام ممالک میرے قائم مقاموں کے ہات
میں ہیں۔ اگر مجھکو سلطان جانے کی اجازت مرحمت فرمائیں تو مثل دیگر فرمانبرداروں کے
میں بھی خراج ادا کرتا رہونگا"۔

چنانچہ سلطان نے نہایت اعزاز سے قیصر کو رخصت کیا اور قیصر بھی مطابق معاہدے کے
ہر سال مقررہ خراج بھیجا کرتا تھا۔ اور اُسکے وزرا علیحدہ بیش قیمت رومی تحائف اور زر نقد
بھیجتے تھے۔

میری غرض اس تاریخی واقعہ کے بیان سے یہ ہی کہ ایک سال خراج اور تحائف روم سے
آرہے تھے اور سلطان الپ ارسلان اُسوقت مرو میں مقیم تھا۔ اسلیئے شہزادہ ملک شاہ (یہ واقعہ

عمید شہاب کاہی مسلسل قلی کی وجہ سے مع مختصر فوج کے مقام رے موسم سرما بسر کر رہا تھا
اور شہزادے کو حکم تھا کہ جب تک وہ رے میں ہے جو لوگ ممالک روم و ولایت گرج و دیار بکر
اور بلاد عراق سے آویں اُنکے حالات کی تفتیش کرے اور اُن کی معروضات کو سنا ہے اور
اپنے معتمد کے ہمراہ اُنکو میرے پاس بھیجدیا کرے

چنانچہ اُس زمانے میں ملک شاہ کا کاتب عمید منصور تھا یہ شخص حد سے زیادہ دانا اور تجربہ کار
تھا اور اسپر بھی اسی عقل و دانش پر اُسکو بڑا ناز تھا غرضکہ اسی زمانے میں قیصر کی سفارت حسب
معمول سابق ہر سال فصل بہار کا تھا - اور شہزادہ سلطان کی خدمت میں حاضری کے ارادے سے
روانہ ہو چکا تھا اسلئے عمید منصور کو حکم دیا کہ سفارت کے ہمراہ سلطان کے حضور میں روانہ ہو جائے
اور تحائف کو دیکھ لے چنانچہ عمید نے ہر چیز کو دیکھنا شروع کیا تو تحائف میں ہر قسم کے صوف
بھی تھے اور ہر رنگ کے صوف کی گٹھریاں علیحدہ علیحدہ تھیں چنانچہ اس کوتاہ اندیش نے سفید
رنگ کا ایک صوف نکال لیا اور خیال کیا کہ یہ شہزادے کے واسطے کافی ہے مجھے یہ معلوم
ہوا کہ شہزادے نے اس واقعہ کی اطلاع بھی کردی تھی یا نہیں لیکن سفارت کو کسی نہ کسی طرح
رضامند کرلیا تھا کہ اسکا ذکر کسی سے نہ کریں گویا اسکو بھول جائیں اور اس وجہ سے پہلے مجھے
میرے کاتبوں (پرچہ نویس) نے اطلاع دی تھی کہ شہزادے کی مجلس میں ایک سفیر کی
کارگزاری اور کامیاب سفارتی کا ذکر ہو رہا تھا شہزادے نے فرمایا کہ بہت تعجب ہے کہ باوجود
اسقدر وسعت سلطنت کے ممکن نہیں ہے کہ کسی گوشہ ملک میں کوئی ایک دینار بھی تصرف کر لے
اور وہ خواجہ (نظام الملک) کو معلوم نہ ہو جائے" عمید نے کہا کہ یہ سب سلطان الپ ارسلان کے

اقبال کا نتیجہ ہی۔ ورنہ اگر کوئی اس طوس کے بیل (رکا دُطوسی) کو بیچ بھی ڈالے تو اسے خبر نہو۔"
غرضکہ عمید سفارت کے ہمراہ مرو تک پہنچ گیا اور سلطان کے حضور میں نذرانے اور تحفے پیش
ہونے لگے چنانچہ جب صوف کے تھان پیش کیے گئے اسوقت مجھے خیال آیا کہ اور تو سب
رنگ ہیں مگر سفید رنگ کیوں نہیں ہی۔ چنانچہ مینے ایلچی سے اسکا سبب پوچھا۔ اُسنے جواب دیا
کہ میں کچھ نہیں جانتا۔ بھیجنے والے جانیں؟ تب میں عمید کیطرف متوجہ ہوا تو اُسکے چہرے پر مجھے
کسی قدر تغیر محسوس ہوا۔ اور آپ ہی آپ بڑبڑانے لگا کہ رنگوں میں سفید کوئی رنگ نہیں ہی۔
مینے کہا کہ خواجہ صاحب! اسوقت مسائل حکمت سے کوئی بحث نہیں ہی کہ حکما نے بیاض (سفیدی)
کو الوان میں شمار کیا ہی یا نہیں؟ بلکہ اسوقت تو گفتگو اسپر ہی کہ جبکہ ایک بادشاہ نے محض زیب و
زینت کے خیال سے ہر رنگ کے نفیس صوف بھیجے ہیں تو سفید رنگ کا ہونا بھی ضرور تھا۔ اور
یہ محض میرا خیال ہی جو دل میں کھٹک رہا ہی۔ چنانچہ بعد از رخصت سفارت مینے فوراً دو ایک آدمی
اُنکی قیام گاہ پر بھیجے اور فہرست تحائف لیکر اُن میں سے ایک شخص میرے پاس آیا۔ اور نہایت
احتیاط سے باتوں باتوں میں مینے پوچھا مگر کوئی بات ایسی نہ معلوم ہوئی جس سے خیانت پائی جاتی
غرضکہ مینے معذرت کے بعد اُسکو واپس کیا۔ لیکن عمید مغرور نے دربار کے واقعہ سے شہزادے
کو بایں الفاظ اطلاع کی کہ" طاؤس آنحضرت بجبرئیل امین مناقشہا نمود بسے دیگر از ہدایا ت
باآں اضافہ کردہ"
چونکہ میں اس تحقیقات میں ناکامیاب رہا تھا اسوجہ سے تمام شب اسی اُدھیڑبن میں تا صبح کی نماز
پڑھ کر میں مصلے پر متفکر بیٹھا ہوا تھا۔ کہ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ قیصر روم نے سلطانہ (بیگم

باوجود ثبوت کے پھر بھی عمید کا وہی انکار رہا اور اپنی ہی کہے گیا۔ آخر میں نے مجبور ہو کر یہی فیصلہ کیا کہ یہ قصہ جوں کا توں طے کر دیا جائے کیونکہ زیادہ چھیڑ چھاڑ میں ولیعہد کی ناراضی کا کھٹکا تھا۔

چوتھا خطرہ ہمیشہ دیوان و دفتر کے مہتم بالشان معاملات ارکان سلطنت اور اُمرا و دولت سے وابستہ رہا کرتے ہیں اور وہ مجلس میں برابر اُٹھتے بیٹھتے ہیں اور گفتگو کرتے ہیں اگر اُنسے اُن امور میں وزیر تکلف کرے تو یہ ممکن نہیں ہے اور بڑی مشکل یہ ہے کہ اس گروہ سے نہ تو پوری پوری دوستی ہی ہو سکتی ہے اور نہ دشمنی کیجا سکتی ہے بلکہ ان کی دوستی اور دشمنی دونوں پر خطر ہیں لہذا ہر دو پہلوؤں پر الگ الگ بحث کرونگا۔

دوستی کے خطرات یہ خوب سمجھ لو کہ اسچے عشق اور خالص محبت کی بنیاد صرف انہیں اُمور پر مستحکم طور پر پڑ سکتی ہے جنکے دلوں میں فی نفسہ وفاداری، سچائی اور نباہ کا خیال ہو۔ لیکن جنکو ہمیشہ اور دل کی زوال نعمت اور نقصان دولت کی فکر دامنگیر رہتی ہے۔ اُن میں یہ رشتہ کیونکر جوڑ سکتا ہے؟ سچی محبت نہ تو کل ایسے اشخاص سے ہو سکتی ہے اور نہ کسی فرد واحد سے۔ کیونکہ دوستی کا تو یہ تقاضا ہے کہ اپنے دوست کے دشمن کو بھی دشمن ہی سمجھے۔ لیکن چونکہ یہ سب اہل مزاج میں ایک دوسرے سے بلحاظ غیرت و نفرت الگ تھلگ رہتے ہیں۔ اسلیے عقلاً اس گروہ سے میل ملاپ کرنا گویا میٹھے بٹھائے عداوت مول لینا ہے یعنی جس طرح جمع بین الضدین ممتنع ہے اسی طرح ان میں محبت کا ہونا بھی محال ہے۔ اور نفاق خود ہی کیا کم بُری خصلت ہے۔ اور جب کوئی اُسپر آمادہ ہو جائے تو وہ زیادہ عرصہ تک چھپ نہیں سکتی ہے۔

مجموعی حیثیت سے جو نقصان اس صحبت میں ہیں، وہ میں بیان کر چکا۔ اب اُس محبت کی مضرتوں کا

بیان کرتا ہوں جو بالعموم کہی جاتی ہے —
جب کسی ایک شخص سے محبت ہو جاتی ہے تو دوسرے لوگ جو اُس کی عداوت رکھتے ہیں
اور قبل اسکے کہ اس دوستی سے کوئی ثمرہ مترتب ہو اس دشمنی سے سو طرح کے نقصان پہنچ
جاتے ہیں اور سب سے بڑھ کر جو نقصان اس میں ہے وہ یہ ہے کہ بادشاہ کا مزاج بدل جاتا ہے کیونکہ
کبھی کوئی بادشاہ درباریوں اور اعیان دولت کے میل جول سے راضی نہیں ہوا ہے بلکہ اُن کے
اتحاد کو شک اور بدگمانی کی نظر سے دیکھتے رہے ہیں

حکایت الپ ارسلان کے ابتدائی دور حکومت میں قتلمش[1] سلجوقی نے باغی ہو کر تمام ملک
رے پر قبضہ کر لیا تھا اسلیے سلطان میرے مشورے سے اس بغاوت کے فرو کرنے کو روانہ ہوا جب لشکر
دار الملک میں پہنچا تو حکم دیا کہ تمام جرار فوج کے ساتھ جا رہی ہے وہ سپاہیوں کو تقسیم کر دیا
جائے میں سعد عارض کے ہمراہ فوج انتظام کی جانچ پڑتال میں ہر طرف گھومتا پھرتا تھا کہ اتفاق سے
امیر ابو ساتق کے خیمے کی طرف جا نکلا چونکہ درباریوں میں یہ امیر نہایت محترم اور معزز تھا
اسلیے تعظیما اور نیز امیر کے فرمانے سے تھوڑی دیر کے لیے میں وہاں ٹھہر گیا چنانچہ اس کی اطلاع
اُسی وقت سلطان کو کر دی گئی اور میرے اس ذرا دیر کے قیام سے وہاں کچھ اور ہی خیال
پیدا ہوا حالانکہ ابو ساتق ایک ناتجربہ کار، کم عقل اور سیدھا سادہ ترکمان تھا اور اکثر معاملات
میں میری اور اُس کی ہمیشہ نوبت پہنچی کہ مجھے نقصان و ضرر اٹھانا پڑا اور اُس نے

[1] قتلمش بن اسرائیل بن سلجوق الپ ارسلان کا چچا زاد بھائی تھا طغرل بیگ نے اسکو اپنی حیات میں [illegible] رکھا تھا
چنانچہ [illegible] حصر [illegible] اعلیٰ تھا الپ ارسلان و قتلمش میں ۴۵۶ھ میں لڑائی
ہوئی جس میں [illegible] اسکو [illegible] تاریخ آل سلجوق کامل ابن اثیر میں

مگر ست تلوار رکھوا کر سلطان کے سامنے رکھدی۔ مگر سلطان کو یقین نہ آتا تھا اور وہ بناوٹ سمجھتا تھا۔ اور میری طرف سے جو بدگمانی ہو چکی تھی وہ بدستور قائم رہی اور اُسکے نقصان کا اثر بھی مجھکو محسوس ہونے لگا۔

عداوت کا نتیجہ جس طبقے میں دشمنی اور عداوت کا ظہور ہوتا ہی وہ کبھی سرسبز نہیں ہوتا اور گو معمولی آدمیوں کی بھی عداوت کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہی۔ لیکن زبردست کی عداوت تو اور بھی خطرناک ہوتی ہی۔ اور خاص کر ایسی جماعت جسکو دربار شاہنشاہی میں وثوق اور اعتماد کا درجہ حاصل ہو ایسے لوگوں سے دشمنی کرنا گویا جان بوجھکر اپنی جان، مال و عزت کا برباد کرنا ہی۔ کیونکہ معزز طبقے کے لوگوں کو جب غصہ آتا ہی یا کوئی بڑی ضرورت پیش آجاتی ہی تو وہ اپنے دشمن پر غالب ہونے کے لیے تمام عمر کی دولت صرف کر ڈالتے ہیں۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہی کہ خود بادشاہ اس شخص کی غرض وغایت سے واقف ہو جاتا ہی اور دشمن کو شکایت کا موقع نہیں ملتا اس ذریعہ سے کچھ دنوں تک امن و امان رہتا ہی لیکن آخر کو بُرے نتائج ضرور پیدا ہوتے ہیں۔

حکایت سلطان محمود غزنوی کے ابتدائی دور حکومت میں خواجہ ابوالعباس فضل بن احمد[1] اسفرائنی عہدہ وزارت پر ممتاز تھا۔ اور سلطان کا ایک نہایت معتبر اور معتمد رشتہ دار امیر علی خویشاوند حاجب تھا۔ چونکہ خواجہ سے امیر علی دشمنی رکھتا تھا اور سلطان بھی اس علت کے

---

[1] خواجہ ابوالعباس فضل بن احمد اسفرائنی، دربار حمید الملک فائق میں عہدہ کتابت پر مامور ہوا تھا۔ لیکن بعد زوال دولت فائق، امیر ناصر الدین سبکتگین کے دربار میں آیا اور درجہ وزارت پر ممتاز ہوا۔ اور سلطان محمود نے بھی خلعت وزارت سے مشرف کیا۔ علاوہ علمی فضل وکمال کے نہایت ماہر مدبر تھا۔ لیکن امراء کی سازش اور جوڑ توڑ سے عہد وزارت جلد ختم ہو گیا جیسا کہ خواجہ نے لکھا ہی۔

واقف تھا اسلئے امیر علی کی گھڑی چالیس جانی جاتی تھیں اور سلطان پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا یہاں
تک کہ اگر کوئی شخص خواجہ کی انتظامی غلطیاں بھی دکھلاتا تو سلطان اُسکو خواجہ کی سازش سمجھتا
تھا غرضکہ جب امیر کو یقین ہو گیا کہ اسکی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی ہے تب خاموش ہو کر
موقع کا منتظر رہا۔ یہاں تک کہ خواجہ کی حالت خود ہی درجۂ تنزل کو پہنچ گئی اور اس تنزل کا سبب یہ
ہوا کہ خواجہ نے تمام اطراف سلطنت میں ظالم عمال مقرر کر رکھے تھے جنھوں نے رعایا کو انکی طاقت
اور قوت سے زیادہ ستا رکھا تھا خصوصاً صوبۂ خراسان کی حالت نہایت ابتر تھی علاوہ مظالم
کے قحط کی سختیاں اور مصیبتیں برپا تھیں کہ لعظہ بلدا غرضکہ جسقدر محاصل طرح صمدی میں
اُس سے ایک حصہ بھی سرکار کو وصول نہیں ہوا اور رعایا آوارہ وطن ہو کر خانہ بدوش ہو گئی ان حالات
کو دیکھکر ابو العباس خود بھی ہراساں ہو رہا تھا اگر وہ کیا کر سکتا تھا بجز اسکے کہ اپنی تدبیر میں ناکامی
کا اقرار کرے اور چونکہ آمدنی داخل خزانہ نہیں ہوئی تھی اسلئے سلطان کی ناراضی کی نوبت مواخذہ
تک پہنچ رہی تھی جسکو سمجھکر اور حیرت زدہ ہو کر خواجہ نے سلطان کی حضور میں از راہ
سے استعفا بھیجدیا سلطان نے فرمایا کہ "خواجہ سے کہدو کہ میں اسپر تو ظلم کرتا ہوں نہ کسی قسم کا دباؤ
ڈالتا ہوں بلکہ صرف یہ کہتا ہوں کہ جسقدر رقم وصول کی گئی ہے اور جس کی تسہیل دفتر وزارت سے
ہوئی ہے وہ خزانہ شاہی میں داخل کر دی جائے اور وزارت سے علیحدہ ہو جائے لیکن اسکے
بعد خواجہ ابو العباس سے وزارت کا قلمدان ابو اسحٰق محمد بن الحسن بن ملیح کو دلا دیا گیا
ہمیں اکمال خواجہ احمد حسن میمندی سلطان اور وزیر کے نام سفارت کا کام کرتا تھا غرضکہ اس
کوششوں سے یہ طے پایا کہ خواجہ ابو العباس ایک لاکھ دینار طلائی داخل خزانہ کرے چنانچہ

عہد نیابت عمید الملک فائق سے ولایت خراسان، اور ایام وزارت تک جسقدر نقد و اُ
لونڈی وغلام اور دیگر جائدا د منقولہ وغیر منقولہ پیدا کی تھی وہ سب تاوان میں سلطان کے نذر
ہوگئی جب خواجہ ابوالعباس مفلس ہوگیا۔ اور نوبت فاقے کی پہنچگئی تب سلطان سے اپنی تباہ
حالت کا اظہار کیا۔ سلطان نے نوازش شاہانہ فرمائی اور اپنے روبرو طلب کرکے کہا کہ ابوالعباس
میری جان و سر کی قسم کھاکر بیان کرو کہ اب تم بالکل محتاج ہوگئے ہو اور تمہارے پاس کچھ باقی
نہیں ہو اگر سچ سچ کہدو تو پھر تم سے بقیہ مطالبے کا کچھ مواخذہ نہ کیا جائیگا۔ خواجہ نے کہا کہ قسم
قسم کھانے سے معافی چاہتا ہوں دوبارہ اپنے اہل وعیال سے تحقیق کرلوں اگر اُنکے پاس کچھ
بھی ہوگا تو میں داخل کردونگا، اسکے بعد قسم کھاؤنگا۔ چنانچہ گھر جاکر سب کو ڈرا دہمکا کر اور بڑی
بڑی قسمیں دیکر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ایک نا کتخدا لڑکی کا اسباب جہیز کسی سوداگر کے یہاں
امانتاً رکھا ہی چنانچہ وہ بھی لاکر داخل خزانہ کردیا اور پھر بادشاہ کی جان و سر کی قسم کھائی کہ اب
میرے پاس کچھ نہیں ہی۔ لیکن مہیر علی خویشاوند کو ہنوز عناد باقی تھا، اور وہ اس قسم کا حال بھی
سُن چکا تھا۔ اسلیے ایک دن تخلیے میں جبکہ سلطان ہندوستان کا سفر کررہا تھا۔ عرض کیا کہ
مجھے مدت سے ابوالعباس کی خیانت کا حال معلوم ہی اور ہر وقت میں اسکے اظہار کی کوشش
کرتا تھا لیکن سلطان کے نزدیک شکایت خود غرضی پر محمول سمجھی جاتی تھی۔ لیکن باقبال حضور
بلا وساطت میرے ابوالعباس کی خیانت کھُل گئی۔ اور اسپر بھی وہ شہنشاہ کی جھوٹی قسم کھاچکا
ہی۔ حالانکہ چند چیزیں اسوقت بھی ایسی نادرالوجود اُسکے پاس ہیں جنسے اکثر بادشاہوں کے خزانے
خالی ہیں۔ یہ سُنکر سلطان نہایت متاثر ہوا۔ اور کہا کہ اگر تمھاری بات سچ ہوئی تو ابوالعباس

ضرور سیاست کا مستوجب ہوگا امیر نے کہا کہ اگر ان جبروں کے برآمد کرنیکا مجھکو اختیار دیا
جائے تو میں اپنے دعوے کو ثابت کرسکتا ہوں سلطان نے فرمایا منظور ہے مگر شرط یہ ہے کہ
جب تک تمہارے قول کی سچائی ثابت ہو جائے اسوقت تک اُس کی جان کے والی
ہو یا چنانچہ معاہدے کے بعد امیر رخصت ہو گیا اور اس زمانے میں خواجہ ابوالعباس ایک
قلعے میں قید تھا اس امیر کا خیال تھا کہ ہندوستان کی کسی لڑائی میں اُسکو ایک خنجر ملگیا
تھا جسکے قبضے پر ناشپاتی مثال کا یاقوت رمانی جڑا ہوا تھا اور ہر سامان کے دیکھنے سے
ایک پیالہ فیروزے کا ایسا تھا جس میں ایک سیر شربت آجاتا تھا اور بادشاہ کے خوف
سے ہر دو چیزیں مخفی رکھتا تھا جسکا ان جبروں کو اپنے ہمراہ قلعے میں لیگیا اور خواجہ کو
راست میں لیکر اپنے سپاہیوں کے سپرد کر دیا اور چند روز کے بعد سلطان کے حضور میں
خنجر اور پیالہ پیش کیا اور کہا کہ نہایت آسانی سے بغیر سختی اور تدارک کے یہ چیزیں مل گئیں ہیں
جن میں سے ایک شاہان ہند کا تحفہ ہے جو حضور میں پیش کیا گیا اور دوسرا وقت ملنے
ویسے ہی سامان کے حیات کیا گیا ہے اب بقیہ مال کے لیے اگر حکم ہو تو سختی کیجائے سلطان
نے ناراض ہو کر یہ چیزیں امیر علی تونتاش کو بخشدیں اور حکم دیا کہ جس طرح ہو بقیہ مطالبہ اس سے
وصول کیا جائے چنانچہ جب سلطان ہندوستان کو روانہ ہو گیا اُسوقت امیر علی نے خواجہ
کو اُسکے دشمنوں کے سپرد کر دیا اور اسی کشاکش میں وہ مرگیا اس واقعہ کے بیان کرنے سے
مرا مطلب یہ ہے کہ بڑے آدمیوں سے عداوت کرنے کا نتیجہ سخت نقصان ہوا کرتا ہے۔ واللہ الحافظ

پانچواں خطرہ وزیر کو ضرورتاً منافع ملکی اور اپنے مالی فوائد میں جن لوگوں کو اپنے سے زیادہ کا حصّہ دار بنانا چاہیے وہ عامل کاتب، سفیر، دبیر، اور اہلکاران دفتر ہیں۔ کیونکہ جس طرح نظام سلطنت بغیر سپاہیوں اور سپہ سالاروں کے محال ہی۔ اسی طرح وزارت کے مشکلات کا حل بغیر اس فرقے کے ممتنع ہی۔ اگر اس جماعت سے رعایت نہ کیجائے تو یہ جان کے خواہاں ہوجاتے ہیں۔ عزت و دولت کا تو ذکر کرنا ہی فضول ہی۔ لہٰذا دوسرے گروہ کے مقابلے میں یہی مناسب ہے کہ ان لوگوں کا فقر، ثروت سے۔ عجز، قوت سے۔ محنت، دولت سے اور گمنامی شہرت سے تبدیل کر دی جائے اور انواع و اصناف کے انعام و اکرام سے یہ مالا مال کر دیے جائیں تاکہ ہلاکت اور استیصال کے درپے ہوں۔ اور اگر کبھی اِنسے رعایتیں نہ کیجائیں یا اُنکے جائز حقوق ہمیشہ کے لیے میٹ دیے جائیں تو بلاشبہ یہ سب کے سب نفاق و خلاف پر آمادہ ہوجاتے ہیں اور ان کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور اُنکو بھڑکا کر آمادۂ فساد کر دیتے ہیں اور ایک شخص کے ٹوٹ جانے سے پھر اکثر متحد اور متفق ہوجاتے ہیں۔

میرے بیٹے! تمھارا یہ خیال کہ جب حکومت کی باگ عزیزوں، رشتہ داروں، اور معتمدان خاص کے ہات میں ہوگی تو اس قسم کی خیانت نہ پیدا ہوگی اور یہ نقصانات وجود پذیر نہونگے؟ سراسر غلط ہی۔ کیونکہ عزیز و اقارب سے خدمات و مہمات ملکی کا سرانجام ہونا غیروں کی خدمات سے کہیں بڑھ کر خطرناک ہی۔ تم دیکھتے ہو کہ مینے بسبب مزید اعتقاد امانت و دیانت کے تمھارے بھائیو پر تمام سلطنت تقسیم کر دی ہی اور اُنکو بڑے عہدوں پر مقرر کر دیا ہی جس سے صرف یہی غرض تھی کہ وہ تمام مصالح و مفاسد سلطنت سے مجھے آگاہ کرتے رہیں اور ضرور ہی کہ وہ اپنے نام اور

خاندانی عزت میں داغ نہیں لگائینگے

بادشاہ بیگم[1] (ترکان خاتون) ایک عرصے سے مجھ سے ناراض ہیں اور وہ چاہتی ہیں کہ سلطان اُنکے بیٹے محمود کو ولیعہد سلطنت قرار دیں۔ مگر اس ارادے میں کامیاب نہیں ہوتی ہیں، کیونکہ سلطان کے نزدیک شہزادہ برکیارق میں عقل و دانش کی علامتیں اور جہانداری کے آثار بہت زیادہ ہیں اور بادشاہ بیگم سمجھی ہوئی ہیں کہ میں اُسکی ولیعہدی میں حارج ہوں۔ اسلیے وہ خفا ہیں اور چاہتی ہیں کہ کوئی الزام میرے سر منڈھ دیں جس سے سلطان کا مزاج برہم ہو جائے اور میرے مخالفوں سے اس قسم کی ٹوہ لیا کرتی ہیں اور ایسی ہی باتیں پوچھا کرتی ہیں لیکن ابھی تک کوئی ایسی بات نہیں ملا ہے اور وہ سلطان سے کہہ سکیں اور کچھ کہہ نہیں سکتی ہیں کہ میں نے سلطنت کو اپنے بیٹوں پر تقسیم کر رکھا ہے مگر یہ وہ راز ہے کہ جسکو سوائے میرے کوئی نہیں جانتا ہے لیکن مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ صرف اسی ایک بات نے سلطان کے دل میں گھر کر لیا ہے خدا انجام بخیر کرے

خلاصہ یہ ہے کہ عزیز و رشتہ داروں کو خدمات سلطنت سپرد کرنے سے اپنی ذات کو اتہام کا نشانہ بنانا ہے اور لوگ اسکو امانت کے خلاف سمجھتے ہیں

اور اگر غیروں کو انتظام سپرد کر دیا جائے تو اُس کی بھی مضرتیں سب پر عیاں ہیں چنانچہ حسن بن صباح کی ذات سے مجھے جو مصیبتیں پہنچیں اور پہنچ رہی ہیں اور آئندہ معلوم نہیں کہ اور کیا پیش آئینگی وہ تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو۔

[1] دیکھو نوٹ مندرجہ حاشیہ صفحہ [illegible] حصہ اول جسمیں محمود اور برکیارق کی ولیعہدی کی بحث ہے

اسباب وزارت

ابتک میں نے جسقدر بیان کیا ہے چونکہ وہ تمہارے عقیدے اور ارادے کے خلاف ہے (یعنی ترک وزارت کا وعظ) اسلیے اسکا کوئی اثر تمپر نہ پڑیگا۔ لیکن اب میں ایسے چند اسباب بیان کرونگا کہ جو لوازمۂ وزارت ہیں اور انشاء اللہ تم اُنسے بہت کچھ فائدہ اُٹھاؤگے۔

کوئی کام کتنا ہی چھوٹا کیوں نہو، لیکن پھر بھی وہ اُصول سے خالی نہوگا۔ خصوصاً وزارت کا کام کہ جسپر ملک وملت، اور دین ودولت کا انحصار ہے۔ اس میں بدرجۂ اولی شرائط کی پابندی چاہیئے۔

منصب وزارت میں چار شرطیں ہیں جس کی بجاآوری واجب، درجکا لحاظ رکھنا فرض ہے اور وہ یہ ہیں (۱) خداوند تعالےٰ کے احکام کی حفاظت (۲) بادشاہ کے احکام کی تعمیل (۳) بادشاہ کے ملنے والوں کی رعایت (۴) عامۂ خلائق کے حفظ مراتب کا خیال۔

سُنو! انسان بمقتضائے فطرت کبھی ایسی چیز کی طرف متوجہ نہیں ہوتا ہے، کہ جس میں اُسکا کوئی مطلب نہو۔ اور عقلاً مقصود ہر کام سے اُسکا مناسب حال ہوا کرتا ہے۔ کوئی کام کرنے والا فضول محنت کرنا نہیں چاہتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ دس روز کے سفر سے جو قلیل منافع حاصل ہوسکتا ہے اسکے واسطے کوئی ہوشیار آدمی ایک سال کا سفر گوارا نہیں کریگا۔ لہذا ایسے بڑے منصب میں (جیسا کہ وزارت ہے) لباس، سواری، اور کھانے پینے کے تکلفات پر نظر نہ ڈالنا چاہیئے کیونکہ ادنے ترین شخص کو بھی یہ چیزیں کوشش سے مل سکتی ہیں۔ لیکن مقصود اس منصب عالی سے

یہ ہے کہ دین و دنیا کی یکسانی حاصل ہو اور اُسکا حصول بغیر پابندی شرائط مذکورہ بالا محال ہے

پہلی شرط ۱ اگر آج اس شرط کی تعمیل میں قصور و تقصیر ہو جائے تو کل قیامت کے حسرت و ندامت سے کہنا پڑیگا یا حسرتی علیٰ ما فرطت فی جنب اللہ "

اس مطلب میں حضرت سے ہم ناساں ہیں وہ یہ ہے کہ اپنے مذہبی عقائد میں مستحکم و مضبوط رہو ایسا ہو کہ اہل بدعت کی ملمع ساز گفتگو اور گمراہ فرقوں کی سحر آرائی سے مرکز راستی سے دور جا پڑو کیونکہ ارباب دول کی مجلس میں حکیم، صوفی، عارف، موحد وغیرہ سب ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں لیکن بہت ایسے ہوتے ہیں کہ اپنے کو حق کہتے ہیں اور حکمت، عرفان، توحید اور تحصیل مذہب کے پیرایہ میں بہت سے معتقدات باطلہ بیان کرجاتے ہیں۔ جنکے سننے سے آہستہ آہستہ عقائد میں خلل پڑتا ہے لہذا اس امر کی ضرورت ہے کہ تم راسخ العقیدت بنو اور نفس و شیطان کی ناشدنی میں مستعدی کرو طاعت و عبادت میں کبھی کوتاہی نہ ہو اور مذہب دین کی ترقی اور شریعت کے زندہ رکھنے میں خوب ہی کوشش کرو، لوگوں کی تعریف و توصیف پر اپنے خالق کی رضامندی کو مقدم سمجھو اور خوب سمجھ لو کہ جب تک عمدہ اخلاق ہوں اور بُری خصلتوں سے پرہیز نہ کیا جائے اُسوقت تک خدائے پاک کی رضامندی حاصل نہیں ہو سکتی ہے اور ان اُمور میں کسی معلم و مرشد کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ سب جانتے ہیں کہ علم اچھا ہے جہل بُرا ہے عدل محمود ہے ظلم مذموم ہے سخاوت قابل ہے اور بخل مکروہ ہے اور نہ اس میں کوئی شبہ ہے کہ اخلاق حمیدہ سے آراستہ ہونا حیات جاوید کی دلیل ہے اور ناپسندیدہ خصائل کا اختیار کرنا ہلاکت اور ابدی عداوت کا باعث ہے"

ارکان دین کے علم و ادراک کی تعریف

حکایت جب سلطان ملک شاہ کی شادی خلیفہ بغداد[1] کے یہاں قرار پائی اور سب جھگڑے طے ہو گئے، تب سلطان نے حکم دیا کہ اطراف عرب و عجم میں تمام اکابر و اشراف کو نیوتہ دیا جائے کہ وہ مجلس عقد میں شریک ہوں۔ چنانچہ مکۂ معظمہ، مدینہ طیبہ، بلاد شام، روم، عراق، فارس، خراسان، ماوراءالنہر وغیرہ میں قاصد بھیجے گئے کہ معزز مہمان براہ راست بغداد تشریف لائیں۔ چنانچہ اسقدر مجمع ہوا کہ کوئی زمانہ اس کی نظیر نہیں لاسکتا۔ بغداد کے مغربی حصے میں خیام سلطانی نصب ہوئے تھے، اور مشرقی حصے میں قصر خلافت واقع تھا۔ چنانچہ نکاح کے دن سلطان نے حکم دیا کہ اول تمام اعیان دولت دارالخلافہ کو روانہ ہوں اور ترکوں کے دستور کے موافق خلیفہ سے عقد کی رضامندی حاصل کریں (ترکوں کا دستور تھا کہ عین برات کے دن بیٹے کی طرف سے کچھ لوگ بیٹی والے کے گھر جا کر نہایت منت و سماجت سے عقد کی منظوری حاصل کرتے تھے اور اجازت کے بعد برات روانہ ہوتی تھی) چنانچہ اس رسم کے ادا کرنے کے لیے، ارکان دولت بلحاظ عظمت حریم خلافت تک پیادہ روانہ ہوئے۔ جب خلیفہ کو اطلاع ہوئی تو فوراً ایک خادم سے کہلا بھیجا کہ "نظام الملک سوار ہو کر آئے"، چنانچہ صرف میں سوار تھا اور جملہ اکابر میرے ساتھ پیدل تھے۔ جب آستانۂ خلافت پر

[1] المقتدی بامر اللہ ابوالقاسم عبداللہ عباسی سے ملک شاہ نے ۴۸۰ھ / ۱۰۸۷ء میں اپنی بیٹی کا عقد کیا تھا۔ اور اس شادی کے تفصیلی حالات ہم نے نظام الملک کے واقعات قتل میں لکھے ہیں۔ مگر خود ملک شاہ کی شادی کا واقعہ صرف خواجہ کی روایت پر لکھا گیا ہے، کیونکہ تاریخ کامل اثیر وغیرہ میں اس شادی کا کوئی ذکر نہیں ہے لیکن قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ شادی المقتدی کے خاندان میں ہوئی تھی۔ خلفائے عباسیہ میں المقتدی اٹھائیسواں خلیفہ تھا جس کا عہد حکومت ۴۶۷ھ / ۱۰۷۵ء لغایت ۴۸۷ھ / ۱۰۹۴ء ہے۔

بیچے تو مجھے ایک مسند پر بٹھایا اور بعض حضرات میرے اس پاس کھڑے ہوئے خلعت
کی جانب سے سب کو خلعت تقسیم دے اور جو خلعت مجھے مرحمت ہوا ، الامیر عسر جلال الدین
العالم العادل شاہ الملک یعنی امیر المومنین
ابتدائے دولت اسلام سے اسوقت تک کسی دربار کو یعنی امیر المومنین کا خطاب نہیں ملا تھا
میرا مطلب اس واقعہ کے بیان سے یہ کہ اسوقت سلطان میرے نفس میں عظمت پیدا
کے حالات پیدا کر رہا تھا اور میں ان حیرتوں کی موجوانی اور بایا مداری کے خیال میں ڈوبا
ہوا تھا اور باوجود اس پرواز کے مجھے اپنا ضعف اور تحیر نظر آرہا تھا۔ اور یہ میں اچھی طرح
جانتا تھا کہ ضعف اسی قسم کے ایک لاکھ ایک درجہ دگری) مجاز باایک مرتبہ کے درد
سر کے لیے دو تسکین نہیں ہو سکتے ہیں اور میری زبان پر اسوقت کلمہ لاحول جاری تھا۔
واقعہ بودل کا جس رات ہوئی تو میں نے خواب میں دیکھا کہ وہی مسند ایک بلند مقام پر
بچھی ہوئی ہے اور میں اسپر وہی خلعت پہنے ہوئے بیٹھا ہوں مگر تنہائی کی وجہ سے دل
وحشت میں مبتلا ہوں۔ ناگاہ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بدشکل اور کریہ منظر آدمی میرے پاس آکر
بیٹھ گیا جس کی بدبو سے میرا دم گھٹا جاتا تھا اسکے بعد اور لوگ بھی اسی شکل و صورت کے آئے
اور مسند پر بیٹھے چلے گئے اور بعد والے بدصورتی میں اگلوں سے بھی فوق رکھتے
تھے غرضکہ مسند پر ہجوم ہوا کہ میں کشمکش میں آگیا بلکہ قریب تھا کہ میں مسند سے نیچے گر پڑوں
ان کی بدبو سے دم نکلا جاتا تھا اسی بات سے میں جاگ اٹھا اور خدا کا شکر
کیا اور صبح کو مسند ہٹا دیا گیا لیکن جب رات آئی تو پھر وہی انگلا سماں پیش نظر تھا اور آج میں نے

مجھ پر ایسا خوف طاری ہوا کہ بدن کانپنے لگا اور اگر جاگ نہ پڑتا تو یقین تھا کہ تمام عمر سوتا ہی رہ جاتا۔ القصہ جب تیسری رات آئی تو میں ڈر کے مارے قصداً جاگتا رہا۔ لیکن پچھلے پہر نیند کے حملوں نے مجھے مغلوب کر دیا اور وہی گزشتہ نظارہ سامنے آگیا۔ اور میں نے اپنے کو مسند سے گرا یا ہی چاہتا تھا کہ ایک خوبصورت اور عطر میں ڈوبی ہوئی، روحانی اور نورانی جماعت جلوہ فرما ہوئی۔ اور جیسے ہی اس جماعت کا ایک شخص سلام کر کے میرے پاس بیٹھا ویسے ہی اُن میں سے ایک شیطان رفو چکر ہوا، اور تھوڑی دیر میں آہستہ آہستہ سب سرک گئے اور نئے مہمانوں کی ہم نشینی سے مجھ میں تازگی اور زندہ دلی پیدا ہو گئی۔ جب خاطر خواہ سکون ہو گیا تو مینے پوچھا کہ آپ کون ہیں۔ اور وہ کون لوگ تھے؟ جواب دیا کہ ہم تمھارے اخلاق حمیدہ اور وہ عادات ذمیمہ تھے۔ ہم دونوں کی مدت قیام کی کوئی میعاد نہیں ہے۔ بلکہ تمام عمر کا ساتھ ہے۔

اب یہ فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے کہ ”ہم میں سے کون رہے اور کون جائے؟ خواب و خیال کی باتوں میں جو لطف مینے اُٹھایا اُسکا پورا بیان کیونکر کروں۔

مختصر یہ کہ یہ واقعہ کچھ ایسا عجیب و غریب تھا کہ اس سے پہلے مینے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اور اسی حالت میں پڑا ہوا تھا کہ نوکروں نے سوتے سے جگا دیا“

خلاصہ یہ ہے کہ صاحبان مسند وزارت اخلاق حمیدہ کے حصول میں کوشش کریں، اور اُسکو لوازمہ وزارت سمجھیں اور بُری عادتوں سے ہمیشہ بچتے رہیں

طریق عبودیت ۲ دوسری بات واجب العمل یہ ہے کہ اتفاقات حسنہ کو اپنی تدبیر کا نتیجہ سمجھے گو حصول اُمکا تدبیر کے بعد ہی کیوں نہ واقع ہوا ہو۔ بلکہ اُسکو خدا کے فضل و کرم پر محمول کرے

لیکن میرا دل بھی بس یہ ہے کہ کسی قسم کی مدد ہی نہ کی جائے بلکہ میں علانیہ کہتا ہوں کہ کیسا ہی چھوٹا
کام کیوں نہ ہو قواعدِ عقلیہ سے جانچ کر اُس کی مدد کی جائے اگر نتیجہ خاطر خواہ نکلے تو سمجھو کہ یہی
خدا کی مہربانی ہے اس حال کو اگر انسان اسی طرف سائے تو ایک مبارک بات ہے بلکہ تکمیل
ایمان کی علامت ہے کیونکہ ہر مقصد میں مدد کا سامان نہیں ہوتی ہے اور یہ بھی مدد ہی ہے کہ
اگرچہ بغیر مدد کے کوئی کام نہیں ہوتا لیکن بسا اوقات مجھے تجربہ ہوا ہے کہ وہ بغیر مدد کے
ہوئے ہیں جنکو میں اتفاقِ حسنہ سے تعبیر کرتا ہوں

حکایت (۱) قزل ارسلان، امیر فارس و کرمان کی بغاوت کا حال لشکر کشی سال سلطان[1]
الپ ارسلان نے فارس و کرمان کا سفر کیا ہے اس وقت شہر کا حاکم فضلویہ تھا جو کہ اُسے اپنی
اطاعت سے سلطان کو رضامند کر لیا تھا لہذا حکومت فارس کی سند بھی فضلویہ کو دی گئی
تھی لیکن جب سلطان کرمان ہو کر خراسان کو روانہ ہو گیا تو فضلویہ فارس کے ایک مستحکم
قلعے میں جا بیٹھا تمام خزانہ اور فوج لیکر چلا گیا اور سلطان سے بغاوت پر آمادہ ہوا لہذا سلطان
نے اس شورش کے مٹانے کے لیے مجھے مامور کیا چنانچہ ہماری فوجیں فصیل قلعے کے نیچے
بہت جلد پہنچ گئیں لیکن جو حالات سلطنت میں سے خواص ہوئے اور ہر قلعے کے حالات سے
آگاہ تھے انھوں نے عرض کیا کہ قلعے کا محاصرہ کسی طرح مناسب نہیں ہے کیونکہ یہ قلعہ ناقابلِ فتح
ہے بلکہ مناسب ہے کہ فضلویہ کو خوف دلایا جائے، اس وقت تک اسکی انتظام ہو جائیگا جب تک
میں نے سب کچھ غور کیا اور دل ہی دل میں فیصلہ کرتا رہا کہ فضلویہ کے پاس جانا چاہیے یا اس کو گرفتار

[1] الپ ارسلان اور فضلویہ کے واقعات بہت تفصیل سے فتوحات ملکی کے ذیل میں تحریر ہیں"

چاہیے؟ لیکن مرجح پہلو نہ نکلا۔ تب مینے فیصلہ کیا کہ اس صورت میں سلطان کا حکم مقدم ہے، اگر میری کوشش کامیاب ہوگئی تو بہتر ہے ورنہ عدول حکمی کے مواخذے سے بری رہونگا۔

غرضکہ یہ رائے قطعی ہوگئی اور قلعے کا محاصرہ کرلیا گیا۔ محصورین مستغنی تھے اور وہ کسی طرف سے نظر نہ آتے تھے اور مینے بھی مستحکم ارادہ کرلیا تھا کہ محاصرہ نہ اٹھاؤنگا۔ بلکہ اسی غرض سے ایکسال کی رسد کے لیے احکام جاری کردیے تھے۔ مختصر یہ کہ صرف ایک رات محاصرہ رہا اور صبح کو چاشت کے وقت یکایک قلعے سے الامان کی صدا آنے لگی۔ تب مینے امن وامان کا حکم جاری کیا۔ فضلویہ نے سالانہ خراج ادا کرنا منظور کیا۔ اور بہت سے تحفے تحائف روانہ کیے۔ ہم لوگوں کو نہایت استعجاب تھا۔ اور وہاں کے باشندوں کو بھی حیرت تھی۔ کیونکہ یہ وہ قلعہ ہے جو برسوں کی لڑائی میں بھی فتح نہیں ہوسکتا تھا پھر کیا سبب ہوا کہ اسقدر جلد قبضے میں آگیا؟ لیکن تحقیقات سے معلوم ہوا کہ جس شب کا یہ واقعہ ہے اس رات کو خودبخود قلعے کے تمام تالاب اور حوض خشک ہوگئے تھے۔ اور کنوؤں کا بھی پانی سوکھ گیا تھا۔ اور ایک گھونٹ پانی بھی کہیں میسر نہیں آسکتا تھا۔ اسلیے محصورین امان کے طالب ہوے تھے جب مجھے یہ معلوم ہوا تو مینے خدا کا شکر کیا اور سمجھ لیا کہ سب تدبیریں تقدیر الٰہی کے ماتحت ہیں۔ کیونکہ جو تدابیر فتح قلعے کے لیے کی گئیں تھیں اور جو واقعہ پیش آیا اُس میں مشرق ومغرب کا فاصلہ تھا مینے ایسے بہت کرشمے دیکھے ہیں مگر مناسب حال اسی قسم کا ایک واقعہ اور ہے۔

حکایت ۲ سنہ ۴۵۶ھ ۱۰۶۴ء میں سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے خراسان سے روم کا سفر کیا اور نواح کرخ میں پہنچکر سلطان تو روم کو روانہ ہوگیا۔ اور چونکہ کرخ کی فتح کا اہتمام شاہزادہ

ملک شاہ کے سپرد کیا گیا تھا، لہذا شاہزادہ کرچ کی طرف بڑھا اور ایک قلعے کے قریب پہنچ گیا
دیہات ... اور مستحکم قلعہ تھا اور اسکے چاروں طرف نہریں تھیں، امام اس قلعہ کا مرکز تشیع[1]
تھا اور ملک کے مشہور علماء و مشائخ (قسیس رہبان) وہاں موجود تھے لوگ کہتے تھے کہ قلعہ
بھی عیسائیوں کا ایک گرجا ہی اور کرچ والے بھی اکثر عیسائی تھے۔ غرضکہ اس قلعے کے
چاروں طرف گرد آوری کی گئی تو معلوم ہوا کہ سوار و پیادے دونوں قلعے کی برجیوں تک
بس پہنچ سکتے ہیں یہ حال دیکھ کر ملک شاہ کو بہت رنج ہوا کیونکہ قلعہ کا محاصرہ چھوڑنا
اور اہالیان کرچ سے کسی قسم کی مزاحمت نہ کرنا، اور سلطان سے مدد مانگنا، اور قلیل فوج سے
قلعے پر حملہ کرنا، یہ سب صورتیں تکلف سے خالی نہ تھیں۔ اور جدال و قتال کا کوئی مفید نتیجہ
بھی نکلتا تھا اور بے عزتی کا خیال اس سب پر مستزاد تھا اسلئے میں نے ملک شاہ کو سمجھایا کہ
آپ بزرگان ہوں بادشاہوں کی شان اور ہی صورت سے سرزد ہوا کرتی ہیں اور اُن کو عام
خلائق کے کاموں سے کوئی مناسبت نہیں ہوتی ہے کیونکہ اگر بادشاہوں کے کام معمولی
آدمیوں کی طرح ہو جایا کریں تو پھر تبارک ذوالجلال کیونکر معلوم ہو، اور کافر امام پر ترجیح کا پہلو
کیونکر نکلے؟

القصہ دوسرے دن مقابلے کی تیاری کی گئی اور بہادروں نے بذریعہ کشتیوں کے خندق
سے عبور کیا، اور بڑی کوششیں کیں، لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ بلکہ بہت سے بہادر سپاہی ضائع ہوگئے
اور ملک شاہ بغیر میری اطلاع چند آدمیوں کے ہمراہ ایک برج کے نزدیک چلا گیا اور قلعہ سے

[1] اس قلعے کے تفصیلی حالات اور اس جنگ کا پورا ملاحظہ فتوحات کے ذیل میں درج ہے۔

کمند یں پھنسی گئیں یہ موقع نہایت خطرناک تھا۔ مگر خدا نے بچالیا۔ اور برج کے نیچے سے نکل کر یہ لوگ دور چلے گئے۔ شاہزادے کی یہ حالت دیکھکر میں حیرت زدہ رہ گیا اور مجھ سے کوئی تدبیر نہ بن پڑی۔ ہنوز حیرانی رفع نہیں ہوئی تھی کہ زور شور سے آندھی آئی اور تاریکی نے ساری دنیا کو ظلمتکدہ بنا دیا۔ اور اسکے بعد ہولناک زلزلہ آیا۔ اور یہ معلوم ہوا کہ گویا قیامت آگئی ہے۔ جب مطلع صاف ہوگیا اور روشنی نمودار ہوئی تو دیکھا کہ قلعے کا مشرقی حصہ گر گیا ہے اور دیوار کے گرنے سے سارا خندق اٹ گیا ہے۔ چنانچہ فوج بلا تکلف قلعے میں داخل ہوگئی۔ فتح نصیب ہوئی اور اکثر عیسائی مسلمان ہوگئے۔ اور صرف اسی ایک فتح سے بقیہ بلاد کرخ پر قبضہ ہوگیا۔

میرا مطلب اس واقعے کے بیان سے یہ ہے کہ سارے مقاصد تدبیر پر موقوف نہیں ہیں۔ بلکہ تائید آسمانی اور تقدیر ربانی بھی کوئی چیز ہے۔

(۳) اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ جلشانہ کی اطاعت، اور بادشاہ وقت کی اطاعت فرض ہے۔ اور جبکہ یہ فرمانبرداری عامۂ خلائق پر عموماً فرض کی گئی ہے۔ تو جو لوگ مقربین اور خاص الخاص ہیں۔ اُنپر تو بدرجۂ اولے ہونا چاہیئے۔ اور سب سے بڑھ کر اُس شخص پر جس کے ہات میں مالی و ملکی اختیارات اور حکومت کی باگ دیدی گئی ہو اور جو سلطنت کے گھٹاؤ بڑھاؤ اور اُمور مملکت کی پیچیدگیوں کے سلجھانے کا ذمہ دار ہو۔ اس قسم کی اطاعت اسوقت تک نہیں ہوسکتی ہے جب تک کہ بادشاہ وقت کی عظمت و جلال کا سکہ دل پر نہ بیٹھ جائے۔ اور جبتک ایسا نہوگا وہ خالص محبت کہ جو حقیقت میں اطاعت اور تعظیم تکریم کا نتیجہ ہے طرفین میں پیدا نہوگی

اور انجام کار غیر مستحق بائع طور پر پیدا ہو گئے اب رہے تعلیم سلاطین کے اسباب وہ کئی نوع رقسم ہیں

(۱) سب سے پہلے دفع مضرت ہے یعنی بادشاہ سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیے لیکن ضعیف عامہ خلائق میں مشترک ہے اسلیے دوسروں سے زیادہ بادشاہ کی تعظیم کرنا کوئی خاص فائدہ نہیں رکھتا ہے۔

(۲) دوسرے جذب منفعت ہے جسکو کنایۃً اُمید کہتے ہیں اور جس طرح نوع اول میں ساری خلقت سہیم و شریک تھی اسی طرح اس نوع میں دربار کے تمام خاص و خواص مشترک ہیں اسلیے جب تک خوف و رجا کا پردہ درمیان سے نہ اُٹھ جائے اور خالص محبت اور سچی ارادت پیدا ہو اُسوقت تک خاطر خواہ ثمرہ مترتب نہیں ہوتا ہے اور جب عقیدت اس درجے پر پہنچ جائے اور پھر کسی مقصد میں خلل پڑجانے و نقصان کا خوف نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ کامیابی جلد ہو سکتی ہے۔

اب میں وہ تدبیریں بتاتا ہوں کہ جسکے ذریعے سے انسان راسخ العقیدت بنتا ہے

(۱) خوب سمجھ لو کہ بغیر توفیق الٰہی اور مائدۂ سماوی کے کوئی شخص بادشاہ نہیں بن سکتا ہے اور نہ ساری دنیا کو وہ اپنا فرمانبردار بنا سکتا ہے۔ اگرچہ غلبہ اور تسلط کے کتنے ہی اسباب موجود کیوں نہوں، لیکن فی الحقیقت سب کا مرجع تائید غیبی ہے۔ اور صرف اس ایک سبب کے وجود پذیر ہونے پر دیگر اسباب خود بخود مہیا ہو جاتے ہیں اور یہ نتیجہ ارادت الٰہی سے حاصل ہوتا ہے اور اس میں بھی شبہ نہیں ہے کہ سلطان عادل کی اطاعت فرض ہے کیونکہ وہ زمین پر خدا کا سایہ ہے

(ظل اللہ فی الارض)

حکایت روایت ہو کہ ابن[1] اعلم رصدی سے جو مشاہیر منجموں سے تھا خلیفہ ہمیشہ ضمیر[2] کے سوالات کیا کرتا تھا۔ اور استخراج ضمیر میں کوئی منجم ابن اعلم کا ہمپلہ نہ تھا۔ اگر تھا تو صرف ناصر[3] بنانی جو ابن اعلم کا ایک نہایت ذکی الطبع شاگرد تھا۔

ایک دن خلیفہ نے ایک پرچۂ کاغذ پر کچھ لکھکر قالین کے نیچے (جسپر بیٹھا ہوا تھا) دبا دیا اور ابن اعلم سے

---

[1] مامون الرشید عباسی کے بعد خلافت کی شان شوکت میں زوال آگیا تھا اور عنان حکومت مختلف تخصوں کے ہات میں تھی۔ چنانچہ خلیفہ القاہر باللہ ابو منصور محمد کے زمانے میں بنی بویہ کی ابتدا ہوئی ابو شجاع بویہ بن فنا خسرو جو یزدجرد کی اولاد میں تھا اسکے تین بیٹے عماد الدولہ علی اور رکن الدولہ حسن اور معز الدولہ احمد بڑے نامور ہوے اور انکا اقتدار دربار میں بڑھنے لگا چنانچہ المستکفی باللہ کے دربار سے احمد کو امیر الامرا کا عہدہ ملا اور آیندہ یہی خاندان تخت بغداد کا مالک تھا جس کو چاہتے تھے تخت نشین کرتے تھے اور جسکو چاہتے تھے اُتار دیتے تھے۔ چنانچہ رکن الدولہ کا بیٹا عضد الدولہ بنی بویہ میں سب سے بڑھ کر نامور ہوا ہی۔ اور یہ فارس کا حکمراں تھا (اسکا عہد حکومت ۳۳۸ھ ۹۴۹ء لغایت ۳۷۲ھ ۹۸۲ء ہی) اسکا زمانہ علمی ترقیوں میں نہایت ممتاز تھا۔ اگر یہ بہادر حمایت علم کا عَلَم لیکر نہ اُٹھتا تو دسویں صدی عیسوی کے خاتمے پر علم کا چراغ گل ہوجاتا۔ چنانچہ اسکے دربار میں منجملہ مشاہیر علماے ہئیت کے ایک ابن اعلم بھی تھا۔ اس شریف علوی کا نام ابو القاسم علی بن حسین بن محمد بن عیسیٰ تھا۔ اور تاریخ میں ابن اعلم کے نام سے مشہور ہی ہئیت میں عضد الدولہ ابن اعلم کا شاگرد تھا۔ اور ہمیشہ اس شاگردی پر فخر کیا کرتا تھا۔ عضد الدولہ کے انتقال کے بعد صمصام الدولہ اُسکے بیٹے نے ابن اعلم کی کچھ قدر نہ کی اور وہ ناراض ہوکر چلا گیا اور ۳۷۴ھ میں حج کو روانہ ہوا اور واپسی کے وقت بمقام عسیلہ انتقال کیا۔ خواجہ نظام الملک نے جس واقعہ کو لکھا ہی یہ خلیفہ المطیع یا الطائع کے وقت کا ہی" انتخاب از مختصر الدول عبری ۳۰۴ و تاریخ عرب مسیو سیدیو فرانسیسی۔ بیان ترقی علم ہئیت" [2] ضمیر۔ سائل کا مافی الضمیر جب خود نجومی بیان کرتا ہی تو اس سوال کو ضمیر کہتے ہیں [3] سان۔ مرو شاہجہاں کا ایک مشہور قریہ ہی" مراۃ البلدان ناصری صفحہ ۹۹۲۔ معجم البلدان جلد ۳ صفحہ ۲۸۰

پوچھا کہ ماتھے پر کیا لکھا ہے؟ (اُس وقت ناصر بھی موجود تھا) ابن اعلم نے استخراجِ ضمیر کے
قاعدے سے بتایا کہ اس کا عدد یر خدا وند جلّ جلالہ کا نام لکھا ہوا ہے" لیکن ناصر نے ابن اعلم
سے اختلاف کیا اور کہا کہ اسپہ باد ساوہ کا نام نامی ہے" تب خلیفہ نے ابن اعلم سے پوچھا
کہ تم کس قاعدے سے کہتے ہو کہ خدا کا نام ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ "دلائل اور علامات سے معلوم
ہوتا ہے کہ کوئی رفعت و شان کا نام ہے اور تمام علاموں سے خاص ہیبت ٹپکتی ہے اس لیے
میں نے عرض کیا کہ وہ خدائے تعالےٰ کا نام ہے" پھر خلیفہ نے ناصر سے دریافت کیا کہ تمھاری
کیا دلیل ہے؟ اُس نے کہا کہ "جناب استادی جو کچھ فرماتے ہیں اور جن دلائل کی بنا پر حکم لگاتا
ہے وہ مجھے بھی معلوم ہیں اور میں بھی کہنا چاہتا تھا کہ خدا کا نام ہے لیکن یہ دعویٰ صفات
الٰہی کے مقابلے میں کچھ ٹوٹا ہوا معلوم ہوا پھر میں نے سوچا کہ اگر خدا کا نام ہوتا تو امیر الیس
اُسکو قالین کے نیچے نہ دبائے اسلیے میں نے نہایت نقص سے کہا کہ اسپہ باد ساوہ کا نام ہے"
اس مباحثے کے بعد خلیفہ نے وہ کاغذ نکالا تو اُس پر تحریر تھا "سلطان عادل" اس
معرکۃ الآرا حکم پر ساری مجلس کو تعجب ہوا اور ناصر ثانی کو خلیفہ نے خلعت و انعام سے مالا مال
کر دیا

اس روایت سے تمکو معلوم ہوا ہوگا کہ سلطان عادل کا یہ درجہ ہے کہ عقل نے صفاتِ الٰہی سے
اوصاف نامتناہی پر استدلال کیا اور اقبال ربانی کی علاموں کو اُسنے اوضاعِ سلطانی سمجھا
اسلیے اُس شخص کو جس کی دانشمندی و فرزانگی پر سلطان عادل نے اعتماد کر کے وسا کا
سے بلند ترین درجہ (یعنی وزارت) سپرد کر دیا ہو، زیبا ہے کہ وہ سچائی اور امانت کا سالک

اختیار کرے۔ اور ایسے کام کرے جس میں سلطنت کی مالی حالت ترقی پذیر ہو۔ لیکن شرط یہ ہی کہ عدل و انصاف قائم رہے۔ اور دلچسپی کے بیہودہ خیالات دل سے مٹا دیئے جائیں خصوصاً وہ کام جسکو شریعت نے منع کیا ہی۔ کیونکہ ذراسی عیش پرستی میں بڑے بڑے کام بگڑ جاتے ہیں۔ اور تھوڑی سی جدوجہد میں معلوم نہیں کہ کیا کچھ ہو جاتا ہی۔

وزیر کو چاہیے کہ اپنے عیش و عشرت کو صرف بادشاہ کی رضامندی پر منحصر رکھے۔ اور یقین کر لے کہ خدام کی کوئی خوشی بادشاہ کی خوشنودی مزاج کی برابر نہیں ہو سکتی ہی۔ کیونکہ دنیا کی ساری لذتوں کا سرچشمہ یہی ہی۔ اور ساری کوشش اسی کے حصول کے لیے کی جاتی ہی۔ ابتدائے ملازمت میں دل لگا کر کام کرنا چاہیے، کیونکہ آگے چلکر اُس کی لیاقت اور کارگزاری سے ہر قسم کی توفیر اور مالی ترقیاں ہوں گی جسکی اطلاع بادشاہ تک پہنچیگی۔ لیکن حکومت ملنے پر فوراً ہی اُن تمام تجاویز پر عملدرآمد نکرنا چاہیئے جو ترقی ملک کے لیے سوچی گئی ہوں بلکہ اُن کا نفاذ آہستہ آہستہ کیا جائے۔

(۲) جب معلوم ہو جائے کہ کسی خاص وجہ سے بادشاہ پریشان و متردد ہی تو اُسکی اصلاح کی فوراً فکر کیجائے اگر کامیابی ہو جائے تو وزیر کی یہ سعی قابل شکرگزاری ہو گی۔

ایسے تفرقے جو وزیر کی تدبیر سے علاج پذیر ہو سکتے ہیں دو نوع پر تقسیم ہیں ایک ملکی دوسرا مالی

تفرقہ ملکی۔ ا تفرقہ ملکی کی تفصیل ایسے مختصر مضمون میں نہیں ہو سکتی ہی۔ لیکن بسبیل اجمال سمجھ لینا چاہیئے کہ جس چیز پر ساری ملکی تدبیریں منحصر ہیں وہ یہ ہی کہ اپنے دوستوں کو رضامند رکھے اور دشمنوں سے ہمیشہ بچتا رہے۔ دوستوں کو تالیف قلوب اور مہربانی سے اس طرح

رکھنا چاہئے کہ وہ دل سے خیرخواہ ہو جائیں اور کسی وقت میں بھی مخالف ہوں۔ باقی
رہے دشمن وہ حصر عقلی کے مطابق تین قسم کے ہوتے ہیں **اعلیٰ، مساوی، ادنیٰ۔**
جو دشمن درجۂ اعلیٰ کا ہو اُس سے حتی المقدور ہوشیار اور برحذر رہنا چاہیے اور جو درجۂ
ادنیٰ کا ہو اُسکو دبائے رکھنا چاہئے مہلت دینا چاہئے اور برابر والے سے جہانتک
ہو سکے صلح و آشتی قائم رکھی جائے۔

بادشاہ کو عموماً بدعہدی اور نقض معاہدے سے بچنا چاہیے اور اہل اسلام سے خصوصاً
کیونکہ بدعہدی کا نتیجہ ہر عہد میں نامبارک ہوا ہے۔ جو بادشاہ مضبوطی سے معاہدے پر قائم رہتے
ہیں اُنکو مقابلے اُن فوائد کے جو نقض معاہدے سے حاصل ہوتے ایسے قول پر قائم رہنے
سے (بحمد اللہ) کہیں بڑھ کر فائدہ ہوا ہے۔

حکایت بلخ میں جب امیر اسمٰعیل سامانی[1] اور عمرو لیث کا مقابلہ ہوا تو یہ مشہور ہے
کہ امیر اسمٰعیل نے عمرو لیث کو گرفتار کر لیا تھا اور اُسکے خزانے کی تلاش شروع ہو گئی تھی لیکن
جب کہیں سراغ نہ چلا تو خود عمرو لیث سے پوچھا اُسنے کہا کہ مہتمم خزانہ میرا ایک عزیز تھا جسکا
نام سام ہے اگر وہ ہرات میں لوٹ آیا ہے تو معلوم ہوگا۔ چنانچہ چند روز کے بعد امیر اسمٰعیل ہرات

[1] آل سامان خراسان اور ماورا النہر میں سامانیوں کی حکومت ۲۶۱ھ سے ۳۸۹ھ تک رہی ہے اس
خاندان میں نو بادشاہ ہوئے ہیں چنانچہ کسی شاعر کا قول ہے

نہ تن بودند ز آل سامان مشہور — ہر یک بحکومت خراسان معروف
اسمعیل و احمدی و نصری — دو نوح و دو عبد الملک و دو منصور

چنانچہ امیر اسمعیل اسی خاندان کا حکمران تھا اور عمرو لیث صفاریہ خاندان سے تھا ارنگار سستان

پہنچا۔ تو رعایاے ہرات امن و امان کی طالب ہوئی اور اُن کی درخواست منظور کی گئی لیکن جب اُنسے سامان اور خزانے کا حال دریافت کیا گیا تو تمام رؤسا نے قسمیں کھائیں اور کہا کہ ہمکو کچھ علم نہیں ہی۔ غرضکہ جب خزانہ ہات نہ لگا تو فوج میں بیدلی پھیلنے لگی۔ کیونکہ شروع لڑائی سے اب تک کہیں ایسا مال غنیمت نہیں ملا تھا کہ جس سے اُنکے دل خوش ہوتے۔ اور نہ اعیان ہرات نے نذرانہ پیش کیا۔ لہذا سب کی یہ رائے ہوئی کہ ہرات والے حقیقت میں مطیع نہیں ہوئے ہیں، بلکہ آخر میں یہ ضرور بغاوت کرینگے۔ چنانچہ ارکان دولت نے متفق ہوکر امیر اسمٰعیل سے عرض کیا کہ اسوقت ہرات کی مردم شماری تخمیناً ایک لاکھ ہی۔ بطور امداد اگر ہر شخص سے دو مثقال سونا لیا جاے تو تین من سترہ سیر آٹھ چھٹانک سونا وصول ہوگا اور اگر اسکا نصف فوج کو دیدیا جاے تو بہت کچھ انکی حالت درست ہوسکتی ہی۔ امیر نے فرمایا، "کہ میں نے مسلمانوں کو امان دی ہو اور قسم کھا چکا ہوں اب اسکے خلاف کوئی تاویل نکرونگا" اور فوراً ہرات سے کوچ کر دیا تاکہ وہ شیطان کے مکر و فریب سے بچیں اور پھر اس قسم کا ذکر نہ کریں کہ جو نقض معاہدے کا باعث ہو؟ دوسری منزل پر پہنچکر اعیان سلطنت نے پھر وہی ذکر شروع کیا۔ اور کہنے لگے معلوم نہیں اس مُلک پر ہمارا قبضہ رہے یا نہ رہے۔ اس حالت میں یہاں سے ناکام جانا مصلحت مُلکی سے بعید ہی۔ لیکن امیر نے پھر وہی جواب دیا اور کہا کہ جس قادر مطلق نے عمر ولیث کو تازیانہ تقدیر کے بل پر میرے سامنے دوڑایا اور اُسکو گرفتار کرا دیا۔ وہ میرے بھی قادر ہی کہ بغیر کسی قسم کی تاخت و تاراج کے میری فوج کا کفیل ہوجاے۔ یہ مایوسی کا

۵۱ بشرح نرخ موجودہ ستائیس روپیہ فی تولہ بیس لاکھ پچپن ہزار روپیہ ہوا

جواب سنکر ارکان دولت رخصت ہوگئے، اور اُسی وقت یہ معاملہ پیش آیا کہ ایک کنیز جسکے ہاتھ
میں تھی اور اس کی مرصع حمائل کپڑوں کے اوپر رکھی ہوئی تھی کہ ایک چیل حمائل کے لعل کو
گوشت کا ٹکڑا سمجھکر لے اُڑی چنانچہ اسی وقت سوار دوڑائے گئے اُنھوں نے چیل کا تعاقب
کیا جب وہ ایک جگہ جاکر ٹھہری تو سواروں نے اُسکو گھیر لیا اور حمائل پنجے سے چھوٹ گئی
لیکن اس جگہ کنواں تھا وہ اُس میں جاگری چنانچہ ایک شخص (رسیوں کے ذریعے سے) کنوئیں
میں اُتارا گیا تو معلوم ہوا کہ ایک دوسرا کنواں اُسکے اندر اور ہے اور اس میں صندوق رکھے
ہوئے ہیں، پاس جاکر دیکھا تو خزانہ نکلا اور معلوم ہوا کہ سام مرکو بلخ سے بھاگ کر لوگوں کی
نظروں سے بچتا ہوا پہاڑی راستے سے اس طرف آیا اور اس مقام پر خزانہ لاکر چھپا دیا بحکم
مقدر عمر دولت کے حوالے کی اُمید تھی اور جسکا کہ خرچ رعایائے ہرات سے وصول کرنا آیا
تھی اُسکا دو چند ملگیا اور یہ عہد و پیمان پر قائم رہنے کا صلہ تھا

تفرقہ مالی ۲ اگر بادشاہ مالی مشکلات سے متردد ہو مثلاً فوجی مصارف یا جنگ میں
یا اسی قسم کے دیگر اخراجات اسوقت وزیر کو سعی کرنا چاہیے کہ عمدہ ذریعوں سے مصارف
نکل آئیں بلکہ وزیر کی صفت یہیں اگر کوئی خیر خواہ اُن تدابیر کا بادشاہ سے ذکر کردے تو
سب ہی مناسب ہے۔

حکایت سلطان الپ ارسلان سلجوقی کا معتمد خزانوں کے ایک مخزن قلعہ گنگو جو علاقہ
نواح فراباڈ[1] میں واقع تھا اور سلطان کی اس خزانے پر خاص توجہ تھی چنانچہ جب کبھی

[1] فراباڈ جسکو فرہاں بھی کہتے ہیں نواح ہرات میں ایک مشہور گاؤں ہے ابو نصر صاحب ... اسی گاؤں کا باشندہ تھا

خراسان سے عراق یا عراق سے خراسان جانیکا اتفاق ہوتا۔ تو اس خزانے کا ضرور ملاحظہ ہوتا تھا۔ اور اس میں جسقدر کمی معلوم ہوتی اسکا فوراً تدارک کر دیا جاتا تھا۔

چنانچہ دوسری مرتبہ جب دم پر فوج کشی ہوئی۔ اور فوجیں بمقام رَے پہنچیں اسوقت فوج کی تنخواہ اور وظیفے باقی تھے۔ اور چونکہ سلطان نے کئی بار فرمایا تھا کہ جب تک ممالک دیم پورا قبضہ نہو جائیگا اپسی نہوگی اور کم سے کم تین برس تک ان ممالک میں رہنا پڑیگا۔ اس لیے مشورہ کامل کے بعد سلطان نے حکم صادر فرمایا کہ قلعہ گیو سے یہ مصارف ادا کیے جائیں۔

چنانچہ جب یہ مہم ختم ہوگئی تو واپسی کے وقت سلطان نے نواح خزاان میں قیام کیا۔ اور فرمایا کہ یہ بڑا بیش قیمت ذخیرہ تھا اور اس میں سے کثیر رقم نکلگئی ہی۔ اور جب دفتر سے حساب پیش کیا گیا تو معلوم ہوا کہ دس لاکھ صرف ہو چکے ہیں۔ لہذا سلطان نے حکم دیا کہ یہ کمی فوراً پوری کیجاے چنانچہ سلطان کو پریشان دیکھکر میں خیمے سے باہر نکل آیا۔ اور جاگیر خالصہ کے ایک سو عمال کی فہرست مرتب کر کے اُنکے نام یہ حکم بھیجدیا کہ ہر عامل دس ہزار درہم (یہ جدید اضافہ داخل جمعبندی نہ تھا بلکہ متفرقات سائر پر جمع تشخیص کر دی گئی تھی۔ جو بندوبست سے چھوٹی ہوئی تھی) بمیعاد تین ماہ داخل کرے اور چونکہ مسلسل فصلوں (فصل نو آمدیا دو فصلا) کی ادلے لگان کا زمانہ تھا لہذا میعاد کے اندر خزانہ عامرہ میں یہ رقم داخل ہوگئی۔"

اسکے بعد میں ایک ضرورت سے رَے چلا گیا۔ اور میری غیبت میں سعید حاجب نے یہ وقعہ

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۷۰۔ حقیقت میں یہ ایک جھیل کا نام ہی جو ۱۲ میل کی لمبی چوڑی ہی۔ ایام خریف میں یہ پانی سے پُر رہتی ہی۔ اسکے بعد جب خشک ہو جاتی ہی تو نمک کا ذخیرہ چھوڑ جاتی ہی صفحہ ۳۷۲ جلد ۲۔ معجم۔

شاں کا بول بالا ہوا جس سے اور خواجہ ابو علی شاداں کو کتاب حرب یاد کیا۔

دوسری شرط ۲ بادشاہ کے ساتھ یہی بھلائی ہے کہ اُسکے حق میں وزیر کی سعی سے نیک دعاؤں کا ذخیرہ ہوتا ہے مگر یہ مقصد عدل و احسان کی دیانتی سے حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ بھی کوشش کرے کہ صفحہ ہستی پر سلطان کا ذکر جمیل باقی رہے لیکن یہ بقائے دوام حسن سیرت، عدالت اور سچائی سے ممکن ہے جن بادشاہوں کا نام صفحات ایام پر ثبت ہے اور وہ نیکی سے یاد کیے جاتے ہیں یہ وزیر کے عدل کی برکت کا نتیجہ ہے اور اگر عکس ہو تو خود ہی قیاس کر لو

اور یہ بھی خیال لحاظ ہے کہ بادشاہ کیسا ہی مہرباں ہو تاہم اُسکے لطف و عنایت پر کسی طرح اعتماد نکرنا چاہیے بلکہ جہاں تک ہوسکے ان امور میں احتیاط کیجائے۔ اور جو باتیں بادشاہ کی خفگی کا باعث ہوں اُنکے ٹالنے کی فکر کیجائے

وزیر کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے کہ بادشاہ کا میلان خاطر کس جانب ہے اور جب معلوم ہو جائے تو اپنی پوری قوت حصول مقصود میں صرف کر دے، اس سعی سے بادشاہ رضامند ہوگا۔

ہم جانتے ہیں کہ اُس بادشاہ حقیقی جل شانہ کی ذات میں غایت درجے کا استغنا اور انتہائے مرتبہ کا تقدس ہے جو معبود ہی کو بغیر اس سیرت کے میسر نہیں ہو سکتی ہے چہ جائیکہ بادشاہ مجازی، جو فی نفسہ ہر قسم کی حاجت اور احتیاج رکھتا ہے؟

جب بادشاہ کی نیت مصلحت ملکی یا انصاف پسندی کے مغایر معلوم ہو تو اُسکو کھلے ہوئے لفظوں میں نصیحت کرنا چاہیے بلکہ اُسکی بری باتوں اور خطاؤں سے نقصان و مضرت سمجھا دینا چاہیے

تاکہ بادشاہ کا ادب بھی قائم رہے اور اُسکے مزاج کا رُخ بھی اِدھر سے اُدھر ہوجائے۔

حکایت ایک زمانے میں سلطان الپ ارسلان کے عزیز و رشتہ داروں کا دربار میں مجمع ہوگیا تھا۔ اور اُنکے انعامات و مصارف کی وجہ سے خزانے پر بار پڑتا جاتا تھا۔ لہٰذا اُمرائے دربار کی یہ رائے قرار پائی کہ ہر عزیز کو کسی نہ کسی ضلع کی حکومت پر بھیجدیا جائے اس کارروائی سے اُنکو بھی فارغ البالی نصیب ہوگی اور سالانہ خراج بھی خزانہ شاہی میں داخل کرتے رہینگے اور مصارف بھی گھٹ جائینگے۔ اس رائے کو سلطان نے بھی مصلحتاً منظور فرمالیا لیکن جب مجھ سے مشورہ کیا تو مجھے تامل ہوا۔ کیونکہ یہ وہ لوگ تھے جو نہ اُصول حکومت سے واقف تھے اور نہ اُنکے اخلاق ہی عمدہ تھے (بلکہ وحشی ترکوں کا ایک گروہ تھا) میری رائے میں اُن کی حکومت سے اُس ملک کی رعایا کی کامل بربادی و تباہی متصور تھی اور خزانہ اُنکے ہاتوں میں دیدینا آیندہ کی خرابیوں کا باعث تھا۔ لیکن چونکہ میں سلطان کے مستحکم ارادے سے واقف تھا اس لیے تردد ہوا کہ آیا سلطان سے صاف صاف اس معاملے کو کھول یا نہ کھولوں؟

جب جواب دینے میں وقفہ ہوا تو سلطان نے فرمایا کہ آخر اس مسئلے میں تمھاری کیا رائے ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اسی کا ہمشکل ایک واقعہ خلیفہ منصور عباسی کا یاد آگیا ہے وہ عرض کرتا ہوں علامہ اصمعیؒ[1] کی روایت ہے کہ عمرو بن عبید بغداد کے مشہور شائخوں میں سے تھا۔ اور خلیفہ

---

[1] ابو سعید عبدالملک بن علی بن اصمع مشہور اصمعی بصری۔ لغت۔ نحو۔ اخبار۔ نوادرات کا امام ہے ۱۲۳ھ میں پیدا ہوا ۲۱۶ھ میں فوت ہوگیا۔ عربی علم لغت کا ایک حصہ اسی کی روایت سے مدون ہوا ہے۔ بلا کا ذہین تھا۔ علاوہ متفرق مضمون کے اشعار میں صرف رجز کے بارہ ہزار شعر یاد تھے تصنیفات میں سے ۳۰ مفید کتابوں کی فہرست ابن خلکان میں درج ہے تذکرہ شعرائے عرب صفحہ ۱۰۴۔

ربیع اسی اسکا مرید تھا اور سلطنت کے تمام معاملات میں شیخ کے مشورے پر عمل کرتا تھا
زمانہ تھا جبکہ تمام مملکت میں آل عباس حکمراں تھے اور بہت سے اُنکے ظلم وستم کی شکایتیں
کرتی تھیں لیکن رشتے کے سبب سے خلیفہ منصور اُنکے تدارک میں سستی کیا کرتا تھا۔

اسی زمانے میں شیخ نے منصور کے مشورے اور اجازت سے براہ بیت المقدس حجاز کا سفر کیا
جب شیخ قدس شریف پہنچ گیا تو وہاں کی رعایا نے منت وسماجت شیخ کو ٹھہرالیا اس درمیان
میں سوار قاصد خلیفہ کے آئے مگر شیخ نے بغداد کا قصد نہیں کیا تب مجبور ہو کر خلیفہ نے اپنا
ایک معتمد روانہ کیا اور کہلا بھیجا کہ حضور کی نسبت میرا یہ عقیدہ ہے کہ جو آپ کے دل میں ہو وہی
آپ کی زبان پر ہوگا لہذا ارشاد فرمائیے کہ بغداد سے بیزاری کا باعث کیا ہے؟ جب معتمد
حق سفارت ادا کر چکا اور شیخ کی خدمت میں چند روز تک حضوری رہی تو ایک دن عرض کیا کہ
بغداد جناب کا اصلی وطن ہے پھر کیا وجہ ہے کہ سفر کی غربت کو وطن کی مفارقت پر ترجیح دی گئی
ہے؟ شیخ نے فرمایا کہ "زرق طمع اور ضعف قلب میں مبتلا ہوں اور وہاں ہمیشہ زیادتی آیا کرتی
ہیں اب مجھ میں اسقدر قوت نہیں ہے کہ بالتصریح منصور سے اُس کی شکایت کروں، اور عمال
کے ظلم سے مظلوموں کو بچاؤں اور فی سبیل اللہ منصور کی خیر خواہی کا جسقدر خیال ہے اس اعتبار سے

سلہ ابو جعفر منصور دوانقی خلفائے عباسیہ میں دوسرا خلیفہ تھا ۱۳۶ھ میں بعد انتقال اپنے بھائی سفاح کے
تخت نشین ہوا۔ خلیفہ نہایت بہادر، مستقل مزاج اور صاحب علم و کمال تھا۔ مورخین نے اسکو خاتمہ الخلفا ہونے کا
لقب دیا ہے اسکے عہد میں ملک اور فوج کا باقاعدہ بندوبست ہوا ہے مزاج کا سخت اور جوہر شناس تھا اعطائے [illegible]
کی وجہ سے دوانقی کہلاتا تھا مگر اہل علم کے واسطے فیاض تھا اسے اس قصد سے پرمسرت ہوا کہ خلیفہ مانیت
جدا ہو اسکے عہد کا مشہور واقعہ بغداد کی تعمیر ہے ۱۵۸ھ میں فوت ہوا۔

اشارتاً و کنایتاً بھی کہتا ہوں مگر منصور نہ اسپر التفات کرتا ہی اور نہ توجہ سے سنتا ہی چند مرتبہ تنبیہاً میں نے کہا کہ یہ ہو سکتا ہی کہ ایک ظالم اپنے طریقے سے دست کش نہو مگر وہ دوسروں کو منع کر سکتا ہی کہ تم ظلم نہ کرو۔ اور جو شخص دفع ظلم پر قادر ہو کر تدارک نکرے وہ قیامت کے دن جواب دہ ہوگا اور سزا پائیگا۔ اور عالم آخرت میں سب سے بڑی حسرت کی یہ بات ہوگی کہ کسی کو اوروں کے قصور میں سزا بھگتنا پڑے"

القصہ خلیفہ کا معتمد واپس گیا۔ اور جب شیخ کا یہ واقعہ بیان کیا تو خلیفہ نے معتمد کو پھر واپس کیا اور بڑی معذرت کی اور پچھلے جرائم سے توبہ کی اور قول و قسم کے بعد کہلا بھیجا کہ آیندہ شیخ کی تمام تعریضوں اور اشارات پر فوراً عمل کیا جائیگا۔ اور جیسا کہ مریدوں کا دستور ہے۔ ہمیشہ شیخ کے مقصود کے مطابق عمل کریگا" **شیخ** حرم اور اکابرین قدس سے بھی سفارش کرائی کہ وہ حضرت کو واپسی بغداد کے لیے مجبور کریں۔ غرض خدا خدا کر کے عمرو بن عبید نے بغداد کا قصد کیا۔ اور جب دن تشریف لاے اُسی دن خلیفہ زیارت کے واسطے حاضر ہوا۔ اور ادہر اُدہر کی باتوں کے بعد جو پچھلے زمانے میں پیش آئی تھیں، خلیفہ نے شیخ کے ہمراہیوں اور راستے کا حال دریافت کیا (شیخ کی عادت تھی کہ وہ ہمیشہ پیادہ پا چلتا تھا) شیخ نے فرمایا کہ میرے ہمراہ اس سفر میں تین چار رفیق تھے۔ نہایت افسوس ہی کہ ان میں سے ایک ضائع ہو گیا۔ اور باقی خیر و عافیت سے منزل مقصود تک پہنچ گئے۔ جب ہم لوگ قدس شریف سے باہر نکل آئے تو ہر شخص اپنا اسباب خود اُٹھاے تھا۔ لیکن وہ عزیز دوسروں کا بھی اسباب لیے ہوے تھا۔ چند روز تک تو اچھی طرح چلا گیا لیکن ایک پڑاو پر جہاں پانی نایاب تھا وہ خستہ ہو کر گر پڑا چونکہ

وہ ہمارا ہم سفر تھا لہذا اُس کی خاطر سے ہم بھی ٹھہر گئے ہر چند اُسے سمجھایا کہ یہ منزل خطرناک ہے
میرے واسطے آپ تکلیف نہ اُٹھائیں بہرحال وہ اُسی جگہ رہ گیا اور معلوم نہیں کہ اُسکا کیا نتیجہ ہوا
خلیفہ نے کہا ایسے شخص پر آپ کو افسوس کیوں آتا ہے جبکہ وہ ایسے ہی اسباب سے گراں بار
ہو رہا تھا تو اُسے دوسروں کا بار کیوں اُٹھانا ؟

شیخ نے خلیفہ کا جواب سنکر تبسم فرمایا اور کہا کہ الحمدللہ کیا خوب بات کہی
اب خلیفہ کو اپنی غلطی معلوم ہوئی اور متنبہ ہو گیا اور ظالم عاملوں کے اختیارات چھین لیے اور
آئندہ جب تک امانت و دیانت کی تصدیق نہ ہو جاتی کوئی شخص کسی عہدے پر مقرر نہ کیا جاتا
جب میں نے سلطان الپ ارسلان سے یہ واقعہ بیان کیا تب وہ سوچتا رہ گیا پھر مجھ سے مخاطب
ہو کر فرمایا کہ عمرو بن عبید خدا کا ایک بندہ تھا مجھے اُسکا قول نہایت پسند ہے اس کے بعد
اپنے ارادے کو فسخ کر دیا'

میرا مطلب اس تذکرے سے یہ ہے کہ جب کسی کام کا نفع و نقصان اچھی طرح سے سمجھا دیا جاتا ہے
تو اُس کا نتیجہ ضرور مطلب کے موافق ہوتا ہے

ندیم میں استعداد اور قابلیت ہونا چاہیے کہ اگر دربار شاہی میں کسی علم و فن کا ذکر چھڑ جائے
تو وہ اُس میں بقدر ضرورت دخل رکھتا ہو کیونکہ دربار عام میں بادشاہ یا کوئی درباری وزیر سے
مخاطب ہو کر کوئی سوال کرے تو وہ جواب دینے میں عاجز نہ ہو گو ندیم کے لیے یہ صفت
ضروری ہے لیکن جسکو دربار سے تعلق ہو اور خاص کر اُس شخص کے لیے جسکو متعدد مقدمات اور
مہمات کے لیے سر دربار گفتگو کرنا پڑتی ہے بدرجۂ اولیٰ واجب ہے۔

اگرچہ تمام کمالات علمیہ کا حاصل کرنا وزیر کے لیے لازم نہیں ہی۔ مگر دو فن میں اعلےٰ درجے کا کمال ہونا ضروری ہی اور اُمورِ مالی و ملکی میں بغیر اسکے چارہ نہیں ہی۔ اور وہ فنِ حساب اور تاریخ ہے۔

حساب کی اُمورِ مالی میں جسقدر حاجت ہی وہ محتاجِ بیان نہیں ہی۔ اور اس فن کے فوائد و ثمرات بھی بدیہی ہیں

تاریخ کو تدابیرِ ملکی میں بہت کچھ دخل ہی کیونکہ عالمِ اسباب میں کبھی کسی نئے واقعہ کا ظہور نہیں ہوتا ہی بلکہ وہی ہوتا ہی جو بارہا ہو چکا ہی اور جسکے نظائر موجود ہیں۔ اور چونکہ پچھلے واقعات پڑھے ہوئے، سمجھے ہوئے، سُنے ہوئے ہوتے ہیں کہ فلاں کام کا خاتمہ یوں ہوا تھا۔ اور جب کوئی ویسا ہی معاملہ سامنے آجاتا ہی تو یقین رکھو کہ اسکا بھی انجام ویسا ہی ہوگا۔ مثلاً جس شخص[1] کو شاہ بخارا کی فوجی حالت اور الپتگیں کا حیلہ معلوم ہی کہ کیونکر لشکرِ بخارا کو شکست ہوئی تھی تو

[1] پورا واقعہ تاریخوں میں باتفصیل تحریر ہی۔ خلاصہ یہ ہی کہ منصور سامانی کی بیدرہ ہزار فوج نے الپتگیں کے سات سَو سپاہیوں کا تعاقب کیا تھا۔ لیکن الپتگیں اسوقت کوہ ہیدوکش کے ایک درے میں مقیم تھا۔ الپتگیں نے دو سَو جوان درّے پر پھیلا دیئے اور پانچسو کی پانچ صفیں بنا کر مقابلہ کیا اور میدان کارزار میں برائے نام مقابلہ کر کے قصداً درّے کی جانب مع فوج کے چلا گیا منصور کے سپہ سالار نے تعاقب کا حکم دیا۔ چونکہ درّہ تنگ اور عمیق تھا۔ لہذا بڑا حصّہ فوج کا یوں ضائع ہو گیا اور جو باقی رہے انکو پھیلکر لڑنیکا موقع نہیں ملا اور الپتگیں نے درّے کے اوپر سے تیر اور پتھروں کی بارش شروع کر دی چنانچہ جو فوج باقی رہ گئی تھی وہ یوں تلف ہو گئی۔ خواجہ کا مطلب یہ ہی کہ جو اس واقعہ سے واقف ہوگا وہ ہرگز ایسی تنگ گھاٹی میں دشمن کے تعاقب کا حکم نہ دیگا۔ انتخاب اِلتگارستان صفحہ ۱۰۱۔ حالاتِ آلِ سامان۔ خواجہ نظام الملک نے بھی الپتگیں کے حالات میں اس لڑائی کا تفصیل سے ذکر کیا ہی۔ اور لکھا ہی کہ خلم اور بلخ کے درمیان جو مشہور و معروف پہاڑی درّہ ہی وہاں لڑائی ہوئی تھی اور سب سے زیادہ نمایاں کارروائی سبکتگیں نے کی تھی جو الپتگیں کا ماموں غلام تھا۔" سیاست نامہ باب ۲۷

ایسے موقعے پر وہ تمیں اُنکو شکست نہیں دے سکتا ہے اور اسی قسم کے اکثر لطائف ہیں۔ بہرحال
اگر تاریخ کے واقعات سے ملازمانِ شاہی کو (جنکو دربار سے تعلق رہتا ہو) بڑے بڑے فوائد
حاصل ہو سکتے ہیں اور اگر ایسا ہوتا ہے کہ ایک برجستہ مثال جو دی جاتی ہے صلے اور
نعرۂ تحسین بلند کرا دیتی ہے۔

حکایت رمضان المبارک میں نمازِ عصر کے بعد سلطان الپ ارسلان کی مجلس میں مشہور
علماء کا مجمع ہوا کرتا تھا اور مذاکرۂ علمیہ کے بعد قریب افطار یہ جلسہ برخاست ہوجاتا تھا۔ چنانچہ
انہی دنوں میں امام جمال الدین جندی (یہ ماوراء النہر کے مشہور عالم تھے اور خاقان
ترکستان کے دربار میں معزز عہدہ رکھتے تھے) بقصد سفر حجاز ترکستان سے مرو میں تشریف
لائے۔ ایک دن امام صاحب بھی مجلس میں شریک ہوئے اور قاضی مرو سے مباحثہ شروع ہوا
لیکن بڑھتے بڑھتے مباحثے کی نوبت پہنچی۔ مضمون زیر بحث یہ تھا کہ الخالق، الباری، المصور
متحد المعنی الفاظ ہیں اور یہ دعویٰ امام صاحب کا تھا لیکن قاضی صاحب فرماتے تھے کہ ہر
لفظ کے معنی الگ الگ ہیں چنانچہ آداب مناظرہ کے موافق بحث ہو رہی تھی اور ہر فریق اپنے
ثبوت میں دلائل عقلیہ اور نقلیہ بیان کر رہا تھا لیکن قطعی فیصلہ ہوتا نہ تھا اور بحث طول پکڑتی جاتی
تھی۔ امام صاحب اپنے دعوے پر جمے ہوئے تھے اور وہ آفریدہ، ہست کنندہ اور
نگارندہ کے معنی میں کسی قسم کی تفریق اور مغائرت نہیں سمجھتے تھے لیکن قاضی صاحب کا
قول تھا کہ عدم مغایرت مانع مغائرت نہیں ہے اور سلطان بھی قاضی کا طرفدار تھا اور
چاہتا تھا کہ قاضی کی جیت ہو جائے (اگرچہ بحث کو اچھی طرح نہ سمجھا تھا) جس سے سلطان کے

تیمور دیکھے تو عرض کیا کہ" تینوں الفاظ کے معنے میں جو فرق ہی وہ ذیل کی مثال سے معلوم ہو سکتا ہی"

مثال سب سے پہلے جس بادشاہ کے سر پر چتر نے اپنا سایہ ڈالا وہ بہمن تھا۔ اور اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ جب بہمن اپنے باپ کے خون کا بدلہ لینے ملک نیمروز[1] کو روانہ ہوا۔ تو یہ موسم کڑی دہوپ کا تھا اور شدت سے لو چلتی تھی۔ اور بعض بعض راستے حد سے زیادہ آتش انگیز تھے۔ اُسوقت بہمن نے حکم دیا کہ ایک سوار دائیں جانب سے اور دوسرا بائیں طرف سے میرے سر پر سایہ کرلے۔ آر دشیر (ایک نامور مصاحب) نے دیکھا کہ دو شخص اس ذریعے سے بادشاہ کے قریب ہوے جاتے ہیں، تب اُسنے حکم دیا کہ سپر بالاے نیزہ رکھکر ایک شخص ہمرکاب چلے پشوتن جو ایک نامور مہندس تھا اسنے خیال کیا کہ سایے کے واسطے ایک جُدا آلہ تجویز کیجاے۔ چنانچہ سپر سے ملتا جُلتا ہوا اُسنے چتر بنایا۔ اسلیے مجازاً بہمن کو باری چتر (یعنے ہست کنندہ) اور آر دشیر کو مصوّر (یعنی نگارندہ) کہینگے کیونکہ چتر کی خاص صورت کا خیال

[1] ملک نیمروز، ولایت سجستان کا نام ہی جسکو عام طور سے سیستان کہتے ہیں۔ یہ ولایت اقلیم سوم میں واقع ہی جسمیں متعدد شہر آباد ہیں، مگر عموماً ریگستان ہی۔ اس کا مشہور شہر زرنج ہی (ہرات کے جنوب میں) جسکو گرشاسف پہلوان نے آباد کیا تھا۔ اسکا فارسی نام رریک ہی اور چونکہ اس شہر کے متصل ریگ رواں کا دریا تھا۔ لہذا ایک زبردست بند ریگ سے بچاؤ کے لیئے بنا دیا گیا۔ بہمن نے اپنے زمانہ سلطنت میں اس شہر کو از سرنو آباد کیا اور رُستان نام رکھا۔ جسکو عوام سکستان کہنے لگے۔ یہی لفظ عربی میں جاکر سجستان اور فارسی میں سیستان ہو گیا ہی اور بجاے ایک شہر کے نام ہونے کے پورا صوبہ اسی نام سے موسوم ہوگیا۔ انتخاب از نزہت القلوب حمد اللہ مستوفی تفصیل کے لیے دیکھو معجم البلدان جلد ۵ صفحہ ۳۰ و جلد ۶ صفحہ ۳۶۸

اسی کے دل میں پیدا ہوا اور تشویش آفریدہ قرار پایا "

جب یہ دلیل بیان کی تو ساری مجلس نے نعرہ تحسین بلند کیا اور سلطان الپ ارسلان
بے حد زیادہ خوش ہوا اور جب کبھی خاص مہربانی ہوتی تھی تو اُس کی یہ ساخت تھی کہ خواجہ
علی شاداں کو ذکر خیر سے یاد کرتا تھا چنانچہ اُس وقت بھی فرمایا کہ خواجہ علی پر خدا کی رحمت ہو

تیسری شرط ۳ بادشاہ کے حفظ مراتب کے متعلق چند امور بدلائل عقلی بیان کر چکا ہوں
اب اس مسئلہ کے متعلق مختصراً بیان کرتا ہوں کیونکہ ہر قسم کے فتنے جھگڑے اُٹھنے کا اندیشہ
ہو سکتا ہے اسکے بانی یہی لوگ ہوتے ہیں اسلئے اس طرف زیادہ توجہ رکھنا چاہیئے اور جن
لوگوں کو بادشاہ کا قرب میسر ہے وہ حسب ذیل ہیں

بیگمات (۲) شاہزادے (۳) امیر الامرا (۴) باقی ملازمان ان لوگوں کی مودت کے باعث
اور مخالف گروہ سے اسرار کے شرائط اجمالاً و تفصیلاً مکرر ہیں لیکن شرط کلی اجمالی یہ ہے کہ
مہمات سلطنت میں اس درجہ استقامت اور سچائی ہو کہ کسی کو اعتراض کا موقع نہ ملے یعنی اگر
کسی مقام پر چند احباب اُسکا تذکرہ کر رہے ہوں تو کوئی اُس پر یہ الزام نہ لگا سکے کہ فلاں بات
تم جھوٹ کہتے ہو اور نہ دشمنوں کو ایسا پہلو ہاتھ آئے کہ وہ اپنے قول میں سچے نکلیں اور
بدا اُسوقت سے بچانے کے لئے ہوا خواہ مضرت کے درپے ہوں اور دشمنوں کا عروج ہو۔
خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص مسلک راستی سے پھر جائیگا تو اُسکا یہی انجام ہوگا یعنی وہ احباب
کہ جو ہماری حالت کے سنوارنے کی فکر میں ہونگے وہ جھوٹے سمجھے جائینگے (اور یہ زوال
کی کھلی ہوئی علامت ہے) اور جو دشمن ہماری بُرائی چاہتے ہیں اور ہجو کرتے ہیں وہ سچے

مانے جائینگے (اور یہ کمال کی شناخت ہوگی) غرض کہ سچائی اور دیانت کا جب عالمگیر شہرہ ہوجاتا ہی تب دوستوں کو خیرخواہی کا بڑا موقع ملتا ہی۔ اور دشمنوں پر بداندیشی کا میدان تنگ ہوجاتا ہی۔ اسلیے اکثر معاملات کی بنیاد اسی اُصول موضوعہ پر رکھنی چاہیئے کہ حصول مقاصد میں کامیابی ہوتی جائے۔ مذکورۂ بالا اصناف اربعہ کے شرائط کی تفصیل ترتیب وار حسب ذیل ہی

رعایت بیگمات حرم۔ ا عہد قدیم میں اور خصوصاً شاہان عجم کے دور سلطنت میں بیگمات وخواتین حرم کو امور سلطنت میں کچھ دخل نہ تھا۔ اور نہ اُنسے کسی امر میں مشورہ کیا جاتا تھا لیکن خواتین ترکستان کا یہ قاعدہ تھا کہ وہ تمام امور میں بیگمات سے مشورہ کرتے تھے اور بالآخر اُن کی رائے سب پر غالب ہوتی تھی۔ اور چونکہ سلاطین ترکمان بھی اُسی خاندان کے پروردہ ہیں لہذا وہ بھی انہی اُصول کے پابند ہیں اسلیے بیگمات کی حمایت میں رہنا بہت ضروری۔

اب رہی یہ بات کہ انپر قبضہ کیونکر ہو؟ اسکا آسان طریق یہ ہو کہ محل کی خواصوں سے ملتا جلتا رہے اور اُنکو انعامات سے خوش کرتا رہے۔ لیکن اس میں بھی یہ شرط ہو کہ عام طور پر نہ ملے بلکہ جسکو قرب اختصاص زیادہ ہو اُسے ملائے رکھے۔ اور کسی کو مطلق خبر نہو۔ اور جسکے ساتھ احسان وسلوک کیا جاے وہ یہی سمجھے کہ مجھ سے زیادہ کوئی عزیز نہیں ہی۔ اس قسم کی فیاضی سے بڑے کام نکلجاتے ہیں۔ اور یہ فیاضی صرف اسی جگہ کام نہیں آتی ہی۔ بلکہ اصناف اربعہ میں ہر جگہ اور ہر شخص کے ساتھ مفید ہی۔ میں آگے چلکر اسی کی صراحت کرونگا۔

جب اس گروہ پر قبضہ ہوجاے تو دیکھو کہ وہ کونسے اسباب ہیں جسکے سبب سے ہمیشہ مہربانیاں قائم رہ سکتی ہیں۔ اور معلوم ہونے پر اسکے حصول میں کوشش کرو۔ اور جب

تمہاری حمایت کرنے لگیں تو پھر آہستہ آہستہ اپنا رسوخ بڑھاتے جاؤ اور اس میں عجلت نہ کرو
کیونکہ زمانہ سابق میں بکثرت ہوا ہی کہ بڑے بڑے امراء ایک ادنیٰ کس کی فتنہ پردازیوں کے
معاملے میں عاجز آگئے ہیں

حکایت سلطان محمود غزنوی کا ملک خوارزم پر جب پورا قبضہ ہو چکا تو ارکان سلطنت کو
حکم دیا کہ وہاں کی حکومت کے لیے جو شخص سب سے زیادہ قابل ہو اُس کو منتخب کرو چنانچہ
مدت دراز تک امراء میں مشورہ ہوتا رہا آخر سب سے بڑے سردار امیر التونتاش نے قصد کیا تاکہ خود
اپنے واسطے تحریک کرائی لیکن بظاہر دل و زبان سے انکار کرتا رہا اور چونکہ خواجہ احمد حسن میمندی
کو امیر مذکور سے از حد محبت تھی لہذا اُسے بھی اس امر کو پسند کیا اور عطائے سند میں
ساعی ہوا (کیونکہ امیر کی بھی دلی آرزو یہی تھی) لیکن سلطان کیجا سے اس حکم کی منظوری
میں بہت کو تعجب تھا کیونکہ التونتاش امیر الامراء کے منصب پر فائز تھا لیکن خوارزم چونکہ
سب سے بڑا صوبہ تھا اسلیئے سلطان بھی راضی ہو گیا اور سند ولایت دیکر التونتاش کو رخصت
کر دیا۔

امیر التونتاش اور امام ناصر الدین گرامی (جو مرو کا ایک نامور رئیس تھا) میں بڑی محبت تھی چنانچہ
کچھ دنوں کے بعد امیر نے خوارزم سے ناصر الدین کی خدمت میں پیام بھیجا کہ مجھے شرف ملاقات
کی از حد آرزو ہی مگر میرا مرو میں آنا نہیں ہو سکتا ہی لہذا بپاس حقوق محبت و بقصد زیارت مقابر
بزرگان خوارزم آپ ہی تشریف لائیں چنانچہ ناصر الدین کو بھی خوارزم کی سیر اور التونتاش
کی ملاقات کی آرزو تھی لہذا فوراً روانہ ہو گیا امیر نے بڑے اعزاز سے لیا اور اپنا مہمان رکھا

ایک دن ناصرالدین نے امیر سے سوال کیا کہ "جب سلطان کی عزت افزائی سے آپ کا آستانہ مرجع خلائق تھا۔ اور وہ اعزاز بلحاظ مال و دولت و شہرت خوارزم کی حکومت سے سوگنا زیادہ تھا۔ تو پھر ایسے اقتدار کو چھوڑ کر ایک صوبے کی حکومت اختیار کرنے کا کیا باعث تھا؟ امیر التونتاش نے قسم کھا کر کہا کہ میرے معزز دوست یہ وہ راز ہے کہ جسکو مینے آج تک اپنے عزیزوں سے بھی مخفی رکھا ہی۔ لیکن آپ سے سچ سچ عرض کرتا ہوں۔ مینے صرف جمیلہ قندہاری کیوجہ سے یہ حکومت اختیار کی ہی۔ اس وسیع سلطنت کا انتظام برسوں سے میرے ہات میں ہی مگر یقین جانیے کہ اس عرصے میں جو انتظام مینے کیا کہ وہ اُسنے پلٹ دیا لیکن جو اُسنے کیا میں اُسکو درہم برہم نہ کرسکا۔ چنانچہ اس پیچ و تاب سے دنیا مجھپر تاریک ہوگئی تھی مگر مجھسے کوئی تدارک نہو سکتا تھا اور اسی وجہ سے مینے گوشہ گیری اختیار کرلی ہی اب انشاءاللہ اُسکے شر سے محفوظ رہونگا۔

یہ واقعہ تو بیگمات حرم کی مخالفت کی تائید میں تھا۔ اب اُنکی موافقت کے منافعے بیان کرتا ہوں۔ جو شخص انکا رفیق ہی وہ گویا سب سے بڑا مربی اور حامی رکھتا ہی اور یہ مسلم ہے کہ بادشاہوں کے دربار میں کسی کی حمایت اُسیقدر مؤثر ہوتی ہی کہ جسقدر اُسکو بادشاہ کے مزاج میں دخل و تصرف ہوتا ہی۔ اور اس امر میں بیگمات کے برابر کون ہوسکتا ہی؟ لہذا ان کی حمایت کی چاردیواری ایک چلتا ہوا تعویذ، اور ان کی محافظت کا ایک گوشہ مستحکم قلعے کی برابر ہے۔ اور صحیح نظیر اس کی ذیل کا واقعہ ہی۔

حکایت سلطان محمود کا مزاج اخیر زمانے میں خواجہ احمد حسن سے بگڑ گیا تھا۔ اور خواجہ پر

ہر طرف سے دشمنوں کا زور تھا چنانچہ اس دور انقلاب میں خواجہ حسنک میکال وزارت
کا امیدوار تھا اور ہر دور یہی خبریں اڑا کرتی تھیں کہ میکال کا بجائے خواجہ احمد تقرر ہو گا۔
مگر چونکہ سلطان کی بیوی بیگم مسعود۔ مہد چگل (دختر خان ترکستان کی بیٹی تھی) خواجہ احمد کی حامی
تھی اس وجہ سے کوئی نقصان نہ پہنچتا تھا حمیلہ ہندہاری جو مہد چگل کی ایک خواص تھی اسکی
مدد سے خواجہ مدتوں بلاؤں سے محفوظ رہا اور امیر ابو ساق جسکو لوگ ایسکتگین کا امام
سمجھتے تھے جب کبھی خواجہ کے مقابل ہوتا شکست پاتا تھا۔

جن ایام میں کہ سلطان نواح کابل میں خیمہ زن تھا انہی دنوں میں خواجہ احمد بعض مہمات
سلطنت کے انصرام کے لیے غزنیں گیا ہوا تھا وہاں معلوم ہوا کہ ایک قافلہ خریداری
سمسہ کے لیے ترکستان جانے والا ہے۔ اور بتدریج موسم سرما میں غزنیں لوٹ آئیگا چنانچہ
خواجہ نے محض اس خیال سے کہ ہر سال خاندان کے لیے بہت سے اونی کپڑوں کی ضرور
رت ہی ہے یہ ارادہ کیا کہ اسے ایک معتمد قافلے کے ہمراہ بھیجدیا جائے اور وہ غزنیں سے جدید
اقسام کا مال ترکستان لیجائے اور اسکے معاوضے میں وہاں سے نتیجہ خرید کر لائے تو

ملہ سلطان محمود کے [illegible] کا ایک نامور امیر جسکا نام ابو علی حسن بن محمد ہے مگر تاریخ میں حسنک میکال کے نام سے
مشہور ہے۔ حسنک میکال خاص سلطان کا پروردہ تھا سلطان اس کی بہت عزت کرتا تھا، لطیفہ گوئی اور حاضر جوابی سے
سب خوش رہتا تھا خواجہ احمد کا سخت دشمن تھا چنانچہ خواجہ کی معزولی کے بعد وزیر ہوا اور سلطان کی حیات
تک وزیر رہا کتاب سعادت اسکا خاص اصول تھا۔

ملہ چگل کسرتین [illegible] لکھا ہے [illegible] لالہ رخاں کہ اہل تاتار از چگل است [illegible] کے سر ترک سان اور
چگل بت ترکستان کا مشہور شہر ہے حسن و دلداری میں ضرب المثل ہے مہد چگل سلطان محمود کی بیگم کا لقب تھا

فائدے سے خالی نہوگا۔
چنانچہ خواجہ نے انتخابی اور تجارتی اسباب اپنے معتمد کے ہمراہ روانہ کردیا۔ مگر مخبروں نے
اُسی دن خواجہ حسنک سے اطلاع کی۔ اور اُسنے التونتاش کے گوش گزار کردیا۔ یہ خوشخبری
سُنکر التونتاش پھڑک اُٹھا اور خواجہ حسنک سے کہا کہ احمد کی ذلت اور رسوائی کے واسطے
اس الزام سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتا ہی؟ کیونکہ وہ روزانہ فخریہ بڑ لگایا کرتا ہی کہ مجھے دنیوی
اُمور سے کوئی تعلق نہیں ہی۔ اور جسقدر ہی وہ صرف سلطان کی مصلحت کی وجہ سے ہی۔
اوراب حضرت تجارت کی غرض سے قافلہ روانہ کرتے ہیں۔ مگر خوب تحقیق کرلو، ایسا ہو
کہ جھوٹی خبر ہو، اور اُلٹی ندامت اُٹھانا پڑے۔ خواجہ حسنک نے کہا نہیں یہ بالکل سچی بات
ہی۔ الغرض یہ فیصلہ اور حقیقت یہ ہی کہ اگر یہ راز کھُلجاتا تو خواجہ احمد کو ایسی شکست ہوتی کہ پھر
اُسکا دفیعہ دشوار تھا۔
غرضکہ جب خواجہ کو یہ حال معلوم ہوگیا تو اُسنے جمیلہ خاتون سے صاف صاف کہدیا (اب
ان دونوں کے ملنے جُلنے کا حال سُنو، کبھی تو ایسا ہوتا کہ سال میں صرف ایکبار ملاقات
ہوتی تھی اور کبھی دن میں دس مرتبہ اور پھر کسی کو معلوم نہ ہوتا تھا کہ کون آیا اور کون گیا)
چنانچہ جمیلہ نے خواجہ سے کہلا بھیجا کہ آپ مطمئن رہیں اس سازش کا توڑ بہت آسان ہی اور
خود بیگم سے جاکر سارا قصہ کہدیا۔ جب بیگم نے پوچھا کہ کیوں جمیلہ؟ اب اس کی تدبیر کیا ہی۔
تو عرض کیا کہ ایک فہرست مرتب کیجاے اور جو اسباب خواجہ نے اپنے معتمد کو دیا ہی
وہ بطور تحفہ وہدیہ کسی نہ کسی شخص کے نام نامزد کردیا جاے۔ اور علاوہ اسکے چند چیزیں

ایسی بھی بھیجدی جائیں کہ جو خاص بیگمات کے پہنانے سے تعلق رکھتی ہیں اور ایک دوسرے
راستے سے چیزیں راتوں رات بھجوا دی جائیں۔ اور زبانی پیام دیا جائے کہ جب امیر
التوتاش کے سپاہی اس قافلے کو راستے سے واپس کریں تو چپ چاپ چلے آئیں
لیکن دربار میں پہنچکر صرف اتنا ظاہر کرے کہ میں سلطانہ مہد چگل کا فرستادہ ہوں۔ اور جو تحائف
خواتین کے نام دیں وہ مع تحریر کے سلطان کے روبرو پیش کردے،

المختصر خواجہ حسنک کے یقین دلانے پر التوتاش نے سلطان سے حسب ذیل گفتگو کی۔

سلطان (التوتاش کی گفتگو سنکر) ایسا ہو کہ خلاف واقع ہو

التوتاش نہیں! میں نے خوب اطمینان کرلیا ہے معاملہ مطابق واقعہ کے ہے

سلطان اس واقعہ کی سچائی کیونکر ظاہر ہو سکتی ہے

التوتاش اگر دربار عالی سے حکم دیا جائے تو تاجر مع مال کے دربار میں حاضر کردوں

سلطان بہت خوب۔

چنانچہ حکم ہوتے ہی التوتاش نے ایک افسر قافلے کے واپس لانے کے لیے روانہ کیا
اور وہ قافلے کو واپس لایا لیکن افسر قافلہ نے راستے میں حسب ہدایت کچھ نہ کہا اور جب
حاضر دربار ہوا تو چیخ اٹھا کہ میں فرستادۂ سلطانہ ہوں اور لفافہ سربمہر پیش کیا اور مقنعہ و
حمائل وغیرہ جو خاص عورتوں کی چیزیں ہیں وہ ملاحظہ کرائیں اُسوقت امیر التوتاش کی جماعت
کو از حد شرمندگی ہوئی اور سب کے سب خوف زدہ ہوگئے اور کسی کو کوئی بات بنائے نہ بن
پڑی جب سلطان محل میں تشریف لے گئے تو مہد چگل سرخ ہوگئی اور تیوریاں چڑھا کر بولی "کہ

برسوں کے بعد مینے اپنے عزیزوں کو تجھ ایسے جلیل القدر بادشاہ کی طرف سے چند معمولی تحائف بھیجے تھے اور اُسپر بھی میرے بھیجے ہوے آدمی کو یوں خجالت اور ندامت اُٹھانا پڑے اور میری حمائل اور مقنعہ سب کے سامنے کھولا گیا۔ اور اسی قسم کی بہت سی الٹی سیدھی باتیں سُنائیں۔

سلطان بیگم کی تقریر سے بہت متاثر ہوا اور اسی حالت میں اس جماعت کے قتل کا حکم صادر فرمایا (جو اس فتنے کے بانی تھے) لیکن چونکہ بیگم کو یقین تھا کہ یہ لوگ بیگناہ ہیں۔ لہذا اُسے بھی یہ گوارا نہوا کہ خون ناحق ہوں۔ اور سلطان سے کہدیا کہ ان لوگوں سے آیندہ اور بھی بہت سے قصور سرزد ہونگے۔ لہذا اب مجھے منظور نہیں ہو کہ میرے باعث سے یہ قتل کیے جائیں۔ غرض التونتاش کو بہت بڑی زک ملی اور خواجہ حسنک بھی ذلیل و رسوا ہوا۔ اُسپر یہ طرہ ہوا کہ وہ تاجر بے ترک واحتشام سے ترکستان کو روانہ کیا گیا۔

اس مثال سے تمکو واضح ہوا ہوگا کہ بیگمات کی حمایت کے کیا کچھ نتائج ہیں۔

رعایت شاہزادگان عالی تبار-۲ یہ عقل و تجربے سے ثابت ہوچکا ہو کہ شاہزادوں کی رضامندی اور ناراضی پر وزیر کا نفع ونقصان موقوف ہو (خواہ اسکا ظہور کسی وقت میں ہو) ان کی ذراسی توجہ اور التفات خاطر سے بڑے فائدے ہوتے ہیں۔ اور ادنے تغیر مزاج سے ویسے ہی نقصان پہنچ جاتے ہیں۔

گو سلاطین ابتدا میں کسی وجہ سے علانیہ شاہزادوں کو حکمرانی اور اختیارات میں پوری آزادی نہ دیں لیکن اس میں شبہ نہیں ہو کہ درپردہ انہی پر نظر رہتی ہو۔ کیونکہ یہی ملک ومال کے

وارد ہوتے ہیں اور جبکہ خاص ملاقات میں بہت نالائق جاتی ہے تو بادشاہوں میں تو بدرجہ اولیٰ

ہونا چاہیے۔

اس گروہ کی محافظت کا مکمل قاعدہ یہ ہے اور احتیاط اور دوراندیشی کا مقتضا بھی یہی ہے کہ بہت چھوٹے
بڑوں کی اطاعت کرتا رہے بلکہ چھوٹوں کی خاطرداری کی کچھ اور ہی حاجتیں ہیں کیونکہ بادشاہ
ان کی خاطرداری کو عین محبت سمجھتا ہے اور کسی قسم کے خوف اور امید کا خیال نہیں کرتا ہے
(خصوصاً وہ بچہ جو خود بادشاہ کا لاڈلا اور منظور نظر معلوم ہو)
بادشاہوں کے بچے بہت جلد بڑے ہو جاتے ہیں اور خدا نکرے کہ وہ کسی سے ناراض ہو جائیں مگر
یہ بچے کیونکر رضامند رکھے جائیں ان کا کوئی کلیہ قاعدہ نہیں ہے بلکہ جیسا زمانے کا طرز ہو
اُس کی پیروی کیجائے البتہ جو شاہزادے بڑے ہوں اُنکے حصول مقصد میں جہانتک ممکن ہو
کوتاہی نکرنا چاہیے جس شہزادے کی نسبت ضرورت ہو وہ ان کی مجلس میں پہنچ جائے اگر کل ہو سکے
تو خود ہی سہی اور وہ بھی اس خوبصورتی سے کہ وہ یہ سمجھیں کہ ہماری فرمائشات کی تعمیل میں
مبالغہ کیا جاتا ہے۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلی صورت میں زیادہ فائدہ ہوگا لیکن دوسری صورت بہت مفید
ہے کیونکہ اول میں گو فوائد ہیں مگر برائیاں بھی ہیں بخلاف دوسری صورت کے۔

دوسری شکل ان کی رضامندی کی یہ ہے کہ جو نوکر منہ لگے ہوں اور جن کی باتیں اُنکے اکثر
سُنی جاتی ہوں اُنکو ایسی فیاضیوں سے خوش رکھا جائے (جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے)
خلاصہ کلام یہ ہے کہ جہانتک ممکن ہو شاہزادوں کی خوشنودی مزاج کی فکر رکھے اور موجبات

ملال سے الگ تھلگ رہے۔"

حکایت سلطان محمود غزنوی اپنے بیٹے مسعود سے اکثر ناراض رہا کرتا تھا۔ خواجہ احمد حسن[1] اگرچہ اس حزن و ملال کو پورے طور سے دفع نہیں کرسکتا تھا۔ لیکن اُس کی حسن سعی سے زیادہ بھی نہ ہونے پاتا تھا۔ اور تمام سال میں ایک مرتبہ بھی خواجہ کی مسعود سے ملاقات نہ ہوتی تھی، مگر باوجود اسکے کوئی دن ایسا نہ تھا جس میں خواجہ کو مسعود کی رضامندی کا خیال نہ رہتا ہو۔ جب خواجہ معزول ہوگیا۔ تو اس کی جگہ حسنک میکال مقرر ہوا۔ لیکن یہ نوجوان محض ناتجربہ کار تھا اور اسکو یہ بھی غرور تھا کہ میں سلطان کا طرفدار ہوں۔

سلطان کا مزاج اگرچہ مسعود سے برہم تھا مگر مدتوں کسی کو معلوم نہ ہوا۔ مگر شاہزادہ محمد کی ولیعہدی پر یہ راز کُھلگیا۔

مُدعائے بیان یہ ہو کہ حسنک میکال نے مسعود کی خوشنودی مزاج کی کچھ پروا نہ کی۔ اور شاہزادے کے ماتحتوں اور جاگیر کے ٹھیکہ داروں کو تنگ کرنے لگا اور جیسا کہ عدالت و انکا

[1] سلسلۂ وزراء اسلام میں احمد بن حسن میمندی بھی نہایت نامور وزیر گزرا ہی سلطان محمود نے اس کی ماں کا دودھ پیا تھا۔ خواجہ احمد ابتدا سے شاہزادہ مسعود کا طرفدار تھا۔ لیکن وزارت کے ۱۸ برس بعد جب شاہزادہ محمد کی ولیعہدی ہوئی تو عام طور پر یہ ثابت ہوگیا کہ درحقیقت خواجہ، شاہزادہ محمد کا بدخواہ ہی۔ اسلیے امیر التونتاش، علی خویشاوند، اور حسنک میکال وغیرہ نے جو دربار میں امیر الامرا کا درجہ رکھتے تھے اپنی متفقہ کارروائیوں سے سلطان محمود اور خواجہ احمد میں بگاڑ کرا دیا۔ اور آخر کو سلطان سخت ناراض ہو گیا۔ مگر حمایت ضد حجگل سے خواجہ کو نقصان نہیں پہنچا۔ لیکن باہمی عداوت کا نتیجہ آخر کو ظاہر ہوا اور خواجہ قلعہ کالنجر میں قید کر دیا گیا۔ اور حسنک میکال وزیر ہوا۔ خواجہ احمد اُن باکمال وزرا میں ہے جس کی مستقل سوانح عمری لکھی جاسکتی ہے۔

دستور ہی ہر معاملے میں جھگڑے پیدا کر دیئے، جس سے مسعود رنجیدہ ہو گیا ایک دلچسپی
کا واقعہ ہے کہ ہندوستان کے کسی راجہ نے ایک تلوار بطور تحفہ روانہ کی شہزادے نے بھی
جلسہ میں اس کی بڑی تعریف کی اور فرمایا کہ نہایت تیز اور جوہر دار ہے اور لوہے کو کاٹتی
ہے جب درباری رخصت ہو گئے اور چند مصاحب رہ گئے تو اُنسے پوچھا کہ یہ تلوار کس لئے ہے
کسی نے کہا کہ جہاد کے لیے، کسی نے کہا کہ اعدائے دولت پر وار کے لیے موزوں ہے۔
جو نکہ ہر ایک نے الگ بات کہی تو شہزادے نے کہا میرا جی چاہتا ہے کہ صبح کو کمر سے باندھ لوں
اور جب سلام کے لیے حاضر ہوں تو اُسکے سر پر ایسا ہاتھ لگاؤں کہ سینے تک کاٹتی ہوئی
چلی جائے سلطان قصاص میں مجھے مار ڈالنے سے رہے اور اس پر ویسے طور سے آمادہ ہو گیا
لیکن ہم نشینوں نے عرض کیا کہ اس فعل سے فتنہ اُٹھ کھڑا ہو گا اور معلوم نہیں کہ
سلطان کس درجہ برہم ہوں لہذا اس فعل کا اقدام کسی طرح مناسب نہیں ہے
جب خواجہ احمد حسن تک یہ واقعہ پہنچا تو اُنہوں نے کہا کہ خدا نے بڑا فضل کیا اور خیر ہو گئی کیونکہ
عزت اور دولت تو اول ہی رخصت ہو چکی تھی جسم میں دم ہی سا باقی تھی وہ خواجہ حسنک کے
نذر ہو جاتی۔ جو نکہ تھوڑے زمانے میں سلطان محمود غزنوی کا انتقال ہو گیا اور سلطان مسعود
تخت و تاج کا مالک ہو کر بمقام غزنی سریر آرائے حکومت ہوا۔ باپ کے انتقال کے وقت
مسعود اصفہان میں تھا فوراً آیا اور بھائی سے آمادہ پیکار ہو گیا
سلطان مرحوم کے ارکان نے مسعود کو حکمرانی کے لیے زیادہ موزوں سمجھا اسلیے شہزادہ محمد
کو خود ہی گرفتار کر کے ایک قلعہ میں قید کر دیا۔ اور ہرات تک مسعود کے استقبال کے لیے

گئے، اور شہزادے کے پہنچنے کے بعد حسنک میکال جیسے ہی گھوڑے سے اُترا طرفداران مسعود نے اسکو سولی پر چڑھا دیا۔ اور خواجہ احمد حسن کو وزیر مقرر کردیا۔ گو یہ وزارت زیادہ مدت تک قائم نہ رہی۔ مگر خواجہ کا اعزاز بہت بڑھ گیا۔

خواجہ کہا کرتا تھا کہ الحمدللہ میری حکومت کا خاتمہ ایسا ہوا کہ دوستوں کو خوشی کا اور دشمنوں کو غم سے گھلنے کا موقع ملا۔

نتیجہ اس تمہید کا یہ ہے کہ شہزادوں کی مہربانی کا ثمرہ اور اُنکے قہر کا نتیجہ یقینی ملتا ہے گو کتنا ہی زمانہ گزر جائے۔

امیروں کی خاطر تواضع۔ ۳۔ جس زمانے سے سلطنت کی بنیاد پڑی اُسوقت سے یزدگرد کے عہد تک مالی اور ملکی تدابیر وزرا کیا کرتے تھے۔ اور صرف وزیر دوسرا بادشاہ یا اُسکا قائم مقام ہوا کرتا تھا۔ اور یہ اقتدار خواہ ایک وزیر ہو یا دو انھیں میں محدود رہتا تھا۔ لیکن سلاطین تُرک کے عہد میں اُمور سلطنت کے دو حصے ہو گئے ہیں۔ پس جس گروہ کے مالی انتظام سپرد ہے وہ اُمرا کہلاتے ہیں اور جس فرقے کے ملکی اہتمام سپرد ہے وہ وزرا کہلاتے ہیں۔

خواجہ احمد حسن نے سلطان محمود کے عہد میں قدیم اُصول پر عملدرآمد کیا تھا۔ اور تمامی اُمور سلطنت میں وزرا عجم کا پیرو تھا چنانچہ ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ سلطان محمود نے سفر کا قصد کیا، علی خویشاوند، ارسلان حاجب، دربتگین حاجب کو جو امیر کبیر کا درجہ رکھتے تھے مشورے کے واسطے طلب کیا۔ علی خویشاوند نے جو ان میں سب سے بالاتر تھا، عرض کیا کہ ہم لوگ اہل سیف ہیں تدبیر مملکت کیا جانیں؟ اگر حکم ہو تو

دہکی ہوئی آگ میں گر پڑیں اسے دریا میں کود پڑیں، ہوا میں گرہ لگا دیں جہاز کو خشکی سے اُٹھا کر پھینک دیں لیکن سفر کے معاملے میں حضور خواجہ سے مشورہ فرمائیں یہ اُسکا کام ہے۔

نا خود اس وقار کے امرا کی عداوت سے خواجہ کی وزارت کا ڈھیر ڈھیلا پڑ گیا تھا اسلیے ضرورت ہے کہ اُمرا کی اعزاز و تکریم میں بقدر اُنکے درجات کے کوتاہی نہ کی جائے۔ گو بادشاہ وقت کی عنایت بھی شامل حال ہو تاہم عاقبت اندیشی کا تقاضا یہ ہے کہ معاملات میں اُن سے رجوع کرتا رہے

نہ آداب وزارت میں داخل نہیں ہے کہ دربار شاہی کے سوا وزیر کہیں آ جائے لیکن پھر بھی کبھی نہ کبھی کسی مہم سلطانی کا حیلہ کر کے کسی امیر کے گھر جانا چاہیئے۔

دوسرے یہ کہ خفیہ طور پر جہاں تک ممکن ہو سارے حالات سے واقفیت پیدا کرے لیکن اُمراء کے جمع خرچ کے جو ذریعے ہوں اُنکی فکر نہ کرے اور حتی الوسع ٹال جائے۔

تیسرے کہ سب کے سامنے اُمرا کے قصور نہ بیان کیے جائیں۔ اور خدا نخواستہ اگر ضرورت آپڑے تو اپنی زبان سے کچھ نہ کہے بلکہ جو تمہارا سے میں بلطائف الحیل کہہ گزرے اور حتی الامکان نرمی کا برتاؤ رکھے۔

چھوٹے درجے کے امیر ہوں اُنکو اعلیٰ خدمتیں برابر دی جائیں اور نمائندوں کے دروازے اُن پر بند نہ کیے جائیں اور جہاں تک ہو سکے اُنسے نہ اُلجھے اور اگر اتفاقیہ کوئی اُن میں سے معاملے پر کھائے تو بجائے سختی کے نرمی سے تدارک کیا جائے۔

دوسرے یہ بھی ضرور ہے کہ ملا سب عداوت نہ پیدا کرے۔ اور نہ اُنکی خرابی کے درپے ہو،

خصوصاً ایسے امیر سے جو قابلیت اور مرتبے میں ہم پلہ ہو۔

جسکو خدا نے **عظمت و عزت** دے رکھی ہو اُس کی ہر ادا سے شائستگی ٹپکتی ہو۔ اور کبھی ایسوں سے عداوت پھلتی نہیں ہو اور تجربہ ہو چکا ہو کہ خود محرک عداوت کو اسکا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہو۔ اور فریق مخالف **دولت سعادت** سے مالامال ہو جاتا ہو جسکی ٹھیک نظیر داشلیم ہندی کا واقعہ ہو

حکایت **سومنات**[1] کی فتح کے بعد سلطان محمود کا ارادہ ہوا کہ ایک سال تک وہاں قیام کرے۔ کیونکہ یہ ایک وسیع ملک تھا۔ اور قطع نظر از طرائف و نادر و نایاب اشیا کے نواحِ سومنات میں سونے کی کانیں تھیں اور **سراندیپ** جو تمام ہندوستان میں **یاقوت** کا معدن تھا وہ سومنات کی **قسمت** میں تھا۔

ارکان دولت نے عرض کیا کہ خراسان کا ملک جو بڑی لڑائیوں کے بعد قبضے میں آیا ہو اُس کو چھوڑ کر **سومنات** کو دارالسلطنت بنانا مناسب نہیں ہو۔ چنانچہ سلطان نے واپسی کا عزم کیا لیکن اُسنے پوچھا کہ اس ملک کی حکومت کا کیا انتظام کیا جاے؟

سب نے کہا کہ غیر قوم کی حکومت کو استحکام نہوگا۔ لہٰذا اس دیس کے راجاؤں میں سے کسی کو تفویض کر دیا جاے۔ چنانچہ اس تجویز پر مشورہ ہونے لگا۔ بعض نے عرض کیا کہ حسب و نسب کے لحاظ سے ملکی سرداروں میں کوئی **داشلیم** کی برابری نہیں کر سکتا ہو۔ اور ابھی ایک شخص ان میں

[1] سومنات۔ جزیرہ نما گجرات (کاٹھیاوار) کے جنوبی کنارے پر سومنات ایک بہت بڑا شہر تھا۔ جو سومنات دیوتا کے نام سے مشہور تھا اور سومنات کی مورت ایک عالیشان قلعے کے اندر تھی۔ جسکا ایک ایک برج سر بفلک تھا اور دریا کی لہریں قلعے کی ہر وقت قدمبوسی کیا کرتی تھیں۔ عہد قدیم میں سومنات دیوتا کا مندر ہندوستان کا سب سے مشہور تیرتھ تھا۔ چندر گرہن اور سورج گرہن کے ایام میں دو دو تین تین لاکھ جاتری اس مندر میں جمع ہوتے تھے

جیسے ملک میں حکومت نہ کی ہو اُسکو اتنی بڑی سلطنت کیسے دیجا سکتی ہی؟

القصہ دابشلیم[1] مرتاض طلب ہوا اور سومنات کی حکومت اُس کی سپرد کرکے خراج ٹھہرالیا گیا چنانچہ دابشلیم نے اقرار کیا کہ "تمام عمر اطاعت کرونگا۔ اور سونا اور یاقوت اور دیگر معدنی اشیاء خزانۂ سلطانی میں بھیجتا رہونگا۔ لیکن میرے عزیزوں میں ایک شخص ہی جو مجھ سے انتہا درجے کی عداوت رکھتا ہی۔ اور چند مرتبہ ہنگامہ کارزار بھی گرم ہوچکا ہی اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہی کہ سلطان کی واپسی کی جب اُسکو اطلاع ہوگی تو وہ مجھ پر حملہ آور ہوگا۔ اور میری موجودہ حالت محض بیسرو سامانی کی ہی میں مغلوب ہوجاؤنگا اور وہ کل ملک پر غالب ہوجائیگا۔ اسلیے حضور عالی اس طرف کوچ فرمائیں اور اسکے شر کو دفع کردیں تو کابلستان، زابلستان اور خراسان کے برابر سالانہ خراج، خزانے میں بھیجتا رہونگا" (اور یہ وہی شخص ہی جسکا ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں اور جس کی بابت لوگوں نے کہا تھا کہ دابشلیم مرتاض سے زیادہ مستحق ہی) سلطان نے ارشاد فرمایا کہ "میں غزوات کی نیت سے گھر سے نکلا ہوں۔ تین برس ہوچکے ہیں کہ غزنیں پہنچنے کی نوبت نہیں آئی ہی۔ گو چھ مہینے اور گزر جائیں مگر اس مہم کا سر کرنا ضروری ہی" چنانچہ مہم پر روانہ ہوگیا۔ اُس ملک کے لوگوں نے دابشلیم سے کہا کہ تو نے بُرا کیا کہ سلطان کو اپنے عزیز کے برباد کرنے کی تحریک کی خدا نے جسکو معزز کیا ہی وہ تیری چغلی اور کوشش سے ذلیل نہیں ہوسکتا ہی۔ چنانچہ اس واقعہ کو بھی لوگوں نے سلطان سے کہدیا۔ اگرچہ سلطان بھی متردد تھا لیکن چونکہ سامان سفر کرچکا تھا

---

[1] تاریخ ہندوستان میں دابشلیم کے حالات تحریر ہیں۔ یہ دابشلیم گجرات کے قدیم راجہ کی اولاد میں تھا۔ اور غالب یہ ہی کہ چاؤڑا خاندان سے تھا۔

اسلئے نقش سومنات پر رضامند ہوا اور اُس ملک کو فتح کرکے راجہ کو گرفتار کیا اور دابشلیم مرتاض کے
سپرد کردیا دابشلیم نے کہا کہ ہمارے مذہب میں بادشاہوں کا قتل کرنا عیب میں داخل ہے
اور تمام قوم اس بادشاہ سے خائف ہو جاتی ہے جو بادشاہ کے قتل کا فتویٰ دے اور اس
ملک کا یہ دستور ہے کہ جب دشمن پر قابو پاتے ہیں تو اسے ملک میں لاکر اُس جگہ جہاں تخت شاہی
ہوتا ہے ایک سرداب بناتے ہیں اور اسکو وہاں قید رکھتے ہیں، اور آمد و رفت کے دروازے
بند کردیتے ہیں مگر ایک جھروکا اتنا بڑا کھلا رہتا ہے جس سے ہر روز کھانے کا تھال جاسکے
اور یہ قیدی اسوقت تک حوالات میں رہتا ہے کہ جب تک اُسکا فاتح حکمران رہے چونکہ
مجھ میں طاقت نہیں ہے کہ اسکو اس طرح قید رکھوں اسلئے اگر سلطان اسے ہمراہ لیجائیں
تو مناسب ہے تا ملک کا خاطر خواہ بندوبست ہو جائے اُسوقت سلطان کو اختیار ہے کہ
میرے پاس بھیجدے تاکہ وہ دستور کے موافق قید رکھا جائے۔

سلطان نے منظور کیا اور غزنیں کو روانہ ہوگیا دابشلیم سومنات کے تخت پر بیٹھا اور
سلطان کو ہندوستان کے تحفے بھیجا کئے اور ارکان سلطنت کو بھی انواع لطائف اور
تحفہ تحائف سے رضامند رکھا جب ملک پر اقتدار ہوگیا تب اُسنے دشمن کو طلب کیا لیکن
سلطان کو راجہ کی سپردگی میں تردد تھا اُنکا دل نہیں چاہتا تھا کہ وہ دشمن کے سپرد کیا جائے
لیکن چونکہ ارکان سلطنت دابشلیم سے ملے ہوئے تھے سب نے بالاتفاق کہا سلطان کے
واسطے ایفائے وعدہ ضرور ہے کیونکہ دوسری صورت میں مخالفت کا اندیشہ ہے اور ملک
ہاتھ سے نکل جائیگا۔ غرضکہ قیدی دابشلیم کے پاس بھیجدیا گیا اور سرحدی راجاؤں کے نام

بغرض انتظام پروانے جاری کر دیئے گئے کہ قیدی کو سرحد سومنات تک پہنچا دیں۔ چنانچہ راجہ نے اپنے تخت کے نیچے قید خانہ بنانے کا حکم دیا۔ اور چونکہ اس ملک کا یہی دستور تھا کہ جب دشمن ایک منزل کے فاصلے پر پہنچ جاتا تو ایک لوٹا اور تھالی اُسکے سر پر رکھکر گھوڑے کے ساتھ پیادہ دوڑاتے تھے۔ اور اسی طرح بارگاہ تک لاتے تھے اسکے بعد بادشاہ تخت پر بیٹھتا تھا اور دشمن قید میں بھیجدیا جاتا تھا۔

چنانچہ اس رسم کے ادا کرنے کے لیئے دابشلیم بھی شہر کے باہر نکلا لیکن چونکہ قیدی کے آنے میں وقفہ تھا دابشلیم شکار کے شوق میں آگے بڑھ گیا۔ مگر دھوپ کی شدت سے ایک درخت کے سائے میں سو رہا اور سرخ رومال منھ پر ڈال لیا۔ ہندوستان میں بکثرت ایسے شکاری جانور ہیں جن کی چونچیں تیز اور پنجے سخت ہوتے ہیں۔ انہیں میں سے کوئی ایک جانور ہوا میں اُڑ رہا تھا سرخ رومال کو گوشت کا ٹکڑا سمجھکر ہوا سے اُترا اور زور سے منھ پر چنگل مارا جس کے صدمے سے ایک آنکھ جاتی رہی۔ اور دونوں آنکھوں میں شدت سے درد پیدا ہو گیا۔ اتنے میں قیدی بھی آپہنچا۔ مگر چونکہ دابشلیم اندھا ہو چکا تھا اور اس قیدی راجہ کے سوا کوئی مستحق حکومت نہ تھا، سب نے اسکی نذر ادا کی اور تخت پر بٹھا دیا اور جو معدودے چند مخالف تھے اُنکو سزا دیدی گئی اور وہ رسم بدخود اس بدنصیب راجہ کو ادا کرنا پڑی جس کے ارادے سے یہ روانہ ہوا تھا۔

میرا مطلب اس حکایت کے بیان کرنے سے یہ ہے کہ جو حقیقی عزت کا مستحق ہے وہ دشمن کی سعی سے ذلیل نہیں ہو سکتا۔ اگر ابتدا میں اتفاقیہ کوئی قصور اُس سے ہو جاتا ہے تو آخر میں خدا کی

رحمت جوش میں آتی ہے اور اُس کی عزت کے درجے کو دوچند کر دیتی ہے اور جو اُس کی بُرائی کے درپے ہوتا ہے وہ خدا کے غضب میں پڑجاتا ہے۔

رعایت ملازمان شاہی ۱۴

ندیم مجلس سلطانی اور اصحاب سیف و قلم بھی رعایت کے مستحق ہیں مگر درجۂ اول خاص کر جو لوگ حضور رس ہیں، اور جنکو شرف گفتگو حاصل ہوتا ہے اُنکی خاطر سلطانی پیمانۂ الطاف شاہی کرنا چاہئے اور مقتضائے تدبیر یہ ہے کہ یہ رعایتیں علانیہ نہوں بلکہ چھپ کر، اور جہانتک ہوسکے ان میں سے کسی کی دل شکنی نہ کیجائے اور اس گروہ کی کمی مرتبہ واقعہ اور رکھنا چاہئے بلکہ محض ان کے آنے جانے اور گفت و شنید کو ایک بڑا درجہ سمجھنا چاہیے گو محض حقارت سے ہر شخص کے دل میں عداوت کا مادہ نہیں پیدا ہوتا ہے مگر تو ہوسکتا ہے کہ کسی وقت میں اس خیال سے نقصان پہنچ جائے مثلاً کہ جو نہایت مددگار ہے وہ بدخواہ ہوجائے یا کہ وہ شخص ادنیٰ درجے سے اعلیٰ پر ترقی کر جائے بہرحال، تمام احتمالات نقصان سے خالی نہیں ہیں اور توہمات کا علاج عقلاً واجب ہے اور دوسری اس قاعدۂ کلیہ پر مبنی ہوتا ہے کہ بعض چیزیں ایسی ہیں کہ جنکو ہمیشہ بڑا سمجھنا چاہیے اور وہ کیا ہیں؟ آگ، بیماری، دشمن، یہ ممکن ہے کہ اول ایک چنگاری ہو، مگر آخر میں وہ تمام دنیا کو پھونک سکتی ہے یا بیماری کا مادہ کہ ابتداء میں کم ہو مگر ابھار وہی ہلاکت کا سبب ہوجاتا ہے یہی حال دشمن کا ہے کہ وہ شروع میں حقیر اور عاجز نظر آتا ہے مگر انجام کار قوی اور زبردست ہوجاتا ہے اسلئے اُسکے شر کو کم نہ سمجھنا چاہیئے، اور دشمن بھی گناہ کی خاصیت رکھتا ہے اگر کوئی شخص چھوٹے سے گناہ کو بڑا سمجھکر پورا تدارک کریگا تو اُسکا دفعیہ ہوجائیگا ورنہ غفلت سے اُسکے نقصان اُٹھانا پڑیگا۔

حکایت فضل بن ربیع، ایک دن ابوالحسن معبّر (ابن سیرین کا نواسہ تھا) کی خدمت میں حاضر ہوا، اور بیان کیا کہ مینے خواب دیکھا ہو کہ ایک شخص نہایت قوی ہیکل میری طرف جھپٹا اور لپٹ گیا مینے بھی ساری قوت سے اُسکا مقابلہ کیا اور آخر اُسے زمین پر پچھاڑ دیا۔ اسکے بعد ایک دُبلا پتلا آدمی مقابلے کو اُٹھا مینے اس کی لاغری دیکھکر خیال کیا کہ جب مینے ایسے زبردست پہلوان کو چت کر دیا تو پھر اس کی کیا حقیقت ہی اور کچھ زیادہ داؤں پیچ کی بھی ضرورت نہیں ہی لیکن ہات ملاتے ہی اُسنے مجھ کو ایسی پٹخنی دی کہ مرتے مرتے بچگیا۔ اور اسکے بعد میری آنکھ کھُل گئی۔ ابوالحسن نے فرمایا کہ "یہ تیرے گناہوں کا نظارہ تھا۔ جو دشمنوں کے روپ میں سامنے آیا پہلے شخص کو تونے بڑا سمجھا تھا وہ جلد دفع ہوگیا اور کوئی مضرت نہیں پہنچی۔ اور دوسرے کو چھوٹا سمجھکر اُسکے دفعیہ کی کوئی تدبیر نہیں کی وہ غالب آیا اور اُسنے تجھ کو قریب المرگ کر دیا" اور ٹھیک یہی مثال دشمن کی ہی

رعایت اہل سیف وقلم۔ ۵ جو تلوار کے مالک ہیں انکو اُمورِ وزارت کے اصلاح وفساد سے کوئی تعلق نہیں ہی۔ اسلیے اُن کی تالیف قلوب نہایت ہی سہل ہی اور وہ تھوڑی سی توجہ سے شکرگزار ہوجاتے ہیں۔ لیکن خاطر ومدارات میں اربابِ قلم کو میں مقدم اور مہتم بالشان سمجھتا ہوں اور یہ میں پہلے بھی بیان کرچکا ہوں۔ اور تاکیداً پھر کہتا ہوں کہ تخت سلطنت بغیر اصحاب سیف کے اور مسند وزارت بغیر ارباب قلم کے قائم نہیں رہ سکتی ہی۔

عبدالحمید احمد نے اپنے وصیت نامے میں لکھا ہی کہ مہمات سلطنت کے مدارج کا کاتبوں کے حالات سے مقابلہ کرو۔ اور دونوں میں سے جو جس کی صلاحیت رکھتا ہو وہ کام اُسکے سپرد کردو اور اپنی طرف سے ناامید نہ کرو اور نہ امیدواروں کی تعداد بڑھاؤ کیونکہ خاص گروہ کے میل جول

اور سست ریاست سے اکثر فساد اور جھگڑے ہوتے ہیں

حکایت مشہور واقعہ ہے کہ نوشیرواں عادل نے صرف بزرجمہر سے ایک خاص وقت میں کچھ امور سلطنت بیان کیے تھے جسکو دوسرے وقت لوگوں نے بجنسہ آکر دہرا دیا لیکن چند مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ جو گفتگو بزرجمہر سے ہوئی تھی وہ بجنسہ نوشیرواں تک پہنچ جاتی تھی۔ اس لیے نوشیرواں کو بہت تعجب ہوا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ بزرجمہر سلطنت کا رازدار ہے اور یہ غیر ممکن ہے کہ وہ ایسے راز فاش کردے

اسلیے خود بزرجمہر سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ بزرجمہر نے بڑی غور و فکر کے بعد کہا کہ خانہ زاد اس معاملہ میں میری زبان بھی بے قرار نہیں ہے، مگر ہاں ایک بات ہے اور وہ یہ کہ دربار میں ادنیٰ ارباب ذکاوت و فراست کا مجمع رہتا ہے جس وقت حضور میں میری طلبی ہوتی ہے تو وہ سب فکر قیاس کرتے ہیں کہ طلبی کس غرض سے ہوئی ہے اور آخر میں علامات سے کوئی نہ کوئی بات ٹھیک ہو جاتی ہے اور یہی سبب ہے کہ بعض امور سلطنت افشا ہو جاتے ہیں لہذا ان لوگوں کو خاص خاص خدمتوں پر مقرر کر دیا جائے چنانچہ اس کارروائی کے بعد پھر ایسا اتفاق نہیں ہوا۔

اور یہ بھی چاہیے کہ جنکے چہروں سے حسن اعتقادی اور محبت جھلکتی ہو وہ خلعت خدمت سے سرفراز ہوتے رہیں۔ مگر جو کچھ ہو اس سے یہ ظاہر ہونے پائے کہ وزیر کو کس شخص سے خاص محبت ہے یا کس پر اعتبار ہے لیکن جو گروہ مفسدہ پرداز ہو وہ ان عنایتوں کا مستحق نہیں ہے۔

جن لوگوں سے فتنہ و فساد کا احتمال ہو سکتا ہے وہ دو گروہ ہیں

ایک تو وہ ہے کہ جسکو بادشاہ اور ارکان سلطنت کے نزدیک تقرب و اعزاز حاصل ہے۔

اور دوسرا برتحسیں کے۔

البتہ اہل ست وریہ کو اعزاز و اکرام تربنا چاہیئے۔ لیکن نا ستدر کہ لوگ بزدلی اور خوف پر
تمول کریں دو اظہار عداوت سے جہانتک ہوسکے بچتا رہے۔ اور انکو ہمیشہ کاموں میں لگا
ت کھے۔ اور بعد عطاے حکومت اُن کی خرابی کاموں کی مسلسل اطلاع بادشاہ اور اعیان حضرت
سے کرتا رہے۔ تاکہ خوش اعتقادی جاتی رہے۔ مگر کبھی قطعی ارادہ کسی کے قتل و ہلاکت کا
نکرے۔ کیونکہ عقلاً و مذہباً یہ بُری عادت ہی۔ اور اسکا مرتکب دین و دنیا میں قابل ملامت اور
موجب نفرت ہی۔

حکایت ناصر میکال کو غزنیں جاتے ہوئے بمقام کیا باد، معلوم نہیں کسنے قتل کر دیا۔
جب یہ خبر غزنیں پہنچی تو اکثر لوگوں کا خیال تھا کہ یہ قتل خواجہ احمد کے اشارے سے ہوا ہی
کیونکہ سلطان کا مزاج ناصر سے بگڑتا جاتا تھا۔ اور دربار میں ایک دو مرتبہ ناصر کا ذکر بھی آیا تھا
دانشمند حصیری جو سلطان کا مقرب خاص تھا۔ اُسنے ایک دن خواجہ احمد سے کہا کہ ”دنیا کبھی اہل
استحقاق سے خالی نہوگی دشمنوں پر غلبہ حاصل کر کے آپ کامیابی چاہتے ہیں اور آپ کا یہ بھی
خیال ہی کہ کوئی قابل آدمی موجود نہ تھا اسوجہ سے اضطراری حالت میں آپ کو اختیارات دیئے
گئے ہیں۔ یہ محض غلط ہی۔ بلکہ در اصل کسی کی جان کا خواہاں ہونا خود اپنے کو معرض ہلاکت میں
ڈالنا ہی، بلکہ اگر کسی شخص کو معرض ہلاکت میں دیکھے اور اس میں خود شریک بھی نہو تاہم اُسکے
قتل پر رضامند نہو۔ ورنہ جزا اور مکافات کے لیے ہر وقت طیار رہنا چاہیئے۔ اور ہرگز خون
حق پر راضی نہونا چاہیے۔ اور مفسد نوکروں کی باتوں پر ہرگز یقین نکیا جاوے گو وہ کیسے ہی

اور کتنے ہی معقول طریقے بریاں کریں"۔

تمکو معلوم ہی (خطاب لعزیز) کہ سلطان الپ ارسلان نے کندری پر غصناک ہوکر اُسکے قتل کا حکم دیا تھا کیونکہ اُس کی حیات اور حماقت کا پورے طور پر امتحان ہوچکا تھا اور اُنکی دلیری اور بیباکی کی پورے طور تحریریں پہنچ رہی تھیں، اور امیرالمومنین بھی ناراض تھے اور دارالخلافہ کے ارکان بھی چاہتے تھے کہ وہ قتل کیا جائے سلطان کو میں اس قتل سے باز رکھ سکتا تھا مگر میں نے منع نہیں کیا اور کئی برس سے اسی خوف میں مبتلا ہوں اور جس دن یہ واقعہ یاد آجاتا ہی مُنھ کا نوالا کڑوا ہوجاتا ہی اور رات کو نیند حرام ہوجاتی ہی اس واقعہ کے متعلق راقم سے ایک اور واقعہ کا ذکر کرتا ہوں حکایات تک میں کسی نے تذکرہ نہیں کیا ہی۔

حکایت کندری کے قتل کے ایک سال بعد میں نے خواب دیکھا کہ گویا اسکو قید خانے (محل) کی طرف کشاں کشاں لے جاتے ہیں اور میں بھی رسن درگردن اُسکے پیچھے چلا جارہا ہوں پھر ہم دونوں کو ایک ہی حیثیت سے نکالکر مقتل لے گئے کندری کے مارنے پر جلاد تلوار سونت کر مجھپر ٹوٹ پڑے، لیکن یہ ہولناک منظر دیکھتے ہی میں چیخ اٹھا اور آنکھ کھل گئی مگر بہت جلد بیہوش ہوگیا عرصہ تک اسی خوف سے کئی روز تک جاگتا رہا۔ اور بہت کچھ خیرات کی گئی ہائے خدا کا شکر ہی کہ میرے دل سے وہ ملال جاتا رہا۔

ملہ خواجہ نظام الملک کے دامن پر دورِ اوّل عمید الملک کندری کے خون کا دھبہ ہی اور اسکو کوئی مورخ صاف نہیں کرسکتا ہی اور اس کی تمام سوانح عمری میں صرف یہی ایک داغ نظر آتا ہی تفصیل کے لئے دیکھو صفحہ ۹ حصہ اول کتاب ہذا

طبقۂ دوم کے لائق اشخاص ہر حالت میں مہربانی کے مستحق ہیں۔ اور اُنکو بلند درجوں تک پہنچانا چاہیے۔ البتہ نالائقوں کو اپنے دروازے پر کبھی نہ آنے دو۔ اور اگر کسی موقع پر ایسے لوگ جمع ہو جائیں تو اُنکو باہم لڑا دینا چاہیئے اور پھر اُنکو اُن کی بداعمالیوں کی سزا دینا چاہیے تاہم یہ ایسا گروہ ہے کہ ایک ٹکڑے روٹی سے خوش ہوجاتا ہے لہذا کوئی چھوٹی سی خدمت دیدیجائے اور اس قسم کی خدمتوں سے کوئی نقصان نہیں پہنچسکتا ہے۔ اور میری رائے میں یہ برتاؤ سب سے بہتر ہے

حکایت سلطان الپ ارسلاں کے عہد میں وزیر ہوئے مجھے تھوڑی مدت گزری تھی کہ ایک دن میں حضور میں حاضر ہوا۔ سلطان نماز سے فارغ ہوکر وظیفہ پڑھ رہا تھا مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور مصلے کے نیچے سے ایک کاغذ نکالکر حکم دیا کہ پڑھو۔ اُس میں اول سے آخر تک میری شکایت تھی۔ اور ہر صیغے میں خیانت کا الزام لگایا تھا۔ جب میں پڑھ چکا تو پوچھا کہ سب پڑھ لیا۔ مینے عرض کیا کہ جی ہاں۔ فرمایا کہ " اگر یہ تحریر سچی ہے تو اپنی عادت وسیرت کو بدل ڈالو۔ تاکہ پھر ایسی شکایت نہو۔ اور اگر جھوٹ ہے تو اُن لوگوں کو کسی کام میں لگا دو کہ افترا پردازی کی اُنکو فرصت نہ ملے، اور اپنے کاموں میں مصروف رہیں"۔ میں اُٹھا اور دُعائیں دیتا ہوا باہر نکل آیا۔ اور سلطان کی نصیحت کے مطابق اُنکو برسرکار کر دیا۔ پھر اُن سے ایسی بدیاں سرائی ظہور میں نہ آئیں۔

ارباب سیف وقلم کی محافظت کے جو طریقے تھے وہ وزرا سلف کے اخبار وآثار سے بطریق امثال ونظائر بیان کرچکا ہوں۔ اب مختصر بیان عامۂ خلائق کی نگہداشت کا کرنا چاہتا ہوں جو خدا کی امانت ہیں۔ عامۂ خلائق سے رعایت کرنا ہی سب سے بڑی نصیحت ہے۔ دین و دنیا

دونوں میں اسکے فوائد و ثمرات کا منتظر رہنا چاہیے اور اسی کی طرف اشارہ ہے اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول یعنی اللہ کے اوامر الٰہی (حدود احکام) کی تعظیم کے بعد حسنات کے جو درجے ہیں اُس سے کوئی بھی اس شفقت کے برابر نہیں ہے بلکہ جو کچھ ہے وہ اسی کا ضمیمہ ہے جسطرح طبیب مشفق مہربانی کی نظر سے بیمار کی حالت پر غور کرتا ہے اور جو طریقہ مریض کے سود و بہبود کا ہو تا ہے اُسی پر توجہ کرتا ہے تاکہ وہ اپنے حق سے علحدہ ہو جائے اسی طرح بھلائی کی جہات پر نظر ڈالنا چاہیے۔ تاکہ ظاہر و باطن میں سب اُسکے ہوا خواہ رہیں۔

اگلے زمانے کے وزراء (جعل اللہ سعیہم مشکورا) کا دستور تھا کہ وہ ہمیشہ سلاطین کو مرحمت و شفقت کیطرف توجہ دلایا کرتے تھے جس کی برکت سے رعایا امن و چین میں رہتی تھی اور بادشاہ کا نام بھلائی سے یاد کیا جاتا تھا اور وجود ثواب کے مستحق ہوتے تھے

حکایت جس زمانے میں سلطان الپ ارسلان، روم کی مہم پر جانیوالا تھا اسوقت سرد ربار رعایا سے بطریق استمداد خراج جنگی طلب کیا جاتا تھا اور آمدنی کا زمانہ دور تھا اسوجہ سے لوگ پریشان تھے اور مردم میں بیماری پھیلی ہوئی تھی جس میں لوگ کثرت سے مر رہے تھے چنانچہ ایک دن دربار میں ان واقعات کا ذکر آیا سلطان نے کہا کہ موت تو ایک بلائے بے درمان ہے۔ اُسکو مال فائدہ پہنچا سکتا ہے اور نہ سلطنت دنیاوی سے کام نکل سکتا ہے جسپر عرض کیا کہ دوا اگر کچھ مداوک ہو سکتا ہے تو وہ صرف عدل و مرحمت ہے اور قدیم تاریخ میں لکھا ہے کہ ایک عجم کے بادشاہ نے حکم دیا کہ خزانے کی جانچ پڑتال کر کے اطلاع کیجائے کہ کسقدر ہے کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس حکم کا منشاء کیا ہے؟ مگر وزرائے سلطنت نے احتیاطاً تخمینات کر کے

خزانے کی کیفیت سے مطلع کر دیا۔ چنانچہ خزانے کی مقدار معلوم ہونے پر بادشاہ نے اعیانِ دولت کو طلب کیا اور سب کے سامنے خدا کا شکر ادا کیا اور کہا کہ اگر خدانخواستہ کسی وقت سلطنت پر کوئی صدمہ پہنچے یا کسی قسم کا اندیشہ متصور ہو یا سفر پیش آئے تو اُسکے واسطے یہ خزانہ کافی ہی لیکن اب میں عہد کرتا ہوں کہ آیندہ سے کوئی شخص نہ ستایا جائیگا۔ اور نہ رعایا میں کوئی کسی کے مقابلے میں عاجز و ضعیف سمجھا جائیگا۔ تمام رعایا اسباب معاش کے مہیا کرتی ہی اور سلطنت کو بڑا حصہ اپنے مال کا دیدیتی ہی لہذا ہر شخص زراعت و تجارت وغیرہ کے ذریعے سے اپنی معاش حاصل کرے۔ اور جاگیر خالصہ میں میں بھی یہی کرونگا۔ اور فرمان جاری کر دیا کہ باج و خراج یکقلم اُٹھا دیا گیا ہی۔ اب حکام کا کام اس امر کی نگرانی کرنا ہی کہ زبردست سے زیردست کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ چنانچہ اس انتظام کی برکت سے ملک میں چھ برس تک کوئی موت نہ واقع ہوئی اور یہ ظاہر ہی کہ ملک کی آبادی اس مدت میں کہاں تک ترقی کر گئی ہوگی"۔

یہ حکایت سنکر سلطان نے اپنا حکم منسوخ کر دیا اور فوجی ضرورت خزانے سے رفع کر دی گئی۔ خلاصہ کلام یہ ہی کہ ہمیشہ وزیروں نے رعایا کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ کیا ہی جس کی برکت سے رعیت کو آسائش پہنچی اور بادشاہ کی عزت قائم رہی۔ اور خود اپنی ذات کیواسطے بھی دعاے خیر کا ذخیرہ کرتے رہے۔

خواجہ نظام الملک کے دربار کے شعرا

خلیفہ مامون الرشید عباسی کی ہتم بالشان یادگاروں میں سے ایک فارسی شاعری
بھی ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں، کہ فارسی شاعری نے اسی زمانہ میں جنم لیا ہو اور اس عہد
کے پہلے شاعری کا وجود نہو کیونکہ تاریخ سے ثابت ہے کہ اسلام سے پہلے تمام فارس میں
شعر کہے جاتے تھے اور ان کی شاعری اوج کمال پر پہنچی ہوئی تھی لیکن عربوں کی تسلط
کے بعد نظم فارسی کا دفتر ابتر ہو گیا اور سیلاب فنا انکو بہا کر خدا جانے کہاں لیگیا ؟
کیونکہ کوئی مورخ عہد قدیم کے نامور شعرا کے کلام سے ایک غزل یا قطعہ بھی نمونے کے طور
پر پیش نہیں کر سکتا ہے لیکن اسی دربار کے نامور شاعر عباس[1] مروزی نے سماے عرب
کے سامنے سب سے پہلے ایک فارسی قصیدہ مامون الرشید کی مدح میں لکھکر فارسی کی مُردہ
شاعری میں جان ڈالدی اور پھر اسی بنیاد پر آنے والی نسلوں نے ہماہ پر رفیع الشان

[1] قدیم فارسی کا لٹریچر اس زمانے میں مفقود نابود ہو گیا ہے کہ کل اُس زمانے کی دو سطریں بھی نہیں مل سکتی ہیں۔ لیکن یورپ کی علمی تجسس اور تلاش نے بہت کچھ ذخیرہ جمع کر دیا ہے حال میں مسٹر مارکلٹ نے جو آکسفورڈ کے پروفیسر ہیں قدیم فارسی کے بعض اشعار چھاپے ہیں جو انگریزی ترجمہ میں دستیاب ہوئے ہیں مگر مصنف کو رسے ان اشعار کی عبیر دستیاب نہیں ہوئی ہے السعد مستشرق جلد اول ۱۳۲۲ھ ۵۲ عباس مروزی کے حالات کے لئے ملکہ صبح ابتدا دیکھا جائے مولف نے مامون الرشید کی مدح میں لکھا ہے اسکے چند شعر یہ ہیں

ای سامدہ بہ لب فرق جود فرقدین	گسترانیدہ بفضل جود در عالم یدین
مر خلافت را تو سامانہ چو مردم دیدہ را	دین یزدان را تو بایستہ چو رخ را ہر دو عین
کس برین منوال پیش از من چنین شعری نگفت	مر زبان فارسی را ہست با این نوع بین

عمارتیں بنائیں۔

مامون الرشید کی تخت نشینی (۱۹۸ھ) سے اگرچہ فارسی شاعری کی دوبارہ بنیاد قائم ہوئی اور پھر ہر صدی میں ترقی ہوتی گئی لیکن شاہان سامانیہ اور غزنویہ کی سرپرستی اور علمی فیاضی نے فارسی شاعری کو بے انتہا وسعت دی۔ اور صرف اس عہد میں جسقدر فارسی علم ادب مرتب ہوا ہی اگر اُس کی تاریخ لکھی جائے تو ایک مستقل کتاب بنجائے لیکن جب یہ خاندان برباد ہوگئے اور آل سلجوق کی حکومت کا دورہ آیا تو اُسوقت بھی فارسی شاعری خوب پھلی پھولی۔ کیونکہ سلاجقہ عموماً شعر و سخن کے دلدادہ تھے۔ طغرل بیگ اور الپ ارسلاں سلجوقی جو بحیثیت ایک فوجی افسر کے حکمرانی کرتے تھے اُن کے دربار میں بھی عمادی شہریاری، اور عبہری غزنوی جیسے باکمال شاعر موجود تھے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہی جس طرح ان بادشاہوں کے جود و کرم نے علوم و فنون کو پھیلایا اور شعرا کو دولت سے مالامال کردیا۔ اسی طرح اس گروہ نے بھی اپنے پاکیزہ کلام سے انکو بقاے دوام کی سند دی۔ شریف مجدی گرگانی نے کیا خوب فرمایا ہی۔

ازاں چندیں نعیم جاودانی		کہ ماند از آل سامان آل سامان
ثنای رودکی ماندست و مدحش		نوائے بار بد ماندست و دستاں

۵۱ شعرا آل ساماں، اُستاد ابو عبداللہ جعفر بن محمد رودکی، ابو العباس بن عباس رازی، ابو المثل بخاری، ابو اسحاق جوئباری، ابو الحسن اجباری نیشاپوری، ابو الحسن الکسائی، ۵۲ شعرا غزنویہ، عنصری، عسجدی، فرخی، فردوسی، بہرامی، زینتی، بزرجمہر قائنی، مظفر، منوچہری، مسعودی، غضائری، ابو حنیفہ اسکاف، راشدی، ابو الفرج رونی، مسعود سعد سلمان، مجد ناصر، شاہ ابو رجا، احمد خلف، عثمان مختاری، سنائی۔

الپ ارسلان کے بعد جب جلال الدین ملک شاہ کا زمانہ آیا تو اس دربار میں بھی بُرہانی، کافی ہمدانی، ابوالمعالی نحاس، اور امیر الشعراء معزی اور لامعی وغیرہ تشریف لائے اور قصیدہ خوانی کے بعد دربار وزارت میں حاضر ہوئے۔ خواجہ نظام الملک کو نظم سے دلچسپی نہ تھی اور نہ وہ مدحیہ قصائد سمجھا جاتا تھا لیکن وزیر ہو کر یہ محال تھا کہ دربار میں علماء، صوفیہ، محدثین، اور مفسرین تشریف لائیں اور شعرا دروازہ پر کھڑے رہیں چنانچہ اسی اُصول کے مطابق حاضرین دربار کے تذکرہ میں صرف اُن شعراء کے مختصر حالات لکھے جاتے ہیں جنکو خواجہ سے خصوصیت تھی اور اُنکے کلام کا محض وہ حصہ درباظرین کیا جاتا ہے جسکا تعلق خواجہ سے ہے۔

(۱) امیر معزّی

یہ نامور شاعر عبدالملک برہانی سمرقندی کا بیٹا تھا۔ اصلی نام محمد تھا۔ برہانی جونکہ خود صاحب فضل و کمال تھا اسلئے ابتدائی تعلیم کے بعد محمد کو سمرقند سے تکمیل علوم و فنون کیلئے خراسان بھیجدیا اور یہاں کی درسگاہوں سے بحیثیت ایک طالب العلم محمد نے کافی علمی ذخیرہ حاصل کیا۔

برہانی سلطان[1] ابراہیم غزنوی کے دربار سے متعلق تھا لیکن سلطنت غزنویہ کی بربادی کے بعد (مقام اصفہان) ملکشاہ کے حصہ میں آیا اور ملازم ہوگیا۔

---

[1] سلطان ابراہیم غزنوی نے ۴۵۱ھ سے ۴۹۲ھ تک حکومت کی۔ بادشاہ فراخی اور زاہد تھا اس نے اُن ہم وطنوں سے جو اس کے حالات سے واقف تھے سلجوقیوں سے رد بدل؟ ... ترجمہ تاریخ الفرشتہ صفحہ ۵۰۰

افسوس ہے کہ اس نامور شاعر کا کلام مفقود ہے اور ذیل کے دو مصرعے اسکے نام سے تذکروں میں ملتے ہیں۔

من رفتم و فرزند من آمد خلف الصدق

اورا بخدا و بخداوند سپردم

تذکرہ نویسوں نے اسکا شان نزول یہ لکھا ہے کہ "حالت نزع میں برہانی نے سلطان ملکشاہ کو ایک قطعہ لکھا تھا اور اپنے بیٹے کے واسطے سفارش کی تھی کہ میرے بعد اس کی پرورش کی جائے چنانچہ اُس قطعہ کا یہ اخیر شعر ہے۔ بہرحال یہ روایت صحیح ہو یا غلط مگر یہ تحقیق ہے کہ قلعۂ قزوین میں جب برہانی نے انتقال کیا تو سلطان نے برہانی کا وظیفہ محمد کے نام منتقل کر دیا تھا۔ اور تھوڑے زمانے کے بعد ملکشاہ کی قدردانی سے محمد امیر معزی کے خطاب سے ممتاز ہو کر درجۂ اعلیٰ پر پہنچ گیا۔ چنانچہ معزی کے اس واقعہ کو ہم حسب روایت امیر معزی بیان کرتے ہیں

نظامی، عروضی سمرقندی مصنف چہار مقالہ امیر معزی کا نہایت نامور شاگرد ہے وہ دوسرے مقالہ[1] میں لکھتا ہے کہ "ایک دن میں نے اپنی تکلیف و مصیبت کا امیر معزی سے ذکر کیا اُنھوں نے مجھکو سمجھایا کہ کسی شاعر کی محنت رائیگاں نہیں جاتی ہے۔ اگر ابتدا میں فروغ نہو تو آخیر میں اُسکا ستارہ ضرور چمکتا ہے۔ اور اسی قسم کی نصیحت آمیز گفتگو کے بعد امیر معزی نے اپنی ابتدائی حالت مجھ سے بیان کرنا شروع کی جو حسب ذیل ہے"

[1] چہار مقالہ صفحہ ۸۰ لغایت ۹۰ مطبوعہ اصفہان

میرے والد امیر برہانی کو جو وظیفہ ملتا تھا اُنکے انتقال پر وہ میرے نام منتقل ہوا اور
میں ملک شاہ کا شاعر مشہور ہو گیا۔ مگر حالت یہ تھی کہ کئی سال تک مجھ کو سلطان کا سلام
بھی میسر نہیں ہوا اور نہ حضوری کی عزت حاصل ہوئی بلکہ میں دُور سے لیے خداوندنعمت
کے درشن کر لیتا تھا مصارف کے لیے ایک ہزار ملہ اور ایک دینار (پانچ روپیہ) مقرر تھا
مگر یہ وظیفہ خرچ کو کافی نہ تھا اور قرض کا بار بڑھتا جاتا تھا اس پر طرہ یہ کہ جو مقرر تھا وہ بھی وقت پر
نہیں ملتا تھا اور اسکا سبب تھا کہ وزیر السلطنت خواجہ نظام الملک شعرا سے بد اعتقاد
تھا اور اُسکو شعر و سخن سے مناسبت نہ تھی، بلکہ وہ ہمیشہ صوفیائے کرام سے صحبت رکھتا تھا
غرضکہ اسی زمانہ میں ماہ صیام آگیا اور جس دن چاند نکلنے کو تھا، اُس دن میرے پاس خرچ کو
بھی کچھ نہ تھا اس لیے میں اپنے مہربان محسن امیر علاؤ الدولہ علی بن فرامرز (سلطان عم
کی اولاد میں تھا) کی خدمت میں حاضر ہوا یہ امیر شعر دوست سلطان کا داماد اور ندیم خاص
تھا اور اس اعزاز کے علاوہ ایک بڑے عہدے پر مقرر تھا جا کر میں نے علاؤ الدولہ
سے عرض کیا "(خداوند تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت دے) کہ جو کام باپ کرتا ہے یہ کوئی ضرور
نہیں ہے کہ بیٹا بھی وہی کام کرے یا جو فن باپ کو آتا ہو بیٹا بھی اُسے جانتا ہو ابا
ایک ہوشیار اور چالاک آدمی تھا اور الپ ارسلان اُسکا معتقد تھا جو کام وہ کر سکتا
مجھے اُسکے کرنے میں شرم دامنگیر ہے۔ میں نے حضور کی ایک سال خدمت کی ہے اور اسوقت
ایک ہزار دینار کا مقروض ہوں اگر اجازت ہو تو نیشاپور چلا جاؤں۔ اور ادائے قرض کا
بندوبست کروں" جب میں کہہ چکا تو امیر نے فرمایا کہ بیشک مجھ سے قصور ہو گیا ہے آئندہ

ایسا نہوگا۔ آج شام کو سلطان چاند دیکھنے کے لیے محلسرا سے برآمد ہونگے تم بھی وہاں موجود رہنا۔ دیکھو! تو زمانہ کیا کروٹ بدلتا ہی" اور مجھے ایک سو دینار نیشا پوری دیکر رخصت کیا اور فرمایا کہ "اسے ماہ رمضان میں خرچ کرنا"۔ چنانچہ بہ کمال مسرت میں گھر کو چلا گیا اور شام کو سلطان کے در دولت پر حاضر ہوا۔ اُسی وقت علاؤ الدولہ کی بھی سواری آئی۔ مجھے دیکھکر امیر بہت خوش ہوا اور فرمایا کہ "اچھے موقع پر آئے"۔ غرض کہ جب آفتاب غروب ہوگیا تب سلطان چاند دیکھنے نکلا۔ علاؤ الدولہ سلطان کی دائیں طرف تھا۔ سلطان ہات میں ایک کمان کروھہ لیے ہوئے چاند دیکھنے میں مصروف تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے چاند سلطان کی نظر پڑی اور بہت خوش ہوا۔ جب سب چاند دیکھ چکے تو علاؤ الدولہ نے مجھسے کہا "اس واقعہ پر کچھ کہو۔ چنانچہ مینے فوراً یہ رباعی عرض کی ؎

ای ماہ چو ابروان یارے گوئی یا ہیچو کمان شہر یارے گوئی
نعلی زدہ اززر عیارے گوئی در گوش سپہر گوشوارے گوئی

میری اس فی البدیہہ رباعی پر علاؤ الدولہ خوش ہوا اور میری بڑی تعریف کی۔ اور سلطان نے حکم دیا کہ "جاؤ اصطبل شاہی سے جو گھوڑا پسند ہو وہ لیلو" مگر مینے تامل کیا۔ تب امیر نے ایک گھوڑا نامزد کرکے میرے نوکر کے سپرد کرا دیا۔ (اس گھوڑے کی قیمت تین ہزار دینار نیشا پوری قرار پائی) سلطان ملکشاہ تو حکم دیکر نماز مغرب کیواسطے مصلے پر کھڑا ہوگیا۔ چنانچہ مینے بھی نماز ادا کی اور شام کا کھانا امیر علاؤ الدولہ کے ہمراہ کھایا۔ اسوقت امیر نے حکم دیا کہ جو انعام تمکو ملا ہی اب اُس صلہ کی شکر گزاری میں کچھ کہو۔ چنانچہ میں نے

ترجمہ رباعی جس کی ہے

چون آتش خاطرم را شاہ بدید		از خاک مرا بر زبر ماہ کشید
چون آب یکی ترانہ از من بشنید		چون باد یکی مرکب خاصم بخشید

جسکو سنکر امیر بہت خوش ہوا اور امیر کی تعریف پر سلطان نے ایک ہزار دینار مرحمت فرمائے اور امیر نے یہ بھی فرمایا کہ "کل خواجہ نظام الملک کا دامن پکڑونگا کہ وہ تمہاری تنخواہ خزانہ سے نقد دلا دیں اور جاگیر کے واسطے حکم جاری کریں کہ اصفہان سے بھیجدیا جائے"

دربار کا اندازہ دیکھو

سلطان نے فرمایا کہ ہاں علاؤ الدولہ تم یہ کر سکتے ہو کسی اور کی تو یہ جرأت نہیں ہے کہ خواجہ نظام الملک سے ایسے الفاظ کہہ سکے" اسکے بعد سلطان نے حکم دیا کہ اسکا تخلص میرے نام پر معزی رکھو۔ (جلال الدین و معز الدین ملکشاہ کے لقب تھے) چنانچہ علاؤ الدولہ نے اُسی وقت مجھکو **خواجہ معزی** کہکر پکارا جب سلطان نے سنا تو فرمایا کہ نہیں اسکو **امیر معزی** کہو اور میں اُسی وقت درجۂ امارت پر ممتاز ہو گیا۔ اور دوسرے دن ایک ہزار دینار اور مرحمت ہوئے اور مصارف کے واسطے ایک ہزار من غلہ اور بارہ سو دینار مقرر کیے گئے چنانچہ عید کے بعد میں دربار سلطانی میں حاضر ہونے لگا اور ندیموں میں داخل ہو گیا اور میرا ستارہ دن بدن بڑھنے لگا"

ے ایشائی درباروں کا قاعدہ ہے کہ جس دن کوئی معزز خطاب کسیکو دیا جاتا ہے اُسی دن خطاب کے مطابق جاگیر اور انعام سامان بھی مرحمت ہوتا ہے تاکہ منصب کے لحاظ سے وہ شریک دربار ہو سکے اس قاعدہ کا عمل اب تک اسلامی سلطنت میں ہے ہندوستان میں سرکار نظام اور دیگر بڑی ریاستوں کا عمل اُسی پر ہے

جو اپنا واقعہ امیر معزی نے بیان کیا ہی اس سے ثابت ہی کہ بدیہہ کہنا شاعری کا اعلیٰ رکن ہی۔ اور ہر شاعر پر فرض ہی کہ وہ استقدر مشقِ سخن کرے کہ برجستہ کہہ سکے۔ کیونکہ امیر معزی آنِ واحد میں معمولی حالت سے ترقی کرکے درجۂ امارت پر پہنچا اس کا باعث صرف وہی ایک رباعی ہی جو اُس نے برجستہ کہی تھی۔

ملک شاہ نے اگرچہ معزی کو امیر الامرا بنا دیا تھا۔ مگر کمالِ شاعری کے لحاظ سے کوئی خطاب نہیں دیا تھا۔ لیکن اُس کے نامور بیٹے ناصر الدین سنجر نے معزی کو ملک الشعرا کا خطاب دیا۔ اور دربارِ سنجری میں وہ مثل ملک الشعرا عنصری کے چار سو شعرا پر حکومت کرتا تھا۔ امیر معزی کا جسقدر کلام تذکروں میں پایا جاتا ہی وہ اعلیٰ درجہ کا ہی۔ غزل میں شیرینی اور نمکینی ملی ہوئی ہی۔ قصائد نہایت زور کے ہیں۔ غزل میں فرخی کا مقلد ہی۔ اور قصائد میں عنصری کا رنگ ہی۔ اُس عہد کے نامور شعرا نے امیر معزی کے قصائد کا جواب لکھنے میں کوشش کی ہی۔ اور حکیم انوری جیسے باکمال شاعر نے امیر معزّی کی ابیات کو تضمین کیا ہی اور خاقانی جیسا اُستاد اُسکا معتقد ہی۔ غرضکہ امیر معزی کی جسقدر مدح فضل و کمال کے لحاظ سے کیجائے وہ کم ہی۔

امیر معزی نے ۵۴۲ھ ہجری میں بمقام مرو انتقال کیا۔ موت کا یہ واقعہ ہی کہ سلطان سنجر کے ہمراہ شکار کھیل رہا تھا کہ خود سلطان کے تیر سے زخمی ہوگیا۔ اور اسی صدمہ سے طائرِ روح قفسِ عنصری سے پرواز کرگیا چنانچہ خود کہتا ہی ؎

---

۵۱ تذکرۂ دولت شاہ۔

هنوز ناشده طبع جهان بغایت گرم — معالجتش بکافور و صندل است و گلاب
همی شود مطر[1] اندر تراب[2] مروارید — بفعل و طبع مگر چون صدف شده است تراب
همی ز سیل بهاری شود سراب چو بحر — چنانکه بحر شود پیش جود خواجه سراب
بزرگوار **وزیری** که دست همت او — ز روی دولت و اقبال برگرفت نقاب
شهاب[3] هست بلون و بشکل چون قلمش — فلک بقوت آن دیو را زند بشهاب
اگرچه پست کند کوه پیل مست به تک[4] — دگرچه ریزه کند سنگ شیر شرزه بناب[5]
نه با عداوت او پیل مست دارد زور — نه با سیاست او شیر شرزه[6] آرد تاب
ایا گزیده چو طاعت بروزگار مشیب — ایا ستوده چو نعمت بروزگار شباب
کسیکه او بهمه قولها بود صدیق — اگر بنقض تو یک دم زند شود کذاب
شود با من تو آهو بره ندیم هژبر — شود بفر تو تیهو بچه قرین عقاب

نمبر ۲

زبسکه ماند دل و چشم من در آتش و آب — کشاد در دل و در چشم من در آتش و آب
چراد عارض و چشم مرا مرصع کرد — اگر بصنع نگشته است زرگر آتش و آب
دلم ز دلبر چون شاد و خوش بود که بود — نصیب چشم و دل من ز دلبر آتش و آب
اگر بشوید مر زلف را و خشک کند — شود ز زلفش پر مشک و عنبر آتش و آب
نویسم از صفت هجر او بدفتر بر — بگیرد از صفتش روی دفتر آتش و آب

۱ باران ۲ خاک ۳ رنگ سرخ ۴ شعلہ آتش ۵ سامنے کے دانت جسکو ہندی میں کچلی کہتے ہیں ۶ دندان ۷ خشمناک

زلفنا و تمشا د تربیرون کشید ست آہن		چشم من آتش برآورد ست مروارید تر

تا ندیدم تیر مژگانش ندانستم کہ ہست		تیر عشق و تیر سحر بشن در دل و جان کارگر

زین دو تیر کار گر پیوستہ باشد بیگزند		ہر کہ از جاہ و وزیر دادگر سازد سپر

گر ہمای ہمتش روزی کشاید پر و بال		شرق گیرد زیر بال و غرب گیرد زیر پر

ہر کہ بیند روز بخشیدن مبارک دست او		بحر زرین موج بیند ابر یاقوتین مطر

منبر ۴

کنونکہ خور[۱] بہ ترازو[۲] رسید و آمد تیر[۳]		شدند راست شب و روز چون ترازو و تیر

بکوہ سوزنش سیم و بباغ زر تودہ ہست		چو روی آینہ روشن شدہ ست روی غدیر[۴]

مگر کہ عاشق زارند لعبتان چمن		کہ پشت شان چو کمان ست و روی شان چو زریر[۵]

ز فر و زیب تہی شد بسان ربع[۶] و طلل[۷]		ہمان چمن کہ چو بتخانہ بود پر تصویر

گمان برم کہ گلستان گناہ آدم کرد		کہ شد برہنہ چو آدم ز جامہای حریر

بتاکہای رزان[۸] بر ببین کہ دست خزان		ہزار خوشہ لولو فروزدہ ہست بر قیر[۹]

شد از سپیدی و سرخی بدیع گونہ عجیب		چو رنگ روی بتی کز قفا خورد تشویر[۱۰]

بصورت و صفت آبی چو گوی زرین ہست		برو نشستہ ز میدان شاہ گرد عبیر

کفیدہ نار دو در دو دانہاے سرخ پدید		چو روز رزم دہان مخالفان وزیر

---

۱ آفتاب ۲ برج میزان ۳ پارسیوں کا چوتھا مہینہ ۴ مرادہ ۵ تالاب وغیرہ جسمیں بارش کا پانی جمع ہو ۶ ایک زرد رنگ کی گھاس ۷ مکان منزل ۸ ویران مکانوں کے نشانات جسکو کھنڈر کہتے ہیں ۹ انگور کی ٹہنیاں ۱۰ قیر ایک سیاہ رنگ کا معدنی روغن ہے جو مائل بسرخی ہوتا ہے اور اس سے ایک جداگانہ شے ہے ۱۱ شرمساری۔

بیان عقل و لسان ضمیر روشن او ستاره واسطه گشته است و آفتاب سفیر
چو گردش فلک است آنکه عالم را دهد جوانی و پیری و خود نگردد پیر
چو نام او بود آنجا تمام باشد تیغ که مدح هیچ تبار است نام او تکبیر
حرالقول محکم امور به سپهر که در سپهر کشد دو لشکر همی تاثیر
زمین دولت و دین صد هزار اثر ز بهر آن است صد هزار چرخ اثیر
ز بهر مژدهٔ فتح و بشارت ظفر همیشه رنجه بود پای پیک و دست دبیر
همی ز شرق فرستد بسوی غرب رسول همی ز غرب فرستد بسوی شرق بشیر
مشح اگر نه خاک از ستم بار آورد جهان کند گه توقیع کلک او تحریر
ز سنگ ریگ کند اقبال او جواهر کهسد ز خاک درگه او کیمیا گران اکسیر
آیا علوم تو آیات عقل را معنی آیا رسوم تو آیات عدل را تفسیر
ز اعطا دو گر نسخه برده جیس سوی عطا تو پیاده دین بیت و شرح بدیر
اگر پیام تو در خواب بشنود قیصر ز حالتش[illegible] خبر اسلام بشنود تعبیر
ز دست تو ذراع ریز خشک گل ہار برون کند ز نشیمن عقاب آهن تیر
دگر بود ملک گرگ بحیره ردار چو بوی عدل تو یابد ز تیر خواهد شیر

شرف گرفت به نامهٔ تو دوات و قلم
جهان گرفت به تیغ حسام و تاج و سریر

له دربستانی کے پر وزلے ساسوں کا مرض ہوا جو ملا اسلام حق ہاپر اور طرف کا ایک ہوا اور اللہ

نمبر ۵

چنان خواهد شد از خوبی جهان تا هفته دیگر
که گوئی جنت الفردوس را کشاد رضوان در

جوانی از پس پیری کنون خواهد شدن ممکن
که باغ پیر تا ده روز خواهد شد جوان از سر

زکاشانه بر باغ آیند و بنمایند خوبان رخ
ز بیغوله به باغ آیند و بگشایند مرغان پر

سرشک ابر دیبا باف بافد بر زمین دیبا
نسیم باد عنبرسوز سوزد در هوا عنبر

بگرید هر زمانی ابر همچون دیده عاشق
بخندد هر زمانی باغ همچون چهره دلبر

چنان کز کوهه سیلان بغرد کوس در هیجا
ز ابر تیره هر ساعت خروشی در کشد تندر

نماید خویشتن قوس قزح چون چنبر زرین
که باشد در زمین پنهان شده یک نیمه زان چنبر

چو پوشیده عروسے پیراهن که هر یک را بود پیدا
بن دامن یکی احمر یکے اصفر یکی اخضر

بدست باغبانان از بنفشه دسته ها بینی
چو چین قرطه کان قرطه دارد رنگ نیلوفر

و یا از بازوی نازک بدندان کاز بر گیری
شود چون نیل از دندان اثر ماند بدو اندر

ز بهر دیدن گلزار عبهر دیده بگشاید
سرشک ابر نوروزی چکد در دیده عبهر

چو از مینا یکے ساعد ز سیم پاک انگشتان
بکف بر ساغر زرین و مروارید در ساغر

کنون هر ساعت اندر باغ قوم عاشقان بینی
ز برجد شان بزیر پاے و مرواریدشان از بر

یکی با ناله و زاری ز هجر ماه سنگین دل
یکے با نعره و شادی ز وصل سرو سیمین بر

بگو از لاله برکان را شود شنگرف گون بالین
بدشت از سبزه گوران را شود زنگار گون بستر

سلہ بیت الدول کا یہ شعر خاص تبصرہ کے لائق ہے یہ طرز ادا قدیم اسی طرح ہے صفرا، علی احمری اخضر تحت میں۔ دیکھو ابن حجاج صفحہ ۲۹۵

گاهی ازان بخار فلک را کند حجاب گاهی ازان حجاب زمین را کند نثار
در همتش همی نرسد گردش فلک گویی فلک پیاده شد و همتش سوار
ماند بنار خشمش و ماند بخاک حلم اندر یکی تحرک و اندر یکی قرار
جان در تعجب و خرد اندر تفکر است تا خاک را چگونه مسخر شد است نار

منبر

همان به است که امروز خوش خوریم جهان که دی گذشت و ز فردا پدید نیست نشان
در انتظار بهار و خزان مباش که هست خزان عدوی بهار و بهار خصم خزان
مگر خزان برزان، نو شریعتی بنهاد که هست در همه عالم مباح خون رزان
مگر که در شب دی ماه باده خوار زمی عسس شده است که کرد است باغ را عریان
ز برف ریزه چو سوهان شده است وی غدیر زیخ شده است رخ آبگیر چون سندان
زمان مگر که به آهنگری برون آمد که آب کرد چو سندان و برف چون سوهان
چه باک ازین که جهان سرد گشت و ناخوش شد که خانه گرم و مغنی خوش است و باده جوان
گر از بنفشه و لاله زمین و باغ تهی است ز هر دو هست بدل زلف و چهره جانان
چو زلف چهره او هست بیهده چه خوریم غم بنفشه سیراب و لاله نعمان
بماه دی ز خم زلف و رنگ چهره او بنفشه زار پدید آوریم و لاله ستان
دو گوهر است درین وقت شرط مجلس ما قنینه معدن این و تنوره مسکن آن
یکی چو آب رز اندر میان جام قدح یکی چو برگ گل اندر میان آتشدان

(۲) حکیم لامعی ملقب بہ بحر المعانی

یہ نامور شاعر جرجان کا باشندہ تھا۔ ابتدائے حال میں وطن سے خراساں آیا۔ اور حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر رہ کر علوم و فنون میں کمال حاصل کیا اور امام صاحب کے فیض صحبت اور برکت سے بے انتہا علمی فوائد حاصل کیے۔ اپنے زمانہ کا نامور شاعر ہی۔ تذکروں میں حالات بہت کم ملتے ہیں اور بجز تخلص کے یہ بھی نہیں معلوم ہوا کہ حضرت کا نام کیا تھا؟ ایک قطعہ خواجہ عمید سمرقندی کو لکھا ہی اسکے بعض اشعار سے نسب نامہ کا سلسلہ اس طرح پر معلوم ہوتا ہی۔

جد من ہست سماعیل و محمد پدرم　　بو الحسن ابن سلیمان ا اوادم من

مرمرا ہست اسد طالع وازما درخویش　　روز آدینہ، بماہ رمضان زادم من

کہتا ہی کہ "محمد کا بیٹا اور اسماعیل کا پوتا اور ابو الحسن ابن سلیمان کا داماد ہوں۔ اصطلاح نجوم کی روسے میرا طالع اسد ہی۔ اور بماہ رمضان یوم جمعہ میری ولادت ہوتی ہی" مگر افسوس ہی کہ سنہ ولادت نہ لکھا۔ تمام تذکرہ نویسوں نے لامعی کے فضل و کمال کا اعتراف کیا ہی۔ حاجی لطف علی بیگ آذر صاحب آتشکدہ فرماتے ہیں "الحق بسیار طبع خوشی داشتہ" آذر کا یہ مختصر فقرہ نہایت قیمتی ہی اور لامعی کے کلام دلکش نے آذر کو خوب ہی گرما دیا ہے جب اسقدر تعریف کی ہی۔ ورنہ ان کی نسبت بھی یہی ارشاد ہوتا کہ "بد نہ گفتہ است" سلطان سنجر کے زمانہ میں

ملہ انتخاب از آذر کدہ، مجمع الفصحا، مختصر دیوان حکیم لامعی مطبوعہ ممبئی۔ افسوس ہی کہ یہ نسخہ نہایت غلط تھا اور کوئی صحیح نسخہ نہیں ملا کہ اس سے صحت کرتا اسوجہ سے اکثر اشعار چھوڑ دیئے گئے ہیں اور بعض صحت طلب ہیں۔

مقام سمرقند انتقال کیا اور وہیں دفن ہوا۔ سلطان ملکشاہ سلجوقی، وزیر ابونصر کندری اور
خواجہ نظام الملک کی مدح میں جو قصائد لکھے ہیں وہ یادگار ہیں۔ صاحب مجمع الفصحا لکھتا ہے
کہ لامعی جیسے ذیل شعرا کا ہمعصر رہا ہے

امیر برہانی، سوزنی سمرقندی، عمعق بخاری، رشیدی، روحی سمرقندی، شمس
پسر کس، عدمانی

قصائد لامعی در مدح خواجہ نظام الملک

کنم چو انجم روز دست نگار روان ۔۔۔ وان کرد مرا زان نگار دلبر طان

وان کرد مرا دور زان مہ و ماہ ۔۔۔ کہ ہساہ ودہمہ مو اوستان

ازو وصال جدائی فراق دارم طمع ۔۔۔ گہے وصال ندارم امید گاہ فراق

کہ روی آن بت ماہ بت ماہ مارا ۔۔۔ آسمان گرگہ روی سپہ گاہ کشان

دلم را ز روی او فتنہ گیسو طرۂ او ۔۔۔ گران مشک دوست دیر عالم طان

بران وان وران طاں تعبہای مرصع ۔۔۔ تو دکوی ماہ عش رنگ طاوس وزان

مہ بہ ستہ لنگون دو مہ عارض او ۔۔۔ ازان دو سد قران ماہ و رلما وطلان

گران دو سد گر اطلان ماند آن سرو ۔۔۔ رحتو کہ دہ جعت را دو سد طلاق

کند حلق را وجان و دل ہمہ نعمہ ۔۔۔ دراو وفا دو ر ماراد او سعل بصان

نگند عشق وی اندر دل من آتش گیسو ۔۔۔ دلست آلس دل نویت رتم محران

سلہ عادہ کا لکھا اور اخر عمدہ کے میں دفن جس میں عادہ ہے ما ہی سلہ انکے ک جو سکا نام ہے ۳۵ رباعی اور ما موتا

بتفت آتش اگر باشد آتش اندر دل　　دل وی از دل من بیش دارد احتراق

اگر و گرد خلاف ای ہمیشہ عادت تو　　خلاف کردن عہد و شکستن میثاق

بیار بادہ کہ آورد باد بوی بہار　　اَدِرْ عَلَیْنَا کَاسًا عَلَی السَّمَاءِ دِھَاق

ہماں معدّل معروف کاں شخص اندر　　کہ بادہ خوار از اخواند پیش او فساق

کنوں چو باد صبا خیزد از نشاط و کند　　بادہ مزمزہ ہر بامداد دو استنشاق

ہمی بخندد بادہ ہمی بگرید ابر　　چو روی معشوق این و آن چو دیدہ عشاق

مگر بگردن او بر شدہ است مخنقہ تنگ　　کہ وقت وقت بحلق اندر افتدش خناق

رخ شقائق چون روی نیکواں گہ شرم　　کَاَنَّ حُمْرَتَہٗ اُدْرِ اقِھَا دَمِ مُحْرَاق

درست گوئی بر موقف از پیلے قرباں　　بوند جابنی اعناق گوسفند و عناق

مگر کہ ہست گل یاسمن ز زر و ز سیم　　کہ ہست زر او را میان سیم اوراق

اگر سپیدہ حدقہ چشمہائے زرد مژہ　　ندیدہ اینک چشمی بدین صفت اماق

دو چشم خوبش بر افگن بچشم آذرگوں　　درین زمان و برآماق او نگار آماق

بچشم بر مژہ زرد اگر نکو نہ بود　　نکو بود سیہ اندر میان چشم احداق

چو روز رزم یلان امیر دین جفت　　یکے گرفتہ سپر در کف و یکی مخراق

نہادہ گوش کہ یابند گاہ فتح ثواب　　ز کدخدائے خراسان و کدخدای عراق

۱؎ ایک شرعی عہدہ ہے جو دفتر قضا سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ عہدہ دار ایک جسٹر رکھتا تھا جس میں ثقہ اور ساقط العدالت لوگوں کے نام درج ہوتے تھے علاوہ اسکے اور بھی سرداری کے کام سپرد ہوتے تھے ۲؎ کلی کرنا۔ ۳؎ ناک میں پانی چڑھانا جیسا کہ وضو میں ہوتا ہے۔ ۴؎ قلادۂ گردن ۵؎ گلو گرفتگی نام عارضہ ۶؎ ایک دوسرے کے گلے میں ہاتھ ڈالنا و بالفتح بمعنی بزغالہ مادہ۔

اگر نہ طبق وخوان مرای ہمت خویش | پسہ بایہ خوان دستارگان اطباق
زمین مشرق ومغرب سپرد خواہد وبر | بداں عنایت از وزہر چرخ راتریاق
دریں سپینہ دیدہ ہیچکس سیمرغ | دریں سپینہ دیدہ ہیچکس قواق
برتو لامعی اسے نامور وزیر آمد | چونزد احمد کتب وچو نزد کعب اسحاق
رواں شادی ہمچوں شنا وری کہ رود | درآب جلہ زباب لانح بباب الطاق
زدودہ تا ختنش اسپ را قوایم وکعب | چو ساقیاں راہنگام خواب مستاں ساق
شود کہ بہ نبو وزو بگاہ مدح وصلہ | زحلق شاعرت وشعر قائم الاعناق
خزینہ تو زایلاق باد تا بغداد | رہجار ومصر سپاہ تراسراد وثاق
بزی بشادی تا در میان خلق تو | سروبن ہمہ سوگندہا طلاق وعناق

زمانہ کردہ ترا ہمچو تو مرا یزد را
ہزار حمد وثنا "بالعشی والاشراق"

نمبر ۲

چوں از فلک گرفت ہزیمت سپاہ چیں | آورد شاہ زنگ بروں لشکر از کمیں
یک قوم را ز تارک بر داشتند تاج | یک قوم را جواہر بستند بر جبیں
گم گشت روشنی وفزوں گشت تیرگی | بر سام حام چیرہ شد ودیو بر امیں

سلہ بغداد کے مشہور محلوں کا نام ہے سلہ ایلاق بلاد ماوراء النہر کا ایک مشہور شہر جو فرغانہ کے قریب تھا اور اسی نام کا ایک پرگنہ نواح نیشاپور میں تھا۔ سلہ ایک قریہ کا نام ہے جو بخارا سے ۳ کوس پر واقع تھا۔

چوں گرد واژگونہ فلک زین او برآپ — من خواستم لگام و نہادم بر آپ زیں

آمد بر من آنکہ نہ بیند کس و ندید — سروی چنیں بتغا[۵۱] تفرو لعبتی بچیں

از زلف دو چین فگندہ برابرواں — زاں پیشتر کہ بودی در زلف کالش چیں

گہ لام را بہ گست ہمی از بر الف — گہ میم را نجست گراں نہ ہمی بسیں

چوں ابر گشتہ دیدہ او برابر برشد — از غم مرا خروش نگار برمرانیں[۵۲]

من چوں بماہ تشریں بگرشتہ زعفراں — او چوں بماہ نیساں بگدستہ یاسمیں

گشتیم دور عاقبت از یکدگر بدرد — مر ہر دو را دریدہ گریبان و آستیں

او در بلائے فرقت و من در عنای چیں — او رفت سوئے روضہ و من سوئے بادیہ

پست بلند کوہی کردم مکان خویش — کاید گہ سبق جو زکوہ بلند ہیں[۵۳]

چوں برشدم بہ پشتش گفتی بہر موج — ہیں[۵۴] اخدای گفت بر و بر شتاب ہیں[۵۵]

دشت از درندہ شیراں چوں روز عید نحر[۵۶] — از گوسفند و گاو و بیا زار و بار کیں

من ہیچو از دہان خداوند صولجاں — جستہ گہ شکار خداوند پوستیں

رہ گرچہ دور بود و کمر ہاش ہیناک — شیخ گرچہ خشک بود ثمر ہاش سہگیں

یکدست من ہنوز بہ چیں چید گل ہمیں — واں دست دیگرم بہمین بود لالہ چیں

نفرین دوست ناشدہ از گوش من ہنوز — کامد ز قصر خواجہ بگوشِ من آفریں

۵۱ ترکستان کا ایک مشہور شہر ہے جہاں کا سرمہ اور حسن مشہور ہے ۵۲ نالہ و فریاد ۵۳ سیلاب ۵۴ معنی ایں و ایک۔
۵۵ بطور تاکید کے ہے یعنی زود و ماش ۵۶ عید الضحیٰ۔

محمد علا ودیر تہتاہ نو علی

حسن ہری حسن رصی میر مومیں

مبسہ ۳

آمدکشا دہ ردسے رس نگارس — حوں مرمراہ دمدگستہ دل اروطں

لستہ دحسدہ لب نگرستں کساوہ حیتیم — اروردرد پرگرہ ورلف پرستکں

دوماہی رقص کس نگل امدرآب حشیم — رودسے ودرلں عاگستہ دری رں

یوتسدہ مں صلاح وہادہ ریرسے لیں — حوں کردگاہ کیں وعرب گاہ ماحتں

تکسا دحوں مدیدانساں مرار رماں — رمں نگمتسی وساگمتی سحں

گعماں وحاموں لو لودلسرسر — ررں ودستع دمکرو وریث نسوں دں

ردآستی دل ارمں ونکر آستی مرا — رتودل مں ایدوں ہر گرسے دطں

ریں دی حوں معاںق ومالاسے مجومسر — رں می حوں معتہ وامدام حوں سمں

یک ورحوں تنکیی وحوں ماستدای تنگمت — عیس احلاوت وحیتسم تراوشں

ای درحلل رحیت راد گلارکیت — ادتہر مار حاہ ہ رمں یار حو تیتں

رراحت حصر حو گریں ہمی سعر — رتادی طرب حو گریں ہمی حرں

گعم کہ مست ارس محرد ستں دمسار تہک — ردآستیں حیتیم ہ ددسسترہں

ہستاں ہمہ ولیکں سے ظلعت مے ریر — ہرتادی لودعسم دہرراحی محں

سلہ اىک سار کا مام ہر سلہ حراب ۔

جستم رہِ فراق وزدم بانگ بر براق | برگشتم از قرین[1] وکشیدم سر از وطن[2]

پیش آمدم چو بادیہ برسم وادی | موزہ شگاف خارش و خاکش قدم شکن

نہ مرغ نہ فرشتہ نہ وحش و نہ آدمی | نہ رسم[3] و نہ دیار نہ اطلال و نہ دمن

در دیولاخہاش بدانساں خروش دیو | کامد بگوش گاہ رعی نغمہ زغن

بے آب وادی من واسپم از عراق | غرق اندر آب چوں بشط[4] و دجلہ بر شطن

غول اندر و قدم ننہد در نہد بود | درماندہ تر ز مور چہ لنگ در لگن

راہی چناں دراز و شبی تیرہ و سیاہ | کردہ فرشتہ یکہ گیتی باہرمن

انجم بر آسماں چو بمجلس شب بندہ | باآتش وچراغ زدہ صف صد انجمن

پروین درو چو ماہی سیم اندر آبگیر | بر سینہ ہفت دانہ درا دُرِّ پرشمن

تیر آتشین فگندہ سوی مہ ہمی شہاب | سیمیں کشیدہ ماہ بروا اندروں مجن

آں خورد بیشمار ستارہ بر آسماں | ہر یک تشکل گولو بر تیغ و برسفن

یا حلقہاے سیمیں بر سفرہ کبود | یا در بنفشہ زار پراگندہ نسترن

کانون فلک شب گشت آتش ستارگاں | نسرین دو مرغ بریاں برنوک بابزن[5]

گردوں چو کشت زار و مجرّہ درو چنانک | در کشت زار ہا ز پے کارواں سجن

وقت سحر بہ قطب فلک بنات نعش | چوں ناقہ شگفتہ در اگلستاں عطن

گرداں بر آں مثال کہ بر کاغذ آسیا | آرندگو دکاں سوئے بالا ز بادخن

---

[1] ہیش [2] ہمسر [3] نشان [4] شط العرب مشہور دریا کا نام ہے [5] سیخ جس پر کباب بھونتے ہیں۔

مخمس ۴

شاعراں بر تو ہمی خوانند ہر دم آفریں — گہ بالفاظ حجازی گہ بالفاظ دری

بر تو مداح تو چوں مدح تو خواند از نشاط — راست پنداری کہ ہر موی زبان شد جری

از عدم گوئی بدیں کار آمدی اندر وجود — تا بگیتی در بساط نیکنامی گستری

پیروی دائم سخاوت راہمی فرزند وار — بعید و بروے ہنرینہ کردہ زیر جعفری

اے مبارک تر بفال از مشتری دیدار تو — زو مبارک تر بفالے ہم از و عالی تری

ہمچناں کاید از و تاثیر و ہمت از فلک — بر فلک ہست از تو تاثیر و تو مایا ایدری

بر یکے حالے تو و حال جہاں گرد ہمی — خود بذات خویش پنداری جہان دیگری

اینک آئین جہاں گیر و ہمی دیگر نہاد — زاں ہمی خواہند یاراں خلعت شہر یوری

کرد برپا از زبرجد باز در گلزارہا — کسروی ایوانہا و قصرہائے قیصری

زیراں ایوانہا گستردہ شاد رواں — از حریر لعلگون و آسماں گون عبقری

اندراں پردہ گوں ایوان پیروزی و عیش — باندیمان و خرمنداں سز د گرمی خوری

از کف سنگیں دل سیمیں بر یاقوت لب — رخ چو کشمیری بت و بالا چو سرو کشمری

زاں می روشن کہ بینی پیکر خویش اندراں — چوں ستانی از کف ساقی و لب جے و بری

بازشناسی از یں ہر دو کدامینت حال

در یمین لتت ساغر یا تو اندر ساغری

لہ خروج۔ ۵۲ معنی ایجاد اکون۔

(۳) شمس الدین محمد معروف بخالد خلف مؤید حدادؔ

سوائے عراق کے حالات میں مصنف آتشکدہ نے شمس الدین کا مختصر طور پر ان الفاظ میں ذکر کیا ہے "از مستوفیان[1] خواجہ نظام الملک و از ندیمان سلطان سنجر سلجوقی بودہ" اس کا کلام نایاب ہے صرف ایک رباعی مشہور ہے وہ لکھی جاتی ہے۔

بہ جہت در دہانی نظام الملک این رباعی گفتہ

گر در دکہ دہانے فلک در ساید — سر نیست در آں عرصہ کہ ہم سر ساید

چون از سر و قامت بجہان آمدہ در — آید بتظلم کہ قدت دریابد

(۴) معین الدین طنطرانی

ملک الکلام معین الدین طنطرانی نہایت نامور علما سے ہیں مدرسہ نظامیہ میں مدت تک مدرس رہے ہیں اور اُن کے فضل و کمال کی سب سے بڑی شہادت ہے شاعری ان کے کمالات کا ایک ادنی درجہ ہے خواجہ نظام الملک کی مدح میں قصیدہ ذوقافیتین زبان عربی لکھا ہے جو صنائع و بدائع کا مجموعہ[2] ہے اور کلام کا بڑا حصہ عربی میں ہے جس کے انتخاب کا اُردو کتاب میں موقع نہیں ہے

---

[1] آتشکدہ آذر صفحہ ۱۰۴ [2] تذکرہ دولت شاہ سمرقندی صفحہ ۱۲

(۵) سیّد شریف نظام الدین المعروف بابن الہبّاریہ

سید شریف ابو یعلی محمد بن محمد بن صالح العباسی الہاشمی المعروف بابن الہباریہ ملقب بہ نظام الدین اشعرائے بغداد میں نہایت نامور شاعر ہے۔ قاضی ابن خلکان تحریر فرماتے ہیں "کان شاعراً مجیداً حسن المقاصد لکنہ خبیث اللسان"

سید شریف کے فضل و کمال کے سب معترف ہیں، مگر افسوس ہے کہ سید کی بدزبانی اور ہجو گوئی سے مورخوں کے قلم انکی تعریف لکھتے ہوئے ڈرتے ہیں، خواجہ نظام الملک کا قول ہے کہ "سید شریف کی شعر و شاعری میں ہجو، ہزل اور مسخرہ پن کے خیالات کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔"

سید شریف اپنے زمانے کے مرزا رفیع (سودا) تھے شاید ہی کوئی ایسا شخص ہوگا کہ جس کی سیّد نے ہجو نہ کی ہو۔ اس طرز کلام سے ثابت ہے کہ سید کے مزاج میں ظرافت کا بڑا مادہ تھا اور طبیعت کی شگفتگی ہجو گوئی پر مجبور کرتی تھی اور بلا خیال کسی کی ناراضی یا ملامت کے سید کے قلم سے ہجو کے اشعار نکلتے تھے اس سے زیادہ شوخی اور کیا ہوگی کہ اپنے محسن خواجہ نظام الملک[1] کی ہجو میں بھی دو چار شعر لکھ ڈالے ہیں۔ لیکن شاعری کے اس حصّہ کو چھوڑ کر جب دیگر اصناف کلام پر نظر کیجاتی ہے تو وہ بھی قابل تعریف و تحسین ہے۔ کتاب الخریدہ (عماد کاتب) ابن خلکان اور عیون الانبا فی طبقات الاطبا میں منتخب کلام درج ہے۔

[1] خواجہ کے عام اخلاق و عادات کے حالات میں یہ ہجو کے اشعار درج ہیں۔

سید شریف خواجہ نظام الملک کا وظیفہ خوار تھا اور ہمت العام بانا کرتا تھا جیسا کہ سید شریف کا قول ہے کہ میں اپنے گھر کی جس چیز کو دیکھتا ہوں وہ خواجہ کی عطیہ نظر آتی ہے۔ تصنیفات میں نتائج الفطنہ فی نظم کلیلہ ودمنۃ اور دوسری کتاب الصادح والباغم نظم کلیلہ ودمنہ مشہور ہے، دوسری کتاب دس برس میں تصنیف ہوئی ہے جس میں اکثر اشعار ہیں اور اعلیٰ درجہ کی تصنیف ہے[1] تمام کرمان ۱۲۹۳ھ میں انتقال کیا اور وہیں دفن ہوا

(۶) قاضی شمس الدین طیبی

قاضی صاحب[2] مشاہیر علمائے خراسان سے ہیں خواجہ نظام الملک کی مدح میں قاضی صاحب کے قصائد مشہور ہیں تفصیلی حالات نہیں معلوم ہو سکے

---

[1] سید شریف کی دونوں کتابیں بعض مدرسوں میں پڑھائی گئیں الصادح کی نظم کا نمونہ یہ ہے

حکم مع ما الا فیہ وکل

ما کلّ قولٍ مسمعُ	ما کلّ نطقٍ مسجعُ
ہر قول قابل سماع نہیں	ہر سجع موزوں نہیں
ما کلّ عذبٍ منہلُ	ما کلّ جدلٍ محملُ
ہر عذب قابل سیرابی نہیں	ہر لب قابل ذہب نہیں
ما کلّ غیمٍ ممطرُ	ما کلّ غصنٍ یثمرُ
ہر بدلی برسنے والی نہیں	ہر شاخ پھلنے والی نہیں

[2] کتاب الصادح صفحہ ۱۱ وا مطبوعہ مدرسہ سنہ ۱۲۹۳ اس حاشیہ میں دیباچہ الصادح والباغم ۱۲۹۳ ذکر مراۃ الخیال شیر خاں لودی مطبوعہ کلکتہ

ان شعراء کے علاوہ، ایک کثیر تعداد اُن مشاہیر شعراء کی ہے جو مدرسۂ نظامیہ وغیرہ کی مختلف خدمات پر مامور تھے۔ اور اوقات فرصت میں دربار خواجہ میں حاضر ہوا کرتے تھے اور بعض ایسے ہیں کہ جنھوں نے خواجہ کے حضور میں آ کر قصیدہ پڑھا اور رخصت ہو گیا۔ اگر تاریخ کی ورق گردانی کیجائے تو ایک طویل فہرست مرتب ہو سکتی ہے لیکن بنظر طوالت ہم صرف اُن شعراء کی فہرست لکھتے ہیں جنکے حالات علامہ ابو الحسن علی الباخرزی شافعی نے اپنے مشہور تذکرہ "دمیۃ القصر وعصرۃ اهل العصر" میں قلمبند کیے ہیں۔ اس تذکرہ میں وہ قصائد بھی ہیں جو خواجہ نظام الملک کی مدح میں لکھے گئے ہیں۔ شائقین اصل کتاب ملاحظہ فرمائیں۔ ہم صرف ناموں پر اکتفا کرتے ہیں۔

(۱) ابو عمرو یحییٰ بن صاعد بن سیار ہروی۔
(۲) ابو العلاء محمد بن غانم نیشاپوری۔
(۳) شیخ ابو علی الشبلی توشنجی
(۴) یعقوب بن سلیمان اسفرائنی
(۵) الحسین بن ملک
(۶) ابو العواذل
(۷) محمد بن احمد بن حسین الشطرنجی جلبی
(۸) سیار بن علی ہروی
(۹) ابراہیم بن عبد الرحمٰن المعری۔

(۱۰) محمد بن علی العالمی سرخسی

(۱۱) شیخ ابو علی الحسن بن عبداللہ القدوسی

(۱۲) شیخ ابو علی احمد بن محمد الباری الجواری

(۱۳) حسن بن جعفر بن محمد الفارسی

(۱۴) علی بن احمد بن عبداللہ الصاری

(۱۵) ابوبکر عبدالقادر بن عبدالرحمن فارسی

(۱۶) ابوبکر عبداللہ بن محمد ہروی

(۱۷) ابوالعباس الفضل بن سعید بن محمد الاسماعیلی

(۱۸) ابوالقاسم علی بن عبداللہ وزیر سلطان طغرل بک

(۱۹) الحسین بن الحسن الخطیبی الارموی

(۲۰) عبداللہ بن محمد بن بکر الحضری

(۲۱) استاد ابوالمحاسن الحسن بن علی بن صیر

(۲۲) ابو زکریا یحییٰ بن علی خطیب الادیب تبریزی

(۲۳) الموفق بن طلحل بن احمد ستمانی

(۲۴) احمد بن محمد الموری

سلہ در مدح خواجہ نظام الملک گفتہ

اسے فرد العصر ما مہ کلام　　　للوری کہف للدین عوام
لو یکن سلم ادنی وصفہ　　　دلو استقصیت مدالفے عام

(۲۵) ناصر بن سلمہ

(۲۶) اسد بن مہلب بن شادی

(۲۷) محمد بن حسن بن عبد الرحمٰن الرونی صوفی

(۲۸) ابو عبد اللہ سلمان بن عبد اللہ نہروانی

(۲۹) ابو الفضل یحییٰ بن نصر السعدی بغدادی

(۳۰) ابو سعید محمد بن حمزہ موصلی۔

(۳۱) الحسین بن ابراہیم بن طوق موصلی۔

(۳۲) ابو نصر محمد بن عمر بن محمد اصفہانی۔

(۳۳) ابو الحسین بن علی بن حمزہ اندلسی الضریر

(۳۴) ابو النجم اسمٰعیل بن ابراہیم القزوینی

(۳۵) ابراہیم بن عمر چپادقانی۔

بلحاظ شعر و شاعری، حکیم عمر و خیام نیشاپوری کا نام بھی شعراء دربار کے ذیل میں آنا چاہیے تھا۔ مگر چونکہ خیام نے خواجہ کی مدح میں ایک رباعی بھی نہیں لکھی ہے۔ لہٰذا زمرۂ شعراء سے خیام کو الگ کر دیا ہے۔ اور اپنے موقع پر خیام کا مفصل تذکرہ بہ حیثیت ایک حکیم، مہندس اور نجومی کے علیحدہ تحریر ہے۔

غیاث الدین ابو الفتح حکیم عمر خیام نیشاپوری

نام و لقب عمر نام، غیاث الدین لقب، ابو الفتح کنیت اور خیام تخلص ہے خیام ایک لاثانی ریاضی دان، مورخ، حکیم، مہندس اور فلسفی شاعر ہے جس پر ایران کو ہمیشہ فخر رہیگا۔

صحیح روایتوں کی بنا پر خیام کا نام عمر ہے اور غیاث الدین وہ معزز خطاب ہے جو قوم کی طرف سے خیام کو دیا گیا تھا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک وقت میں امام مانا گیا ہے کیونکہ غیاث الدین اور محی الدین ایسے خطاب و القاب ہیں جو صرف ائمہ اور مجتہدین کا حصہ ہیں خیام کی کنیت ابو الفتح حقیقی نہیں ہے بلکہ وصفی معنی کے اعتبار سے ہے کیونکہ خیام نے عمر بھر تو شادی کی اور نہ کوئی اولاد چھوڑی

خیام کا باپ تذکرہ نویس اس پر متفق ہیں کہ خیام کے باپ کا نام ابراہیم تھا لیکن ہماری رائے میں یہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ خیام کے باپ کا نام عثمان تھا ہماری تحقیقات کا ماخذ خاقانی کی کتاب مثنوی تحفۃ العراقین ہے۔ اور خیام کے سلسلہ نسب کے متعلق اس سے زیادہ صحیح اور معتبر کوئی روایت نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ خاقانی، عمر خیام کا بھتیجا ہے اور خاقانی کی تعلیم و تربیت خیام نے کی ہے اس لیے گھر والوں کے مقابلے میں باہر والوں کی روایت قابل سند نہیں ہے۔ اور سچ بھی یوں ہے کہ "صاحب البیت ادری بما فیہا"

اب ہم تحفۃ العراقین کا وہ حصہ نقل کرتے ہیں جس سے مذکورہ بالا واقعات خود حل ہو جائینگے

در مدح[1] عم خود عمر خیّام کہ در اہتمام و تربیت او بود

بگریختہ ام ز دیو خذلاں — در سایۂ "عمر" ابن عثماں"

ہم صدر م و ہم امام و ہم عم — صدر اجل و امام اکرم

برہانی و ہندسی مقالش — افلاطن و ارسطو عیالش

از علمش داد داد ہر محدث — یک ثلث بہرمس مثلث

زیں عم بہ من آں شرف رسیدہ است — کز ذرّہ خور آب و خاک دیدہ است

در خانہ تنگ خاطر من — عم ساخت دو صد ہزار روزن

چوں بر سر روز نم رسیدے — چوں قرصۂ خور رسن تنیدے

تا بر در عم مرا وقوف است — احاد نہاد من الوف است

بودم چو یکے دقیقہ خورد — عم، زی درجات رفعتم برد

پس زاں درجات برج پرداخت — زاں برج بیوت اختراں ساخت

اول ز یکے بہ شصتم آورد — پس شصت مرا بستی بدل کرد

انگاہ ز ستی دو ازدہ ساخت — زاں جملہ سرائے ہفت شد ساخت

مسکیں پدرم ز جور ایام — افگند مرا چو زال را سام

او سیمرغے نمود در حال — در زیر پرم گرفت چوں زال

آوردہ بکوہ قاف دانش — پروردہ مرا بہ آشیانش

---

[1] تحفۃ العراقین خاقانی صفحہ ۱۹۷-۱۹۸ مطبوعہ مدرسہ آگرہ ۱۸۵۵ء

نامِ یتیم داری آں مرد آں کن کہ عمِ مصطفےٰ کرد

مندرجہ بالا اشعار سے اگرچہ صرف عمر خیام کے باپ کا نام ظاہر کرنا مقصود تھا لیکن جن شاندار الفاظ میں خاقانی نے خیام کا تذکرہ کیا ہے وہ بھی اُسکے فضل و کمال کی ایک مستند شہادت ہے

عثمان کے کئی بیٹے تھے مگر سب سے مشہور دو تھے ایک علی دوسرا عمر حکیم افضل الدین خاقانی علی کا بیٹا تھا اور یہ مسلم ہے کہ ساری دنیا کے خاندان کے نام ایک ہی انداز کے ہوتے ہیں اور عثمان، علی، عمر، یہ نام خود بتاتے ہیں کہ ہم سب ایک ہی ٹکسال کے سکے ہیں اور راسخ الاعتقاد مسلمانوں میں یہ سب آجتک جاری ہے کہ اپنے بچوں کے نام انبیا، کرام اور بزرگان دین کے ناموں پر رکھا کرتے ہیں۔

خاندانی پیشہ عمر خیام کا باپ عثمان ایک پیشہ ور آدمی تھا اور خاندانی اُسکا پیشہ تھا خاقانی نے جہاں اپنے بزرگوں کے حالات لکھے ہیں اُسی میں اپنے دادا کو نساج (جامہ باف) لکھا ہے چنانچہ لکھتا ہے ؎

خواجہ پدرم ز سوئے جد در صنعت من کمال احمد

نساج گزار دل بہ کلکِ من ناشورہ کن است ریسمان تن

نساجی ایک اعلیٰ قسم کی دستکاری ہے اور مسلمانوں کے نہایت نامور ائمہ اس پیشے سے منسوب ہیں مگر اس عہد میں قومی غرور نے جو حقارت آمیز خیال اس پیشے کی نسبت قائم کرلیا ہے وہ البتہ قابل ماتم ہے۔

غرض اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہی کہ عمر خیام کا باپ جامہ باف تھا۔ اور غالباً کسی وجہ سے جامہ بافی چھوڑ کر خیمہ دوزی شروع کی ہوگی۔ بہر حال عثمان خیمہ دوز تھا یا خیمہ ساز یا تاجر خیمہ جو چاہو سمجھو مگر یہ مسلم ہی کہ اُسکا ذریعہ معاش (اخیر عمر میں) خیمہ ڈیرہ تھا۔ اور اسی نسبت سے وہ قوم میں "خیامی" مشہور تھا۔

ہر دستکار کا یہ پہلا اُصول ہی کہ اپنی اولاد کو بھی وہ اُسی پیشہ میں لگاتا ہی جس میں خود مصروف ہی لیکن طبیعت اپنے حسب حال خود پیشہ کا انتخاب کرتی ہی اور اُصولاً وہی کام سرسبز بھی ہوتا ہی جو اپنے مذاق کے موافق ہو چنانچہ جہانتک ہم نے تحقیقات کی عثمان کے کسی بیٹے نے خیمہ دوزی کا پیشہ اختیار نہیں کیا۔ کیونکہ علی (خاقانی کا باپ) نجاری کرتا تھا۔ اور عثمان کا دوسرا بیٹا طبیب تھا۔

تخلص عمر خیام نے آبائی پیشہ اختیار کیا ہو۔ یہ مستند تاریخوں سے ثابت نہیں ہی کیونکہ خیام کے بچپن اور ابتدا شباب کے حالات بالکل تاریکی میں ہیں۔ اور اگر بچپن میں برائے نام کچھ کیا بھی ہو تو اُسکا شمار پیشہ میں نہیں ہی۔ کیونکہ پیشہ دراصل وہی ہی جس کی آمدنی پر زندگی موقوف ہو۔

عمر نے اپنا تخلص خیام رکھا تھا۔ غالباً اسی لفظ کو کھینچ تان کر ایک گروہ یہ ثابت کرنا چاہتا ہی کہ اُسکا پیشہ خیمہ دوزی تھا لیکن محققین کی رائے ہی کہ تمام عمر میں ایک دن بھی خیام نے خیمہ دوزی نہیں کی ہو۔ بلکہ محض کسر نفسی اور اپنے باپ کی شہرت عام پر اسنے خیام تخلص رکھا تھا

خیام کی ولادت خیام کہاں اور کب پیدا ہوا؟ یہ دو سوال ہیں اور دونوں میں مورخونکا

اختلاف ہے لیکن خواجہ نظام الملک کی روایت کے مطابق خیام کی ولادت شہر نیشاپور میں ہوئی اور وہیں تعلیم و تربیت پائی چنانچہ دستور الوزرا میں خواجہ لکھتا ہے "حکیم عمر خیام نیشاپوری الاصل بود مولد و نشا او نیشاپور بود" چونکہ ہمارے نزدیک یہ صحیح روایت ہے لہذا اس بات کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرنا فضول ہے۔ عمر خیام کس سنہ میں پیدا ہوا اس کا صحیح جواب نہیں دیا جا سکتا ہے لیکن تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ عمر خیام کی ولادت چوتھی صدی ہجری کے عشرہ اولیٰ (۴۰۱ھ تا ۴۱۰ھ) میں ہوئی ہے کیونکہ خواجہ نظام الملک اپنی طالب العلمی کے حالات میں لکھتا ہے کہ حکیم عمر خیام و مخذول ابن صباح نو رسیدہ بودند دراں مجلس ہم سبق ما بودند و بفہم و قوت طبع در غایت کمال با من مختلط بودند" خواجہ نے خیام اور حسن صباح کو اپنا ہم سبق لکھا ہے اور خواجہ کی ولادت ۴۰۸ھ میں ہوئی ہے چنانچہ جس سال خیام امام موفق کی درسگاہ میں آیا ہے اس وقت نظام الملک کی عمر چھبیس برس کی تھی اور دو ایک برس کی کمی بیشی ہمیشہ ہوتی ہے وہی لڑکے ہم سبق کہلاتے ہیں لہذا ہماری رائے میں حکیم عمر خیام کا سال ولادت ۴۱۰ھ صحیح ہے اور یہی رائے محقق یورپ کی بھی ہے۔

تعلیم و تربیت خیام کے بچپن کے حالات کسی تاریخ اور تذکرہ میں نہیں ہیں نہ اس زمانے کی تعلیم اور تربیت کا حال معلوم ہے مگر بالاتفاق ثابت ہے کہ عمر خیام نے امام موفق کی درسگاہ میں فقہ، حدیث اور اصول کی تعلیم حاصل کی اور یہ درسگاہ اعلیٰ علوم کے واسطے مشہور تھی اس وقت حکیم کی عمر چودہ سال کی تھی۔ مکتب نشینی کی معمولی عمر اس وقت تک جس کی میعاد سمجھنا اٹھارہ سال کی ہوتی ہے یہ زمانہ خیام نے دیگر علوم و فنون کی تحصیل میں صرف کیا ہوگا

مگر افسوس ہی کہ یہ تحقیق نہو سکا کہ خیام کو ان علوم میں کس کی شاگردی کا فخر حاصل ہوا۔ بہر حال اس میں کوئی شک نہیں ہی کہ خیام اپنے زمانے کا نہایت نامور فقیہہ، محدث، مفسر، اصولی، قاری، مورّخ، فلسفی، حکیم، اور نجومی تھا۔ اور شاعری اسکے فضل و کمال کا ایک ادنیٰ کرشمہ تھا۔ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہی کہ وہ یونانی زبان بھی جانتا تھا۔

خیام کی آیندہ زندگی حکیم عمر خیام ۴۳۴ھ میں امام صاحب کیخدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اور چار برس کامل خواجہ نظام الملک اور حسن صباح کا ہم سبق رہا۔ جب مدرسہ کو الوداع کہنے کا وقت آگیا تو ان دوستوں نے یہ معاہدہ کیا۔ "عہد میکنم کہ ہر کدام را دولتے مرزوق گردد، علی السویہ مشترک باشد و صاحب آن دولت خود را بہیچ وجہ ترجیح ثابت نہ کند۔ چنانچہ معاہدہ سے تخمیناً اکیس یا بائیس برس کے بعد خواجہ نظام الملک الپ ارسلان سلجوقی کا مستقل وزیر ہوگیا اور جب وزارت کا شہرہ تمام ایران میں پھیل گیا تو اطراف و جوانب سے خواجہ کے دوست و احباب اس کے پاس آنے لگے۔ چنانچہ عمر خیام کو بھی خواجہ نظام الملک کا وعدہ یاد آیا اور وہ بھی خواجہ کی ملاقات کے لیے بمقام مرو پہنچا۔ خواجہ خیام سے عزیزانہ ملا اور کمال تعظیم سے پیش آیا۔ ان دوستوں کی ملاقات اور گفتگو کا تذکرہ مختلف تاریخوں میں ہی لیکن خواجہ نظام الملک نے جن الفاظ میں خود اس واقعہ کو لکھا ہی ہم اُسکو نقل کرتے ہیں جو سب سے معتبر اور صحیح روایت ہی۔

در دور الپ ارسلان حکیم عمر خیام نزد من آمد آنچہ از لوازم حسن عہد و مراسم حفظ وفا باشد	الپ ارسلان سلجوقی کے عہد حکومت میں حکیم عمر خیام میرے پاس آیا تو مینے معاہدہ اور ایفاے وعدہ کے

بجائے آورده و مقدم او را بمواهب اکرام
و اعزاز لائق نموده و بعد از آن باو گفتم که
مرتبۂ صاحب کمالی را سر ملازم سلطان باید
شد چه معهود مجلس امام موفق مشترک است
شرح تو با سلطان بگویم و حال درایت و کفایت
تو موعظ و تدبیر او ممکن گردانم که مثل من در حرم
اعتماد وی حکیم گفت عرق شریف و نفس کریم
خواجہ نحستہ و همه لقد برار اظهار اس
مکارم ترغیب میکند و الاحوال من صعبتی چه حد
انکه در ریسمان و معرفت بادے حسن تو اصعها
کند در دولت من پیدے میت کہ در ین تلطفها
صادقی و امثال این بحث خلوتیاں و ربیت
مکان تو معدار سے مدارد و لیکن حقوق احسان
تو در ذمۂ من همت شکر است اگر عمرها در بیان
شکر با سر ار عهدہ اس بک مکرمت که الکو
سفر مائی بیرون نیامد پس مرا مهمی است
که جلست با تو در حس عبودیت باشیم این مرتبه

خیال سے حسام کا بڑے اعزاز سے خیر مقدم
کیا اسکے بعد میں نے کہا کہ آپ صاحب فضل کمال
ہیں آپ کو بھی سلطان کی خدمت میں رہنا چاہیے
کیونکہ امام موفق کی مجلس میں جو معاہدہ ہوا تھا اُسکی
رو سے منصب مشترک دار ملا تھا اور میں اچھی طرح
آپکی دانشمندی اور کارگزاری سلطان کے ذہن
نشین کر دونگا تب میری طرح آپ بھی سلطان کے
معتمد علیہ ہو جائینگے اسکے جواب میں حسام نے کہا کہ آپ نے
جو کچھ فرمایا اس سے آپکی شرافت کریم النفسی اور بلند
ہمتی کا اظہار ہوتا ہے ورنہ مجھ ایسا شخص اس عزت
افزائی کا کب مستحق ہے جو وزیر (جسکی حکومت مشرق
سے مغرب تک ہی) کیجانب سے عمل میں آئی ہے اور
اسمیں کچھ شک نہیں ہے کہ جو ارشاد ہوا ہے وہ بالکل سچ
ہے اور آپ جیسے عالی رتبہ کے سامنے اُسکی کیا حقیقت ہے
آپکے احسانات مجھ پر بہت ہیں اگر میں اُنکا شکریہ ادا کرنا
چاہوں تو مدتوں میں صرف ایک کی بابت کا شکریہ ادا
ہو سکیگا لیکن میری دلی آرزو یہ ہے کہ میں تمام عمر آپکے

کہ مرا بداں دلالت فرمودی اقتضائے آں نمیکند چہ بحسب غالب مقتضی کفران نعمت ست عَیاذاً باللہِ مِنْھا۔ اکنوں حق عنایت آنست کہ بدولت تو درگوشہ باشم و بہ نشر فوائد علمی۔ و دعائے عمر جاودانی تو مشغول بر ہمیں سخن اصرار نمود چوں دانستم کہ مافی الضمیر خود بے تکلف میگوید ہر سال جہت اسباب معاش او ہزار و دویست[۱۲۰۰] مثقال طلا بر املاک نیشاپور نوشتم و وے بعد ازیں معاودت نمودہ تکمیل فنون کرد خصوصاً فن ہیئت و دراں بدرجات رفیع ترقی نمود۔"

بندہ بنا رہوں اور جس منصب کے لیئے ارشاد ہوا ہو وہ میرے مناسب حال نہیں ہو بلکہ سچ پوچھیئے تو کفران نعمت ہے۔ ہاں آپکی مہربانی سے یہ چاہتا ہوں کہ ایک گوشہ میں بیٹھکر فوائد علمی کی اشاعت کروں اور ترقی عمر و دولت کی دعا مانگتا رہوں" جب خیام نے اس مضمون کو متواتر بیان کیا اور مینے سمجھ لیا کہ خیام جو کچھ کہتا ہو وہ بلا تصنع ہی تو مینے بھی حکم دیدیا کہ خیام کو خزانہ نیشاپور سے سالانہ بارہ سو[۱۲۰۰] مثقال سونا بطور وظیفہ دیا جایا کرے اسکے بعد خیام واپس گیا اور تکمیل علوم و فنون میں مصروف ہوا خصوصاً فن ہیئت میں بڑا کمال حاصل کیا۔"

اس واقعہ سے خواجہ نظام الملک کی اخلاقی زندگی کے دو مسئلے حل ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ راستباز اور صادق القول تھا۔ کیونکہ عہد وزارت میں جس معاہدہ کی تکمیل نہایت ایمانداری سے کی گئی وہ معاہدہ حقیقت میں حسن صباح کا ایک خیال تھا جس کی بنیاد علم قیافہ پر تھی۔ دوسرے یہ کہ وہ علم و فن کا مربی تھا۔ کیونکہ خیّام کا معقول وظیفہ محض اس لیے مقرر کیا تھا کہ وہ علمی تحقیقات کرے اور ظاہر ہی کہ اطمینان کی زندگی میں جیسی ترقیاں ہوتی ہیں وہ مفلسی میں معلوم

عمر خیام اور سنہ جلالی ملکشاہی

عمر خیام کو جب خواجہ نظام الملک کی فیاضی سے معاش کی طرف سے پورا اطمینان ہو گیا تو یکسو ہو کر علمی تحقیقات میں مصروف ہوا اور چند سال کی محنت کے بعد اس نے جبر و مقابلہ میں ایک بیش بہا کتاب شائع کی اور بہ نظر تشکر احسانات و اظہار عقیدت اس کتاب کا خواجہ نظام الملک کے نام ہدیہ کیا گیا اسکے بعد دوسری کتاب علم المساحت والمکعبات میں اور تیسری کتاب اقلیدس کے اہم مسائل کی شرح میں لکھی۔ ان کتابوں کی اشاعت پر خیام کا تمام ایران میں شہرہ ہو گیا اور خراسان میں وہ دوسرا بوعلی سینا سمجھا گیا

خیام نے اپنے ہم مکتب دوست خواجہ نظام الملک کو بھی یہ کتابیں ہدیہ میں بھیجی تھیں ان کے مطالعہ سے خواجہ بہت خوش ہوا اور بہ سبیل تذکرہ خیام کے فضل و کمال کا ملکشاہ سے ذکر کیا ملکشاہ کو چونکہ اصلاح تقویم کا ایک عرصہ سے خیال تھا لہذا خواجہ کو حکم دیا کہ خیام نیشاپور سے طلب کیا جائے چنانچہ حکم کی فوراً تعمیل کی گئی اور ایک وسیع پیمانہ پر اصلاح تقویم کا دفتر قائم ہو گیا

اس نامور منجم نے تقویم میں کیا اصلاح و ترمیم کی یہ ایک دلچسپ مضمون ہے جو تفصیل سے لکھنے کے قابل تھا لیکن ہمارے مورخین نے چند الفاظ میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے جس سے

لہ گنج سخن حالات خیام و انسائکلوپیڈیا برٹانیکا، مقدمہ تصنیفات خیام

کوئی مکمل مضمون تیار نہیں ہو سکتا ہی لیکن انگریزی، ترکی، عربی، اور فارسی میں تقویم (کلنڈر) پر جو مضامین لکھے گئے ہیں اُن کی مدد سے ہم اس مسئلہ کی تشریح کرینگے جس کے سمجھنے کے لیئے اول ایک مختصر تمہید کی ضرورت ہی[1]۔

سنہ و سال کو رواج اقوام عالم میں کیونکر ہوا۔

دنیا کی تمام قوموں میں سات دن کا ہفتہ[2]، تیس دن کا مہینہ، بارہ مہینہ کا سال مانا جاتا ہی، اور یہ زمانہ حال کی تقسیم نہیں ہی، بلکہ سیکڑوں برس سے یہی نظام قائم ہی۔ اور اسکا سبب یہ معلوم ہوتا ہی کہ انسان نے سب سے پہلے قدرت کا یہ تماشا دیکھا ہوگا کہ آفتاب شاہانہ جاہ و جلال سے روزانہ مشرق سے نکلتا ہی اور مغرب میں جاکر ڈوب جاتا ہی جسکے انوار سے تمام دن فضاے عالم جگمگاتا رہتا ہی اور اُس کے مونھ پھیرتے ہی ظلمتکدہ اُفق سے لیلائے شب کی آمد آمد شروع ہوتی ہی۔

پھر اسنے دوسرا منظر یہ دیکھا ہوگا کہ ماہتاب عالمتاب اُنتیس یا تیس دن میں عروج و زوال کی تمام منزلیں طے کرکے اپنی اصلی حالت پر آجاتا ہی۔ اور جب مشاہدہ اور تجربہ سے ثابت ہو گیا کہ انکا دورہ یوں ہی رہتا ہی اور یوں ہی رہیگا تب انہوں نے ہر دورہ کو ایک جداگانہ حصہ سمجھکر کسی کا نام دن، کسی کا نام مہینہ رکھدیا۔ چنانچہ ماہتاب کے بارہ دوروں سے سال کے بارہ مہینے قائم ہوئے اور ہر مہینہ کا ایک نام رکھدیا گیا۔ انسان اجرام علویہ کی دلفریبیوں کے دیکھنے کا فطرتاً عادی ہو چکا تھا۔ لہذا وہ ہر ستارے کو غور سے دیکھتا تھا۔ اور آہستہ آہستہ

[1] جس وقت یہ مضمون زیر کتابت تھا اُس وقت ہمکو معلوم ہوا کہ یورپ نے خیام کی تحقیقات پر ایک مستقل کتاب شائع کی ہی۔ انشاء اللہ تعالیٰ طبع ثانی پر اس کتاب سے فائدہ اُٹھایا جائیگا [2] صرف تبت میں پانچ یوم کا ہفتہ مانا جاتا ہی۔

اسے سطح آسمان سے متے ہوئے نظر آتے تھے ماسوا چمکدار اور روشن سات ستارے ایسے
تھے جو کہ چلتے پھرتے ستارے تھے لہذا انسان نے اپنی کم عقلی سے سبعہ سیارہ کو خدا کا
روپ سمجھکر اظہار عبودیت کے خیال سے انکے سامنے سر اطاعت جھکا دیا اور اپنا حاجت روا
سمجھکر ایک ایک دن انکی پرستش کے لیے مقرر کر دیا اور اس طریقے سے سات دن کا ہفتہ
بنایا اور یہی وجہ ہے کہ اقوام عالم کی زبانوں میں دنوں کے نام انہیں سیاروں کے ناموں پر
رکھے گئے ہیں اور قمری سال کے زیادہ رائج ہونے کا یہی سب سے بڑا سبب ہے

انسان نے عقل و مشاہدے کی بنا پر ایام، ماہ و سال کی جو عملی تقسیم کی تھی وہ اگرچہ صحیح
تھی لیکن ایک زمانے کے بعد جب یہ دیکھا کہ سال تو ماہتاب کے دوروں کے حساب سے
چل رہا ہے مگر تیس تیس برس کے زمانہ میں ہر موسم اپنے مرکز سے ہٹ جاتا ہے اسوقت قمری
حساب کی غلطیاں محسوس ہوئیں دریافت ہوا کہ آفتاب زمین کی گردش بھی ہمارے عمل دخل
میں شامل کر لی ہے اور حصول ربع کا تعین اسی پر منحصر ہے اور بالآخر مسلسل تجربوں اور برسوں
کے غور و فکر کے بعد آفتاب ماہتاب کے سالانہ دورے حسب ذیل قرار پائے

آفتاب میں تین سو پینسٹھ دن پانچ گھنٹے اڑتالیس منٹ اونچاس پل ناسٹھ پل (یہ
کسرات تقریباً ¼ دن کے برابر ہیں۔)

ماہتاب میں سو چون دن - - - - -

آفتاب کے مقابلہ میں ماہتاب کے سال میں سوا گیارہ دن کی کمی ہے لہذا قمری ضرورتوں
سے مناسب سمجھا گیا کہ قمری مہینے شمسی مہینوں سے مطابق کر لیے جائیں تاکہ سال کا حساب

فصول اربعہ سے مطابق ہے۔ اسکا علاج بجز اسکے اور کچھ نہ تھا کہ قمری مہینوں میں مذکورہ بالا کمی بڑھا دیجائے چنانچہ پارسیوں نے اسی اُصول پر اول اپنے قمری سال میں پورے گیارہ دن کا اضافہ کرکے اُنکو تین سو پینسٹھ دن کا شمسی سال بنا لیا۔ اور کسر کو چھوڑ دیا۔ چنانچہ یہی کمی بیشی ہو جس نے اقوام عالم کے سنین و شہور میں تفرقہ ڈال رکھا ہے۔

قبل اس کے کہ سنہ فارسی کی تاریخ لکھی جائے اسی سلسلہ میں یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ سنہ کی ابتدا کسی خاص تاریخ سے کب اور کیونکر شروع ہوئی اور سنہ کا شمار کیوں ضروری ہوا اسکا یہی سبب تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب انسان کی ضرورتیں بڑھ گئیں اور تمدن کا دائرہ وسیع ہوگیا تو گزشتہ واقعات کا یاد رکھنا بھی انسان پر فرض ہوا۔ اور اس ضرورت کے لیے یہ تجویز کی گئی کہ ان ایام کی بھی گنتی مقرر کیجائے۔ مگر چونکہ اس تجویز کا عمل پذیر ہونا دشوار تھا لہذا انسان نے یہ کیا کہ صرف اہم واقعات کو سال کے شمار کا معیار قرار دیا مثلاً عربوں نے ہبوط آدم علیہ السلام سے اپنا سال شروع کیا اور طوفان نوح تک یہ سنہ قائم رہا۔ پھر طوفان سے دوسرا دور شروع ہوا۔ اور واقعہ نار حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مختلف دورے قائم ہوکر واقعہ اصحاب فیل پر خاتمہ ہوگیا۔ اور [۱] سنہ ہجری کے آغاز نے گزشتہ واقعات کے شمار کو بالکل

[۱] سنہ ہجری۔ ہجرت کا سولہواں سال تھا کہ تمدنی اور ملکی ضرورت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام اور ہرمزان (خوزستان کا بادشاہ تھا) کے مشورے سے سنہ ہجری قائم کیا۔ آنحضرت صلعم نے ربیع الاول میں ہجرت فرمائی تھی اسلیے سنہ ہجری کی ابتدا ربیع الاول سے ہونی چاہیے تھی مگر چونکہ عرب میں سال محرم سے شروع ہوتا ہے اسلیے دو مہینے آٹھ دن چھوڑ دیے گئے "سنہ ہجری پنجشنبہ سے شروع ہوا تھا" الفاروق بحوالہ مقریزی جلد اول صفحہ ۲۸۴۔

انقلاب کئے یہ بحث بھی ہمارے موضوع سے خارج ہے لہٰذا یزدجرد کے عہد سے سنہ فارسی کی مختصر تاریخ لکھی جاتی ہے[1]۔

قدیم سنہ فارسی کا چونکہ عہد یزدجرد میں خاتمہ ہوگیا تھا۔ اسوجہ سے سنہ فارسی کا دوسرا نام یزدجردی قرار پایا۔ مورخین عجم میں سے ایک کا قول ہے کہ اس سنہ کا موجد کیومرث ہے دوسرا کہتا ہے کہ جمشید پیشدادی ہے۔ ہمارے نزدیک دونوں روایتیں صحیح ہیں کیونکہ کیومرث نے ابتدائی اُصول قائم کیے اور جمشید نے اصلاح و ترمیم کے بعد اُسکو مکمل کردیا۔ یزدجردی سال شمسی اصطلاحی تھا۔ یعنی آفتاب منطقۃ البروج کا سالانہ دورہ تین سو پینسٹھ دن میں کرتا تھا اور معلوم ہوتا ہے کہ زردشت کی بعثت سے قبل بھی آفتاب کے دورے کی یہی مدت مانی جاتی تھی۔ کیونکہ ژند کی روایت ہے کہ خدا نے دنیا کو تین سو پینسٹھ دن میں پیدا کیا ہے۔

فارسیوں نے تین سو پینسٹھ (۳۶۵) دن کی تقسیم اس طرح پر کی تھی کہ گیارہ (۱۱) مہینے تیس تیس (۳۰) یوم کے تھے اور بارہواں مہینہ ۳۵ یوم کا ہوتا تھا اور یہ اُصول قدیم مصری حساب کے بھی مطابق تھا۔

فارسی مہینوں کے نام یہ ہیں۔

فروردین (۱) اردی بہشت (۲) خرداد (۳) تیر (۴) مرداد (۵) شہریور (۶) مہر (۷) آبان (۸)
آذر (۹) دے (۱۰) بہمن (۱۱) اسفندارمذ (۱۲)

چونکہ بارہواں مہینہ پینتیس (۳۵) یوم کا ہوتا تھا لہٰذا اصطلاح نجوم میں ان پانچ دنوں کا نام

---

[1] سنہ فارسی کی تاریخ پر ہم نے جسقدر لکھا ہے اُسکا ماخذ حاجی محمد حسین اصفہانی کی تاریخ درشواہد النفیسہ فی اثبات الکبیسہ ہے اس موضوع پر یہ مستند کتاب ہے اور سنہ ۱۸۲۲ء میں مقام بمبئی چھپی ہے۔

خمسۂ مسترقہ بالواحق قرار پایا اور ہر ایک دن کے خدا کا نام یہ ہیں اہنود اشنود اسفندمد
وہوخشتر وہشتوئش

خمسۂ مسترقہ کا عمل درآمد سب سے پہلے عہد جمشید میں ہوا تھا لیکن اس تحریر و اضافہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ دور شمسی میں ہر سال قریبا ایک چوتھائی دن (ربع ساعت روز) کی کسر پڑنے لگی جو چو برس ایک دن کے برابر ہو جاتی تھی جسکے پورا کرنے کے لئے ایک سو بیس برس کے بعد ایک مہینہ کبیسہ (لوند) کا بڑھا کر اس سال کو تیرہ مہینے کا کر دیتے تھے، اور جس مہینہ کے آخر میں کبیسہ ہوتا تھا وہی نام اس مہینہ کا بھی رکھدیتے تھے، اور چونکہ پارسی مہینوں میں ہفتہ کا شمار نہ تھا لہذا اس مہینہ کی ہر تاریخ کا ایک خداگانہ نام تھا جس کی تفصیل یہ ہے

آرمزد بہمن اردی بہشت شہریور اسفندارمد خرداد مرداد دیبادر آذر
آبان خور ماہ تیر گوش دیبمہر مہر سروش رشن فروردین بہرام
رام باد دیبدین دین ارد اشتاد آسمان زامیاد مار اسفند انیران

ان ناموں میں آرمزد و دے خدا کے نام ہیں باقی ملائکہ مقربین کے اسمائے پاک ہیں اسمائے مذکورہ بالا میں بو نام ایسے ہیں کہ جو پارسی مہینہ کے ہمنام ہیں مثلا اردی بہشت خرداد، وغیرہ چنانچہ زردشت کے حکم کے مطابق یہ دونوں جشن کے ایام تھے، لہذا اس نام کے مہینہ میں دو دن عید منائی جاتی تھی۔ اور یہ جشن ان روز کے چلنے نہ تھے، بلکہ مذہبی رسوم کے مطابق عبادت بھی کی جاتی تھی ہر امیر و غریب اسی حسب کے مطابق جشن منایا تھا، اور سلطنت کی طرف سے جس کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا شاہی دسترخوان پر زردار سے بنے

قسم کے کھانے چُنے جاتے تھے اور بادشاہ نیا لباس پہنکر دربار کرتا تھا۔ غرض کہ اس اُصول کے مطابق سب سے پہلا کبیسہ ماہ فرور دین میں اور دوسرا اردیبہشت میں ہوا کرتا تھا اور اسی ترتیب سے ایک ہزار چار سو چالیس = (۱۲۰+۱۲) سال کی مدت میں ماہ اسفندار پر کبیسہ کا دُور ختم ہو جاتا تھا۔

جمشید پیشدادی جب تخت نشین ہوا ہی اُسوقت دُور کبیسہ کے ایک ہزار چالیس برس گزر چکے تھے اور چار صدی بعد جب ایک ہزار چار سو چالیس کا دور کامل ختم ہو گیا تو اس عظیم الشان واقعہ اور نیز حکومت چہار صد سالہ کی یادگار میں جمشید نے جشن عظیم کیا۔ یہ جشن ماہ فروردین میں ہوا تھا جب کہ آفتاب عالمتاب برج حمل میں تھا۔ یہ جشن جس شان و شوکت سے منایا گیا تھا اس کی نظیر تاریخ ایران میں نہیں ہی۔ ناظرین کو تفصیلی حالات کے لیے تخت جمشید[1] کے حالات ایران کی قدیم تاریخ میں دیکھنا چاہیے۔ چنانچہ جمشید کے بعد یہ رسم قرار پا گئی کہ ہر یکم فروردین کو عام جشن منایا جائے اور تاریخ عجم میں اس جشن کا نام "نوروز اکبری" ہی اور آجتک تمام مملکت ایران میں یہ جشن منایا جاتا ہی، موسم کے لحاظ سے یہ بہترین زمانہ ہی کیونکہ فصل بہار کی آمد کا مژدہ سُنا کر خزاں اسی وقت سے رخصت ہو جاتی ہی۔ پچھلے دور میں یزدجرد شہریار جب عجم کے تخت کا مالک ہوا تو گزشتہ شاہوں کی طرح اس نے بھی اپنی تخت نشینی سے نیا سال جاری کیا۔ مگر چونکہ یزدجرد کی تخت نشینی غرۂ فروردین میں ہوئی اور سال کا نمبر شمار

[1] تخت جمشید اور نوروز مشرقی کے حالات فائل رسالہ معارف علی گڑھ میں دیکھنا چاہئے۔ اس عنوان پر ہمارا مفصل مضمون اس سالے میں ہی [2] نزہت القلوب حمد اللہ مستوفی صفحہ ۴۸-۴۹ [3] غرۂ فروردین کو روز منگل یزدجرد تخت نشین ہوا تھا اور سنہ یزدجردی کا پہلا سال ماہ ربیع الاول سنہ ۱۱ ہجری اور سنہ ۶۳۲ء کے مطابق تھا۔ یزدجرد کی تخت نشینی میں منجموں کے عقائد

ساتواں لگایا اس وجہ سے کبیسہ کا آٹھواں دور جو اُس زمانہ میں ختم ہونے والا تھا وہ غیر مختتم رہ گیا اور
بدنصیبی سے اُس اخیر ۶۵۱ء مطابق جمادی الثانی ۳۱ھ یوم خجستہ کو مقام مرو شاہجہاں
یزدجرد قتل کر دیا گیا اور اُس کی اولاد سلطنت سے محروم رہی، لہذا ایرانیوں نے ماہ و ایام
مذکورہ سے حسب کبیسہ جسم پانچ سو فارسی کا حساب بدستور قائم رکھا اور چونکہ ایام میں خمسہ
مسترقہ موجود تھا اس وجہ سے مہینوں کے لیے ربع کا حساب ایام سے شروع کیا اور عام طور
سے خمسہ مسترقہ کا شمار آبان ماہ کے بعد سے ہوتا ہے اور سنہ یزدجردی بدستور چلتا رہا اور آج تک
چلا جاتا ہے لیکن بہت زمانہ سے ایکسو بیس برس کے کبیسہ کا قاعدہ ٹوٹ گیا اور خمسہ مسترقہ
اسکا قائم مقام رہ گیا لیکن ظاہر ہے کہ پانچ یوم کی مدت ہر ایکسو بیس برس کے برابر ہو سکتی
ہے نہ اصلی کمی کو پورا کر سکتی ہے اس لیے جشن نوروزی میں بھی فرق آگیا اور وہ اپنے مرکز سے
دور ہٹ گیا

یزدجرد کی سلطنت رہی چونکہ مسلمان حکمران تھے لہذا انھوں نے اپنی عادت اور اُصول
حکمرانی کے مطابق ایرانیوں کی رسم و رواج میں کوئی دست اندازی نہیں کی اس لیے اور
موبد سنہ ہجری کے ایران میں سنہ فارسی جو رائج تھا وہ بدستور چلتا رہا لیکن انقلاب زمانہ
سے اسلامی سلطنت کے حصے ٹکڑے ہو گئے اور نئے نئے خاندان عرب اور عجم کے مالک ہوئے

بقیہ نوٹ صفحہ ۴۶۳ کے مطابق دور مالسا میں ایک کہ جنگل کے دن بعد بس مولوی کو سال میں سحر کا بھائی دوسرا
کرتے کبیسہ کو چھوڑ دیا کیونکہ کبیسہ کی بنیاد جس ایسے ڈالی گئی تھی کہ امام عبادت میں فرق نہ ہو دوسرا سبب ایک میں ایک پچاس برس کا
ایک دن کا اضافہ کرنا آسان تھا اگر ایک سو بیس برس کے بعد بھی آدمی کو نوسو سال تک برس اللہ اور کبیسہ جسم ہو جانا کبیسہ کو جری
مدت تک بھی نہ دوش سے قائم رکھا تھا اور وہ زردشتی مذہب کا جزو عظیم تھا ۱ جات رسوا الد العصہ ۱۲

تو ۴۶۵ھ مطابق ۱۰۷۳ء میں ایران کی حکومت سلطان جلال الدین ملک شاہ سلجوقی کے ہات آئی اُسوقت تمام دفاتر میں سنہ فارسی جاری تھا، اُسکو ملکشاہ نے بھی بدستور قائم رکھا، مگر چونکہ وہ اپنی اصلی حالت پر باقی نہ تھا اس لیے ملکشاہ کو اُس کی ترمیم واصلاح کا از حد خیال تھا لیکن مصداق "کل امر مرهون باوقاتها" ذیل کے واقعہ نے ملکشاہ کو اسپر متوجہ کر دیا۔ جسکی تفصیل یہ ہے کہ عہدِ ملکشاہ میں آمدنی سنہ شمسی[۱] کے حساب سے وصول کیجاتی تھی، اور خرچ کا حساب شہور قمری سے تھا۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دن[۲] (۴۶۷ھ مطابق ۱۰۷۵ء میں) خزانہ میں خرچ کے واسطے ایک پیسہ بھی باقی نہ رہا تب تو ملکشاہ کو نہایت تشویش ہوئی، اور اُسی وقت سے اُسنے ارادہ کر لیا کہ آمدنی وخرچ کے حساب کے لیے ایک منتظم سال قرار دیا جاے چنانچہ ملکشاہ نے اول اپنے زمانہ کے فقہا[۳] اور علما کی راے سے فائدہ اُٹھایا اور آخرکو اس امر پر مجبور ہوا کہ ایک سنہ کبیسیہ مقرر کیا جائے"۔ کیونکہ اگر موجودہ اُصول پر عملدرآمد کیا جائیگا تو ہر تینتیسویں سال پر حساب میں فرق

---

[۱] اس قاعدہ کا موجد خلیفہ الطائع للہ حاسی تھا جو ۳۶۳ہجری میں تخت نشین ہوا تھا، [۲] تقویم الاالضیا ترکی السنۃ"

[۳] ملکشاہ نے مسئلہ تقویم میں اول فقہاء سے استصواب کیا اور غالباً اُنکے حکم سے تقویم کا کام جاری کیا ہوگا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قمری سال کا ملکی ضرورت سے شمسی سال بنا لینا شریعت اسلامیہ کے خلاف نہیں ہے۔ اور کلام مجید میں جس کی ممانعت ہے وہ نسی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے

اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَۃٌ فِی الْکُفْرِ	مہینوں کا سرکا دینا بھی اک کفر مزید ہے جسکی وجہ سے کافر (دین کے رستہ)
یُضَلُّ بِہِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُحِلُّوْنَہٗ	گمراہ ہوتے رہتے ہیں کسی سال ایک مہینہ کو حلال سمجھ لیتے ہیں اور
عَامًا وَّیُحَرِّمُوْنَہٗ عَامًا لِّیُوَاطِئُوْا	اسی کو دوسرے برس حرام (اور اس سے انکی غرض یہ ہوتی ہے کہ اللہ نے جو
عِدَّۃَ مَا حَرَّمَ اللہُ فَیُحِلُّوْا مَا	چار مہینے حرام کیے ہیں (اپنی گنتی سے) اُس گنتی کو مطابق کر کے اللہ کے
حَرَّمَ اللہُ ط زُیِّنَ لَھُمْ سُوْٓءُ	حرام کیے ہوئے (مہینوں) کو حلال کر لیں انکی بدکرداریاں انکو بھلی

اور ملکشاہ کے منشا کے مطابق عمر خیام نے بوجہ احسن اس مسئلہ کو حل کر دیا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ حکیم عمر خیام[1] نے اصلاح تقویم کے واسطے ایک مستند مجلس منعقد کی اور سات نامور حکما کو اپنا مشیر بنایا۔ جن کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں

ابوحاتم المظفر اسفرازی۔ ابوالفتح عبدالرحمٰن خازنی۔ محمد خازن

[1] کتاب اصطلاحات الفنون مصنفہ شیخ محمد علی تھانوی صفحہ ۵۰ مطبوعہ کلکتہ۔ مشاہیر منجموں کے نام تقویم ابوالضیا کامل اور شہرزوری لکھے گئے ہیں

نوٹ حکما متعلق مجلس حکیم عمر خیام نیشاپوری

(۱) خواجہ ابوحاتم المظفر اسفرازی" اسفرار سجستان کا ایک شہر ہے جو خواجہ کا وطن تھا۔ مگر شاہی شہر ہونے کی وجہ سے خواجہ مرو میں رہا کرتا تھا۔ خیام کے معاصرین میں ابوحاتم بڑے درجہ کا شخص تھا عمر خیام جب کبھی مرو جاتا تھا خواجہ کا مہمان ہوا کرتا تھا۔ اور دونوں میں دلچسپ مباحثے ہوا کرتے تھے۔ اوقات فرصت میں علوم حکمیہ کا درس بھی دیا کرتا تھا۔ اور برخلاف اپنے دوست خیام کے یہ شاگردوں پر بہت مہرباں تھا۔ ریاضیات اور آثار علویہ میں اسکی بہت سی تصانیف ہیں۔ اس حکیم نے بڑی ریاضت سے ایک ترازو بنایا تھا جسکا نام "میزان ارشمیدس" تھا۔ اُس میں وزن کرنے سے چاندی، اور سونے کا کھرا اور کھوٹا پن معلوم ہو جاتا تھا جب یہ ترازو تیار ہو گیا تو حکیم نے مہتمم خزانہ کے سپرد کر دیا تھا اور وہ خزانہ شاہی میں رکھا ہوا تھا۔ مگر خزانچی نے اس خیال سے کہ اگر اس کے ذریعہ سے کبھی خزانہ کی پڑتال کی گئی تو میری حیات کھل جائیگی، محض اس لیے یہ ترازو توڑ دیا گیا اور اسکے تمام پرزے ضائع کر دیئے گئے۔ جب ابوحاتم نے یہ سُنا تو اس صدمہ سے بیمار ہوا اور مر گیا۔ کیونکہ یہ نادر روزگار ترازو برسوں کی دماغ سوزی میں تیار ہوا تھا۔ حکیم کا یہ مقولہ مشہور ہے۔ نسبة اللذة الحسية الى اللذة العلقية كنسبة المتسم الى المطعم۔ از چہار مقالہ نظامی عروضی سمرقندی و تاریخ الحکما شہرزوری

(۲) ابوالفتح عبدالرحمٰن خازنی" مسکویہ ابوعلی خازن رئیس مرو کا عبدالرحمٰن خازنی رومی بڑا پیارا غلام تھا۔ علوم ہندسہ میں کامل تھا۔ سلطان سنجر سلجوقی کے نام سے ایک زیج لکھی تھی جو تاریخوں میں "زیج السنجری" کے نام سے مشہور ہے۔ اخیر

اور ملکشاہ کے منشاء کے مطابق عمر خیام نے بوجہ احسن اس مسئلہ کو حل کر دیا جس کی تفصیل یہ ہے کہ حکیم عمر خیام نے اصلاح تقویم کے واسطے ایک مستند مجلس منعقد کی اور ساتھ نامور حکماء کو اپنا مشیر بنایا جن کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں

ابو حاتم المظفر اسفرازی۔ ابو الفتح عبد الرحمٰن خازنی۔ محمد خازن

سلہ کتاب اصطلاحات السنین مصنفہ شیخ محمد علی تھانوی صفحہ ۹۰ مطبوعہ کلکتہ مشاہیر منجموں کے نام تقویم ابو الصیاکال اور شہرزوری لکھے گئے ہیں

نوٹ حکماء متعلق مجلس حکیم عمر خیام نیشاپوری

(۱) خواجہ ابو حاتم المظفر اسفرازی " اسفراز سیستان کا ایک شہر ہے جو خواجہ کا وطن تھا۔ مگر تاہی شہر ہونے کی وجہ سے خواجہ مرو میں رہا کرتا تھا۔ خیام کے معاصرین میں ابو حاتم بڑے درجہ کا شخص تھا۔ عمر خیام جب کبھی مرو جاتا تھا خواجہ کا مہمان ہوا کرتا تھا۔ اور دونوں میں دلچسپ مباحثے ہوا کرتے تھے۔ اوقات فرصت میں علوم حکمیہ کا درس بھی دیا کرتا تھا۔ اور برخلاف اپنے دوست خیام کے یہ شاگردوں پر بہت مہربان تھا۔ ریاضیات اور آثار علویہ میں اسکی بہت سی تصانیف ہیں۔ اس حکیم نے بڑی ریاضت سے ایک ترازو بنایا تھا جسکا نام " میزان الرشید " تھا۔ اُس میں وزن کرنے سے چاندی اور سونے کا کھوٹا اور کھرا پن معلوم ہو جاتا تھا۔ جب یہ ترازو تیار ہو گیا تو حکیم نے مہتمم خزانہ کے سپرد کر دیا تھا اور وہ خزانہ شاہی میں رکھا ہوا تھا۔ مگر خزانچی نے اس خیال سے کہ اگر اس کے ذریعہ سے کبھی خزانہ کی پڑتال کی گئی تو میری خیانت کھل جائیگی، محض اس لیے یہ ترازو توڑ دیا گیا اور اسکے تمام پرزے ضائع کر دیئے گئے۔ جب ابو حاتم نے یہ سنا تو اس صدمہ سے بیمار ہوا اور مر گیا۔ کیونکہ یہ نادر روزگار ترازو برسوں کی دماغ سوزی میں تیار ہوا تھا۔ حکیم کا یہ مقولہ مشہور ہے۔ نسبۃ اللذۃ الحسیۃ الی اللذۃ العقلیۃ کنسبۃ المتعوّ الی المطعوّ۔ چہار مقالہ نظامی عروضی سمرقندی و تاریخ الحکماء شہرزوری

(۲) ابو الفتح عبد الرحمٰن خازنی " مسکویہ ابو علی خازن رئیس مرو کا عبد الرحمٰن خازنی رومی بڑا پیارا غلام تھا۔ علوم ہندسہ میں کامل تھا۔ سلطان سنجر سلجوقی کے نام سے ایک زیچ لکھی تھی جو تاریخوں میں " زیچ السنجری " کے نام سے مشہور ہے۔ اسم

چنانچہ[51] اس مجلس نے یوم شنبہ ماہ ذی الحجہ ۴۶۷ھ مطابق ۱۸ جولائی ۱۰۷۴ء سے اپنا کام شروع کر دیا اور کامل تین سال کی محنت میں اصلاح تقویم کے مسئلہ کو حل کر دیا جسکی تفصیل یہ ہے

سنہ جلالی ملکشاہی

عمر خیام کی تحقیقات کا نتیجہ یہ تھا کہ آفتاب اپنا سالانہ دورہ تین سو پینسٹھ دن پانچ ساعت اور اُنچاس دقیقہ میں طے کرتا ہی۔ اس لیے خیام نے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ ہر چوتھے سال میں ایک دن بڑھایا جائے اور سات دَوروں کے ختم ہونے پر آٹھویں دور پر (بجائے چار کے) پانچویں سال ایک دن زیادہ کیا جائے۔ اس حساب سے شمسی و قمری سال کا فرق پورے تینتیس برس میں نکلجاتا ہی

جب یہ مسئلہ حل ہوگیا تو خیام نے اس سنہ کا نام سلطان جلال الدین ملکشاہ کے نام پر سنہ جلالی رکھا۔ اور جو زیچ[52] طیار کی اُسکا نام **زیچ ملکشاہی** قرار دیا۔ اور مہینوں کے نام بدستور

---

[51] التوفیقات الالہامیہ محمد مختار پاشا صفحہ ۳۳۴۔

[52] زیچ معرب زیگ۔ رشتہ معماراں کہ درستی و ناد رستی عمارات بداں معلوم نمایند و تختہ کہ بدان طالع کسی از جداول آں معلوم می نمایند۔ حاجی میگوید کہ معرب زہ است (سوار السبیل)۔ زیچ میں جدولیں ہوتی ہیں جسسے اوضاع کواکب اور خطوط طول و عرض اور مقادیر حرکات مرکز کواکب کا حال معلوم ہوتا ہی۔ اور انھیں جدولوں سے اوج و حضیض کا پتہ معلوم ہوتا ہی۔ تقویم ہمیشہ زیچ کی مدد سے طیار ہوتی ہی چنانچہ زیچ ملکشاہی اسی قسم کی کتاب ہی۔ اور جسکا دوسرا نام "آغاز حساب تاریخ جلالی" ہی۔ اور اسکے قبل بھی حکماء اسلام وغیرہ نے متعدد زیچ لکھے ہیں جنمیں سے مشہور تر یہ ہیں اور اس مختصر فہرست سے مسلمانوں کے نامور منجموں کا ظاہر کرنا مقصود ہی کیونکہ آج مسلمان اس علم میں سب سے پیچھے ہیں۔

زیچ ابراہیم بن حبیب الفزاری۔ زیچ ابن جاد اندلسی۔ زیچ ابن السمح ابو القاسم اصبغ بن محمد غرناطی متوفی ۴۲۶ھ۔ زیچ ابن الشاطر انصاری دمشقی فلکی متوفی ۷۷۷ھ۔ زیچ ابن یونس ابو الحسن علی بن ابو سعید عبد الرحمن منجم متوفی ۳۹۹ھ۔ زیچ ابو معشر جعفر بن محمد بن عمر بلخی منجم متوفی ۲۷۲ھ۔ زیچ الاستاذ

وہی زیج کبیر جو سنہ یزدجردی میں تھے اور جشن مسترقہ کا عملدرآمد اسفندار پر کیا گیا
سنہ جلالی جس دن سے شروع ہوا ہے وہ مبارک دن جمعہ کا تھا اور رمضان المبارک
کی دسویں تاریخ اور ۴۷۱ھ مطابق ۱۵ مارچ ۱۰۷۹ء

سنہ جلالی کے قبل شمسی سال کی ابتدا کا یہ طریقہ تھا کہ جب آفتاب نصف حوت میں
داخل ہوتا تھا اس وقت سے سال کا حساب شروع کرتے تھے مگر خیام نے بلحاظ اعتدال
ربیعی کے مطابقت کے سنہ جلالی کو یکم فروردین سے شروع کیا جب کہ آفتاب برج حمل میں

لہ نوٹ صفحہ جمال الدین ابو القاسم بن محمود قاسم بغدادی (عہد المعتمد باللہ عباسی) زیج الغ بیگ
الدین بیاری زیج ایلخانی محقق نصیر الدین محمد بن حسن طوسی متوفی ۶۷۲ھ زیج ماوال اسکندرانی
زیج الجامع والبالغ کوشیار زیج حل الحاسب احمد بن عبداللہ مروزی بغدادی (عہد مامون الرشید) زیج السنجری
ابو الحسن عبدالرحمن خازنی زیج الصفائی، سامانی زیج الشامل ابو الوفا محمد بن محمد بوزجانی زیج السابح
نصیر الدین طوسی زیج شاہی علی شاہ بن قاسم المعروف بعلاء المنجم الخوارزمی زیج شمس الدین محمد علی خواجہ
الواتکوی زیج شمس الدین محمد بن محمد حلبی زیج شہریار زیج التسہیل ابو الفتح صوفی۔ زیج المعتضد
زیج العلائی نظام اعرج زیج محمد بن ابوبکر فارسی زیج المصطلح فی کیفیۃ التعلیم والطریق الی
وضع التقویم محمد بن محمود فارسی محاسب زیج کوشیار بن کبان جیلی۔ زیج الکبیر الحاکمی
زیج الہمدانی حسن بن احمد متوفی ۳۳۴ھ زیج لب معالی العین تاج الدین علی بن محمد مشہور ابن الدریہم موصلی
متوفی ۷۶۲ھ زیج المفرد، زیج المعدل زیج المعنی زیج الملخص زیج الآفاق فی علم
الاوقات دیگر تفصیلی حالات کے لیے دیکھو کشف الظنون جلد ثانی صفحہ ۱۲ مطبوعہ قسطنطنیہ اگر کوئی شخص عرب و
عجم کی تاریخوں کو ملاحظہ کر کے انتخاب کرے تو ایک طول طویل فہرست مرتب ہو سکتی ہے تاریخ ملطی تاریخ عرب وسیمہ
رابیسی اور صاحب الطرب وغیرہ سے مسلمانوں کا علم ہیئت دیکھا جائے

سلہ السائیکلوپیڈیا جلد تیسری صفحہ ۱۵ حالات عمر خیام شاعر منجم۔

آتا ہی۔ حالانکہ اسوقت فروردین کے اٹھارہ دن گزر چکے تھے مگر خیام نے ان ایام کو چھوڑ کر سال کا شمار یکم فروردین سے لگایا۔ کیونکہ یہ وہ تاریخ تھی جس دن نقطۂ ربیعی پر لیل و نہار کا تساوی واقع ہوا تھا" اور جسکا نام خیام نے نوروز[۱] سلطانی رکھا تھا"

پارسیوں نیں جو سنہ آج جاری ہی اور جسکو وہ یزدجردی سمجھتے ہیں۔ یہ سنہ دراصل خیام کا صحیح کیا ہوا ہی اور جسکو ہم مختراً خیامی کہہ سکتے ہیں۔ اور یہی سنہ الٰہی اکبر شاہی ہی جو گورنمنٹ نظام میں جاری ہی۔

خیام کے فضل و کمال اور تبحر علم ریاضی و ہیئت کا اُسوقت صحیح اندازہ ہو سکتا ہی جب سنہ جلالی کا "گری گورین[۲] ول" سے مقابلہ کیا جائے۔ کیونکہ انگریزی سال میں جو کسر چار صدیوں

---

[۱] تقویم الوقائع (ترکی) السنہ ۱۳۲۱ صفحہ ۱۰۲ مطبوعہ قسطنطنیہ

[۲] گری گورین ول۔ گری گوری روم کے تیرہویں پوپ کا نام ہی جسنے ۱۵۸۲ء میں سب سے اخیر مرتبہ انگریزی جنتری کی اصلاح کی ۱۵۸۲ء میں رومن کیتھولک بادشاہوں کی مدد سے اپنی تقویم کو جاری کیا جو باستثنا روس اور یونان تمام یورپ میں جاری ہی۔ اور اسکے قبل جو تقویم جاری تھی اُسکو روم کے قیصر جولیس نے حضرت عیسیٰ کی ولادت سے چھیالیس برس پہلے منسوخ کر کے اپنی تقویم جاری کی تھی جسکا نام انگریزی میں جولین کلنڈر تھا لیکن امتداد زمانہ سے اسمیں اسقدر تغیر ہو گیا تھا کہ عیسائی تہوار خصوصاً ایسٹر میں بہت فرق پڑ جاتا تھا۔ اسلیے گری گوری نے اُس نقص کو دور کر کے اپنا کلنڈر جاری کیا۔ بعض علما کی رائے ہی کہ خیام کے سنہ جلالی سے گری گوری نے اپنا قاعدہ بنایا ہی۔ خیام کی تحقیقات میں جو روزانہ ایک منٹ سے کچھ کم کی کسر باقی رہ گئی تھی گری گوری اُسکو مٹانا چاہتا تھا۔ چنانچہ چند منجموں کی مدد سے اسنے اس کسر کو چار سو برس کی مدت میں نکال دیا۔ اور یہ قاعدہ مقرر کیا کہ جو صدی کہ چار عدد پر تقسیم ہو سکے اُسکا فروری مہینہ انتیس یوم کا ہوگا اور درمیانی تین صدیاں جو چار پر پوری تقسیم نہو سکیں اُنکا فروری مہینہ ۲۸ یوم کا ہوگا۔ اور بجنسہ یہی قاعدہ ہر ہزار اور چوتھے ہزار سال کے لیے مقرر کیا تھا۔ چنانچہ اس قاعدہ کو "گری گورین ول" کہتے ہیں۔ گری گورین سال تین سو پینسٹھ دن پانچ گھنٹے انچاس منٹ اور بارہ سکنڈ کا ہی اور اس سنہ کا عملدرآمد ۱۵۸۲ء سے شروع کیا گیا ہی۔ گری گوری نے دور شمسی کے تفاوت زمانی کی اصلاح کے لیے مہینہ اکتوبر سے گیارہ یوم گھٹا دیئے تھے یعنی اکتوبر کی پانچ تاریخ کو پندرہ سے تبدیل کر دیا تھا

میں نکلی ہی وہ خیام نے منتخب برس میں نکالدی تھی اور ہر ایک نام ہر دو ہزار برس میں ایک منٹ سے
کچھ کم رہ گیا تھا اور اگر خیام آئندہ دور سے تک زندہ رہتا تو ایک منٹ کی بھی کسر باقی
نہ رہتی۔ ۱۱

علمائے مشرق اور مغرب کا اسپر اتفاق ہی کہ جو نظام خیام نے مقرر کیا تھا وہ جملہ نظام
اور صحت اور نطق ہیئت کے اقوام سالفہ کے حساب سے برتر تھا

ملکشاہ کا سنہ جلالی چونکہ کسی معتد بہ تاریخ یا دنیا کے کسی مشہور واقعہ سے تعلق نہ رکھتا
تھا اسوجہ سے دوام و قیام اسکو میسر نہیں ہوا اور صرف چند برس ملکشاہ کی زندگی تک چلتا رہا
اور اسکے جانشینوں ہی کے زمانے میں فراموش ہو گیا مگر یہ واقعہ ملکشاہ اور خیام دونوں کو
دائم تک زندہ رکھیگا۔

کسی مورخ نے یہ بھی لکھا ہی کہ اصلاح تقویم کے بعد ملکشاہ نے عمر خیام اور دیگر ماہرینکو

بقیہ نوٹ صفحہ اسپین، پرتگال، اٹلی، فرانس، سویٹزرلینڈ جرمنی، بیلجیم نیدرلینڈ کے کیتھولک فرقوں میں گریگورین
ولی سی سال جاری ہوگیا تھا لیکن پولینڈ میں ۱۵۸۶ء ہنگری میں ۱۵۸۷ء میں پروٹسٹنٹ جرمنی، ہالینڈ، ڈنمارک میں
۱۷۰۰ء میں جاری ہوا انگلستان نے ۱۷۵۲ء سے عملدرآمد کیا روس کے علمائے مذہب نے اس فائدہ کی بھی مخالفت
کی ۔ گریگورین ولی کو رسم کرکے اپنے موجودہ سال کے نام سے سالگرہ جاری کرنا چاہتے ہیں لیکن گریگورین
سے کا ساتھی کی امید نہیں ہی [illegible]
ملہ ۱۵۸۲ء میں پاپا گریگوری نے ان حسابات کا حکم دیا جسے تقویم میں ایسی اصلاح کی گئی جو چند سو برس کی گریگوری کی تاریخ
سے مطابق ہی مگر گریگوری کی سال میں تین ہزار برس کی مدت میں ایک دن کا تفاوت ہوتا ہی برخلاف اسکے جلالی کے
سال میں اسی مدت میں صرف دو دن کا تفاوت ہی دیکھو [illegible] صفحہ ۲۴ [illegible] مطبوعہ ۱۹۰۱ء حالات ملکشاہ و
تقویم ابوالفدا صفحہ ۲۲۳ ملہ تقویم ابوالفدا صفحہ ۲۲۳۔

کیا صلہ دیا۔ مگر شاہان ایشیا کے اُصول و قواعد سے جو لوگ واقف ہیں وہ قیاس کر سکتے ہیں کہ ان حکما کو کیا کچھ نہ ملا ہوگا۔ اور خواجہ نظام الملک نے خیام کو سنہ جلالی کی ایجاد کے قبل جو وظیفہ مرحمت فرمایا تھا اُسکو عین ملکشاہ کا عطیہ سمجھنا چاہیئے علاوہ اسکے ایشیائی درباروں کا یہ عام قاعدہ ہی کہ دربار کے داخلہ سے پہلے وہ بڑی بڑی جاگیر و منصب کے مالک بنا دیئے جاتے ہیں۔ اور خواجہ نظام الملک کی اس تحریر سے بھی ایسا ہی سمجھا جاتا ہی۔ خواجہ لکھتا ہی "خیام در نوبت جہانداری سلطان ملکشاہ بمروآمدہ در علم حکمت تعریفات یافت و سلطان عنایتہا فرمود، و با عالی مراتب کہ کبار علما و حکما را باشد رسید۔

عمر خیّام کی شاعری

خیام کے حالات سے معلوم ہوتا ہی کہ اُسیں ابتدا سے مذاق شاعری تھا لیکن علمی تحقیقات کے شوق نے اس مادہ کو عالم شباب میں اُبھرنے نہیں دیا۔ لیکن عُمر کے اخیر حصہ میں جب گوشہ نشین ہوکر بیٹھا تو شاعری کی طرف متوجہ ہوا۔

جس طرح طوس کو فردوسی پر اور شیراز کو حافظ و سعدی پر فخر ہو ویسا ہی نیشاپور خیّام پر فخر کرتا ہی لیکن حقیقت یہ ہو کہ خیام جیسے نامور محقق اور فلاسفر کے لیئے محض شاعری ذریعۂ افتخار نہیں ہی۔ بلکہ شاعری اُسکے کمالات کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہی۔

ایران میں ہزاروں نامور شاعر ہوے ہیں لیکن فلسفیانہ خیالات کے اعتبار سے خیام کا طرز نرالا ہی خیام کے ہر مصرعہ میں حکمت و فلسفہ بھرا ہوا ہی۔ نظام عالم، اسرار کائنات، اور وجود

دستی کے نکات جس دلربا طریقہ سے خیام ادا کرتا ہے وہ اسی کا حصہ ہے

عام شعرا کی تقلید زمانہ کے مطابق خیام نے غزل اور قصیدہ میں اپنی عمر برباد نہیں کی بلکہ اپنے مقصد خیالات کے اظہار کے لیے اصناف شعر میں سے صرف رباعی کو انتخاب کیا کیونکہ چار مصرعوں کی نظم حکیمانہ خیالات کے اظہار کے واسطے نہایت موزوں ہے بڑے بڑے لطائف جس رنگ اور ربط سے رباعی کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں وہ دوسری صنف میں غیر ممکن ہے علاوہ اسکے چست نظم خزانۂ دماغ میں اچھی طرح محفوظ رہتی ہے اور یہی سبب ہے کہ حکما اور فلسفی شعرا اور صوفیائے کرام نے رباعی کو اپنے خیالات کا ارگن بنایا ہے چنانچہ خواجہ ابوسعید ابوالخیر، مولانا روم، ملا جامی وغیرہ کی رباعیات اس کی شاہد ہیں فارسی میں رباعیات کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے اور مختلف شعرا کی رباعیاں مشہور ہیں لیکن شرق سے غرب تک شہرت عام اور قبولیت کا تمغہ خیام کو ملا ہے۔

خیام کی رباعیاں ہم کو کیا سکھاتی ہیں؟ اور وہ کن خیالات کا مجموعہ ہیں اس پر مفصل بحث کرنا اس شخص کا کام ہے جو خیام کی مستقل سوانح عمری لکھے لیکن خلاصہ یہ ہے کہ خیام ہم کو فلسفہ زندگی کے مختلف مباحث سے آگاہ کرتا ہے اور مختلف انداز سے انسانی زندگی پر روشنی ڈالتا ہے کسی رباعی میں تلمیحات قرآنی ہیں کہیں احادیث ہیں کہیں اقوال حکما، کا انتخاب ہے چنانچہ بطور نمونہ چند رباعیاں پیش کی جاتی ہیں ناظرین کو ہر رباعی میں ایک نئی تصویر نظر آئیگی

(۱) متصوفین کا (کسی مذہب و ملت کے ہوں) سب سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اس زندگی میں سالک کا عقدہ نہ حل ہو سکتا ہے نہ اسکا صحیح علم ممکن ہے اور یہی حال عالم کا ہے کیونکہ وہ بھی ایک راز سربستہ ہے

(۱)

آورد بہ اضطرارم اول بوجود — جز حیرتم از حیات چیزی نفزود
رفتیم باکراہ و ندانیم چہ بود — زین آمدن و بودن و رفتن مقصود

(۲)

رندے دیدم نشستہ بر خنگ زمیں — نہ کفر، و نہ اسلام، نہ دنیا، و نہ دیں
نے حق، نہ حقیقت، نہ شریعت، نہ یقیں — اندر دو جہان کرا بود زہرہ ایں

(۳)

اسرار ازل را نہ تو دانی و نہ من — ویں حرفِ معما نہ تو خوانی و نہ من
ہست از پس پردہ گفتگوے من و تو — چوں پردہ برافتد نہ تو مانی و نہ من

(۲) تصوف کا دوسرا اہم باشان مسئلہ یہ ہے کہ تمام انسان کسی نور کے پرتو ہیں یا کسی نیستان کے ایک شاخ ہیں یا کسی سمندر کا ایک قطرہ ہیں مگر ہر حالت میں آوارہ وطن ہو کر پردیس میں خانہ خراب پھرتے ہیں۔

(۴)

اول بخودم چو آشنائی کردی — آخر زخودم چرا جدائی کردی
چوں ترک منت نبود از روز نخست — سرگشتہ بعالمم چرا می کردی

(۵)

اے دل ز غبار جسم اگر پاک شوی — تو روح مجردی بر افلاک شوی
عرش است نشیمن تو شرمت بادا — کائی و مقیم خطۂ خاک شوی

(۳) یہ خیال مشرق و مغرب میں مشترک ہے کہ دنیا فانی ہے سو فانی ہے - دہر کا ہر ایک
ہر ہر قدم رنج و غم کا سامنا ہے آسودگی برائے نام ہے جو سمجھتے ہیں وہ غم سے خالی نہیں ہے

(۶)

این دہر کہ بود مدتی منزل ما — نامد بجز از بلا و غم حاصل ما
افسوس کہ حل نگشت یک مشکل ما — رفتیم و ہزار حسرت اندر دل ما

(۷)

شادی مطلب کہ حاصل عمر دمیست — ہر ذرہ ز خاک کیقبادی و جمیست
احوال جہان و اصل این عمر کہ ہست — خوابی و خیالی و فریبی و دمیست

(۴) انسان کی زندگی بے ثبات ہے اور حیات انسانی مصائب و آلام کا مجموعہ ہے

(۸)

چون حاصل آدمی درین شورستان — جز خوردن غصہ نیست یا کندن جان
خرم دل آنکہ زین جہان زود برفت — آسودہ کسی کہ خود نیامد بجہان

(۵) رباعیات مندرجہ بالا (۶ ۔ ۷ ۔ ۸) سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ خیام بھی اس افسردہ
دلی کی زندگی کو پسند کرتا ہے اور ہر چیز کو نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ لیکن حسب بیان خیام
کا یہ فلسفہ نہیں ہے بلکہ وہ اپنے ہمدردیوں سے کہتا ہے - کہ اس زندگی میں بیکار رو رو دامن [illegible]
بلکہ اسکو ہنسی خوشی میں گزار دو اور خوب دل کھولکر اور لوٹ کر مزے اُڑاؤ اور رنج
و غم کو پاس نہ آنے دو ۔ قضا و قدر جو مصیبتیں سر ڈالے انکو صبر و تحمل سے برداشت کرو

(۱۱) مسرت یہی ایک اصول ہے جس سے عیش و طرب کی زندگی حاصل ہو سکتی ہے چنانچہ کہتا ہے۔

(۹)

چوں عُہدہ نمی کند کسی فردا را ۔۔۔ حالے خوش کن تو ایں دلِ شیدا را
مے نوش بنورِ ماہ اے ماہ، کہ ماہ ۔۔۔ بسیار بتابد و نیابد ما را

(۱۰)

می خوردن و شاد بودن آئینِ منست ۔۔۔ فارغ بودن ز کفر و دیں دینِ منست
گفتم بعروسِ دہر کابینِ تو چیست ۔۔۔ گفتا۔ دلِ خرمِ تو کابینِ منست

(۱۱)

زاں پیش کہ غمہات شبیخوں آرند ۔۔۔ فرمائے کہ تا بادۂ گلگوں آرند
تو زر نۂ اے غافلِ ناداں کہ ترا ۔۔۔ در خاک نہند و باز بیروں آرند

(۱۲)

آں بہ کہ ز جام و بادہ دل شاد کنیم ۔۔۔ وز نا مدہ و گزشتہ کم یاد کنیم
ایں عاریتے حیات زندانی را ۔۔۔ یک لحظہ ز بندِ عقل آزاد کنیم

(۱۳)

تا کے ز غمِ زمانہ محزوں باشی ۔۔۔ با چشمِ پُر آب و دلِ پُر خوں باشی
مے نوش و بعیش کوش و خوشدل میباش ۔۔۔ زاں پیش کزیں دائرہ بیروں باشی

(۱۴)

دماغ کہ از روح خدا خواهی رفت   در پردۂ اسرار جدا خواهی رفت
خوش باش ندانی ز کجا آمدہ   می نوش ندانی کہ کجا خواهی رفت

(۱۵)

می خور کہ بزیر گل بسے خواهی خفت   بے مونس و بے حریف و بے همدم و جفت
زنہار بکس مگو تو این راز نہفت   هر لالہ کہ پژمردہ نخواهد بشکفت

(۱۶)

من هیچ ندانم کہ مرا آنکہ سرشت   از اہل بہشت کرد یا دوزخ زشت
قوتے وے و بادہ بر لب کشت   این ہر سہ مرا نقد و ترا نسیہ بہشت

(۱۷)

گر گل طمع از جہان دنی می خورسند   در یک دم در بادہ بگسل پیوند
می رقص و زلف دلبرے گیر کہ زود   هم بگذرد و دمے نماند این دو سہ چند

(۱۸)

این قافلۂ عمر عجب میگذرد   دریاب دمے کہ با طرب میگذرد
ساقی غم فرداے حریفان چہ خوری   در دہ قدح بادہ کہ شب میگذرد

(۱۹)

روزیست خوش و ہوا نہ گرم است نہ سرد   ابر از رخ گلزار همی شوید گرد
بلبل بزبان پہلوی با گل زرد   فریاد همی زند کہ مے باید خورد

۲۰

ماہ رمضاں برفت وشوال آمد — ہنگام نشاط وعیش وقوال آمد
آمد گہ آنکہ خیکہا اندر دوش — گویند کہ پشت پشت حمال آمد

(پشتو بحو ۱۲)

(۶) موت کی نسبت خیام کے یہ خیالات ہیں

(۲۱)

آں مرد نیم کز عدمم بیم آید — کاں بیم مرا خوشتر ازاں نیم آید
جان است مرا بعاریت داد خدا — تسلیم کنم چو وقت تسلیم آید

(۲۲)

از آتش آخرت میداری باک — ور آب ندامت نشدی ہرگز پاک
چوں باد اجل چراغ عمرت بکشد — ترسم کہ ترا ز ننگ نپذیرد خاک

(۲۳)

تا ظن نبری کہ از جہاں می ترسم — وز مردن و از رفتن جاں می ترسم
مردن چو حقیقت است زاں باکم نیست — چوں نیک نزیستم ازاں می ترسم

(۷) انسان کی سب سے اچھی زندگی وہ ہی جو فقر وغنا کے درمیان ہو۔

(۲۴)

در دہر ہر آنکہ نیم نانے دارد — وز بہر نشست آستانے دارد
نے خادم کس بود نہ مخدوم کسے — گو شاد بزی کہ خوش جہانے دارد

(۹) اخلاق وآداب کے متعلق خیام نے بہت کچھ لکھا ہو

(۳۰)

در راہ نیاز ہر دلے را دریاب ــ در کوے حضور مقبلے را دریاب
صد کعبۂ آب وگل بیک دل نرسد ــ کعبہ چہ روی برو دلی را دریاب

(۳۱)

با دشمن و دوست فعل نیکو نیکوست ــ بد کے کند آنکہ نیکیش عادت وخوست
با دوست چو بد کنی شود دشمن تو ــ با دشمن اگر نیک کنی گردد دوست

(۳۲)

خواہی کہ ترا رتبتِ اسرار رسد ــ مپسند کہ کس از تو آزار رسد
از مرگ میندیش وغمِ رزق مخور ــ کیں ہر دو بوقتِ خویش ناچار رسد

(۳۳)

در راہ چناں رو کہ سلامت نکنند ــ با خلق چناں زی کہ قیامت نکنند
در مسجد اگر روی چناں رو کہ ترا ــ در پیش نخوانند وامامت نکنند

(۳۴)

بد خواہِ کساں ہیچ بہ مقصد نرسد ــ یک بد نکند تا بخودش صد نرسد
من نیک تو خواہم تو بخواہی بدِ من ــ تو نیک نہ بینی و بہ من بد نرسد

(۳۵)

بامردم پاک اصل و عاقل آمیز — وز نا اہلاں ہزار فرسنگ گریز

گر زہر دہد ترا خردمند بنوش — ور نوش رسد ز دست نااہل بریز

(۱۰) عشق و محبت

(۳۶)

ای وای بر آن دل کہ درو سوزی نیست — سودا زدۂ مہر دل افروزی نیست

روزی کہ تو بے عشق بسر خواہی برد — ضایع تر از آن روز ترا روزی نیست

(۳۷)

پیرانہ سرم عشق تو در دام کشید — ورنہ ز کجا دست من و جام رسید

آن توبہ کہ عقل داد جاناں بشکست — وآن جامہ کہ صبر دوخت ایام درید

(۳۸)

عشقے کہ مجازی بود آتش نبود — چون آتش نیم مردہ تابش نبود

عاشق باید کہ سال و ماہ و شب و روز — آرام و قرار و خور و خوابش نبود

(۱۱) انقلاب ہستی

(۳۹)

ہر جا کہ گلے و لالہ زاری بودست — از سرخی خون شہریاری بودست

ہر شاخ بنفشہ کز زمین می رویذ — خالیست کہ بر رخ نگاری بودست

(۴۰)

این کوزہ چو من عاشق زاری بودست — در بند سر زلف نگاری بودست

این دستہ کہ بر گردن وی می بینی — دستیست کہ در گردن یاری بودست

(۴۱)

ہر سبزہ کہ بر کنار جوی رستست گوئی ز لب فرشتہ خوی رستست
تا بر سر سبزہ پا بخواری ننہی کان سبزہ ز خاک ماہ روی رستست

(۴۲)

خاکے کہ بزیر پاے ہر نادانیست زلف صنمے و عارض جانانیست
ہر خشت کہ بر کنگرۂ ایوانیست انگشت وزیرے و سر سلطانیست

(۱۲) اعمال ظاہری بیکار ہیں۔ اگر خلوص نیت نہو۔

(۴۳)

با تو بخرابات اگر گویم راز بہ زانکہ بہ محراب کنم بی تو نماز
ای اول وای آخر خلقاں ہمہ تو خواہی تو مرا بسوز خواہی بنواز

(۱۳) ارباب معرفت کے اعمال خوف و طمع کی بنا پر نہیں ہوتے۔

(۴۴)

در مدرسہ و صومعہ و دیر و کنشت ترسندہ ز دوزخ اند و جویای بہشت
آں کس کہ ز اسرار خدا باخبر است زیں تخم درا ندرون دل ہیچ نہ کشت

(۱۴) خیام کی رباعیات سے اُس کے عقائد پر استدلال کرنا غلطی ہی۔ کیونکہ شاعری
کے پردہ میں معلوم نہیں، شاعر کیا کچھ کہہ جاتا ہی۔ خیام کو بعض ملحد و زندیق کہتے ہیں اور بعض
کے نزدیک وہ طبقہ صوفیاے کرام میں داخل ہی اور رحمۃ اللہ علیہ کے خطاب سے یاد

کیا جاتا ہے بہرحال کفر و اسلام کے فیصلہ کرنے میں داخلی حالات کی بھی تفتیش کرنا ضروری ہے اور محض ظاہری الفاظ کی بنا پر قطعی حکم دے دینا وضع الشئی فی غیر محلہ کا مصداق ہے عموماً معترضین اور شعرائے ایران ایسے مضامین لکھ جاتے ہیں جن کو زاہد و سالک کی زبان کہا گیا ہے مگر علمائے شریعت انہی الفاظ کی بنا پر کفر اور قتل کا فرمان صادر کرتے ہیں ہماری رائے میں اگر ان شاعرانہ خیالات پر حکیم عمر خیام کو الحاد اور زندقہ سے منسوب کیا جاتا ہے تو حافظ شیرازی، مولانا رومی، مولانا عطار وغیرہ جیسے نامور صوفی بھی اسی دائرہ میں آجاتے ہیں اور اگر محض ساقی و شراب کی مداحی سے یہ فرد جرم لگائی گئی ہے، تو حقیقت میں یہ کوئی جرم نہیں کیونکہ ایسی شاعری کا خمیر شراب سے ہوا ہے تصوف کے خشک مضامین، مونگ کی دال کی کھچڑی سے بھی زیادہ ناگوار ہوتے ہیں، لیکن یہ صرف شراب کی برکت ہے کہ یہ خشک نوالے لقمۂ تر کی طرح، خوشگوار اور پُر ذائقہ ہو جاتے ہیں، اور ارباب ظاہر ان کو چبا چبا کر کھاتے ہیں، شراب و اس کی کیفیات اور جذبات پر تمام شعرا نے طبع آزمائیاں کی ہیں۔ اور چونکہ حکیم عمر خیام بھی شاعر ہے لہذا اس کی رباعیات بھی شراب کی چاشنی سے خالی نہیں ہو سکتی ہیں

اول ذیل کی رباعیاں پڑھو، پھر خیام اور اُس کی شراب نوشی پر نظر ڈالو کہ وہ کس قسم کا رند شرابی ہے۔

(۴۵)

می میخورم و مخالفان از چپ و راست — گویند مخور بادہ کہ دین را اعداست

چون دانستم کہ مے عدوی دین است — واللہ بخورم خون عدو را کہ رواست

(۴۶)

فصلِ گل و طرفِ جوئبار و لبِ کشت — بایک دو سہ اہل و لعبتے حور سرشت
پیش آر قدح کہ بادہ نوشانِ صبوح — آسودہ ز مسجد اند و فارغ ز کنشت

(۴۷)

من میخورم و ہر کہ چو من اہل بود — مے خوردنِ من بنزد او سہل بود
مے خوردنِ من حق بازل می دانست — گر مے نخورم علمِ خدا جہل بود

(۴۸)

در میکدہ جز بمے وضو نتواں کرد — واں نام کہ زشت شد نکو نتواں کرد
خوش باش کہ ایں پردہ مستوریٔ ما — بدریدہ چناں شدہ کہ رفو نتواں کرد

(۴۹)

مے گرچہ حرام ست ولی تا کہ خورد — انگاہ چہ مقدار و دگر با کہ خورد
ہرگاہ کہ ایں سہ شرط شد راست بگو — پس مے نخورد مردم دانا کہ خورد

(۱۵) خیام صوفی مذہب ہی، موحد ہی، رسالت کی تصدیق کرتا ہی، حشر و نشر کا قائل ہی، عذاب و ثواب کو جانتا ہی، اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہی۔ خدا سے معافی کا طالب ہی، اور اسکو عالم الغیب جانتا ہی، احکام قضا و قدر کا قائل ہی۔ اور یہی اصول مذہب کے اعضائے رئیسہ ہیں اور انہی پر کفر و اسلام کا فیصلہ ہی۔

(۵۰)

(۵۶)

یک یک ہنرم ہیں وگنہ دہ دہ بخشش ہر جُرم کہ رفت حسبۃً للہ بخشش
از باد وہوا۔ آتش کیں را معروز ما را بسرِ خاک رسول اللہ بخشش

(۵۷)

اے دل چو حقیقت جہاں ہست مجاز چندیں چہ بری خواری ازیں رنج ونیاز
تن را بہ قضا سپار وبا وقت بساز کیں رفتہ قلم زبہر تو ناید باز

رباعیات مندرجۂ بالا کے انتخاب سے خیام کے عام خیالات اور جذبات کا ایک مختصر خاکہ ذہن نشین ہوگیا ہوگا۔ لیکن اگر تفصیل معلوم کرنا چاہتے ہو تو مجموعۂ رباعیات کی سیر کرو اس مجموعہ میں ہزاروں خیالات ہیں جس کے مطالعہ سے مفید نتائج حاصل ہو سکتے ہیں۔

رباعیات کی تعداد

انڈیا ہاؤس لنڈن، نیشنل لائبریری پیرس، کتبخانہ مسٹر باڈلی آکسفورڈ، ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ اور نیشنل پبلک لائبریری بانکی پور وغیرہ کے قدیم کتبخانوں میں جو قلمی اور مطبوعہ نسخے رباعیات کے موجود ہیں، ان میں پندرہ سے آٹھ سو ایک تک رباعیاں پائی جاتی ہیں۔ اور ہر مجموعہ کی ترتیب بھی جداگانہ ہی جنھوں نے بلحاظ ابجد ترتیب دیا ہی اُن میں سب سے پہلی رباعی یہ ہی۔ (۵۸)

آمد سحرے ندا ز میخانۂ ما کاے رندِ خراباتی و دیوانۂ ما
برخیز کہ پُر کنیم پیمانہ زمے زاں پیش کہ پُر کنند پیمانۂ ما

۴

آکسفورڈ کا نسخہ اس رباعی سے شروع ہوا ہی

گر گوہر طاعتت نسفتم ہرگز ور گرد گنہ ز رخ نرفتم ہرگز

نومید نیم ز بارگاہ کرمت زیرا کہ یکی را دو نگفتم ہرگز

علی ہذا القیاس ہر ایک نسخہ کی ابتدا ایک ہی رباعی سے ہی اور ہندوستان کے مطبوعہ نسخوں میں سات سو سے رباعیاں تک چھپ چکی ہیں اور نسخہ مطبوعہ طہران میں صرف دو سو میں رباعیاں ہیں انگریزی ترجمہ میں بھی مختلف حیثیتوں سے انتخاب کیا گیا ہی چنانچہ محض [illegible] پانسو رباعیاں اس وقت تک ترجمہ ہو کر شائع ہو چکی ہیں لیکن بعض سے اس وقت تک عمر خیام کی رباعیات کی تعداد ایک ہزار تک پہنچ جاتی ہی

رباعیات کا اثر یورپ میں ایک حکیم اور فلسفی کی حیثیت سے یورپ میں خیام کی صدیوں سے شہرت ہی لیکن شاعری کے لحاظ سے دوسری صدی کے ابتدا میں مشہور ہوا اور پھر آہستہ آہستہ اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں فردوسی اور حافظ سے بھی نام آوری میں بڑھ گیا جس کی سب سے بڑی دلیل ہی کہ خیام کے قدر دانوں نے بطور دوامی یادگار کے دارالسلطنہ لندن میں عمر خیام کلب قائم کیا ہی جس کی سالانہ روداد ہر سال چھپتی اور شائع ہوتی ہی اور چونکہ ہماری دنیا کی مجلسوں ان حالات سے کم واقف ہی لہذا تفصیل کی ضرورت ہی علمی رسائل میں جہاں تک ہم نے خیام کے حالات پڑھے ہیں اُن سے واضح ہوتا ہی کہ سنہ سے ۱۸۴۲ء تک رباعیات کا کوئی مستقل مجموعہ یورپ میں شائع نہیں ہوا البتہ کسی تاریخ میں یا تو ضمناً ذکر ہو یا صرف نحو عروض و قافیہ اور فارسی علم ادب کی تاریخوں میں انگریزی

ہیں لکھی گئی ہیں) رباعیات کا انتخاب شائع ہوا ہی۔ لیکن وان ہمبر گپستال سر گور اوسلی اور پروفیسر کاول کی عالمانہ توجہ سے یہ مذاق روز بروز بڑہتا گیا۔ اور مسٹر ایڈورڈ فٹیز جرلڈ کی سعی بلیغ سے تمام یورپ میں خیام کا نام بلند ہو گیا۔ اس شخص کی نسبت یہ کہنا مبالغہ نہیں ہی کہ یہ محض خیام کے زندہ کرنے کے لیے پیدا ہوا تھا

ہمارے سابق وائسرائے نواب لارڈ کرزن بہادر اپنے سفرنامہ ایران میں نیشاپور کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ "بہت سے انگریز ناظرین نیشاپور کو صرف اس تقریب سے جانتے ہونگے کہ یہ ایران کے اس ہیئت داں (اسٹرانومر) اور شاعر عمر خیام کا دار القرار ہی جسکا نام اور جس کا کلام موجودہ نسل کو فٹیز جرلڈ کے بے نظیر ترجمے اور اس سے کمتر درجہ کے بہت سے شعراء کے مطابق اصل و تصرف آمیز تراجم کے ذریعہ سے اچھی طرح معلوم ہو گئے ہیں۔ مجھے یاد پڑتا ہی کہ اصحاب ثانی الذکر میں سے کسی ایک تصنیف کے دیباچہ میں مینے یہ منکسرانہ درخواست لکھی ہوئی دیکھی تھی کہ 'کاش! کوئی شخص میری اس کتاب کو نیشاپور لیجا کر عمر خیام کے مقبرہ پر نذر چڑھا دے'۔"

بحیثیت ایک مسلمان تمام علمائے یورپ کا عموماً اور مسٹر فٹیز جرلڈ کا خصوصاً ہم بھی خاص شکریہ ادا کرتے ہیں (اگرچہ ہم کو ان کے بعض خیالات سے اتفاق نہیں ہی) کہ جو کام مسلمانوں کے کرنیکا تھا وہ ان علم دوست حضرات نے کیا۔ اور ساتھ ہی فارس کے تذکرہ نویسوں پر افسوس کرتے ہیں کہ انھوں نے اسکو شریعت و طریقت سے خارج سمجھکر نہ تو اُسکے کلام کی قدردانی کی اور نہ اُس کی مفصل سوانح عمری لکھی۔

---

۱ ترجمہ سفرنامہ موسومہ خیابان فارس جلد اول صفحہ ۵۰۳ مطبوعہ مطبع شمسی حیدرآباد دکن ۱۹۰۲ء

یورپ میں رباعیات کے اشاعت کی مختصر تاریخ یہ ہی کہ سنہ ء میں اول مرتبہ مسٹر
کے کسی طبع زاد مختصر رباعیات کا انگریزی ترجمہ بعنوان مرحوم شائع کیا لیکن جب
عرصہ دراز تک کوئی اس جوہر گراں کا خریدار ہوا اور دو نو جلدوں میں سے ایک بھی فروخت
ہوئی تب مجبور ہو کر تمام نسخے مستعمل کتابوں کے ہمراہ فروخت کے لیے رکھ دیئے گئے اور
بجائے پانچ شلنگ (۵ ؎) اصلی قیمت کے صرف ایک پینی (ادھ آنہ) قرار دی گئی تب بھی خ
خریدار نہ ہوئے اور چونکہ علمی دنیا کا ایک خاص واقعہ ہی لہذا مورخوں نے اسکے نام بھی
لکھ لیے ہیں اور وہ یہ ہیں مسٹر ڈی جی راسیٹی مسٹر بحر د رٹن اور سوین برن
اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہی کہ ہر ملک میں عام خیالات کے مخالف جب کوئی نیا
علمی خیال پیش کیا جاتا ہی تو ملا تعصب اول اُس کی مخالفت شروع کرتا ہی اور زمانہ دراز
تک دنیا اس کے فوائد سے محروم رہتی ہی

الغرض ارکان خمسہ مذکورہ کی توجہ اور علمی سرگرمی سے بہت جلد رباعیات کی بڑی شہرت
ہوئی اور سوین برن نے تو خیام کے شعر کا ایک عالی رتبہ قرار دیا
سنہ ۱۸۶۸ء[1] میں جب رباعیات دوبارہ شائع ہوئیں تو اس نسخہ کو مسٹر فٹزجیرلڈ نے ترمیم و
اضافہ خاص طور سے مرتب کرکے شائع کیا اور نسخہ بحرا ملا اٹلانٹک طے کرکے امریکہ پہنچا امریکن قوم
نے اُسکو آنکھوں سے لگایا اور پبلک کے ہاتھوں میں لیکر ذوق و شوق سے مطالعہ کیا جو کہ
رباعیات کے پڑھنے والے اب بکثرت ہو گئے تھے اور لوگ مدام کا وقف ما بھی اسی نسخہ

---

[1] حضرت عمر خیام زبان انگریزی مصنفہ ناگرہ مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۹۰۱ء

انگلنڈ اور امریکہ دونوں میں رباعیات کی سیکڑوں جلدیں فروخت ہوئیں اور خیام کا فلسفہ فری مسنری کے درجہ پر پہنچ گیا اور دوستوں میں برادرانہ اخوت اور محبت کا باعث ہوا ۱۸۷۲ء میں تیسری مرتبہ باضافہ جدید ایک مجموعہ اور شائع ہوا۔ اور اسیطرح ۱۸۷۹ء میں ایک مجموعہ نکلا۔ اور اب تو خیامی فلسفہ روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔ لندن، جرمن، فرانس، امریکہ میں خیام کی رباعی پڑھنے والے ہزاروں سے متجاوز ہیں۔

اہل یورپ خیام کو مشرق کا والٹائر کہتے ہیں۔ (محققین کے نزدیک یہ کامل تشبیہ نہیں ہے) اور بعض روما کا لکریشیس فلسفی اور شاعر سمجھتے ہیں، کیونکہ جودت طبع اور اخلاق وعادات، اور حوادث زمانہ کے لحاظ سے دونوں کی زندگی یکساں ہے۔ بہرحال خیام کو جو چاہیں سمجھیں۔ اس میں شک نہیں ہے کہ خیام کا فلسفہ اپی کورس، دیوجانس کلبی، مہاتما بودھ سے بہت ملتا جلتا ہے، اور فلاسفران یورپ بائرن، سوئن برن، شوپن ہیور، اسی سلسلہ میں داخل ہیں اور بقول محققین "انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا" پی سی مسٹک فلسفہ بھی انھی حکماء کے خیالات سے ماخوذ ہے اور وہ فی نفسہ کوئی نو ایجاد فلسفہ یا شاعرانہ خیال نہیں ہے۔

لہ محض انگریزی ترجمہ اور انگریزی مع اصل:- دونوں قسم کے نسخجات تھیکر سپو من، اردو بابالی تاجران کتب کلکتہ اور بمبئی کی دکانوں میں موجود ہیں۔ اور سب سے اعلیٰ درجہ کا نسخہ امریکا نے طیار کیا ہے جس میں یہ التزام ہے کہ ہر رباعی کا مضمون بذریعہ ایک تصویر کے دکھایا گیا ہے۔ یہ امریکہ کی صناعی کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ تخمیناً پچاس روپیہ اس کی قیمت ہے۔ اور ایک مختصر نسخہ اسی صنعت کا مطبوعہ لندن تین چار روپیہ میں آتا ہے۔

لہ انسائیکلوپیڈیا جلد نمبر ۲ ، صفحہ ۱۰۰ فائل کالج میگزین ۱۹۰۹ء بحوالہ کلکتہ ریویو۔

لہ حکماء کا جو گروہ دنیا کو مصائب اور آلام سے بھرا ہوا خیال کرتا ہے وہ پی سی مسٹ کہلاتا ہے۔

اس فن سے واقف ہوا اور آیندہ وہی اس کی ترقی اور اشاعت کا سبب ہوا جس کو آہستہ آہستہ عربوں نے مکمل کر دیا۔

مامون الرشید کے زمانہ کو اگر ابو عبد اللہ پر فخر ہی تو عہد دولت ملکشاہ سلجوقی بھی عمر خیام پر ناز کر سکتا ہی، کیونکہ جبر و مقابلہ وہ لطیف فن ہی جو عقل انسانی کی مخترعات کا بہتر نمونہ سمجھا جاتا ہی۔ خیام کی کتاب جبر و مقابلہ مفقود سمجھی جاتی تھی، مگر علما ریورپ کو ایک قلمی نسخہ مل گیا ہی اور سنہ ۱۷۴۴ء میں کتبخانہ لیڈن (ہالینڈ) میں وہ نسخہ داخل ہوا ہی اور غالباً سنہ ۱۸۱۵ء میں اسی نسخہ کی نقل علماے فرانس نے مع ترجمہ فرنچ و اصل عربی چھاپ کر شائع کی ہی۔ جس کا کوئی خاص نام نہیں ہی۔ انسائیکلوپیڈیا میں اُس کو "اسٹنڈرو رک ان الجبرا" لکھا ہی۔ خدا کا شکر ہی کہ خیام کی یہ پہلی تصنیف آج دنیا میں موجود ہی۔ البتہ علم المساحۃ والمکعبات اور اقلیدس کی شرح کا اسوقت تک پتہ نہیں ہی۔ ریاضی اور نجوم میں خیام نے بطور سلسلے کے چند کتابیں لکھی ہیں مگر ان کے صحیح نام نہیں بتائے جا سکتے ہیں۔ کتاب جبر و مقابلہ کے علاوہ خیام کی تصنیف میں چار رسالے اور ہیں جن کی مختصر کیفیت یہ ہی۔

(۴) **میزان الحکم**۔ یہ رسالہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے پہلی تصنیف ہی، اس میں خیام نے وہ اُصول لکھے ہیں جن کی مدد سے مرصع اور جڑاؤ زیورات کا وزن دریافت کیا جاتا ہی اور بغیر زیور توڑنے اور جواہرات الگ کرنے کے وزن معلوم ہو جاتا ہی۔

(۵) **لوازم الامکنہ**۔ فصول ربعہ اور ہواؤں کے اختلاف کے اسباب اس رسالہ میں لکھے ہیں۔

(۶) وجود کی حقیقت پر ایک مختصر رسالہ۔

(۷) کون اور رسالہ کلف پر ایک رسالہ"

(۸) رباعیات" رباعیات خیام کی مختصر تاریخ ہم لکھ چکے ہیں ہندوستان میں خیام کی شہرت عام محض رباعیات سے ہوئی ہے لیکن افسوس ہے کہ خاص اہتمام اور صحت سے کوئی مکمل نسخہ رباعیات کا ہنوز ہندوستان میں شائع نہیں ہوا ہے کلکتہ، بمبئی، لکھنؤ اور ایران کے مطبوعہ نسخے اس لائق نہیں ہیں کہ زینت کتب خانہ ہو سکیں یورپ کے مطبوعہ نسخوں میں سب سے بہتر نسخہ "بوڈلین لائبریری" کا ہے جس میں اصل رباعیات کا فوٹو چھاپا گیا ہے اور جس نسخہ کا عکس ہے وہ مقام شیراز لکھا گیا ہے خاتمہ کی عبارت ہے "شیخ محمود بن عمر آخر ماہ صفر ۸۶۵ھ بمقام شیراز"

حکیم عمر خیام کا متفرق کلام، فضل و کمال، امام غزالی سے مناظرہ، مذہبی علوم، علم نجوم، خانگی زندگی، اور موت

علمائے فارسی، مؤرخ اور تذکرہ نویس اس پر متفق ہیں کہ حکیم عمر خیام اپنے زمانہ کا بہت بڑا فقیہ، محدث، مفسر، ادیب، اصولی، لغوی، فلسفی، اور نجومی تھا لیکن آٹھ سو برس تک اس کے نام کو جس نے زندہ رکھا وہ صرف شاعری ہے اور اگرچہ خیام کی شاعری رباعیات تک محدود ہے لیکن اسلوب بیان کی جدت، قوت تخیل، طرز استدلال، زبان کی سادگی، شوخی، ظرافت، اور فلسفیانہ طرز ادا، بتا رہا ہے کہ خیام ایک اعلیٰ درجہ کا شاعر ہے لیکن علاوہ رباعیات کے اور کسی قسم کا

۱؎ تصنیفات کا حال تاریخ الحکما اور گنج دانش سے ماخوذ ہے ۲؎ دیکھو تاریخ الحکماء شہرزوری حالات خیام

کلام تذکروں میں درج نہیں ہے۔ صرف ایک قطعہ اور کچھ عربی اشعار ہیں وہ نذر ناظرین ہیں۔ اور عالم نا داری میں یہ بھی ایک گرانمایہ ہدیہ ہے۔

قطعہ

دوشش[1] با عقل در سخن بودم ۔۔۔ گفت شد بر دلم مثالے چند

گفتم اے مایۂ ہمہ دانش ۔۔۔ دارم الحق بتو سوالے چند

چیست ایں زندگانی دنیا ۔۔۔ گفت خوابیست یا خیالے چند

گفتم از وے چہ حاصل ست بگو ۔۔۔ گفت درد سر و وبالے چند

گفتم ایں نفس کے شود رام ۔۔۔ گفت چوں یافت گوشمالے چند

گفتم اہل ستم چہ طائفہ اند ۔۔۔ گفت گرگ و سگ و شغالے چند

گفتم ایں بحث اہل دنیا چیست ۔۔۔ گفت بیہودہ قیل و قالے چند

گفتم اہل زمانہ در چہ فن اند ۔۔۔ گفت در بند جمع مالے چند

گفتمش چیست کدخدائی گفت ۔۔۔ ساعتی عیش و غصہ سالے چند

گفتم او را مثال دنیا چیست ۔۔۔ گفت زالے کشیدہ خالے چند

گفتمش چیست گفتہ ہائے خیام ۔۔۔ گفت پندست حسب حالے چند

یدبر لی الدنیا بل السبعۃ العلی ۔۔۔ بل الافق الاعلی اذا جاش خاطری[1]

---

[1] نظیرۃ القدس صفحہ ۱۴۲ مطبوعہ بھوپال ۱۲۹۰ھ [2] اخبار العلماء باخبار الحکما علامہ قفطی اور تاریخ الحکما شہرزوری سے یہ اشعار منقول ہیں یہ دوسری کتاب نایاب ہے قلمی نسخہ کتب خانہ علامہ شبلی نعمانی میں موجود ہے ترجمہ اشعار حسب ذیل ہے

۱۔ میری طبیعت جب جوش میں آتی ہے تو دنیا بلکہ ساتوں آسمان بلکہ افق اعلیٰ تک کی تدبیر کراتی ہے۔

فکم الفت وکم احببت غیر اخ ۔۔۔ وکم تبدلت بالاخوان اخوانا ۱۱

وقلت للنفس لما عز مطلبها ۔۔۔ باللہ ما تالفی ما عشت انسانا ۱۲

فضل وکمال ایشیا اور یورپ میں بوعلی سینا کا حکمت اور فلسفہ میں جو درجہ ہے وہ مسلم ہے لیکن شیخ کے ہم پلہ اور اُس کا ہمسر اگر کوئی صوبہ خراسان میں ہوا ہے تو وہ حکیم عمر خیام ہے۔ اور یہ دعوی اُن مورخوں کا ہے جو خود اپنے زمانے میں امام فن مانے جاتے تھے۔ اور امام غزالی رح سے خیام کا مناظرہ ہونا بھی اس کے فضل وکمال کی ایک روشن دلیل ہے۔

امام غزالی سے مناظرہ حکیم عمر خیام جس طرح حکمت و فلسفہ میں امام تھا۔ اسی طرح مذہبی علوم کا بھی عالم تھا لیکن یہ ظاہر ہے کہ ایسے روشن دماغ اور آزاد خیال علماء، فقہا کی عامیانہ تقلید سے آزاد رہتے ہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ فلسفہ کا غلبہ مذہب کی شان میں کبھی کبھی گستاخیاں بھی کرجاتا ہے۔ یہی حال خیام کا بھی تھا۔ اور اسی بنا پر مذہبی گروہ خیام کا مخالف تھا۔ اور خیام کے ہمعصروں میں امام غزالی، علماء ملت میں سب کے سرتاج تھے۔ لہذا یاروں کے کہنے سے ایک دن خیام کے پاس مناظرہ کے لیے تشریف لے گئے۔ اور حکیم سے پوچھا کہ جب آسمان کے

۱۱۔ اکثر یہ ہوا کہ میں نے اجنبی سے دوستی کی اور اجنبی کو بھائی بنایا۔ اور اکثر میں نے بھائیوں کو چھوڑ کر دوسرے بھائی بنائے۔

۱۲۔ لیکن جب خاطر خواہ کوئی دوست نہ ملا تو میں نے دل سے کہا کہ خدا کی قسم تیرا مطلوب نایاب ہے۔ لہذا تا زیست کسی سے دوستی ہی نکر (یعنی ایسا انسان جو قابل دوستی ہو وہ معدوم ہے)

لے امام خراسان علامۃ الزمان لعلیم علم یونان الخ اخبار العلماء صفحہ ۱۶۲ مطبوعہ مصر ۔ لے تاریخ الحکماء شہرزوری۔

تمام اجسام بسیط اور متحد الحقیقۃ ہیں تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ بعض اجزاء قطبین قرار پائے؟ خیام نے سوال سنکر اپنی عادت کے مطابق (خیام کو مسائل فلسفہ بیان کرنے میں ازحد بخل تھا) ایک معمولی جواب دیا کہ میں نے اس مسئلہ کو نہایت تفصیل سے اپنی کتاب عرائس النفائس میں لکھا ہے؛ مگر یہ جواب ایک سائل کے واسطے کافی نہ تھا لہذا خیام نے استدلالی مراتب بیان کر کے اس مسئلہ کی ابتدا کی کہ حرکت کس قوت سے ہے؛ اور تقریر کو اس قدر وسعت دی کہ ظہر کی اذان ہو گئی اور بحث ہنوز ناتمام تھی لیکن امام صاحب یہ کہکر کھڑے ہو گئے کہ جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا" افسوس ہے کہ خیام کی یہ تقریر قلمبند نہیں ہوئی ورنہ حکمت و فلسفہ کے جوہر کھلتے اور شائقین مستفید ہوتے

تحصیل زبان یونانی | بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ خیام یونانی جانتا تھا اگر یہ صحیح ہے تو ان لوگوں کے مقابلہ میں جنہوں نے علوم یونانی بذریعہ تراجم حاصل کیے ہیں عمر خیام کا درجہ اور حکمت میں سب سے بڑھ جاتا ہے اور چونکہ خیام فلسفہ یونان کا درس بھی دیا کرتا تھا، جس انہی خیالات میں ڈوبا رہتا تھا لہذا یہ روایت قرین قیاس ہے کہ خیام یونانی ضرور جانتا تھا۔

مفسر القرآن | قاضی عبد الرشید بن نصر کا بیان ہے کہ ایک دفعہ مرو کے حمام میں عمر خیام سے ملاقات ہوئی میں نے سورۂ معوذتین کے معنی دریافت کیے اور یہ بھی پوچھا کہ بعض الفاظ ان سورتوں میں مکرر کیوں آئے ہیں؟ خیام نے ایک بسیط تقریر میں تمام شبہات رفع کر دیئے دوران تقریر میں مفسرین کے اقوال، ان کے دلائل و شواہد اس تفصیل سے بیان کیے کہ

[1] اخبار الحکما صفحہ ۱۹۱ [2] شہرزوری

اگر میں اُن کو قلمبند کرتا تو ایک کتاب بنجاتی۔ حالانکہ خیام کو ان علوم کے ساتھ خاص دلچسپی تھی اس سے اندازہ ہوسکتا ہی کہ جن علوم میں خیام نے تمام عمر صرف کردی۔ اُس میں کس قدر عبور ہوگا

قرأت شہاب الاسلام، عبدالرزاق، وزیر سلطان سنجر کے دربار میں علمی صحبت تھی، فن قرأت کے امام ابوالحسن غزالی بھی موجود تھے۔ اور اختلاف القرأت پر مباحثہ ہو رہا تھا کہ خیام آگیا۔ وزیر نے خیام کو آتا ہوا دیکھکر کہا "علی الخبیر سقطنا" (واقف کار آگیا) بعد ازاں مسألہ زیر بحث پیش ہوا۔ خیام نے ساتوں قرأتیں، شاذ روایتیں، اور اُن کے دلائل بیان کر کے ایک قرأت کو ترجیح دی۔ امام ابوالحسن فیصلہ سُنکر فرمانے لگے "کہ حکمار کا کیا ذکر ہی، خود قاریوں میں سے کسی کو اس درجہ کی معلومات نہیں ہوسکتی ہی"

قوت حافظہ تاریخ الحکما شہرزوری میں لکھا ہی کہ اصفہان میں کوئی کتاب خیام کو پسند آئی، اور سات مرتبہ اُس کا مطالعہ کیا۔ جب نیشاپور آیا پوری کتاب زبانی لکھوادی۔ جب اصل سے مقابلہ کیا گیا، تو برائے نام فرق نکلا۔

سلاطین کے دربار میں اعزاز ملکشاہ سلجوقی نے ترمیم سنہ فارسی، اور تکمیل رصد کے بعد حکیم عمر خیام کی جو عزت افزائی کی اس کا تذکرہ ہوچکا ہی۔ علاوہ جاگیردار ہونے کے دربار ملک شاہ میں خیام کو ندیموں کا درجہ حاصل تھا اور اس کا بیٹا سنجر بھی خیام کو اپنے برابر تخت پر بٹھاتا تھا۔ (حالانکہ ایک خاص واقعہ سے سنجر ناراض تھا) اور شمس الملوک خاقان بخارا کا بھی خیام کے ساتھ یہی برتاؤ تھا اور یہ وہ اعزاز تھا کہ جس پر خواجہ نصیر الدین طوسی جیسا علامہ رشک کیا کرتا تھا اور

؎ تہرزوری۔ ؎ شہرزوری گنج دانش۔

ہلاکو خاں سے یہ تعریف بیان کر کے تحریر کیا تھا کہ "فضل میں صدر افضل عمر خیام است، تا تعظیم علما دریں روزگار نماندہ۔"

علم نجوم: یونان سے علوم و فنون کا جو سیلاب آیا اُس میں نجوم کا بھی خاص درجہ ہے حکماء یونان میں سے ہر ایک مصطلح نجوم اور اس کے احکام کا قائل تھا مسلمانوں نے جہاں دیگر علوم و فنون سے فائدہ اٹھایا وہاں نجوم کو بھی لیا پھر بعض علماء عباسیہ اور سلاطین عجم کی سرپرستی نے احکام نجوم کو آسمان تک پہنچا دیا چونکہ خیام بھی نجومی تھا لہذا ذیل کے واقعات لکھے جاتے ہیں۔

عروضی سمرقندی[1] لکھتا ہے کہ ۵۰۶ھ میں بلخ کے کوچہ بردہ فروشاں میں خواجہ مظفر اسفزاری اور خواجہ امام عمر خیام امیر ابو سعید کے مہمان تھے میں بھی حاضر خدمت تھا کہ حجۃ الحق عمر خیام نے فرمایا کہ میری قبر ایسی جگہ ہوگی کہ ہر سال میں دو مرتبہ درخت پھول برسائیں گے امام کا یہ کہنا مجھے محال نظر آیا مگر یقین تھا کہ خیام جیسا شخص واہی تباہی نہیں کہہ سکتا ہے چنانچہ ۵۳۰ھ میں جب مجھے نیشاپور جانے کا اتفاق ہوا تو خیام کو دنیا سے رخصت ہوئے کئی برس گزر چکے تھے اور چونکہ میں خیام کا شاگرد تھا اس لیے جمعہ کے دن ایک رہنما کے ہمراہ گورستان

[illegible] دیکھو دولت شاہ [illegible] العرب فی علم النجوم والحکمۃ [illegible] المثل تاریخ [illegible]
۱۲۳ [illegible] نظامی عروضی سمرقندی [illegible]
[illegible]
[illegible] نظامی عروضی سمرقندی [illegible]
[illegible]

حیرہ میں فاتحہ خوانی کے لیے گیا۔ جب میں گورستان کے بائیں طرف پھرا تو کیا دیکھتا ہوں کہ دیوار کے نیچے ایک قبر ہے جس پر امرود اور زرد آلو کے پھولوں کی چادر بچھی ہوئی ہے اور سطح قبر پھولوں سے چھپ گئی ہے۔ اسوقت مجھے یاد آیا کہ بمقام بلخ امام نے یہی فرمایا تھا۔ یہ واقعہ یاد کر کے میں رونے لگا۔ کیونکہ میری نظر میں تمام ربع مسکوں میں کوئی شخص خیام کا نظیر نہ تھا۔ خداوند تبارک و تعالیٰ اس پر اپنی رحمت نازل فرمائے (چہار مقالہ)

عروضی[1] کہتا ہے کہ ۵۰۸ھ کے موسم سرما میں سلطان نے خواجہ بزرگ صدرالدین محمد بن المظفر رئیس مرو کے پاس یہ پیام بھیجا کہ خواجہ امام عمر، میرے شکار کھیلنے کے لیے کوئی ایسا دن مقرر کریں جو برف و باراں سے محفوظ ہو۔ چنانچہ خواجہ نے خیام سے سلطان کا پیام کہدیا اور دو دن کے غور و فکر کے بعد خیام نے سلطان کو شکار پر جانے کی اجازت دی۔ گھر سے نکلکر سلطان نے تھوڑی مسافت طے کی تھی کہ آسمان پر بادل چھا گیا اور زمین پر برف بچھ گئی اور لوگ خیام کے حکم کا مضحکہ اڑانے لگے۔ مگر سلطان نے لوٹنا پسند نہیں کیا۔ اور خیام نے عرض کیا کہ حضور مطمئن رہیں ابھی مطلع صاف ہو جائیگا۔ اور پانچ دن تک پھوار بھی نہیں پڑیگی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔[2] صاحب نگارستان نے اس روایت کے بعد یہ اشعار لکھے ہیں۔

بچنیں علم جملہ محتاجند	خاصہ آنانکہ صاحب جاہند
ہست در بزم و رزم و وقت شکار	اختیارات حکم شاں در کار

---

[1] چہار مقالہ نظامی صفحہ ۱۳۰ مطبوعہ اصفہان [2] نظامی عروضی نے اپنی کتاب چہار مقالہ میں یعقوب بن اسحاق کندی ابوریحان بیرونی، حکیم موصلی وغیرہ کے متعدد احکام نقل کیے ہیں جو نجومیوں کے بیان کے مطابق ہوئے ہیں۔ لیکن مذہباً

کچھ نہ کھایا۔ نماز عشا پڑھ کر سجدہ کیا۔ اور کہا۔ "اللھم علمت انی عرفتک علی مبلغ امکانی فاغفرلی فان معرفتی ایاک وسیلتی الیک" "اے خدا! جہاں تک میرے امکان میں تھا میں نے تجھ کو پہچانا۔ اسی وسیلہ سے مجھ کو بخش دے۔ اور یہی کہتے کہتے روح جسم سے نکلی اور منزل مقصود پہنچ گئی۔

(۶۰)

خیام کہ خیمہائے حکمت میدوخت   در کورہ غم فتاد و ناگاہ بسوخت

فراش اجل طناب عمرش ببرید   دلّال قضا برائگانش بفروخت

حکیم عمر خیام کی موت پر عوام و خواص نے کس قدر ماتم کیا۔ اور کن شعراء نے مرثئے لکھے اس کی کوئی تفصیل تذکروں میں نہیں ہے لیکن عزیزوں سے یہ کیونکر ممکن تھا کہ ایسے حادثہ عظیم پر اشکبار ہو کر مرثیہ نہ لکھیں۔ چنانچہ حکیم خاقانی[1] نے (خیام کا بھتیجہ تھا) خیام کا مرثیہ لکھا جسکو بطور یادگار ہم بھی درج کرتے ہیں۔

- گر بقدر سوزش دل چشم من بگریستے   بر دل من مرغ و ماہی تن بتن بگریستے

آنچہ از من شد گر از دست سلیماں گم شدے   بر سلیماں ہم پری ہم اہرمن بگریستے

مقتدای حکمت و صدتر من کز بعد از و   گر زمیں را چشم بودے ہم زمیں بگریستے

کاشکے با آدم برجعت درمیان باز آمدے   تا بمرگ ایں خلف بر مرد و زن بگریستے

پیش چشمش مرغ رشتن کہ یارستے کہ او   گر بدیدے شمع را گردن زدن بگریستے

گوہرے بود او۔ کہ گردونش بنادانی شکست   جوہرے کو تا بریں گوہر شکن بگریستے

---

[1] کلیات خاقانی۔

اور اس کی تصویر اور منتخب رباعیات گھڑیوں کی بین میں لٹکا کر دل کو ٹھنڈا کرتے ہیں اور خیام کی روح کو خوش کرتے ہیں۔

خیام کی نجات | موت کیا شے ہے حیات کس کو کہتے ہیں؟ یہ دو راز ہیں جن کو کوئی حکیم آج تک حل نہیں کر سکا اور یہ دونوں حقدے لاینحل ہیں۔ آیا موت کے بعد بھی کچھ معلوم ہو سکتا ہے؟ اسکی نسبت خیام کا یہ خیال ہے کہ "کچھ نہیں معلوم ہو سکتا ہے"

(۶۱)

دل سرّ حیات را کماہی دانست | در موت ہم اسرار الٰہی دانست
امروز کہ با خودی ندانستی ہیچ | فردا کہ ز خود روی چہ خواہی دانست

خیام تو دنیا سے یہ خیال لیے ہوئے چل بسا۔ اور اس کی والدہ نے مرنے کے بعد خیام کو خواب میں دیکھا۔ اور پوچھا کہ جان مادر! خدا نے تیرے ساتھ کیا کیا۔ خیام نے جواب دیا کہ "مجھے خدا نے اس رباعی کے صلے میں بخشدیا۔"

(۶۲)

اے سوختہ سوختہ سوختنی | اے آتش دوزخ ز تو افروختنی
تا کے گوئی کہ بر عمر رحمت کن | حق را تو کجی برحمت آموختنی

بیشک خدا نے خیام کے گناہ معاف کر دیئے ہونگے۔ کیونکہ وہ غفور الرحیم ہے۔ اور خیام خدا کے سامنے اپنی طاعت اور عبادت کے حقوق لیکر نہیں گیا تھا۔ بلکہ وہ گناہوں کا اقرار کرتا ہوا گیا تھا اور اُس کا یہ قول تھا کہ "من بندۂ عاصیم رضائے تو کجاست"

خیام کے حاسد و دشمن | حکیم عمر خیام فلسفہ یونان کا درس دیتا تھا۔ اور رباعیات میں غیر معمولی رندی

سوخی، اور ظرافت کو جاننا چاہے اس کی مثال میں ذیل کی رباعی پڑھو

(۶۳)

ابریق مے مرا شکستی ربی — بر من در عیش را ببستی ربی

بر خاک بریختی مے لعل مرا • خاکم بدہن مگر تو مستی ربا

ان خیالات سے صوفیا اور علمائے وقت اس کے دشمن ہو گئے اور انھوں نے عوام کو بھڑکا دیا ملک میں سخت برہمی پیدا ہو گئی فقہائے[۱] نے کفر کا فتویٰ دے دیا اور خیام کے قتل کی تجویز پختہ ہو گئی، تب خیام وطن کو خیرباد کہکر مکہ معظمہ چلا گیا کیونکہ خدا کے گھر سے بڑھ کر کوئی امن و عافیت کی جگہ نہیں، خیام حج و زیارت سے فارغ ہو کر بغداد آیا یہاں لوگوں نے درس و تدریس کے لیے مجبور کیا تب پھر وطن چلا گیا لیکن یہاں بھی چین نہ ملا اور اہل وطن برابر ستاتے رہے خیام کی رباعی نمبر (۶۳) کے متعلق بعض تذکروں میں لکھا ہے کہ جب حکیم نے یہ رباعی لکھی تو اس کا منہ کالا ہو گیا اور گردن کج ہو گئی جب آئینہ دیکھا تو اس ہیبت کذائی کو دیکھکر ڈر گئے اور خدا سے یوں مناجات کی۔

(۶۴)

ناکردہ گناہ در جہاں کیست بگو — و آنکس کہ گنہ نکرد چون زیست بگو

من بد کنم و تو بد مکافات دہی — پس فرق میان من و تو چیست بگو

حق تعالیٰ نے رحم فرمایا منہ اُجالا ہو گیا اور گردن سیدھی ہو گئی یہ روایت حقیقت میں بے سند کی طبع زاد ہے کسی معتبر تاریخ میں اس کا ذکر نہیں ہے باقی رہی مناجات، یہ سلامی جون کا

[۱] تاریخ الحکما جمال الدین قفطی صفحہ ۱۶۳

جوش ہی، جو مسلمان سینہ میں دل رکھتا ہی اور دل میں ایمان، اسکا یہی قول ہوگا اور وہ خدا سے اسی طرح سے آمرزش چاہیگا۔ چونکہ شاعر باکمال ہی، لہذا عجیب و غریب انداز سے جرم کا اقرار کرکے معافی چاہتا ہی جس کی مزید مثال یہ رباعی ہی ؎

(۶۵)

بر سینۂ غم پذیر من رحمت کن بر جان و دلِ اسیر من رحمت کن
بر پائے خرابات روِ من بخشائے بر دستِ پیالہ گیرِ من رحمت کن

رباعی نمبر ۶۴ کو رباعی نمبر ۶۴ سے کوئی تعلق نہیں ہی۔ بلکہ محض تذکرہ نویسوں کے حاشیہ ہیں۔

الزام زندقہ | خیام پر الحاد اور زندقہ کا الزام بھی ایسا ہی ہی جیسا کہ واقعہ مذکورہ بالا۔ جو شخص امام موفق کا شاگرد ہو اور مذہبی عالم، وہ ملحد کیونکر ہو سکتا ہی؟ خیام کی شاعری چونکہ عام خیالات اور مذاق سے بالاتر تھی، اس وجہ سے بیدینی کے الزامات اُس پر لگائے گئے لیکن آج دنیا میں کون زندہ ہی، آیا خیام! یا کفر کے فتوے دینے والے!؟ خیام کو ان الزامات سے نہایت صدمہ تھا مگر مجبور تھا چنانچہ خود کہتا ہی (۶۶)

با من تو ہر آنچہ گوئی از کین گوئی پیوستہ مرا ملحد و بیدین گوئی
من خود مقرم ہر آنچہ گوئی ہستم انصاف بدہ، ترا رسد کین گوئی

خیام کی بادہ نوشی | خیام کی رباعیات پڑھنے سے تو یہ معلوم ہوتا ہی کہ وہ اول درجہ کا رند شرابی ہوگا۔ کیونکہ شراب، ساقی اور جام و صراحی کا وہ دلدادہ ہی اور نہایت جوش بیخودی اور بے اختیاری کے عالم میں وہ ان مضامین پر خامہ فرسائی کرتا ہی لیکن جب تک ظاہری شراب خواری

کے لیے مستند تاریخی روایتیں نہ ہوں اُس وقت تک محض الفاظ کی بنا پر ہم اُس کو مادّیتی
کا ملزم نہیں بنا سکتے ہیں ہماری رائے میں حکیم عمر خیام جیسا اعلیٰ درجہ کا فلسفی شاعر تھا ویسا ہی
ایسے رند کا ایک ماورا رند کا رصوفی بھی تھا۔ اب ہم خیام سے رخصت ہوتے ہیں خاتمہ
اس کا رہرو ہے جو معرفت کرے عشق آزاد مرد تھا

حسن صباح | خواجہ حسن (نظام الملک) کے ہم مکتب دوستوں میں حکیم عمر خیام کے بعد
حسن صباح کا خاص درجہ ہے لہٰذا حسن صباح کی ایک مختصر اور جامع سوانح عمری ذیل میں لکھی جاتی ہے

حسنؑ صباح، بانی دولت اسماعیلیہ مشرقیہ

شہرت عام اور بقاے دوام کے دربار میں حسن صباح کی کرسی، خواجہ حسن (نظام الملک) اور حکیم عمر خیام سے مقدم ہے۔ اور عظمت وجلال میں بھی یہ اپنے دونوں ہم مکتب دوستوں سے بڑھ کر ہے جسکی واضح دلیل یہ ہے کہ خواجہ حسن کو الپ ارسلان نے اپنے گورنری خراسان کے زمانہ سے ترقی دینا شروع کی تھی۔ اور جب مستقل حکمراں ہوا تو وزارت کی سند اور (نظام الملک) کا خطاب دیکر وزیر اعظم بنا دیا۔ اور ملک شاہ نے تو اپنی عظیم الشان سلطنت کا خواجہ کو مالک ہی بنا دیا تھا۔ خواجہ کی وزارت تاریخ میں ہرون الرشید عباسی [illegible] [illegible]
اسی طرح خواجہ نے عمر خیام کو جاگیر دیکر معاش سے مطمئن کر دیا تھا جو یہ دلی مسرت اور جوش سے میں مصروف ہو کر حکیم کہلایا۔ بہر حال خواجہ نظام الملک اور حکیم عمر خیام ان نجہ فراغ تعلیم کے بعد یہ طلبہ [illegible] طغرل بیگ سلجوقی کے دو سیارے ہیں جو آفتاب سلطنت کے نور سے تاباں و درخشاں ہوئے۔ ان [illegible] سبب یا
حسن صباح نے ناکامیوں کے بعد جو کامیابی حاصل کی، وہ محض اس کے فضل وکمال، غیر معمولی دانشمندی، خداداد ذہانت اور عزم بالجزم کا نتیجہ تھا۔ حسن صباح کی نسبت یہ مقولہ بالکل صحیح ہے

لہ فارس کی تاریخوں میں حسن صباح کو بانی دولت ملاحدہ قہستان لکھا ہے جس کے حدود اربعہ یہ ہیں
شرقی ،، خواف وصحرا مابین خواف وراہ وسیستان۔ غربی ،، فارس وکرمان کا جنگل۔
شمالی ،، اعمال نیشاپور وسبزوار۔ جنوبی ،، اعمال سجستان وبیابان کرمان
(از صور الاقالیم قلمی)

حسن صباح کے ساتھ روز بروز بڑھتا جاتا تھا" چنانچہ ایک دن مجھ سے حسن صباح نے کہا کہ خواجہ
واصحاب تحقیق اور اہل یقین سے ہیں اور جانتا ہے کہ دنیا ایک متاع قلیل ہے، ممکن ہے کہ اس کی
محبت میں عسکر و وعدہ خلافی کرے اور زمرۂ مصدقین عہد اللہ میں داخل ہو"۔ میں نے کہا
کہ حاشا و کلا میں نقض معاہدہ نہ کروں گا۔ تب حسن صباح نے کہا کہ "آپ کی مہربانیاں تو مجھ
بے انتہا ہیں لیکن شرط معاہدہ یہی ہے" خواجہ نے کہا سچ کہتے ہو جاہ و منصب ملکی میری تمام
جائداد کے تم حصہ دار ہو"۔ اس کے بعد میں نے حسن صباح کو ملک شاہ کے حضور میں پیش کر دیا اور
مصری کے دیگر گزشتہ واقعات کا بھی تذکرہ کر دیا اور حسن صباح کی عقل و دانش اور سیرت
اخلاق کا اس قدر ذکر کیا کہ وہ سلطان کا معتمد خاص بن گیا غرض اپنی چالاکی سے تھوڑے زمانے
میں سلطان کے مزاج میں دخیل ہو گیا اور اس قدر اعتبار پیدا کر لیا کہ سلطان مہتم بالشان کاموں
میں اس کے مشورہ پر چلتا تھا"۔

دولت شاہ[۱] سمرقندی نے تذکرہ میں لکھا ہے کہ حسن صباح کی خواہش پر اس کو خواجہ نے
ہمدان اور دینور کی حکومت پر مامور کر دیا تھا لیکن حسن کا تو یہ منشا تھا کہ خواجہ اس کو اپنی وزارت
میں شریک کرے تاکہ موقع پاکر وہ خود بلا شرکت غیرے وزیر اعظم ہو جائے لہذا حکومت ہمدان
سے انکار کر دیا، اور اس فکر میں ہوا کہ خواجہ کو سلطان کی نظروں میں ذلیل کر کے اس کو اوج
حشم سے گرا دے چنانچہ ذیل کے دو واقعات اس کے شاہد ہیں حسن کو خود خواجہ نظام الملک
نے کتاب وصایا میں بیان کیا ہے

---

[۱] تذکرہ دولت شاہ سمرقندی صفحہ ۴۹۔

ایک حسابی غلطی حلب میں ایک قسم کا سنگ خام پیدا ہوتا ہی جس کے برتن بنائے جاتے ہیں۔ سلطان ملکشاہ نے ایک موقع پر فرمایا کہ اس پتھر کی ایک کافی مقدار اصفہان پہنچانا چاہیے بازارچھاؤنی (سوق العسکر) کا ایک شخص اس بات سے آگاہ تھا۔ جب سلطان حلب سے واپس آگیا، تو اس شخص نے دو عربوں سے جن کے پاس باربرداری کے اونٹ تھے، یہ بات کہی کہ اگر تم پانسو من سنگ خام اصفہان کو پہنچا دو تو مقررہ کرایہ سے میں تم کو دوچند کرایہ دوں گا" انھوں نے منظور کر لیا۔ لیکن ان دونوں کے پاس اونٹوں پر ہر ایک کا ذاتی اسباب بھی پانسو من تھا (اس زمانہ میں من کی مقدار بہت قلیل تھی) چنانچہ ان دونوں نے پانسو من سنگ خام کو اپنے اونٹوں پر تقسیم کر لیا۔ ان میں سے ایک کے چار اور دوسرے کے چھ اونٹ تھے چنانچہ وہ شخص مع اونٹوں کے داخل اصفہان ہوا۔ جب سلطان سے اطلاع ہوئی تو وہ بہت خوش ہوا اور اس شخص کو خلعت مرحمت کیا۔ اور اونٹ والوں کو ایک ہزار دینار انعام دیئے" ان لوگوں نے مجھ سے خواہش کی کہ انعام تقسیم کر دیا جائے چنانچہ چھ اونٹ والے کو چھ سو اور چار والے کو چار سو دینار میں نے دیدیئے حسن صباح نے سنا تو کہا کہ "خواجہ نظام الملک نے تقسیم انعام میں غلطی کی ہی اور روپیہ کو بیجا طور پر دیدیا اور جو مستحق تھا اُس کا حق بدستور سلطان پر باقی رہا۔ چھ اونٹ والے کو آٹھ سو اور چار والے کو دو سو دینار ملنا چاہیئے تھا" چنانچہ جب یہ خبر سلطان تک پہنچی تو اُس نے مجھے طلب کیا۔ میں حاضر ہوا حسن صباح بھی موجود تھا سلطان مجھے دیکھ کر ہنس پڑا۔ اور حسن صباح سے کہا کہ اب تقسیم انعام کا واقعہ بیان کرو صباح نے کہا کہ "اونٹوں کا بوجھ تین مساوی حصوں پر تقسیم تھا اور اونٹ تعداد میں دس ہیں۔ لہذا

دس اونٹوں کا حاصل ضرب بیس ہوا اب بیس کے بارہ حصے میں اُن کے بارہ سہام اور دوسرے
کے اٹھارہ سہام ہوئے یعنی ہر حصہ دس کے برابر ہوا باقی رقم فاضل رہی کیونکہ اس میں اس کا
دان و حصہ شامل ہی لہذا چھ اونٹ والے کو آٹھ سو اور چار اونٹ والے کو دو سو دینار ملنا چاہیئے
تھا اس حساب کو سنکر ملک شاہ نے کہا کہ تم نے جو حل بیان کیا ہے اسی کو تفصیل[1] سے بیان
کرو، اب حسن نے کہا کہ خداوند نعمت کل اونٹ دس ہیں اور کل دینار پندرہ سو ہیں اسلئے
فی اونٹ ڈیڑھ سو دینار ہوا اب جس کے چار اونٹ ہیں وہ چھ سو میں لایا، اس میں سے اُس کا
ذاتی پانسو ہیں اور سرکاری ایک سو ہیں اسی طرح دوسرے کے چھ اونٹ ہیں وہ نو سو میں
لایا اس میں سے پانسو اُس کا ذاتی اور چار سو سرکاری ہے۔ ہزار دینار پانسو میں کا معاوضہ
ہی لہذا ایک سو میں دو سو دینار کا حصہ ہوا چنانچہ چار والے کو دو سو اور چھ والے کو آٹھ سو دینار بروئے
حساب ملنا چاہیئے تھا اور جبکہ انعام دیا گیا ہے تو اس صورت میں دینار کا لحاظ نہیں کیا جاتا
دونوں کو برابر[2] حصہ ملنا چاہیئے حسن صباح تقریر کر چکا تو سلطان نے اس خیال سے کہ میری
دلشکنی ہو بات کو مذاق میں ڈال دیا اور مسکرا دیئے رہا لیکن میں سمجھ گیا کہ اس قاعدہ کا سلطان
کے دل پر کیا اثر ہوا ہے[3]

نوٹ (حصول حل) احسانی قاعدہ سے اس سوال کا حل اس طرح پر ہے

[illegible]

[1] حسابی عمل حسب ذیل ہے

[illegible]

[3] کتاب الوصایا نظام الملک

سلطنت کا جمع خرچ

اس واقعہ سے بڑھ کر دوسرا واقعہ[1] یہ ہو کہ حسن صباح نے مصاحبوں کے ذریعہ سے سلطان کے کان تک آواز پہنچائی کہ سلطان میں بس سے حکمراں ہو اس کو اپنی سلطنت کے جمع خرچ سے بھی واقف ہونا چاہیئے۔ اس بنا پر ایک دن ملک شاہ نے مجھ سے پوچھا کہ "تم ایک ایسی مکمل رپورٹ کتنے دن میں طیار کر سکتے ہو کہ جس سے تمام سلطنت کے محاصل و مخارج کی تفصیل معلوم ہو سکے" میں نے عرض کیا کہ "خداوند نعمت کی سلطنت کاشغر سے روم اور انطاکیہ تک پھیلی ہوئی ہو اگر میں بڑی کوشش کروں تب دو سال میں مرتب کر سکتا ہوں" لیکن حسن صباح نے بڑھ کر عرض کیا کہ "میں ایسی رپورٹ چالیس دن کے اندر پیش کر سکتا ہوں بشرطیکہ دفتر وزارت مع عملہ میرے سپرد کر دیا جائے" چنانچہ ملک شاہ نے امتحاناً حسن صباح کی یہ درخواست منظور کر لی۔ اور حسن نے بین المیعاد جمع خرچ مرتب کر لیا۔ اور دربار میں ملک شاہ کے سامنے لاکر پیش کیا۔ لیکن جب سلطان نے سوالات کرنا شروع کیے تو حسن جواب نہ دیکا اور حیرت زدہ ہو کر رہ گیا۔ خواجہ نظام الملک نے موقع کو غنیمت سمجھکر دست بستہ عرض کیا کہ خداوند نعمت انھیں مشکلات کے خیال سے میں نے دو سال کی مدت چاہی تھی۔ اتنی بڑی سلطنت کا جمع خرچ چالیس دن میں کیونکر مرتب ہو سکتا ہو[2]" ملک شاہ حسن صباح سے سخت ناراض ہوا اور ارادہ کیا کہ حسن صباح کو سزا دے۔ لیکن خواجہ کی سفارش سے دربار سے نکلوا دینے پر کفایت کیگئی[3] اس واقعہ کو لکھکر خواجہ نظام الملک کہتا ہو کہ "حسن صباح نے حقیقت میں کمال کیا تھا کہ اتنی

---

[1] دولت شاہ سمرقندی صفحہ ۲۰ و ۶۰ و مع وصایا۔ [2] دبستان مذاہب میں لکھا ہو کہ خواجہ نے حکمت عملی سے حسن صباح کے یہاں سے رپورٹ منگا کر اس کے اوراق منتشر کر دیئے تھے۔ یہی وجہ ہو کہ سلطان کے کسی سوال کا حسن صباح صحیح جواب نہ دیکا۔

[3] تذکرہ دولت شاہ میں لکھا ہو کہ خواجہ کے رکابدار نے حسن صباح کے خادم کو ملا کر رجسٹر کے اوراق منتشر کرا دیئے تھے اسوجہ سے

قتل میں جمع خرچ مرتب کریا مگر جو کہ حسن نے ارادتہً بعض بعید کارروائی کی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میں نے حساب کے وقت اس کو مخالفت اٹھانا پڑی اور پھر وہ اصفہان سے چلا گیا اگر بدانجو ستہ حسن صباح کو جمع خرچ کے معاملہ میں شکست ہوئی، تو پھر مشکلات کا سامنا تھا۔

حسن صباح کی منزل آگے | حسن صباح کا دربار سے ذلت کیساتھ نکلوا دیا جانا ایک معمولی بات تھی لیکن حسن کے لیے یہ دو لکدار اور حالدار سانحہ تھا جس نے اُسکو نظام الملک اور دولت سلجوقیہ کا دشمن بنا دیا تھا خواجہ نظام الملک کے قالہ میں حسن صباح کو ناکامی ہوئی لیکن مخبروں کے ناکامی اُس کی آئندہ ملحدانہ اقبالی کا عنوان تھا جب یہ دربار سے نکلکر دو اصفہان پہنچا اور ملکشاہ و خواجہ کے خوف سے اپنے دوست رئیس ابوالفضل کے مکان میں گوشہ گیر ہو گیا ابوالفضل نے بڑے اعزاز سے مہمان رکھا ایک دن بسبیل تذکرہ حسن صباح نے کہا کہ "اگر مجھے دو یار موافق مل جاتے تو میں اس ترک (ملکشاہ) کی سلطنت اور اس دہقانی (خواجہ نظام الملک طوسی) کی ریاست کو زیر و بالا کر دیا" ابوالفضل نے اپنی دانشمندی سے سمجھا کہ میرا معزز مہمان دیوانہ ہو گیا ہے یا دماغی اس خلل سے دسرخوان پر ایسی غذائیں آنے لگیں جس سے دل و دماغ کو تقویت پہنچے حسن صباح اپنے نادان دوست کا مطلب سمجھ گیا اور چپ چاپ اصفہان سے چلتا ہوا"

اس آوارہ گردی میں اُس کی ملاقات فرقہ اسمٰعیلیہ کے رفیقوں سے ہوئی (جو اس زمانہ میں تمام ملک میں پھیلے ہوئے تھے) جنھوں نے اُس کو سمجھایا کہ خلفاے فاطمیہ مصر اصلی امام

(مسروٹ صفحہ ماقبل) حسن صباح ملکشاہ کے کسی سوال کا جواب نہ دے سکا ۔ سلہ امیر سٹرانج حالات حسن صباح صفحہ ۱

ہیں جن کی تقلید ہر مسلمان پر فرض ہی۔ اور دنیا میں سب سے بہتر مذہب اسمعیلیہ ہی" حسن انھیں خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ خوش قسمتی سے اُس کی ملاقات (بمقام رے) عبدالملک بن عطاش سے ہوئی۔ جو صوبہ عراق کا داعی الکبیر تھا۔ اور جو اپنی جانب سے مذہب اسمعیلیہ کی اشاعت کے لیے لوگوں کو واعظ (مشنری) بنا کر بھیجتا تھا۔ چنانچہ حسن بھی عبدالملک کے حلقہ اطاعت میں آگیا۔ چونکہ حسن صباح ایک ذہین اور تعلیم یافتہ شخص تھا۔ لہذا اُس کو اشاعت مذہب کی عبدالملک نے اجازت دیدی، اور یہ بھی ہدایت کی کہ "مصر جاکر خلیفہ المستنصر باللہ کی زیارت کرو"

حسن صباح مصر میں | چنانچہ [۱] ۴۷۱ھ میں مصر پہنچا۔ خلیفہ حسن کے حالات سے اول ہی واقف کر دیا گیا تھا۔ لہذا خلیفہ نے حسن صباح کی بڑی خاطر کی، اور ڈیڑھ برس تک اپنا مہمان رکھا۔ یہاں حسن نے دارالحکمۃ (کالج) میں تعلیم پائی۔ اور امام کی طرف سے اجازت دی گئی کہ وہ لوگوں کو عام دعوت دے لیکن حسن ہنوز مصر میں موجود تھا کہ مستنصر نے اپنے بیٹے نزار [۲] کو ولیعہدی سے خارج کرکے اپنے دوسرے بیٹے احمد المستعلی باللہ کو ولیعہد کر دیا۔ یہ انقلاب عوام اور امیر الجیوش بدر جمالی کی وجہ سے ہوا تھا۔ حسن نزار کا طرفدار تھا کیونکہ حسن کی رائے میں امام کا حکم منسوخ نہیں ہو سکتا تھا۔ اور فریق ثانی کہتا تھا کہ دوسرا حکم اول کا ناسخ ہی لہذا ابوالقاسم احمد المستعلی امام برحق ہی" جب امیر الجیوش کو معلوم ہوا کہ حسن نزار کی خفیہ دعوت کر رہا ہی تب امیر نے

---

[۱] کتاب دبستان مذاہب و سین الاسلام جلد دوم صفحہ ۷۰ و کامل اثیر صفحہ ۱۱۰ جلد ۱۰ [۲] امیر الجیوش کی سختی سے نزار اسمعیلیہ بھاگ گیا تھا۔ اہل اسکندریہ نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی اور المصطفیٰ لدین اللہ کا لقب دیا لیکن مستنصر کے انتقال پر شاہنشاہ ملقب بہ افضل وزیر المستعلی نے نزار پر فوج کشی کی اور فتحیاب ہو کر نزار کو قتل کر دیا۔ (اور اسی زمانہ سے فرقہ اسمعیلیہ میں اختلاف رائے ہو کر دو گروہ پیدا ہو گئے) مصر الحدیث جلد اول صفحہ ۴۴۳ -

بحکم مستنصر حسن کو قلعہ دمیاط میں قید کر دیا اتفاق سے اسی دن قلعہ کا ایک برج جو نہایت
مضبوط تھا گر پڑا اُس کو لوگوں نے حسن کی کرامت سمجھا آخر الامر امیر نے حسن کو قلعہ سے
نکال کر چند عیسائیوں کے ہمراہ ایک جہاز پر بٹھلا کر افریقہ روانہ کر دیا حسن مجبور تھا اتفاق سے
سمندر میں طوفان آگیا تمام سوار بدحواس ہو گئے لیکن حسن نہایت اطمینان سے بیٹھا ہوا تھا
ایک سوار نے پوچھا آپ کس اطمینان سے بیٹھے ہیں حسن نے جواب دیا کہ مجھے امام حق کی
اطلاع دی ہے کہ جہاز نہ ڈوبے گا تھوڑی دیر میں طوفان جاتا رہا اور سمندر کو سکون ہو گیا۔
لوگوں نے حسن کے قدم چومے اور اُس کو ایک ولی اللہ تسلیم کر لیا (حقیقت یہ ہے کہ اتفاقات
نے حسن صباح کو ہر جگہ کامیاب بنا دیا) جب جہاز ساحل شام پر پہنچ گیا تو حسن جہاز سے اُتر
آیا اور خشکی کے راستہ سے دیار بکر جزیرہ روم، حلب، بغداد، خوزستان ہوتا ہوا اصفہان
پہنچا۔ اور ان تمام بلاد میں وہ مذہب اسمٰعیلیہ کی دعوت کرتا رہا اور اسی مقام سے رودبار کوہستان
وغیرہ میں اپنے نائب روانہ کئے چنانچہ تین سال کے اندر حسن کے مریدوں کی ترقی ہو گئی
ب ایک قصبہ میں جو قلعہ الموت کے قریب تھا جا کر ٹھہر گیا اور بکمال زہد و پارسائی سے رہنے
لگا چند سال میں قصبہ کے بہت سے لوگوں نے حسن کے ہاتھ پر بیعت کی اور چونکہ قلعہ کے
فوجی سپاہی بھی حسن کے مرید ہو چکے تھے لہذا انھوں نے ماہ رجب ۴۸۳ھ میں رات کے وقت
حسن صباح کو قلعہ میں بھیج دیا اور اس عارضی قبضہ کے بعد حسن نے قلعہ پر مستقل قبضہ کر لیا جسکی

۵۱ دبستان مذاہب صفحہ ۳۰۵
۵۲ لکھتے ہیں کہ علاؤالدین محمد حسن نے قلعہ پر مستقل قبضہ کر لیا اور قلعہ دار کو جبری طور پر نکال دیا وہ دوسری راستے سے نکل گئے

صراحت حسب ذیل ہے۔ قلعہ اَلموت (بروزن جبروت) ناحیہ رودبار میں شہر قزوین اور دریائے خزر کے مابین واقع ہے۔ اور یہ کل علاقہ طالقان کے نام سے مشہور ہے۔ اور قلعہ پیچیدہ گھاٹیوں کے اندر واقع ہے۔ اور اسقدر بلند ہے کہ کسی تیرانداز کا تیر اُس کی چوٹی تک نہیں پہنچ سکتا ہے نہ اسپر منجنیق نصب ہوسکتی ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ میں یہ روایت مشہور ہے کہ سلاطین دیالمہ میں سے کسی نے شکار کے لئے عقاب اُڑایا تھا۔ چنانچہ عقاب شکار مار کے بلندی پر جا گرا۔ بادشاہ اور ہمراہی شکار کے تعاقب میں جب اِس مقام تک پہنچے۔ تو اس کو ایک محفوظ جگہ سمجھکر ایک عالیشان قلعہ تعمیر کرایا۔ اور قلعہ کا نام اَلہ آموت رکھا۔ (جو کثرت استعمال سے الموت ہوگیا) دیلمی زبان میں اَلہ اموت کے معنے آشیانہ عقاب یا تعلیم العقاب کے ہیں۔ مصنف نگارستان لکھتا ہے کہ یہ امر بھی اتفاقات سے ہے کہ اَلہ اموت کے عدد بحساب جمل چار سو تراسی ہوتے ہیں۔ جو حسن صباح کے قبضہ کا ابتدائی سال ہے غرضکہ قلعہ کے اندر پہنچکر حسن صباح نے مہدی علوی قلعدار سے کہا کہ "دوسرے شخص کی ملکیت میں عبادت جائز نہیں ہے۔ اور یہ مقام ایسے گوشہ عافیت میں واقع ہے کہ جس کو میں بہت پسند کرتا ہوں۔ لہٰذا اسقدر زمین جو ایک چرسہ کے اندر آجائے مجھے دیدو جس کی قیمت تین ہزار دینار ادا کرونگا۔" مہدی نے عقیدتمندی اور طمع نفسانی سے اسقدر آراضی کے بیع میں کچھ مضائقہ نہ سمجھا

---

۵۱ گنج دانش صفحہ ۴۰۴ ۵۲ صوبہ رودبار میں تقریباً پچاس قلعے ہیں لیکن سب سے زبردست الموت اور میموں دز ہیں (نزہت القلوب حمد اللہ) وکامل اثیر صفحہ ۱۱۰ جلد ۱۰ ۵۳ بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ "آلہ اموت" ایک شکاریوں کی اصطلاح ہے جسپر شکاری جانور سدھائے جاتے ہیں۔ کامل اثیر صفحہ ۱۱۰ جلد ۱۰ و مرآۃ البلدان ناصری صفحہ ۹۳ - نزہت القلوب میں لکھا ہے کہ اس جگہ عقاب اپنے بچوں کی پرورش کرتے تھے اس لیے اس کا نام آشیانہ عقاب قرار پایا ۵۴ نگارستان صفحہ ۲۳۱-
۵۵ دولت شاہ سمرقندی صفحہ ۶۴ سے ۶۵-

لہٰذا حسن صباح کے نام معاملہ لکھ دیا اس کے بعد حسن نے یہ کارروائی کی کہ کھال کی باریک پٹیاں کاٹ کر اور ایک میں جوڑ کر اتنا بڑا حلقہ بنایا کہ قلعہ الموت اس کے اندر آگیا علوی مہدی یہ چالبازی دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا مگر بیع کے بعد کیا کر سکتا تھا؟ اب حسن کے مریدوں نے مہدی کو قلعہ سے بے دخل کر دیا اور زر ثمن کے لیے حسن صباح نے ایک رقعہ اپنے مرید رئیس مظفر کو جو قلعہ گرد کوہ کا حاکم تھا لکھ دیا جس کا مضمون حسب ذیل ہے

رئیس مظفر حفظہ اللہ تعالیٰ مبلغ سہ ہزار دینار بہائے قلعہ الموت بہ علوی مہدی رساند علی النبی المصطفیٰ وآلہ السلام حسبنا نعم الوکیل" چنانچہ مہدی نے رئیس مظفر سے قیمت وصول کر لی اور قلعہ پر حسن صباح کا قبضہ ہو گیا جس میں پینتیس برس تک خود حسن نے حکومت کی اور اس کے بعد اس کے سات جانشین حکمران ہوئے چنانچہ ایک سو ستر برس گیارہ مہینے اٹھائیس دن صباحیوں کی مجموعی حکومت رہی حسن نے اس قلعہ کا نام بلدۃ الاقبال رکھا تھا اور واقعی یہ نام ہر طرح سے موزوں تھا جب قلعہ الموت پر حسن صباح کا قبضہ ہو گیا تو اس کا دوست رئیس ابوالفضل اصفہانی ملاقات کے لیے آیا ابن صباح نے کہا کہ "فرمائیے حضرت! میں نے کہا تھا یا آپ نے دیکھ لیا جب مجھے یاران موافق مل گئے تو میں نے کیا کیا؟" ابوالفضل نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا اور حسن کی دانشمندی کا قائل ہو گیا

قلعہ الموت پر قبضہ | جب حسن صباح کو بیٹھنے کے لیے الموت جیسا مستحکم اور محفوظ قلعہ مل گیا تب اس نے استقلال اور دولت سے اپنے مذہبی خیالات کو پھیلانا شروع کیا اگرچہ خلفائے فاطمیین مصر کا

۱؎ دبستان مذاہب حالات اسمٰعیلیہ

نائب تھا۔ لیکن حقیقت میں خلفاء کی اطاعت برائے نام تھی، اور وہ بھی مصلحتاً۔ غرضکہ حسن صباح نے صوبہ رودبار اور قزوین میں خاص توجہ سے اپنا مذہب پھیلانا شروع کیا۔ اور اس صوبے کے بہت سے آدمی اپنی خوشی سے اور بہت سے جبراً داخل مذہب کیے گئے۔ اور مذہب کی آڑ میں تمام صوبہ رودبار اور کوہستان میں حسن صباح کی حکومت بھی قائم ہوگئی۔ اور مختلف مقامات پر اپنی ضرورت کے مطابق قلعوں کی مرمت کی گئی۔ اور بعض مقامات پر نئے قلعے بنائے گئے اور قلعہ الموت کو بحیثیت مرکزہ دار الحکومت خوب مستحکم کرلیا۔ اور اس کے گرد عالیشان محلات بنائے اور باغات لگائے جب خواجہ نظام الملک اور ملک شاہ کو ان واقعات کی اطلاع ہوئی[1] تو اول خواجہ نے حکمت عملی سے کام لینا چاہا۔ اور اس کی یہ تدبیر کی کہ ۴۸۳ھ (۱۰۹۰ع) میں سلطان کی طرف سے ایک سفارت الموت کو روانہ کی اور حسن صباح کو سلطان کے شاہانہ جاہ وجلال سے ڈرا کر اطاعت پر آمادہ کرنا چاہا حسن صباح نے شاہی سفارت کی کچھ پرواہ نہ کی اور رخصت کے وقت سفیر سے کہا کہ میری طرف سے ملکشاہ سے کہدینا کہ وہ ہمکو پریشان نکرے ورنہ مجبوراً مقابلہ کرنا[2] پڑیگا۔ ملکشاہ نے جب حسن صباح کے حالات سفیر کی زبانی سنے۔ تو دو سال کے واسطے فوج کشی ملتوی کردی اور ۴۸۵ھ (۱۰۹۲ع) میں قلعہ الموت پر فوج بھیجی گئی امیر ارسلاں سپہ سالار نے قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ اور تاخت و تاراج سے قلعہ والوں کو بہت کچھ نقصان پہنچایا۔ اس وقت قلعہ[3] میں حسن کے پاس صرف ستر آدمی تھے اور ممکن تھا کہ حسن گرفتار ہوجائے لیکن اُسی وقت قزوین سے تین سو سپاہی

---

[1] حسن صباح کے استیصال میں غیر معمولی وقفہ ہوا۔ اور سلطان کو ایسے عظیم الشان واقعہ کی اطلاع تک نہیں ہوئی اس کے متعلق حصہ اول صفحہ ۱۷۷ کا نوٹ ملاحظہ ہو۔ [2] ناظرین سمو تیر پر حصہ اول کا صفحہ ۱۰۰ ملاحظہ فرمائیں جس میں سفارت کی تفصیل ہے۔ [3] گنج دانش صفحہ ۱۲۱۴ و دبستان مذاہب صفحہ ۳۲۲

مدد کے لیے آگئی۔ حسن کو ابو علی نے روانہ کیا تھا اور انھوں نے امیر ارسلان کی فوج پر شبخون مارا
اور بے انتہا مال غنیمت حاصل کیا۔ جب اس ہزیمت کی سلطان کو اطلاع ہوئی تو سلطان نے
قزل ساروق کو ایک زبردست فوج کے ساتھ روانہ کیا۔ قلعہ کے باہر لڑائی ہوئی اور قریب تھا کہ
قلعہ والے حسن کو چھوڑ کر فرار ہو جائیں۔ مریدوں کی بدحواسی دیکھ کر حسن صباح نے کہا کہ "امام حجۃ
کا ارشاد ہے کہ کوئی شخص قلعہ سے باہر نہ جائے کیونکہ ہماری کامیابی اور بلند اقبالی اسی قلعہ پر موقوف
ہے" اور دوسری تدبیر یہ کی کہ ایک فدائی کو خواجہ نظام الملک کے قتل کا حکم دیا۔ حسن نے خواجہ کا
کام تمام کر دیا۔ اس واقعہ کے مہینے [illegible] بعد سلطان ملکشاہ کا بھی انتقال ہو گیا (ایک
روایت یہ ہے کہ حسن صباح نے زہر خورانی کے ذریعہ سے ہلاک کیا) ایسی حالت میں جنگ کیونکر قائم
رہ سکتی تھی۔ الموت سے فوجیں واپس آ گئیں۔

سلطان ملکشاہ کے انتقال پر شاہزادہ برکیارق نے اصفہان پر فوج کشی کی۔ ترکان خاتون
(بیگم ملکشاہ) نے خوف زدہ ہو کر برکیارق سے صلح کر لی اور سلطنت برکیارق اور محمود میں تقسیم
ہو گئی لیکن محمود کا انتقال ہو گیا اور چار برس بعد برکیارق کے دوسرے بھائی محمد نے سرکشی
کی اور عراق پر قبضہ کر لیا اور مسلسل لڑائیوں کے بعد ۴۹۲ھ میں برکیارق اور محمد میں یہ سلطنت
کے حصے ہو گئے اور اس سات برس کے زمانہ میں حسن صباح سے تعارض نہیں کیا گیا۔ جیسا کہ ان
خانہ جنگیوں سے حسن نے خوب فائدہ اٹھایا اور قلعہ گرد کوہ، لامسر، رودبار وغیرہ پر جو مشہور قلعے

ؔ۱ خواجہ نظام الملک کے قتل اور انتقال ملک شاہ کے حالات حصہ اول صفحہ ۹۱ ۔ ۱۹۱ پڑھنا چاہیے
ؔ۲ تفصیل کے لیے ملحوظ نمبر حصہ اول صفحہ ۷۷

تھے قبضہ کرلیا۔ ان فتوحات سے حسن صباح کا اور بھی اقتدار بڑھ گیا اور اطمینان سے اشاعت مذہب کرنے لگا۔

مذہب اسمٰعیلیہ باطنیہ کی مختصر تاریخ | فرقہ اسمٰعیلیہ[1] بھی مذہب شیعہ کی ایک شاخ ہی، جو حضرت امام اسمٰعیلؑ بن حضرت امام جعفر صادق سے منسوب ہی۔ اس فرقہ میں امامت کا سلسلہ اس طرح پر ہی کہ (اول) امیر المومنین علیؑ بن ابی طالب متوفی سنہ ۴۰ھ۔ (دوم) امام حسنؑ متوفی سنہ ۴۹ھ۔ (سوم) امام حسین شہید کربلا سنہ ۶۱ھ۔ (چہارم) امام زین العابدین متوفی سنہ ۹۴ھ (پنجم) امام محمد باقر متوفی سنہ ۱۱۴ھ (ششم) امام جعفر صادق متوفی سنہ ۱۴۸ھ۔

امام صاحب موصوف کے دو نامور صاحبزادے امام موسیٰ کاظم و امام اسمٰعیل ہوئے چنانچہ یہ فرقہ امام اسمٰعیل کو ساتواں امام تسلیم کرتا ہی۔ اور امام موسیٰ کاظم جن سے ائمہ اثنا عشر کا سلسلہ پورا ہوتا ہی ان کو امام نہیں مانتا جب فریق مخالف نے یہ اعتراض کیا، کہ حضرت اسمٰعیل کا انتقال امام جعفر صادق کی حیات میں ہوگیا تھا، تو انھوں نے جواب دیا کہ "امام کی حیات میں امامت کا انتقال دوسرے پر جائز ہی" اور امام محمد بن اسمٰعیل کی نسبت انکا قول ہی کہ انھوں نے ساتویں امامت کا تکملہ کیا ہی اور وہ خود مستقل امام نہیں ہیں بلکہ سابع تام ہیں[2]۔ بہرحال امام محمد بن اسمٰعیل پر اس فرقہ کے نزدیک ظاہری امامت کا خاتمہ ہوگیا۔ اور بعد ازاں ائمہ مستور کی امامت شروع ہوئی یہ امام محمد مکتومؑ بن اسمٰعیل، جعفر مصدقؑ بن محمد مکتوم اور حبیب بنؑ جعفر مصدق ہیں۔ ائمہ مستور کے نقیب علانیہ دعوت کرتے تھے اور وہ خود مخفی طور پر سیر و سیاحت میں مصروف تھے۔ الغرض

---

[1] دبستان مذاہب صفحہ ۳۴۴　[2] کتاب الملل والنحل صفحہ ۸۹ تا ۹۰

سلسلہ باطن کے بعد پھر ظاہر اماموں کا سلسلہ شروع ہوا جن میں سب سے پہلے امام ابو محمد عبید اللہ
ملقب بہ مہدی ہیں۔ مہدی کا دار السلطنت قیروان (مغرب) تھا بعد ازاں جب شہر مہدیہ آباد
ہوگیا تو اس کو دار الحکومت بنایا خلفائے فاطمیین مصر مہدی کی اولاد ہیں مہدی نے ملک
مغرب میں مذہب اسمٰعیلیہ کی خوب اشاعت کی اور اہل مغرب کو باور کرایا کہ وہ اس حدیث
نبوی کے مطابق یعنی علی راس ملک مائۃ تطلع الشمس من مغربہا اس عہد کا مجدد
اور امام ہے ہندوستان سے لیکر مصر و مغرب تک یہ فرقہ اسمٰعیلیہ کے نام سے مشہور رہا ہے
اور حقیقت میں یہی اصلی اسمٰعیلیہ ہیں۔ اس فرقے نے قدیم مذہب اثنا عشری سے جو پہلا
اختلاف یہ کیا کہ امامت جو بارہ اماموں میں محدود تھی اس کو غیر محدود کر دیا اور بجائے
ائمہ کے ہر امام کے اثنا عشر نقیب تجویز کیے اور لیے یہاں امامت کا شمار سات ہی پر رکھا
مگر محدود نہیں کیا بلکہ یہ قید لگائی کہ امام کا دورہ سات سات پر ختم ہوتا رہیگا اور سات کی تخصیص
اس لیے کی کہ نظام عالم کا بڑا حصہ سات میں محدود ہے مثلاً آسمان سات ہیں ہفتے کے دن
سات ہیں مشہور ستارے (سبعہ سیارہ) سات ہیں علی ہذا القیاس دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کوئی زمانہ

۵۱ سلسلہ امامت حسب ذیل ہے (۱) عبید اللہ بن حسن بن علی بن محمد (۲) ابو القاسم محمد ملقب بہ قائم بامر اللہ (۳) ابو طاہر اسمٰعیل
ملقب منصور باللہ (۴) ابو تمیم معد ملقب معز لدین اللہ (۵) ابو منصور نزار ملقب عزیز باللہ (۶) ابو علی منصور
ملقب حاکم بامر اللہ (۷) ابو الحسن علی ملقب بہ الظاہر لاعزاز دین اللہ (۱) امام اول عبید اللہ کے نسب میں سب سے زیادہ اختلاف ہے
مشکل مسئلہ ان ملکوں و عمروں ہے مغرب میں عبید اللہ کی امامت ۲۹۶ھ میں ہوئی اور ۳۲۲ھ میں بمقام مہدیہ انتقال کیا
۵۲ حدیث کے شروع میں آفتاب مغرب سے طلوع کریگا لفظ آفتاب سے بعض نے عبید اللہ مہدی اور بعض نے محمد بن عبد اللہ مہدی
مراد لیا ہے لیکن یہ حدیث موضوع ہے جو کسی معتبر کتاب میں نہیں ہے کتاب الملل والنحل و دبستان مذاہب طائفہ الملاحدہ اسمٰعیلیہ

امام ظاہر یا مستور سے خالی نہیں رہتا ہی جب امام مستور ہوتا ہی اُس وقت ان کے نقیب دعوت کرتے ہیں۔ اور جب امام ظاہر ہوتا ہی اس وقت نقیب مخفی دعوت کرتے ہیں۔ اس مسألہ نے پولٹکل سازشوں کو جزو مذہب بنا دیا۔ عرب مورخین نے اس فرقہ کو بلحاظ تقسیم ہفت گانہ "سبعیہ" کا خطاب دیا ہی۔ اور جس زمانہ میں امام ظاہر ہوتا ہی۔ اسکا نام دور الکشف ہی۔ اور جب امام مستور ہوتا ہی اس کا نام دور الستر ہی۔ حسن صباح نے جب مذہب اسمعیلہ اختیار کیا تو اُس نے اور اُس کے داعیوں اور نقیبوں نے بلاد فارس وغیرہ میں متعدد ناموں سے شہرت پائی (جس کی تفصیل آگے درج ہی) حسن نے فلسفیانہ طریقہ سے مذہب اسمعیلہ میں بہت سے نئے مسائل کا اضافہ کیا۔ مسألہ وجود ذات باری میں یہاں تک شدت کی کہ خدا کو بالکل بیکار اور معطل بنا دیا۔ مثلاً خدا کو قادر کہتے ہیں تو اس لیے نہیں کہ خود اُس میں قدرت ہی۔ بلکہ وہ اس لحاظ سے قادر ہی کہ اُس نے دوسروں کو قدرت عطا کی۔ یہی حالت جملہ صفات کی ہی جو خدا کی طرف منسوب کیجاتی ہیں۔ کیونکہ اگر خدا میں صفات ہوں تو وہ مخلوق کے ساتھ مشابہ ہوجائے اور اس صورت میں تشبیہ لازم آتی ہی۔ یہ ایسا مسألہ ہی جس نے خدا کی ذات میں بھی شبہ ڈالدیا کہ آیا وہ موجود ہی یا نہیں۔ اور سب سے مہتم بالشان یہ مسألہ ہی کہ ہر حکم ظاہر کا ایک باطن ہوتا ہی اور ہر تنزیل کی ایک تاویل ہی (یعنی ظاہر بمنزلہ پوست ہی اور باطن بمنزلہ مغز) اس مسألہ نے تمام قرآن اور مجموعہ حدیث کو درہم برہم کر دیا۔ اور اسی مسألہ سے اس فرقہ کا نام باطنیہ

سلہ بت پرستوں، یہودیوں، عیسائیوں، اور مسلمانوں کے عقائد سے اپنا مذہب مرتب کیا اور اس جدید ترمیم اور اضافہ سے اُس کو نئے قالب میں ڈھالدیا۔ دائرۃ المعارف جلد ۳ صفحہ ۶۲۷۔

قرار دیا احکام شرعی کی بہ نسبت تاویلیں کی ہیں اس کی پوری تفصیل اس فرقہ کی کتابوں میں درج ہے۔ مثلاً ذیل کی تعریفات پر غور کرو جس سے مصطلحات فرقہ کا اندازہ ہوگا

لفظ	معنی
نماز	امام کو یاد کرنا اور نماز جماعت امام معصوم کی متابعت کرنا
روزہ	امام کے اسرار کی حفاظت کرنا اور ایک دوسرے فقیہ کا قول ہے کہ روزہ سے یہ مطلب ہے کہ اپنے معبود کے افعال کو خاموشی سے دیکھتا رہے اور اگر وہ فواحش میں مبتلا ہو تو اُس کو بھی افعال حسنہ سمجھے
زکوٰۃ	زکوٰۃ اس مال کا پانچواں حصہ امام معصوم کے نذر کرنا
حج	امام کی زیارت کرنا دوسرا فقیہ کہتا ہے کہ نوروز و مہرجان کے دن خدا کی طرف رجوع ہونا
طواف کعبہ	امام کے گھر کا طواف کرنا
غسل	تجدید عہد و پیمان
وضو	امام سے مذہبی تعلیم حاصل کرنا اور اُس کا دوست بننا
تیمم	امام کی غیبت میں نقیب سے تعلیم حاصل کرنا
اذان و تکبیر	امام کی اطاعت پر لوگوں کو آمادہ کرنا
جنت	عیش پسندی جسموں کا تکلیف سے چھوٹ جانا
دوزخ	محنت جسموں کا تکلیف میں مبتلا ہونا۔

لفظ	معنی
زنا	دین کے اسرار ظاہر کرنا
احتلام	افشا راز مذہبی۔
کعبہ	پیغمبر
صفا	نبی
مروہ	وصی
باب	علی (ماخوذ از حدیث نبوی انا مدینۃ العلم وعلی بابھا)
عالم ظاہر	عالم اجسام، سفلی وعلوی
عالم باطن	عالم ارواح۔ نفوس عقول

اسی طرح ہزاروں مسائل ہیں۔ جن میں ہر ظاہر کی باطنی تاویل کی گئی ہی۔ مثلاً حضرت عیسےٰ کی نسبت کہتے ہیں کہ ان کے مردہ زندہ کرنے سے یہ مطلب ہی کہ وہ دلوں کو علم سے زندہ کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ کو یوسف نجار کا بیٹا کہتے ہیں۔ قیامت اور حشر و نشر کے قائل نہیں ہیں مسالۂ تناسخ کو صحیح مانتے ہیں۔ شراب اعتدال کے ساتھ پینا جسمیں شور و شر نہ اٹھے جائز ہی۔ امام عالم باطن میں حاکم ہوتا ہی۔ اور کسی کو خدا کا علم نہیں ہوسکتا ہی جب تک امام تعلیم نہ کرے۔ نبی عالم ظاہر میں حاکم ہوتا ہی۔ اور شریعت کے ظاہری حصہ کو تنزل اور باطنی کو

۵۱ اصطلاحات مذکورۂ بالا تذکرۂ ائمہ مصنفۂ ملا باقر مرحوم اور دبستان مذاہب سے ماخوذ ہیں۔

۵۲ تذکرہ ہفت اقلیم رازی صفحہ ۱۰۰ (مطبوعہ نولکشور پریس)۔

آرنلڈ کہتے ہیں

(درجہ اسمٰعیلی کی علم اور مذہب کے داعی) امام عبداللہ مہدی نے قیام سلطنت کے بعد دارالسلطنت قیروان میں اپنے عقائد مذہب کی تعلیم کے لیے ایک خاص عمارت تعمیر کرائی تھی جس کی تکمیل الحاکم بامراللہ نے کی اور اس درسگاہ کا نام "دارالحکمت" رکھا جس کو زمانہ حال کی اصطلاح کے مطابق دارالاصلاح کہنا چاہیے چونکہ مذہب کی بنیاد رازداری پر تھی لہذا اس فرقہ کے تمام ارکان (ممبر) جمع ہوکر تعلیم حاصل کرتے تھے ہر مذہب کا آدمی اس دارالحکمہ میں داخل ہوسکتا تھا علی العموم تعلیم کے سات درجے تھے جنکے نام حسب ذیل ہیں

۱ داعی الدعاۃ	امام، صدر انجمن گرینڈ ماسٹر
۲۔ داعی الکبیر	افسر صوبہ
۳ داعی	معلم (جس کا دوسرا نام ... بھی ہے)
۴ رفیق	
۵ فدائی	
۶۔ لاحق	(لاسک) مقلد ناتجربہ کار
۷ عوام	

درس میں امام عبداللہ کی صرف ایک کتاب تھی جس میں مذہبی سیاست کے سات باب تھے اور ہر درجہ کے واسطے ایک باب مخصوص تھا اور اسی پر تعلیم ختم ہوجاتی تھی کیونکہ مہدی کا مسا

سلہ تاریخ الاسلام جلد دوم مصری حصہ اول ... المعارف جلد سوم لٹریری ہسٹری آف پرشیا پروفیسر براؤن صاحب

اس تعلیم و تربیت سے صرف اس قدر تھا کہ مشرق سے خلافت عباسیہ کا استیصال کر دیا جائے لیکن جب مصر میں خلافت فاطمیہ قائم ہوگئی تو صیغہ تعلیم میں دو درجے اور بڑھا دیئے گئے اور جس نصاب مقرر ہوا جس کی مختصر تاریخ حسب ذیل ہے۔

قاہرہ کا ایوان الکبیر

مصر[۱] کے دار السلطنۃ قاہرہ میں ۳۶۹ھ میں خلیفۃ العزیز باللہ ابو منصور نزار ابن المعز لدین اللہ معدنی وسیع پیمانہ پر ایک شاندار عمارت تعمیر کرائی اور اس کا نام "ایوان الکبیر" رکھا۔ اس محل میں عید الفطر کے دن عظیم الشان دعوت ہوتی تھی اور عید غدیر کے دن اس ایوان میں نماز و خطبہ ہوا کرتا تھا۔ اسلام میں غدیر کے جشن کا بانی معز الدولہ علی بن بویہ ہے۔ اور پہلی عید عراق میں ۳۵۲ھ میں ہوئی بعد ازاں یہ ایک عام رسم قرار پاگئی۔ اس ایوان کے ایک حصہ میں فقہاء مذہبی تعلیم دیتے تھے جس کا نام "مجلس الحکمۃ" تھا۔ دوشنبہ اور پنجشنبہ کو تعلیم ہوا کرتی تھی جس میں خلیفہ بھی شریک ہوا کرتا تھا۔ عورتوں کی بھی مذہبی تعلیم کا انتظام تھا لیکن ان کے واسطے جامع ازہر میں انتظام کیا گیا تھا لیکن خلیفۃ الحاکم بامر اللہ نے ایک فی مان کے ذریعہ سے مجلس الحکمۃ کو شکست کر دیا تھا تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے:

مجالس الدعوۃ

دعوت اوّل | اس درجہ میں داعی (معلم) مدعو کے سامنے قران کے مسائل پر شکوک

۱؎ مقریزی جلد اول صفحہ ۳۸۱ مطبوعہ مصر ۱۲۷۰ھ۔

اور شبہات پیدا کرتا ہے اور اس انداز سے تقریر کرتا ہے کہ مدعو کے دل میں خلل
ہو اور ان کے حل کرنے اور شبہات کے دور کرنے کا شوق پیدا ہو مثلاً خدا نے
دنیا کو سات دن میں کیوں پیدا کیا کیا وہ ایک ساعت میں پیدا کرنے سے عاجز
تھا؟ پھر پوچھتا ہے شیطان، ابلیس، یاجوج ماجوج، ہاروت ماروت کے
کیا معنی ہیں اور یہ کہاں رہتے ہیں الم، المص، کہیعص، حمعسق
سے خدا کی کیا غرض ہے شجرة الزقوم، رؤس الشیاطین سے کیا مراد ہے
خدا نے آسمان زمین کو سات طبقات میں کیوں پیدا کیا مہینوں کی تعداد
بارہ کیوں مقرر ہوئی خلقت حواء من ضلع آدم اس حدیث کے کیا
معنی ہیں الانسان عالم صغیر والعالم انسان کبیر فلاسفہ کے
اقوال ہیں ان کی شرح بیان کرو خدا نے ہاتھ پاؤں میں پانچ انگلیاں
کیوں بنائیں پھر ہر انگلی میں تین اور انگشت میں دو کیوں ہیں وعلی ہذا
القیاس تمام قرآن اور مجموعہ حدیث اور اقوال فلاسفہ پر اعتراض اور شکوک
وارد کیے جاتے تھے)

جب داعی نے سمجھ لیا کہ مدعو کے دل میں یہ تمام سوالات جاگزیں ہو گئے ہیں
اور وہ جواب کا طالب ہے تو داعی کہتا ہے کہ یہ مسائل شریعت میں
عمل کا ہے جب عمل کروگے تو سب حل ہو جائیں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ
کا ارشاد ہے "واذ اخذنا من النبیین میثاقھم ومنک ومن نوح و

ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ ابن مریم واخذنا منہم میثاقاً غلیظاً۔ جب مدعو مشکک فی المذہب ہو جاتا۔ اسوقت شبہات مذکورہ بالا کا جواب اسمٰعیلی مذہب کے مطابق بتایا جاتا۔ اور جب اس طریقہ پر تعلیم القرآن ختم ہو جاتی تب مدعو سے پہلا حلف لیا جاتا کہ وہ اپنے داعی کی ہر بات کو بغیر کسی بحث و حجت کے تسلیم کرے۔

دعوت دوم۔ اس درجہ میں مدعو کو سمجھایا جاتا تھا کہ خدا نے اقامت مذہب اور اسکی حفاظت صرف ائمہ کی ذات سے وابستہ رکھی ہے۔ اور جب یہ اعتقاد نفس مدعو میں راسخ ہو جاتا تھا تب تیسری دعوت کی تعلیم ہوتی تھی۔

دعوت سوم۔ اس درجہ میں مذہب اسمٰعیلی کے خاص عقائد بتائے جاتے تھے اور سب سے پہلا عقیدہ یہ تھا کہ امام برحق سات ہیں اور یہ تعین نظام عالم کے مطابق ہے مثلاً سبعہ سیارہ، سبعہ سموات، سبع طبقات ارض وغیرہ اور ساتویں امام اسمٰعیل بن جعفر صاحب الزمان ہیں امام تاویل قرآنی کے ماہر ہیں اور دعاۃ انکے وارث ہیں۔

دعوت چہارم اس درجہ میں یہ راز بتایا جاتا تھا کہ ابتداء آفرینش عالم سے اسوقت تک سات پیغمبر صاحب شریعت ظاہر ہوئے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنے پہلے شارع کی شریعت کو منسوخ یا تبدیل کر دیا ہے۔ یہ صاحب وحی تھے جنکا خطاب پیغمبر ناطق (گویا) ہے ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک پیغمبر

صامت (ناموق) بھی بحاس کا یہ فرض تھا کہ وہ پیغمبر ناطق کی شریعت کو بغیر کسی ترمیم و اضافہ کے مستحکم کرے۔ تفصیل پیغمبران حسب ذیل ہے:

پیغمبران ناطق	پیغمبران صامت
۱ حضرت آدم علیہ السلام	حضرت شیث علیہ السلام
۲ حضرت نوح علیہ السلام	حضرت سام علیہ السلام
۳ حضرت ابراہیم علیہ السلام	حضرت اسمعیل علیہ السلام
۴ حضرت موسیٰ علیہ السلام	حضرت ہارون علیہ السلام
۵ حضرت عیسیٰ علیہ السلام	حضرت شمعون حواری
۶ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم	امیر المومنین علی ابن ابی طالب اسمعیل بن جعفر صادق
۷ صاحب الزمان محمد بن اسمٰعیل بن جعفر صادق۔	صاحب الزمان پر سلسلہ ادوار ختم ہو گئے اس لئے کوئی پیغمبر صامت کی ضرورت نہیں رہی

دعوت پنجم۔ اس درجہ میں یہ تعلیم ہوتی تھی کہ ہر صامت نے اشاعت دین کے لئے اپنی طرف سے بارہ بارہ نقیب داعی مقرر کئے تھے تاکہ مذہب کی اشاعت کریں اور بارہ کی قدر شہور اور بروج کی تعداد کے مطابق ہے اور اس میں باہم کس قدر ہم آہنگی ہے کہ بنی اسرائیل کے نقیب بھی بارہ تھے اور بعثت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقیب انصار بھی بارہ تھے اسی طرح آت

سلسلہ پیغمبران صامت کو اسماعیلیہ دینی کہتے ہیں اور ان کو پیغمبران صامت کے دوسرے درجہ پر رکھتے ہیں

کی ہر چہار انگلیوں میں بارہ جوڑ ہیں اور انگشت میں دو ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا بدن مثل زمین کے ہے اور انگلیاں مثل جزائر اربع کے ہیں ایسے ہی ریڑہ کے جوڑ بارہ ہیں۔ گردن میں سات جوڑ ہیں۔ چونکہ پشت سے گردن کا درجہ بلند ہے لہذا یہ اشارہ انبیا، ناطق اور ائمہ کی طرف ہے اور بارہ سے مراد شاگرد اور داعی ہیں۔ (الغرض اس درجہ کی تعلیم کا خلاصہ یہ تھا کہ مدعو کے دل میں داعی اور نقیب کی اس درجہ عظمت پیدا ہو جائے کہ وہ فنا فی الشیخ کے درجہ پر پہنچ جائیں۔ اور ان کے کسی حکم سے مخالفت نہ کریں)

دعوت ششم۔ اس درجہ میں نماز، روزہ، زکوۃ، حج، جہاد کی فلسفیانہ تعلیم ہوتی تھی۔ اور ہر ظاہر مسائلے کے باطنی معنی بتائے جاتے تھے۔ افلاطون ارسطو فیثاغورس کا فلسفہ ختم کرایا جاتا تھا۔

دعوت ہفتم۔ اس درجہ میں مسائل الٰہیات کی تعلیم ہوتی تھی مثلاً انکا یہ دعوی کہ مدبر عالم نے اول بلا واسطہ ایک موجود کو پیدا کیا۔ اور یہ استدلال حکما کے اس مقولہ سے ہے کہ "الواحد لا یصدر عنہ الا واحد"۔

دعوت ہشتم۔ تعلیمات ماسبق کے بعد مدعو کو یہ باور کرایا جاتا تھا کہ وجود اول اور وجود ثانی میں باعتبار تقدم وہی نسبت ہے جو علت و معلول میں ہوتی ہے اور تمام کائنات کا وجود علت ثانی سے ہے۔

دعوت نہم دعوت کا یہ آخیر درجہ تھا جس میں علم الطبعیات ما بعد الطبیعۃ اور الٰہیات کے

عربی	ترجمہ
الا ما اطلقت لك ان تتكلم به واطلقه	جن کی حدود میں یا اس شہر کے صاحبِ اختیار منتظم نے اجازت دی ہو۔
لك صاحب الامر المقيم بهذا البلد تعمل	پس تجھ کو ان معاملات میں میرے حکم پر بے کم و کاست عمل کرنا چاہیے
فی ذلك بامرنا ولا تعدل به ولا تزيد عليه	اور اپنی طرف سے کسی قسم کی کمی و بیشی کا اختیار نہیں ہے۔

اس کے بعد بہت سے عقائد مطابق اہل سنت و جماعت کے ہیں جو مدعو سے تصدیق کرا لیے جاتے ہیں اور ایجاب و قبول کے بعد پھر اس طرح پر سلسلہ شروع ہوتا ہے۔

عربی	ترجمہ
فان فعلت شيئا من ذلك وانت تعلم	پس اگر امور ممنوعہ میں سے تو نے دیدہ و دانستہ (یعنی باوجود واقفی
انك قد خالفته وانت على ذكر منه فانت بريء	علم کے کہ یہ کام امام کی ہدایتوں کے خلاف ہے) انحراف کیا تو خداوند خالق آسمان
من الله خالق السموات والارض الذی سوی	و زمین جس نے تیری جسمانی صورت بنائی اور دین و دنیا و آخرت میں تجھ پر
خلقك والف تركيبك واحسن اليك فی دينك	احسانات فرمائے) اور تمام انبیاء سابقین و متاخرین، ملائکہ مقربین،
ودنياك وآخرتك وتبرأ من رسله الاولين	کروبین، روحانیین، آیات کاملہ، سورہ فاتحہ، اور قرآن مجید سے
والآخرين وملائكته المقربين الكروبيين والروحانيين	بیزار ہوا۔ اور اسی طرح توراۃ، انجیل، زبور وغیرہ سے اور اس مقدس
والكلمات التامات والسبع المثاني والقرآن العظيم	دین متین سے جس کو خداوند کریم نے آخرت کے لیے پسند فرمایا اور خدا
وتبرأ من التوراة والانجيل والزبور والذكر الحكيم	کے ہر برگزیدہ بندے سے بیزار ہوا، خدا اور اولیائے کرام کے گروہ سے خارج
ومن كل دين ارتضاه الله فی مقام الدار	ہوا اور خدا تجھ کو کھلی ہوئی ذلت نصیب کرے اور اس دنیا میں مصیبت
الآخرة ومن كل عبد رضي الله عنه وانت خارج	و تکلیف پہنچائے اور آتش جہنم تک پہنچائے جہاں خدا کی کوئی مہربانی نہیں
من حزب الله وحزب اوليائه وخذلك الله	ہوتی اور تو نے خدا کی تائید و قوت سے علٰحدہ ہو کر اپنی قوت میں
خذلانا مبينا يعجل الله لك بذلك النقمة والعقوبة	پناہ لی ہے۔ تجھ پر خدا کی وہ لعنت ہو جو ابلیس کو دی گئی تھی۔ اور جس کی

عربی	ترجمہ
حنثت ان انت الی الفتها او نویت وعقدت	اور معاہدہ کے خلاف کچھ اور نیت رکھتا ہو یا کچھ چھپا رکھا ہو تو یہ قسم اول
او اضمرت خلاف ما اخذت علیه و حلفت به فهذه	سے آخر تک تجھ پر لازم اور تیرے لیے ایک قسم کی تجدید و تائید ہو گی۔
الیمین من اولها الی آخرها مجددة علیك لازمة	اور خدا تیری کسی اور بات کو قبول نہ فرمائیگا، مگر اس عہد کا ایفا۔ اور جو
لك لا یقبل الله منك الا الوفاء بها والقیام بما	معاہدہ میرے اور تیرے درمیان ہو رہا ہے۔ اسپر قیام و استقلال۔
عاهدت بینی وبینك" قل نعم فیقول نعم"	اب تو "ہاں" کہہ۔ تب وہ (مرید) "ہاں" کہتا ہے۔

حسن صباح اور مذہب اسمٰعیلیہ قاہرہ میں جو تعلیم ہوتی تھی وہ تم اوپر پڑھ چکے ہو لیکن حسن صباح نے بحیثیت نائب امام اور داعی الدعاۃ، تعلیمات مذکورۂ بالا میں بہت کچھ تغیر و تبدل کر دیا تھا۔ اور بجائے ۹ کے صرف ۷ ہی درجے قائم رکھے جس کی صراحت حسب ذیل ہے۔

۱ | داعی الدعاۃ | فضیلت در تعلیم کا آخیر درجہ تھا۔ داعی الدعاۃ خلفاے فاطمین مصر کا مذہبی نائب ہوتا تھا۔ علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ داعی الدعاۃ کا درجہ قاضی القضاۃ کے برابر تھا اور اسی شان کا لباس بھی ہوتا تھا (فقہا اور قضاۃ کا لباس مخصوص تھا) اس منصب کے واسطے تمام مذاہب کا عالم ہونا لازمی تھا۔ داعی الدعاۃ کی ماتحتی میں بارہ نقیب ہوتے تھے اور پھر نقیبوں کے ماتحت جداگانہ داعی ہوتے تھے ہر داعی کا ایک مکان خاص ہوتا تھا۔ جس کا نام دار العلم تھا اور انکی تنخواہ بیش قرار ہوتی تھی۔

۲۔ | داعی الکبیر۔ | داعی الدعاۃ کی طرف سے جو کسی صوبے کے افسر ہوتے تھے وہ داعی الکبیر

نمبر	نام	کیفیت
		کہلاتے تھے
۳	داعی	وہ لوگ ہوتے تھے جو واعظوں (مشنریوں) کی طرح تمام بلادِ اسلام میں پھیلے ہوئے تھے اور مختلف طریقوں سے اشاعت مذہب کرتے تھے مذہب باطنیہ کی ترقی کا مدار اسی کی کوشش پر موقوف تھا حسن صباح نے دعا کے واسطے جو قانون بنایا تھا اس کا خلاصہ یہ ہے[۱]۔ ۱ الرزق اول مدعو کا حال دریافت کرنا کہ اس میں صلاحیت قبول مذہب کی ہے یا نہیں اس کے خلاف عمل نہیں ہوتا تھا ۲ التانیس مدعو کی تالیف قلوب اور رجحان طبعی کے خلاف تعلیم دینا ۳ التدلیس اکابر دین کی موافقت کرنا تاکہ مدعو کی خواہشات کی مدد ہو ۴ التاسیس تمہید مقدمات جسکو مدعو تسلیم کرلے ۵ الخلع اسقاط اعمال مذہبیہ۔ ۶ التاویل مذہب کے ہر حکم کی تاویل کرنا اور یہی داعی کی اصلی تعلیم تھی
۴	رفیق	یہ وہ لوگ تھے جو فضل و کمال میں مجتہدانہ درجہ رکھتے تھے اور قلعہ میں حسن صباح کے پاس بطور مصاحب مدام رہا کرتے تھے لوگ اعلا درجہ کے معتمد علیہ ہوتے تھے
۵	فدائی	یہ وہ لوگ تھے جو آنکھ بند کرکے بلا عذر و حجت ہر حکم کی تعمیل کرتے تھے یہی لوگ داعی الدعاۃ کے اصلی مرید اور فوج کے جانثار سپاہی سمجھے جاتے تھے فتوحات ملکی کا

[۱] دیکھو معارف جلد ۳ صفحہ ۶۲۔

باعث ہوئے۔ انھیں کی چھریوں سے محلات کے اندر اور شارع عام پر بڑے مقتدر اور جلیل الشان سلطان، ائمہ، علما، حکما، اور مشائخ قتل ہوتے تھے۔ ان[۵۱] فدائیوں کے ہات سے جمعہ کے دن جس طرح مسلمان علما شہید ہوتے تھے، ویسے ہی اتوار کے دن گرجا میں مسیحی درویش (راہب) سلاطین اور امرا بھی قتل ہوتے تھے۔ مذہبی تعلیم سے پہلے فدائیوں کو سپہگری کی تعلیم دیجاتی تھی۔ اسلحہ کا طریق استعمال ان کو بتایا جاتا تھا مصیبت برداشت کرنے کے وہ عادی کیے جاتے تھے۔ بعض بہ لنے کا فن اچھی طرح جانتے[۵۳] تھے۔ کیونکہ ہر موقع کے لحاظ سے اُن کو خاص روپ بھرنا پڑتا تھا۔ خدائیوں کی تعلیم پر خاص توجہ کی جاتی تھی۔ اور اُن کے ذہن میں داعی یہ بات نقش کر دیتا تھا کہ داعی الدعاۃ[۵۲] تمام دنیا کا مالک ہے اور اس عالم میں وہ بڑا قادر اور متصرف ہے۔ جہاں جو چاہتا ہے کر سکتا ہے۔ اس کے حکم کی تعمیل گویا خدا کے حکم کی تعمیل ہے۔ اور جو فدائی[۵۴] کسی فرض منصبی کے ادا کرنے میں مارا جائیگا وہ درجہ شہادت پاکر داخل جنت ہوگا۔ صاحب[۵۵] نزہت القلوب نے فدائیوں کی شقاوت قلبی اور خونخواری کی نسبت لکھا ہے کہ ان کو بلی (گربہ) کا گوشت کھلایا جاتا تھا۔ بلی غضب کے وقت اپنے آپے میں

---

۵۱ قتل کی علت اکثر وہ مزاحمت ہوتی تھی جو سلطنت اور علمائے ملت کی جانب سے کیجاتی تھی۔ اور کبھی فراہمی روپیہ کے لیے امرا قتل ہوتے تھے اس کے علاوہ اور بھی اسباب تھے۔ ۵۲ دائرۃ المعارف جلد ۳ صفحہ ۶۲۲۔

۵۳ لٹریری ہسٹری آف پرشیا تذکرہ حسن صباح ۵۴ دبستان مذاہب ۵۵ صفحہ ۱۳۳ حواص گربہ

	نہیں ہتی ہی چنانچہ گزشتہ عبارت کی بنا پر سے ہی حال فدائیوں کا تھا کہ حکم پاتے پر پھر وہ اُس شخص کو ہرگز زندہ نہ چھوڑتے تھے جس کے قتل کا حکم دیا جاتا تھا
۶- لصیق اور ۷- عوام	یہ دونوں ابتدائی درجے تھے جن کی تعلیم کا حال کسی مورخ نے نہیں لکھا ہی

حسن صباح کا عام لقب | مذہبی عظمت کی بنا پر کوئی مرید حسن صباح کا نام نہیں لیتا تھا بلکہ قلعہ الموت کے قبضہ کے سبب سے عموماً وہ شیخ الجبل کہلاتا تھا اور اس کے ندیم و رفیق سیدنا کے لفظ سے خطاب کرتے تھے اور خود حسن صباح نے اپنی منکسر المزاجی سے کوئی لقب اختیار نہیں کیا ورنہ حکومت اور مذہب کے اعتبار سے وہ سلطان و امیر ہو سکتا تھا

شیخ کا استقلال اور حسن کی سیر | دنیا میں ہر مذہب کا آدمی اپنے مرشد اور شیخ کا دل سے ادب کرتا ہی اور اس کے ہر حکم کو واجب العمل سمجھ کر سر اطاعت جھکا دیتا ہی اور اہل طریقت کا ہی سب سے پہلا زریں اصول ہی جو خواجہ حافظ فرماتے ہیں۔

بمی سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید ... کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

اس کے علاوہ مرشد کے تقدس و وقار اور ظاہری شان و شکوہ کا بھی مرید کے دل پر اثر پڑتا ہی مگر شیخ کے یہ احکام مذہبی و اخلاقی ہوتے ہیں لیکن حسن صباح ایک ایسا شیخ ہی کہ اس کی جانب سے مریدوں کو بجز قتل و خونریزی کے کوئی دوسرا حکم نہیں ملتا ہی یہ تسلیم کرلیا چاہیے کہ معلم (داعی) فدائیوں کو ضرور بار ور کرا دیتا ہو گا کہ شیخ الجبل کا ہر حکم آیت و حدیث کا درجہ رکھتا ہی لیکن محض تلقین و تعلیم سے ہر مرید جان دینے پر طیار ہو جائے اس کو عقل سلیم تسلیم نہیں کرتی ہے

کیونکہ کسی کی جان لینا، اور اپنی جان دینا اہمیت میں دونوں برابر ہیں لہذا یقین ہوتا ہے کہ حسن صباح
کوئی ایسی غیر معمولی کارروائی کرتا تھا جس کی وجہ سے فدائی جاں نثاری پر طیار ہو جاتے تھے۔
جہانتک ہماری نظر سے مشرقی تاریخیں گزری ہیں ان میں سے کسی مورخ نے اس مسئلہ کو حل نہیں
کیا ہے لیکن یورپ کے مشہور شہر وینس کا نامور سیاح مارکوپولو، اس طلسم کی پردہ کشائی کرتا
ہے اور سب سے اول اسی کی روایت کے مطابق حسن صباح کی جنت کا حال لوگوں کو معلوم ہوا
ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:

مارکوپولو کی روایت | ۱۲۷۲ء میں[۱] جب میں آرمینیہ اور عراق عرب کا سفر کرتا ہوا اس شہر میں پہنچا
جہاں قدیم زمانہ میں ایک ملحد رہا کرتا تھا۔ اس لیے اس جگہ کا نام مسکن ملاحدہ پڑ گیا (قلعہ الموت
مراد ہے) یہ مکان دو پہاڑوں کے درمیان واقع تھا لہذا وہ مقام بلد الجبل اور وہاں کا حاکم شیخ الجبل
کہلاتا تھا۔ اس کا نام علاؤالدین تھا۔ اور وہ مذہب اسلام کا پیرو تھا۔ اس کا قول تھا کہ محمد (صلی اللہ
علیہ وسلم) نے مجھے ایک بہشت دینے کا وعدہ کیا تھا چنانچہ وہ بہشت مجھے مل گئی ہے۔ اور اس ملک
کے مسلمان اس مکان کو بہشت ہی سمجھا کرتے تھے۔ اس نے دو گھاٹیوں کے بیچ میں ایک خوبصورت
باغ بنوایا تھا جس میں مختلف قسم کے میوہ دار درخت اور پھول موجود تھے۔ اور نلوں کے ذریعہ سے
مکانات میں پانی، دودھ، شراب، اور شہد جاتا تھا۔ اس باغ میں ہر وقت خوبصورت اور جوان
نازنین عورتیں موجود رہتی تھیں۔ جو ہر قسم کے باجے بجا کر ناچتی گاتی تھیں۔ اور دلبری میں اپنا
نظیر نہ رکھتی تھیں اس باغ میں صرف وہ لوگ آتے تھے جو حشیش (بھنگ) پینے پر راضی ہوتے تھے

---

[۱] ترجمہ سفرنامہ مارکوپولو مطبوعہ پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی لاہور۔

اور باغ میں جانے کا صرف ایک راستہ تھا اور قلعہ ایسا زبردست تھا کہ ساری دنیا اسے فتح
نہیں کر سکتی تھی۔ علاؤ الدین کے دربار میں بارہ سے بیس سال کے جوان لڑکے جن کو سپہ گری
کا شوق ہوتا جمع رہتے تھے۔ وہ محمدؐ کی جنت[له] کا قصہ سنایا کرتا جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا
اور وہ یقین کر لیتے تھے۔ پھر وہ دو چار جوانوں کو بھنگ پلا کر سلا دیا کرتا اور وہاں سے اٹھا کر باغ
میں ڈلوا دیتا تھا۔ جب وہ جاگ اٹھتے تو اپنے کو ایک ایسے مکان میں پاتے جو علاؤ الدین کی جنت
کے مانند ہوتا۔ پریاں اور حوریں ان کے ساتھ پیار و دلار کی باتیں کرتیں اور جب ہوش آتا تھا کہ
حقیقت میں وہ داخل جنت ہیں۔ اس طریقہ سے اس نے سادہ لوح کو ہمسایوں کے دل پر نقش
جما دیا تھا کہ وہی پیر اور حاکم ہے۔ جب کسی آدمی کو کسی کام کے لیے روانہ کرتا تو اول اسے بھنگ
سے بیہوش کر کے جنت میں بھیجتا پھر وہ شخص قلعہ میں علاؤ الدین کے روبرو پیش کیا جاتا۔ علاؤ الدین
اس سے پوچھتا کہ کہاں سے آئے ہو وہ جواب دیتا کہ بہشت سے اور وہ تعریف ایسی ہی کرتا جیسا کہ محمد
(صلعم) نے بیان کی ہے۔ اس بیان سے اوروں کو جنت میں داخل ہونے کی آرزو پیدا ہوتی۔ جب
علاؤ الدین کو کسی ایسے نامور سردار کا قتل کرانا منظور ہوتا تو وہ ایک جوان کو حکم دیتا کہ جا اور فلاں کو
قتل کر واپس آ کر تجھے فرشتے جنت میں پہنچا دیں گے۔ اس امید میں وہ تمام خطروں کا مقابلہ کرتا تھا

[له] دائرۃ المعارف کا مصنف لکھتا ہے کہ اس جنت میں تمام سامان جمع تھے جو خیال ہو سکتا ہے سامان عیش و عشرت جو
دل میں جاگزیں ہوں ہر قسم کے پھول میوے اور خوشنما چشمے جن کے دریا میں دودھ شہد شراب اور عمدہ پانی بہتا
ساتھ حور و غلمان مکلف لباس میں ہر قسم کے ساز بجاتے جس کے پیام سے دل شگفتہ ہو جاتا تھا اور ایسی سعادت دائمی
کے حصول کے لیے ہر ایک جان دینا تھا۔ رو... صاحب لکھتے ہیں کہ جنت کی ہوا اور ہر شے کا ... کام
سا ہوا اور ... سے ... جنت میں لے جائے جاتے تھے

اس کے دو مرید اور تھے جو اندرجال کا تماشہ دکھایا کرتے تھے ایک دمشق میں دوسرا کردستان میں بستا تھا۔ ہلاکو خاں نے فوج کشی کرکے علاء الدین کو قتل کیا۔ اور قلعہ اور باغ کو منہدم کر دیا" یورپ کے بعض سیاحوں کے سفرناموں میں صحیح واقعات کے ساتھ، ایسے افسانے بھی ہوتے ہیں۔ جو الف لیلہ کے "الہ دین کے عجیب چراغ" سے کم نہیں ہوتے ہیں۔ اور جس کے نظائر خود اس سفرنامہ میں موجود ہیں لیکن قلعہ اور جنت کا بیان افسانہ نہیں ہے بلکہ وہ ایک واقعہ ہے۔ علاء الدین، قلعہ الموت میں حسن صباح کا چھٹا جانشین ہے جس کا دور حکومت سنہ ۶۵۴ھ ۱۲۵۶ء میں ختم ہو جاتا ہے۔ اور مارکوپولو علاء الدین کے حیات میں پہنچا ہے۔ اس لیے اُنے جنت کو علاء الدین سے منسوب کیا ہے۔ ورنہ حقیقت میں جنت یعنی اس سبز باغ کا بانی حسن صباح ہے اور اسی کے زمانہ سے فرقہ باطنیہ کا ایک نام "حشاشین"[1] قرار پایا۔ اور شیخ الجبل صاحب الحشیش کہلایا۔ اور غالباً عجم میں حسن صباح پہلا شخص ہے جس نے اپنی دانشمندی سے حشیش سے وہ کام لیا جو اس کے پہلے کسی نے نہ لیا ہوگا۔ اگر فدائیوں کو جنت کی سیر کرنا مقصود نہ ہوتی تو ایسی منتی بوٹی کے تلاش کی کیا ضرورت تھی۔ بہرحال حسن صباح کی جنت کا وجود قابل تسلیم ہے۔ اور ایک دفعہ دیکھنے کے بعد ضرور فدائی دوبارہ اُس کے دیکھنے کے آرزومند ہونگے۔ کیونکہ یہ ایسا خواب نہ تھا جس کو صبح ہوتے ہی بھول جائیں

حسن صباح علاقہ طالقان اور رودبار وغیرہ سے خوبصورت، اور قوی ہیکل، تندرست، نوجوان منتخب

---

[1] حشاشین کا لفظ جنگ صلیبی کے زمانہ میں یورپ پہنچا۔ اور یورپین سایکہ میں ڈھلکر اساسین ہوگیا۔ اور ایک مستقل لغت قرار پایا جس کے معنی ایسے قاتل کے ہیں جو کسی کو گھات سے مار ڈالے یورپ کے مورخوں نے اس فرقہ کو اسلامی ہلسٹ کا خطاب دیا ہے اور ہلسٹ اس گروہ کا ایک آزاد گروہ ہے جو سلطنت سے یہ چاہتا ہے کہ انتظامی امور میں رعایا کی بھی آواز سنی جائے۔

اور اس عرصہ میں حسن نے نہایت اطمینان سے اپنے مذہب کو بھی خوب ترقی دی جب سلطان برکیارق کو خانہ جنگی سے فرصت ملی تو اُس نے عام رعایا اور علما کی شکایت پر ۴۹۴ھ[1] میں باطنیہ کے قتل کا حکم دیا، چنانچہ جن پر شبہ ہوا وہ قتل کیے گئے سلطان کے اس حکم سے حسن صباح کا غصہ بہت بڑھ گیا اور اُس نے ایک باطنی کے عوض دس مسلمانوں کو قتل کرا دیا۔ تاریخ کامل ابن اثیر میں لکھا ہو کہ "یہ زمانہ نہایت خوفناک تھا۔ وقت مقررہ پر اگر کوئی شخص اپنے گھر نہ آیا تو سمجھ لیا جاتا تھا کہ وہ باطنیہ کا شکار ہو گیا۔ اور خوف کی عام حالت یہ تھی کہ امرا عبا کے نیچے زرہ پہنا کرتے تھے اور خود سلطان[2] نے ارکان سلطنت کو اجازت دیدی تھی کہ" وہ دربار میں اسلحہ لگا کر آیا کریں"

خواجہ نظام الملک کے قتل میں چونکہ حسن صباح کو کامیابی ہوئی تھی۔ لہٰذا اُس نے اپنے تمام دشمنوں کے زیر کرنے کے لیے یہی طریقہ اختیار کیا کہ جس نے سر اٹھایا وہ کسی فدائی کی چھری سے قتل ہوا۔ چنانچہ برکیارق کی چھیڑ چھاڑ سے اصفہان وخراسان وغیرہ میں بکثرت چھری بند فدائی پھیل گئے اور مسلمان قتل ہونے لگے۔ قلعہ وسمکوہ (قریب شہر ابہر) پر باطنیہ کا قبضہ تھا اور یہ لوگ مسلمانان شہر ابہر کو بہت تکلیف دیتے تھے چنانچہ اُن کے استغاثہ پر سلطان نے قلعہ پر فوج کشی کی، اور آٹھ مہینے کے محاصرہ کے بعد قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ سلطان برکیارق کی طرح اُس کے بھائی سلطان محمد[3] کو بھی باطنیوں کی طرف خاص توجہ تھی سنہ ۴۹۸ھ میں باطنیہ نے طرثیت (اعمال بیہق) سے نکل کر خراسان، ماوراء النہر، اور ہندوستان کے حجاج کا قافلہ نواح رے میں لوٹ لیا اور پھر اطراف رے میں لوٹ مچا دی اس تاخت و تاراج میں بتعداد کثیر مسلمان مارے گئے اور انکا

۱؎ کامل اثیر صفحہ ۱۰۹ و ۱۰۹ - جلد ۱۰ ۲؎ کامل اثیر صفحہ ۱۱۲ ۳؎ کامل اثیر صفحہ ۱۳۷ - جلد ۱۰ -

مال و اسباب اور سواری سب لے گئے تھے یا دو سو برس تک رہی ہوئی۔ ۴۹۴ھ میں خود سلطان محمد نے
قلعہ شاہ دز پر فوج کشی کی یہ قلعہ اصفہان کے پاس تھا اور سلطان ملک شاہ نے بڑے اہتمام
سے بنوایا تھا اس قلعہ پر باطنیوں کا قبضہ گویا دارالسلطنت کا قبضہ تھا احمد بن عبدالملک بن عطاس
باطنی حاکم قلعہ تھا احمد اگرچہ جاہل اور علم و فضل سے عاری تھا لیکن حسن صباح نے کچھ قاعدہ
کا حاکم بنایا تھا کہ تم ہمارے استاد عبدالملک کے بیٹے ہو تمہارا حق فائق ہے اور اس قلعہ کو حسن صباح
نے خوب مستحکم کر دیا تھا چنانچہ سلطان نے محاصرہ کے بعد قلعہ فتح کر لیا جب احمد گرفتار ہو کر سامنے
آیا تو سلطان نے کہا کہ تم نے پیشین گوئی کی تھی کہ اصفہان میں میری عظمت اور شوکت
اعلیٰ درجہ کی ہوگی اور عام و خواص میرے گرد جمع ہوں گے لیکن پیشین گوئی جھوٹی نکلی
احمد نے جواب دیا کہ نہیں صحیح ہوئی لیکن بطریق حکومت نہ بطریق فضیحت سلطان نے حکم دیا کہ
جب تو بیل پر سوار کرا کے اصفہان کے کوچہ و بازار میں گشت کرایا پھر اس کی کھال
کھنچوائی اور اس طریقہ پر احمد کا خاتمہ ہوا سلطان کا وزیر سعد الملک بھی احمد کا معین و مددگار تھا اور
سلطان کو زہر دے کر قتل کرنا چاہتا تھا لہذا اس جرم میں اس کو بھی پھانسی دی گئی اور ابوالنصر احمد
بن خواجہ نظام الملک کو قلمدان وزارت سپرد کیا گیا اس کے بعد ۵۰۳ھ میں قلعہ الموت پر
فوج روانہ ہوئی لیکن بوجہ شدت سرما فوج واپس آئی۔ اس فوج کا سپہ سالار وزیر احمد تھا لیکن
۵۱۱ھ میں سپہ سالاری امیر انوشتگین شیرگیر (صاحب آبہ و ساوہ) الموت پر دوبارہ فوج کشی ہوئی اور
ایک سال تک برابر محاصرہ رہا قلعہ میں کمی رسد کی وجہ سے سخت تکلیف ہوئی اور حسن صباح نے

۱ کامل ابن اثیر صفحہ ۱۵۱ و ۱۵۲ جلد ۱۰ ۲ صفحہ ۹۴ دولت شاہ سمرقندی ۳ کامل ابن اثیر صفحہ ۱۶۰ ۴ کامل ابن اثیر صفحہ ۱۹۶ جلد ۱۰

چنانچہ دو سرداروں کو سلطان کی خدمت میں بھیجا اور وہ امان کے طالب ہوئے۔ اگرچہ درخواست نامنظور ہوئی لیکن قسمت و قدرت نے فتح اور شکست سے پہلے سلطان محمد کا خاتمہ کر دیا۔ سلطان محمد کے انتقال سے قلعہ پھر حسن بن صباح کے قبضہ میں آ گیا۔ تاریخ آل سلجوق[1] میں لکھا ہے کہ امیر ورکزی نے جو حسن بن صباح سے ملا ہوا تھا امیر شیرگیر کے لشکر کو پریشان کر دیا اور فوج امیر کو تنہا چھوڑ کر چلی آئی۔ اگر سپاہی دغا نہ کرتے تو قلعہ الموت تین دن میں فتح ہو جاتا۔ فوج کے چلے جانے سے قلعہ والوں نے امیر پر حملہ کیا اور زائد از دو لاکھ دینار کا مال لیکر قلعہ میں واپس گئے۔ سلطان محمد کے انتقال پر ۵۱۱ھ میں سلطان سنجر مستقل حکمراں ہوا اور ملک شاہ کے بعد یہ سلطان اپنے سب بھائیوں سے زیادہ زبردست اور صاحب اثر تھا۔ وسعت ملک اور فوجی طاقت میں بھی سب پر فائق تھا۔ چنانچہ سلطان سنجر ایک جرار لشکر لیکر قلعہ الموت پر چلا۔ ظاہر ہے کہ حسن صباح شاہی لشکر کا کیا مقابلہ کر سکتا تھا۔ اس کے سپاہی تو چوروں اور رہزنوں کی طرح صرف چھریاں مارنا جانتے تھے۔ لہذا حسن نے یہ چالاکی کی کہ کسی خاص غلام یا حرم کو ملا کر سلطان کی خوابگاہ کے سرہانے ایک خنجر زمین میں گاڑ دیا۔ سلطان نے صبح کو جب خنجر زمین میں پیوست پایا تو وہ خوف زدہ ہو گیا۔ اور دستہ خنجر کے اوپر حسن صباح کا ایک خط بندھا ہوا تھا جس کا یہ مضمون تھا "ہاں اے سلطان سنجر بہ پرہیز کہ اگر رعایت خاطر تو منظور نبودے دستے کہ خنجرے بر زمین سخت فرو برد۔ بر سینہ نرم تو سہل تر بود کہ فرو برد"۔ اس میں شک نہیں کہ حسن صباح نے سنجر کے حال پر بڑی مہربانی کی اور اس کو صرف دھمکا کر چھوڑ دیا ورنہ بقول حسن صباح زمین سخت میں خنجر پیوست کرنے سے سلطان کے نرم سینہ میں خنجر کا چبھو دینا آسان تھا۔ اس کا رولی

[1] تاریخ آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۱۱۲ مطبوعہ مصر [2] گنج دانش صفحہ ۱۴۱ فقرہ سنجر دکتاب دبستان مذاہب حالات اسمعیلیہ

کسا ہے کہ حسن صباح کا مقصد یہی اور صلح کا خواستگار رہا سلطان سنجر پہلے ہی مرعوب
ہو چکا تھا لہٰذا جان کے خوف سے صلح کو جنگ سے بہتر سمجھا اور ان[1] معمولی شرطوں پر صلح
ہوگئی اور سلطان فوج جدید مرل جل کر دار السلطنت کو واپس آگئی۔

(۱) اسمٰعیلی فرقہ قلعہ جات میں کوئی جدید فوجی عمارت کا اضافہ نہ کرے (۲) جدید اسلحہ
اور میگزین جمع نہ کرے (۳) آیندہ اس فرقہ میں کوئی شخص مرید نہ کیا جائے؟

حسن صباح کے واسطے اس سے زیادہ نرم شرطیں اور کیا ہوسکتی تھیں کیونکہ صوبہ رود بار،
قہستان، شام اور سواحل روم تک اندازاً ساٹھ قلعے باطنیوں کے قبضہ میں تھے جو مستحکم
اور کارآمد تھے جن میں حسن صباح کو کسی تعمیر کی ضرورت نہ تھی دوسری شرط بالکل فضول تھی
کیونکہ یہاں کر میں بجائے تلوار اور سنگین کے صرف ایک چھری کافی تھی تیسری شرط البتہ
سخت تھی لیکن اُس کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی تھی کیونکہ حسن کی فوج کی مجموعی تعداد
ستر ہزار تک پہنچ چکی تھی چنانچہ سلطان سنجر کے عہد تک ایران میں زیادہ شورش نہیں ہوئی
اب حسن صباح کی توجہ شام اور مصر کی طرف تھی[2]

موت | ان کامیابیوں کے بعد بتاریخ ۲۸ ربیع الآخر ۵۱۸ھ حسن صباح کا انتقال ہوگیا اور
پینتیس برس تک قلعہ الموت پر حکمراں رہا اسوقت حسن صباح کی عمر ۹۰ سال کی تھی

حسن صباح کے ذاتی حالات | حسن صباح کی نسبت مورخوں نے لکھا ہے کہ وہ حکیم منجم مہندس محاسب اور

---

[1] [illegible] حالات حسن صباح ۵۲ سام کے [illegible] کے [illegible] کی [illegible]
شائع ہو کر ترجمہ انگریزی لندن میں چھپ گئی ہے ۱۸۳۲ء [illegible] صفحہ ۴۸ [illegible]
صفحہ ۱۱ قلعہ [illegible] المسالک [illegible] صفحہ ۳۰۴ [illegible]

ساحر تھا۔ فقہ اور دینیات میں مجتہدانہ درجہ رکھتا تھا۔ صوفیوں کی طرح شب و روز ریاضت میں مصروف رہتا تھا۔ بجز اپنے فرقہ کے لوگوں کے اور کسی سے ملاقات نکرتا تھا۔ مستقل مزاجی کا یہ عالم تھا کہ پینتیس برس میں صرف دو مرتبہ اُس گھر کی چھت پر چڑھا جس میں سکونت پذیر تھا اور قلعہ سے تو ایک دن کے واسطے بھی باہر نہیں گیا۔ اشاعت مذہب کی فکر سے کسی وقت خالی نہیں رہا اور مذہبی تصنیفات بھی کرتا تھا۔ اس کی مذہبی تصنیفات میں (۱) "روشنی روز و تاریکی شب"۔ (۲) ایک مختصر مجموعہ موسوم اکرام ہی۔ اول کتاب کے خلاصے دبستان مذاہب وغیرہ میں درج ہیں۔ اس کے علاوہ تعجب انگیز امر یہ ہو کہ بحیثیت مہندس تین کتابیں لکھیں جنکا یورپ نے حال میں پتہ لگایا ہی اور وہ یہ ہیں (۱) کتاب الاشکال المسائح۔ (۲) کتاب الکرہ۔ (۳) کتاب العلل بذات الخلق۔

عقائد مذہبی میں انتہا درجہ کا سخت تھا جیسا خود پابند شرع تھا ویسا ہی مریدوں کو بھی بنانا چاہتا تھا۔ شرعی جرم میں اپنے دو بیٹوں کو قتل کر دیا اور اُف تک نکی۔ ایک شخص نے قلعہ کے اندر بانسری بجائی اُسی وقت اخراج کا حکم دیا اور باوجود معتبر سفارشوں کے پھر قلعہ کے اندر آنا نصیب ہوا۔ اسی کا اثر تھا کہ جس مرید کو جو حکم دیا اس نے فوراً تعمیل کی۔ جو مقبولیت حسن صباح کو اپنے مریدوں میں ہوئی اُس کی نظیر سے صفحات تاریخ خالی ہیں۔ یہ بات آج تک کسی صوفی کو حاصل ہوئی۔ اور نہ کسی بادشاہ وقت کو کہ اُس کے حکم سے لوگ جان دینے پر آمادہ ہو جائیں۔ حسن صباح کو یہ مرتبہ کیونکر حاصل ہوا؟ اس میں مورخوں کا اختلاف ہو ایک گروہ کہتا ہے کہ حسن صباح کی ظاہری بے نفسی و درصوفیانہ ریاضت اس کا باعث تھی۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ مکاری، جعلسازی، ساحری، اس کے عروج کا سبب ہوئی۔ لیکن محققین کا فیصلہ ہے کہ

مجموعی طور پر ان تمام امور کو حسن صباح کی کامیابی میں دخل ہے اور ایران میں بھی حکومت معصومات
بی الکمام کے مارے گرتے تھے، اور باغ جنت کی دلفریبیاں بہت مشہور ہیں

حسن صباح نے اپنے عہد حکومت میں حسب ذیل قلعوں پر قبضہ کیا (۱) قلعہ الموت (۲) قلعہ گردکوہ (۳) لامسر (۴) شاہ در (اصفہان) (۵) دسکوہ (متصل ابہر) (۶) خالنجان (اصفہان سے پانچ فرسخ ہے) (۷) قلعہ استوناوند (شہر رے اور آمل کے پاس) (۸) آردہن (۹) قلعہ اناظر (خوزستان) (۱۰) قلعہ طبس (متصل شہر ارجان) (۱۱) قلعہ خلادخان (مابین فارس اور خوزستان) یہ وہ قلعے ہیں جو بہت بڑے تھے اس کے علاوہ صوبہ دوماوند اور قہستان وغیرہ میں چھوٹے چھوٹے بہت سے قلعے تھے جن کی مجموعی تعداد سو کے قریب ہے جن کے نام کی تاریخ میں تفصیل نہیں ہے۔

حسن صباح کے جانشین | حسن صباح کے انتقال کے بعد قلعہ الموت میں مسلسل سات حکمران ہوئے، جن کی مختصر کیفیت حسب ذیل ہے۔

(۱) کیا بزرگ امید | یہ شخص قلعہ الموت کا قلعہ دار اور حسن صباح کا رفیق تھا حسن صباح نے ۵۱۸ھ / ۱۱۲۴ء میں انتقال کے وقت اس کو اپنا جانشین بنایا ابو علی وزیر تھا اور حسن قصرانی اس کی فوج کا سپہ سالار اس عہد میں بھی فدائیوں کا بازار گرم رہا اور ابوہاشم علوی کو جس نے شہر گیلان میں امامت کا دعویٰ کیا تھا، کیا بزرگ نے اول خط لکھا کہ "دعویٰ امامت سے باز آؤ" اس کے جواب میں ابوہاشم نے خط میں گالیاں لکھیں جس کو پڑھ کر کیا بزرگ غضبناک ہو گیا، اور امام صاحب کو گرفتار

لے قلعہ الموت کے حکمرانوں کے حالات نامہ خسروان، حسن الاسلام، گنج دانش، معجم البلدان، دبستان مذاہب، احسن التواریخ، روضۃ الصفا وغیرہ میں

کرا کے آگ میں زندہ جلا دیا۔ سلجوقیوں سے بھی لڑائیاں ہوئیں، مگر آخر کو کیا بزرگ کامیاب ہوا۔ چودہ برس، دو مہینہ بیس دن حکومت کرکے ۵۳۲ھ/۱۱۳۸ء میں انتقال کیا۔

(۲) محمد بن کیا بزرگ امید | کیا بزرگ کے انتقال پر اس کا بڑا بیٹا محمد جانشین ہوا، یہ بالکل جاہل تھا لیکن حسن صباح اور اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتا تھا۔ اس کے عہد میں بھی خونریزی جاری رہی۔ چوبیس برس آٹھ مہینے آٹھ دن حکومت کرکے ۵۵۷ھ/۱۱۶۲ء میں فوت ہوا۔

(۳) حسن بن محمد | حسن کا باپ محمد، اگرچہ قلعہ الموت کا حکمران ہو گیا تھا، مگر باطنیوں کے نزدیک اُس میں فرائض منصبی ادا کرنے کی صلاحیت نہ تھی۔ اور باطنی عموماً حسن کے فضل و کمال کے قائل تھے، الہٰذا محمد کے بعد حسن کو اپنا فرمانروا تسلیم کیا۔ اس حکمران کے نسب میں اختلاف ہے، مگر اس کا دعویٰ ہے کہ میں نزار بن مستنصر باللہ علوی کی نسل میں ہوں۔ حسن وسعت خیالات، اور چالاکی میں حسن صباح سے کچھ ہی کم تھا۔ مریدوں میں حسن کی بے انتہا تعظیم کی جاتی تھی، اور کوئی شخص نام نہیں لیتا تھا، بلکہ بجائے نام کے "علی ذکرہ السلام" کے خطاب سے یاد کرتے تھے۔ مسند نشینی کے بعد، ۲۷ رمضان ۵۵۹ھ/۱۱۶۴ء کو سب سے پہلے دربار عام کرکے حسن نے اپنی امامت کا دعویٰ کیا اور ثبوت میں امام مہدی علیہ السلام کا ایک خط پیش کیا، اور لوگوں کو سمجھا دیا کہ صرف باطن میں خدا کی محبت رکھو اور ظاہر میں جو چاہو کرو، میں تم کو آج کی تاریخ سے تمام شرعی قیود سے آزاد کرتا ہوں" چنانچہ اس تاریخ سے رسوم شرعیہ بالکل اُٹھ گئیں۔ چنانچہ کسی باطنی شاعر کا قول ہے ؎

برداشت غل شرع بتائید ایزدی
مخدوم روزگار علی ذکرہ السلام

اسی عہد سے اس فرقہ کا نام علمائے اسلام نے ملاحدہ قرار دیا۔ چار برس حکومت کرکے اپنے سالے
حسن نامور کے ہاتھ سے قلعہ لامسر میں ۵۵۹ھ / ۱۱۶۳ء میں مارا گیا

۷۔ محمد ثانی بن حسن: حکمراں ہوتے ہی اول اپنے باپ کے قصاص میں قاتل اور حامیاں کے
تمام فرد کو قتل کرادیا۔ عالم و فاضل تھا، اپنے باپ سے بھی بڑھ کر تھا۔ اس کے عہد کا واقعہ ہے کہ
امام فخرالدین رازیؒ وعظ میں فرمایا کرتے تھے کہ خلافاً للاسمٰعیلیہ لعنہم اللہ وخذلہم اللہ
جب یہ خبر محمد کو پہنچی تو ایک فدائی کو روانہ کیا۔ وہ امام صاحب کے حلقۂ درس میں آکر شامل ہوا
اور سات مہینے تک طالب العلمانہ حاضر رہا۔ ایک دن موقع پاکر امام صاحب کے سینہ پر چڑھ بیٹھا
اور خنجر گلے پر رکھ دیا۔ امام صاحب نے خوف زدہ ہو کر پوچھا کہ میرا کیا گناہ ہے؟ فدائی نے کہا کہ
سیدنا محمد بن حسن بعد سلام فرماتے ہیں کہ ہم کو عوام کی باتوں کا کوئی ڈر نہیں ہے لیکن آپ
جیسے عدیم النظیر فاضل سے خوف معلوم ہوتا ہے کیونکہ آپ کا کلام صفحۂ روزگار پر باقی رہے گا
دوسرا التماس یہ ہے کہ آپ قلعہ میں تشریف لائیں۔ امام صاحب نے جواب دیا کہ میرا قلعہ میں جانا
غیر ممکن ہے لیکن آئندہ سے عہد کرتا ہوں کہ تمہارے خلاف کچھ نہ کہوں گا۔ اس کے بعد فدائی
امام صاحب کے سینہ سے اترا اور گلے سے خنجر ہٹالیا اور کہا کہ میں سو مثقال طلا اور دو
یمنی چادریں میرے حجرے میں رکھی ہیں وہ آپ منگالیں، سیدنا کی طرف سے یہ ایک سال کا وظیفہ ہے،
اور آئندہ بھی اسیقدر رئیس ابوالفضل کی معرفت ملا کریگا۔ پھر حجرے سے نکل کر غائب ہوگیا۔ اسکے

لہ علمائے مذاہب ملاحدہ میں مباحث اور کتابیں لکھی ہیں خصوصاً امام غزالی علیہ الرحمہ کی تصنیف المستظہری جو کہ
کتاب الدین کتاب القسطاس اور ایک رسالہ (بطور سوال و جواب) و دل ملاحظہ ہو [illegible] نگارستان صفحہ ۲۲۳۔

بعد امام صاحب کا یہ دستور ہو گیا کہ جب کوئی اختلافی مسئلہ ہوتا تو صرف اس قدر فرماتے کہ حلالاً حلالاً للاسمعیلیہ امام صاحب کے اس طرز عمل سے عوام کو شبہ ہو گیا کہ وہ ملاحدہ کے ہم عقیدہ ہیں اور حکمران الموت سے ساز رکھتے ہیں۔ امام صاحب نہایت خوش نصیب تھے کہ زندہ بچ گئے۔ مگر بات یہ ہو کہ محمد بن حسن کا فدائی کو صرف اسی قدر حکم تھا کہ "وہ امام صاحب کو خوف زدہ کر دے" قتل کی اجازت نہیں دی گئی تھی اسی واقعہ کے متعلق کسی شاعر کا قول ہی۔

اگر دشمن نسازد با توای دوست   تو بے باید کہ با دشمن بسازی
دگرنہ یک دو روزی صبر فرمائے   نہ او ماند نہ تو، نے فخر رازی

اس کے عہد میں شام کے اسمعیلیوں کا الموت سے تعلق چھوٹ گیا اور شیخ رشید الدین سنان کی ماتحتی میں جداگانہ کام شروع ہوا جس کے عہد میں مشرقی شام، مشرقی افریقہ، اور سنٹرل ایشیا میں مذہب اسمعیلیہ کی خوب ترقی ہوئی۔ اس کے بیٹے جلال الدین نے اپنے باپ کو عیاش اور کمزور سمجھ کر زہر دیدیا۔ چھیالیس برس حکمراں رہا۔

(۵) جلال الدین محمد ثانی ملقب حسن ثالث | اپنے باپ کے انتقال پر ۶۰۷ھ ۱۲۱۰ء میں حکمراں ہوا۔ اور مذہب اسمعیلیہ ترک کر کے شریعت اسلامیہ کا پیرو ہو گیا۔ اور اپنے پکے مسلمان ہونے کے ثبوت میں فرقہ باطنیہ کی تمام تصنیفات (موجودہ قلعہ الموت) جلا کر راکھ کر دیں اور اپنی والدہ اور بیوی کو حج کے لیے روانہ کیا۔ امیر المومنین ناصر باللہ عباسی نے اس قافلہ کی یہاں تک عزت کی کہ قلعہ الموت کا علم فرمانروائے خوارزم کے علم سے آگے کر دیا۔ اور جس راستہ سے یہ قافلہ گزرا وہاں کے حکمراں نے بڑے اعزاز سے خیر مقدم کیا۔ تاریخ میں یہ جلال الدین نو مسلم کے نام سے مشہور ہی۔ اس کارروائی سے دنیائے

اسلام کو جو خاص مسرت ہوئی، مگر باطنی جلال الدین کے دشمن ہو گئے، اور زہر دیکر ختم کر دیا گیا
گیارہ برس حکمراں رہا

(۶) علاء الدین محمد بن جلال الدین ملقب محمد ثالث — ۶۱۸ھ/۱۲۲۱ء میں بعمر ۹ سال حکمراں ہوا، اور رفیقوں کی مدد سے مذہب باطنیہ از سر نو جاری کیا گیا علاء الدین کو کم سنی میں مالیخولیا ہو گیا اسوجہ سے عنان حکومت ارکان سلطنت کے ہاتھ میں رہی لیکن باوجود اس ضعف کے فرقہ باطنیہ کو پھر اگلی سی قوت و شوکت حاصل ہو گئی خواجہ نصیر الدین طوسی اسی زمانہ میں داخل قلعہ الموت ہوئے تھے ۳۵ برس ایک حصہ حکمراں رہا اور ۶۵۳ھ/۱۲۵۵ء میں حسن مازندرانی نے قتل کر دیا

(۷) رکن الدین خورشاہ بن علاء الدین — باپ کے بعد ۶۵۳ھ میں حکمراں ہوا حسن مازندرانی کو مع اسکی اولاد کے قتل کرا دیا اور حسن کی نعش کو جلا دیا ہنوز کسی قسم کا انتظام حکومت نہیں کرنے پایا تھا کہ ۶۵۴ھ/۱۲۵۶ء میں منکو خاں کے حکم سے ہلاکو خاں نے قلعہ الموت اور باطنیوں کا خاتمہ کر دیا اور قلعہ کا تمام ذخیرہ جو حسن صباح کے عہد سے جمع ہو رہا تھا لوٹ لیا (قلعہ کے اندر سرنگ اور تہہ خانے کے حوض بھی بھرے ہوئے ملے جن کو حسن صباح نے ذخیرہ کیا تھا مگر انکا دانہ نہیں بگڑا تھا جسکو لوگ حسن کی کرامت سمجھتے تھے) جس کی تفصیل تاریخوں میں درج ہے خواجہ نصیر الدین طوسی کا ایک تاریخی قطعہ درج کیا جاتا ہے۔

قطعہ

سال عرب چو شش صد و پنجاہ و چار بود — یکشنبہ اول ذیقعدہ بامداد
خورشاہ بادشاہ اسمعیلیان ز تخت — برخاست پیش تخت ہلاکو بایستاد

الغرض تاتاریوں[11] نے باطنیوں کی ایرانی حکومت کا ایک سو اکتر برس کے بعد خاتمہ کر دیا اور تقریباً سو قلعے باطنیوں کے برباد کر دیئے، اور بارہ ہزار[12] باطنی قتل کیے گئے۔ اسی طرح شام ومصر میں سلطان ملک الظاہر بیبرس اور سلطان صلاح الدین ایوبی نے باطنیوں کا استیصال کر دیا اور چھری بند فدائیوں سے ملک میں امن و امان ہو گیا۔ تاتاری حملہ کے بعد اس مذہب کا زور کم ہو گیا تھا۔ اور جہاں کچھ لوگ باقی رہ گئے تھے وہ گمنامی کی حالت میں تھے۔ قلعہ الموت کی تباہی کے بعد پھر حکمرانی نصیب نہیں ہوئی۔ البتہ جابجا جو داعی اور نقیب باقی رہ گئے تھے وہ اپنا کام کرتے رہے۔ چنانچہ فی زماننا بھی اسمٰعیلہ مذہب بلاد فارس، سواحل نہر سندھ، شام، حلب میں موجود ہے اور دمشق میں ایک محلہ ہے جو "حارۃ الحشاشین" کے نام سے مشہور ہے (ان کے عقائد میں عجمیوں سے بہت اختلاف ہے) ہندوستان میں اس گروہ کے امام ہز ہائینس سر آغا خاں صاحب بالقابہ ہیں۔ آپ کے اجداد کا سلسلہ رکن الدین خور شاہ تک پہنچتا ہے۔ اس مضمون کے خاتمہ پر ہم دو نقشہ درج کرتے ہیں جن کے ملاحظہ سے اسمٰعیلہ کی شاخوں اور مشاہیر مقتولین کی مختصر فہرست معلوم ہوگی۔

---

[11] خلیفہ مستعصم باللہ اور شہر قزوین کے رؤساء کی طرف سے تاتاریوں کو دعوت دی گئی تھی کہ وہ مسلمانوں کو باطنیوں کے ظلم و ستم سے بچا دیں اور ان کا استیصال کر دیں چنانچہ تاتاری فوج آئی اور باطنیوں کا خاتمہ کر دیا۔ اور بعض تاریخوں میں لکھا ہے کہ ایک معزز مغل کو کسی باطنی نے قتل کر دیا تھا جس کے قصاص میں تاتاریوں نے انکا خاتمہ کر دیا۔ ناظرین اس موقع پر حصہ اول کے صفحہ ۴۰۹ کا نوٹ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ جو خواجہ نصیر الدین طوسی سے متعلق ہے۔

(۱) فہرست فرقہائے اسمٰعیلیہ جنھوں نے مختلف ملکوں میں مختلف ناموں سے خروج کیا

نمبر	نام	مختصر کیفیت
۱	اسمٰعیلی	چونکہ یہ فرقہ امام اسمٰعیل کا مقلد ہے لہذا اسکا عام لقب اسمٰعیلی قرار پایا اور یہی اصلی نام ہے باقی اس کی شاخیں ہیں جو اپنے داعیوں کے نام سے یا کسی خاص عقیدہ کی وجہ سے مشہور ہو رہیں
۲	بابکی	بابک ایک عجمی شخص نے سنہ ۲۰۱ھ میں خلیفہ معتصم باللہ کے زمانہ میں مقام آذربائیجان خروج کیا تھا اور اصفہان ہمدان میں ایک جماعت اُس کی مطیع ہو گئی بابک نے اپنے مذہب کا نام خرم دین رکھا تھا اسوجہ سے بابکیہ خرمیہ بھی کہلاتا تھا ماں بہن بیٹی کے ساتھ نکاح جائز تھا اس لئے اس کا ایک نام خرمیہ بھی ہے
۳	محمرہ	یہ فرقہ بابک کی علامت میں سرخ لباس پہنا کرتا تھا اس وجہ سے محمرہ لقب ہوا اگرچہ صرف گرگان کے واسطے مخصوص ہے۔
۴	مبارکی	مبارک نام محمد بن اسمٰعیل کا ایک حجازی غلام تھا جس نے اول کوفہ میں مذہب اسمٰعیلیہ پھیلایا اور یہ کوئی مبارکی مشہور ہوئے در حقیقت میں مبارک کے نام سے قرامطہ کہلاتے تھے۔
		فرقہ اسمٰعیلیہ میں جو نام سب سے زیادہ مشہور ہوا وہ قرمطی ہے قرمطہ کے لقب پر تیسرا

۵	قرمطی	متعدد معنی ہیں منجملہ ان کے ایک یہ کہ باریک اور گنجان خط کو قرمط کہتے ہیں چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کا مقولہ ہے کہ فرج ما بین السطور و قرمط بین الحروف یعنی بین السطور میں کشادگی رکھو۔ اور حرفوں کو گانٹھ کر لکھو۔ چونکہ مبارک مذکور ایسا ہی خط لکھتا تھا۔ لہٰذا اس کے پیرو قرمطی اور قرمطویہ کہلائے عبداللہ بن میمون قداح اہوازی نے مبارک کو مذہب اسمعیلہ میں داخل کیا تھا اور آخر میں یہ مبارک اس مذہب کا ایک پُرجوش داعی ثابت ہوا۔
۶	میمونی	عبداللہ بن میمون قداح اہوازی کا مقلد فرقہ میمونی کہلاتا ہے۔ یہ شخص شعبدہ باز ساحر اور ماہر طلسمات تھا۔ اسوجہ سے کوہستان، خراسان، اصفہان اور رَے میں اس نے خوب ترقی کی۔ امام اسمٰعیل اور امام محمد کی خدمت میں عبداللہ عرصہ تک حاضر رہا تھا۔ عبداللہ کے بیٹے احمد نے شام اور مغرب میں اسمٰعیلی فرقہ کو خوب ترقی دی۔ فرقہ اسمٰعیلہ میں عبداللہ کا درجہ حسن صباح سے بہت زیادہ ہے۔
۷	خلفی	خلف کا مقلد فرقہ خلفی کہلاتا ہے۔ یہ خلف عبداللہ بن میمون کا نائب تھا اس نے خراسان، قم، کاشان، طبرستان، مازندران میں اشاعت کی۔ اور چونکہ ان بلاد میں شیعہ اثنا عشری آباد تھے لہٰذا اسمٰعیلی عقائد کا اثر جلد اثر ہوگیا خلف کا خلف الرشید احمد تھا اور احمد کا خلیفہ غیاث یہ بھی بڑا فاضل تھا جس نے سنہ ۲۰۲ھ میں فلسفیانہ اُصول پر مذہب اسمٰعیل میں ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام بیان ہے غیاث نے طالقان، ہرات، غور، میں یہ مذہب پھیلایا۔ اور غیاث کے

نمبر	نام	تفصیل
		خلیفہ ابو حاتم نے خراسان، رے، طبرستان، آذربائیجان میں جو ترقی کی
۸	زنجی	۲۵۵ھ میں محمد بن علی برقعی نے مقام اہواز خروج کیا اور خوزستان، بصرہ پر قبضہ کر کے ہزاروں آدمیوں کو داخل مذہب کر لیا ۲۷۰ھ میں خلیفہ معتضد باللہ کے حکم سے سولی دی گئی۔ یہ نام نواح بصرہ کے لئے مخصوص ہے اس کا شاگرد علی محمد بھی قتل ہوا اس کے عقائد میں مزدک اور بابک کے اصول بھی شامل تھے
۹	جنابی	ابو سعید حسن بن بہرام جنابی قرمطی نے احسا قطیف، البحرین میں اشاعت مذہب کی ۳۰۱ھ میں قتل ہوا اس کے بعد اس کی اولاد ۳۱۲ھ میں ہوئی جس میں طاہر ابو سعید کا بیٹا تھا ۳۱۷ھ میں جس نے عین حج کے دن خانہ کعبہ کو تاخت و تاراج کیا چاہ زمزم، اور حرم کعبہ نعشوں سے بھر گیا حرم محترم میں جو گستاخیاں کیں اس کے لکھنے سے قلم عاجز ہے یہی طاہر ہے جو حجر اسود کو اپنی جگہ سے علیحدہ کر کے لے گیا تھا اور ۲۲ سال کے بعد ۲۳ ہزار دینار تاوان لیکر خلیفہ مطیع للہ عباسی کو واپس دیا اور اپنی جگہ دوبارہ نصب ہو کر آج تک قائم ہے۔
۱۰	مہدی	امام ابو محمد عبید اللہ مہدی سے منسوب ہے اس فرقہ کو سعیدی بھی کہتے ہیں اس امام کو اولیت کا شرف حاصل ہے۔
۱۱	ملاحدہ	حسن بن محمد (جس کا عہد حکومت ۵۵۷ھ لغایت ۵۶۱ھ) حکمران قلعہ الموت کے زمانہ میں علمائے اسلام نے فرقہ اسمعیلیہ کا نام ملاحدہ رکھا (اس کا مفرد ملحد ہے) کیونکہ اس عہد میں شریعت اسلامیہ کی ظاہری ارکان حج ان کی نظر میں بے سود تھے۔ نماز روزہ وغیرہ

		سب کی معافی مل گئی تھی۔
۱۳-۱۹	حسنی	حسن صباح کے عہد میں یہ فرقہ حسنی[12] (منسوب بہ حسن صباح) تعلیمی[13] (یہ نام اسی عقیدہ کی بنیاد پر ہے کہ بغیر امام کی تعلیم کے خداشناسی محال ہے) باطنی[14] (ہر باطن کا ایک ظاہر ہے) فدائی[15] (فدائیوں کے اعتبار سے) حشاشین[16] (بھنگ یا بھنگ نوش) کے نام سے مشہور تھا۔ منجملہ ان کے نمبر ۱۶ صرف یورپ میں مشہور تھا۔ باقی نام عراق عرب وعجم میں مشہور تھے۔ باطنیہ بھی قدیم نام ہے۔ مگر خاص شہرت حسن صباح کے زمانے سے ہوئی ہے چونکہ حسن اور اس کے جانشین امام نزار فاطمی کے داعی تھے۔ لہذا یہ فرقہ نزاریہ[17] بھی کہلاتا ہے۔ اور حسن صباح کے نام اور قبیلہ کی مناسبت سے صباحیہ[18] اور حمیریہ[19] بھی کہتے ہیں
۲۰	بقیلہ	ملک شام کے بعض مقامات میں یہ فرقہ بقیلیہ کہلاتا ہے۔ اور بعض شہروں میں فدائی جیسا کہ سفرنامہ ابن بطوطہ سے واضح ہوتا ہے۔ ملک شام میں احمد بن عبداللہ میمون و محمد بن احمد میمون کے بعد ایک شخص ذکرویہ ملقب بہ صاحب الخال ابن مہرویہ پیدا ہوا۔ عرب کے قبائل میں اس کا بہت زور ہوا اور ۲۹۴ھ میں قتل ہوا۔ بعد ازاں یحییٰ بن ذکرویہ و ابوالقاسم حسین بن یحییٰ کی توجہ سے شام میں خوب ترقی ہوئی۔ ملک شام کے فرقہ نے تمام یورپ میں ہل چل ڈالدی تھی اور سب سے اول قلعہ بانیاس پر قبضہ کر لیا تھا اس کے بعد فتوحات کا سلسلہ جاری ہو گیا تھا جس کی تفصیل کامل ابن اثیر وغیرہ میں موجود ہے۔
۲۱	قرامطین	تیسری صدی ہجری کے خاتمہ پر صنعا میں علی بن فضل یمنی نے مذہب اسمٰعیلیہ کی بنیاد ڈالی شراب حلال بیٹیوں سے نکاح جائز کر دیا اور یمن میں قرامطہ کے نام سے فرقہ

(مشہور حوالہ المفصل کے لیے تاریخ عمارہ یمنی مطبوعہ لندن مع ترجمہ انگریزی دیکھنا چاہیے)

مختصر فہرست مشاہیر اسلام

جو حسن صباح اور اُس کے جانشینوں کے عہد میں فدائیوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے

نمبر شمار	سنہ قتل	نام مقتول	نام قاتل	مختصر کیفیت
۱	۴۸۵ھ ۱۰۹۲ء	خواجہ حسن نظام الملک وزیر ملک شاہ سلجوقی	ابو طاہر حارث	
۲	۴۸۸ھ ۱۰۹۵ء	ابو مسلم حاکم رے	خداداد رازی	
۳	ایضاً	امیر سیاہ پوش	ابراہیم دماوندی	
۴	ایضاً	امیر اتر ملک شاہی	حسن خوارزمی	
۵	ایضاً	امیر محسن	ابراہیم دماوندی	
۶	۴۹۵ھ ۱۰۹۲ء	امیر ارغش غلام ملک شاہ	عبد الرحمن خراسانی	انعام سے قتل کیا اسی طرح امیر یوسف کو طوال نے قتل کیا
۷	ایضاً	حاوی علوی گیلانی	ابراہیم بن محمد	
	ایضاً	ابو الفتح دہستانی وزیر برکیارق	غلام رومی خادم وزیر	
۹	ایضاً	امیر سرور ملک شاہی	ابراہیم خراسانی	
۱	ایضاً	عبد الرحمن السمیرمی وزیر السلطان برکیارق	+	

سلہ یہ فہرست ساسی ٹرساب ۲۴۳ اور دیگر مذہبی تاریخوں سے ماخوذ ہے

نمبر شمار	سنہ قتل	نام مقتول	نام قاتل	مختصر کیفیت
۱۱	سنہ ۴۹۰ھ / ۱۰۹۶ء	امیر ربیق ندیم طغرل بیگ	×	
۱۲	سنہ ۴۹۱ھ / ۱۰۹۷ء	سکندر صوفی قزوینی	رفیق قہستانی	
۱۳	ایضاً	ابوالمظفر مجید فاضل اصفہانی	ابوالفتح سنجر	
۱۴	ایضا	سنقرجہ والی دہستان	محمد دہستانی	
۱۵	سنہ ۴۹۲ھ / ۱۰۹۸ء	ابوالقاسم کرخی	حسن دماوندی	
۱۶	ایضاً	ابوالفرج قراتگین۔	+	
۱۷	ایضاً	ابوعبید مستوفی	رستم دماوندی	
۱۸	ایضاً	اتابک معود جاکم دیاربکر	+	
۱۹	ایضاً	ابوجعفر شاطبی رازی	محمود دماوندی	
۲۰	سنہ ۴۹۳ھ / ۱۰۹۹ء	امیر بلکابک سرمز اصفہانی		یہ قتل خاص سلطان محمد کے محل میں ہوا
۲۱	ایضاً	قاضی عبداللہ اصفہانی	ابوالعباس مشہدی	
۲۲	ایضاً	قاضی کرمان	حسن سراج	
۲۳	سنہ ۴۹۹ھ / ۱۱۰۵ء	قاضی ابوالعلا صاعد بن ابومحمد نیشاپوری	+	جامع مسجد اصفہان میں قتل کیا۔
۲۴	سنہ ۵۰۰ھ / ۱۱۰۶ء	وزیر فخرالملک ابوالمظفر بن خواجہ نظام الملک طوسی	+	یوم عاشورہ کے دن قتل کیا
۲۵	سنہ ۵۱۶ھ / ۱۱۲۲ء	کمال ابوطالب سمیرمی وزیر سلطان محمود		بمقام ہمدان قتل کیا
۲۶	سنہ ۵۱۹ھ / ۱۱۲۵ء	قاضی ابوسعد محمد بن نصیر بن منصور ہروی	+	بمقام ہمدان قتل کیا

نمبر شمار	سنہ قتل	نام مقتول	نام قاتل	مختصر کیفیت
۲۷	۵۲۰ھ / ۱۱۲۶ء	قسیم الدولہ آق سنقر		جامعہ میں قتل کیا
۲۸	۵۲۱ھ / ۱۱۲۷ء	معین الملک ابو نصر احمد بن فضل وزیر سلطان سنجر		اسی مرنے کا بطور اطمینان کے قتل کا حکم جاری کر دیا تھا
۲۹	۵۲۳ھ / ۱۱۲۹ء	عبداللطیف بن الخجندی مفتی الشافعیہ اصفہان		
۳۰	۵۲۴ھ / ۱۱۳۰ء	الآمر باحکام اللہ ابو علی بن مستعلی صاحب مصر		
۳۱	۵۲۶ھ / ۱۱۳۱ء	امام ابو ہاشم فاطمی		زہر دلا دیا
۳۲	ایضاً	قاضی ابو سعید ہروی	محمد دانی عمر دامغانی	
۳۳	۵۲۷ھ / ۱۱۳۲ء	حسن گرگانی	ابو مسعود ابراہیم جعفر آبادی	
۳۴	۵۲۸ھ / ۱۱۳۳ء	سید دولت شاہ علوی حاکم اصفہان	ابو عبداللہ	
۳۵	ایضاً	آق سنقر حکمران مراغہ	ابو عبیدہ محمود قہستانی	
۳۶	ایضاً	حسان شمس مزری	ابو سعید ابوالحسن فرولی	
۳۷	۵۲۹ھ / ۱۱۳۵ء	خلیفہ المسترشد باللہ عباسی		۱۷ فدائیوں نے مل کر کام تمام کیا
۳۸	ایضاً	حسن بن ابوالقاسم کرجی مفتی شہرزور	محمد کرجی سلیمان رنجی	
۳۹	۵۳۲ھ / ۱۱۳۷ء	داؤد بن سلطان سحر		
۴۰	۵۳۳ھ / ۱۱۳۸ء	قاضی قہستانی	ابراہیم دامغانی	قاضی صاحب الموت کے قتل کا فتویٰ لکھا کرتے تھے
۴۱	ایضاً	قاضی تفلیس دارالسلطنت جارجیہ	ایضاً	
۴۲	۵۳۴ھ / ۱۱۳۹ء	قاضی ہمدان	اسمٰعیل جاوری	

نمبر شمار	سنہ قتل	نام مقتول	نام قاتل	مختصر کیفیت
۴۳	سنہ ۵۳۴ھ ۱۱۳۹ع	عین الدولہ خوارزم شاہ		
۴۴	سنہ ۵۳۵ھ ۱۱۴۰ع	امیر ناصر الدولہ بن مہلہل	حسین کرمانی	
۴۵	سنہ ۵۳۷ھ ۱۱۴۲ع	امیر گرشاشپ والی کرمان		
۴۶	سنہ ۵۳۸ھ ۱۱۴۳ع	داؤد بن سلطان محمود بن محمد سلجوقی		
۴۷	سنہ ۵۴۰ھ ۱۱۴۵ع	آق سنقر غلام سلطان سنجر		سلطان سنجر کا دوسرا غلام جوہر بھی کسی باطنیہ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ جس کے قصاص میں امیر عباس حاکم رے غلام جوہر نے ہزاروں باطنی قتل کرا دیئے اور انکے سروں کا مینارہ بنایا جس پر مؤذن اذان دیتا تھا۔
۴۸	سنہ ۵۹۶ھ ۱۱۹۹ع	نظام الملک مسعود بن علی وزیر خوارزم شاہ		سلطان صلاح الدین ایوبی ایسی حرکت سے بیچ گیا لیکن جنگ صلیبی کے زمانے میں بعض لوگ افرنج بھی قتل ہوئے

یہ فہرست تاریخ کامل اثیر۔ تاریخ آل سلجوق۔ گنج دانش۔ اور انگریزی تاریخوں سے ماخوذ ہے۔

تاتاری سب سے ممتاز ہیں۔ چین کے سیراب و پر فضا میدان ہندوستان کے زرخیز صوبے ایشیائے کوچک کے خوشنما وادیاں، شمالی یورپ کے پہاڑی و ویران ملک اور ایران کے بعض حصے تاتاریوں کے جولانگاہ تھے۔ یہ ٹڈی دل جس میدان میں چھا جاتا وہاں کے خشک و تر کی صفائی کردیتا تھا۔ اور سلاطین ان کے حملہ کا نام سُنکر بدحواس ہو جاتے تھے۔ جسکی تاریخ شاہد ہی چنانچہ مغل بھی اسی نسل سے ہیں۔ فرق صرف اسقدر ہی کہ جس وقت مغل ایشیا کے انتہائی مشرقی گوشہ میں نیم وحشیانہ حالت میں تھے۔ اسوقت ترک عربوں کے میل جول سے تہذیب کے سانچہ میں ڈھل گئے تھے۔ بہرحال مسلمانوں نے اپنی عالمگیر فتوحات کے زمانہ میں اُن ترکی اقوام کو بلاد ماوراء النہر سے نکالدیا تھا صرف ترکستان، کاشغر، شاش، اور فرغانہ ان کے قبضہ میں رہ گیا تھا جسکا وہ سالانہ خراج ادا کرتے تھے۔ لیکن جب ملوک ترکستان کی حالت زوال پذیر ہوئی تو یہ بادیہ نشین اقوام درہ کوہ سے نکلکر بلاد ترکستان میں آباد ہو گئیں جس کی ابتداء ۱۸۸ھ سے ہوتی ہی۔ تاتاری اقوام میں سب سے زبردست سلاجقہ ہوئے۔ اور اس کتاب کا تعلق آل سلجوق سے ہی لہذا سلجوق اعظم کی مختصر تاریخ لکھی جاتی ہی (عربی تاریخوں میں سلجوقی ترکمان کے نام سے مشہور ہیں)۔

دولت سلجوقیہ کی مختصر تاریخ دشت قبچاق کا نامور سردار بیگو خاں (بیغو خاں) ایک خود مختار حکمراں تھا۔ اور اُس کی فوج کا سپہ سالار دقاق (تقاق) المخاطب بہ "تمر بالیغ" تھا (اس لفظ ... است پر دلالت کرتے ہیں)

-۳

ں سپہ گری کے علاوہ دقاق عقل و رائے، تدبر و سیاست، درایت و دیانت میں بھی ممتاز
تھا اسی وجہ سے تنگوخاں کو بہت عزیز تھا چنانچہ اسی زمانہ میں دقاق کے یہاں جو لڑکا ہوا
اس کا نام سلجوق[1] رکھا گیا اور یہی مولود مسعود سلجوق اعظم ذکرہ مدار سلجوقیہ کا بانی قرار پایا چنانچہ
دقاق اور تنگوخاں کے ساتھ ملاطفت میں سلجوق کی تربیت ہوئی جب سلجوق جوان ہو گیا اور
دقاق کا انتقال ہوا اور تنگوخاں نے سپاہی (سپہ سالاری) کا درجہ دیکر سلجوق کا مرتبہ بڑھایا
قومی سرداری اور فوجی امارت سلجوق نے اسی جماعت کو خاص طور پر ترقی دی اور تنگوخاں
بھی سادی ہو گیا سب امرائے سلطنت حاسد ہو گئے اور شکایتوں کا بازار گرم ہو گیا اور ایک
خاص واقعہ یہ ہوا کہ محل سرائے میں ایک دن سلجوق مسند شاہی کے قریب جہاں بیگمات اور
شاہزادوں کی نشست تھی جا بیٹھا بیگمات کو نہایت ناگوار ہوئی اور اپنے شوہر سے
کہا کہ یہ لڑکا بہت چل نکلا ہے اس عمر میں تو یہ حال ہے آگے چلکر خدا جانے کیا ہوگا" تنگوخاں کے
اس واقعہ کا اثر ہوا اور سلجوق کو اوج حشمت سے گرانا چاہا جب سلجوق کو اس واقعہ کی خبر ملی تو
وہ بھی ہوشیار ہو گیا اور سو سوار، پندرہ سو اونٹ اور پچاس ہزار بکریاں لیکر سمرقند کو روانہ
ہوا اور حدود جند میں خیمے لگا دیے یہاں اس کے ارد گرد وہی آ گئے اور ایک چھوٹی
سی حکومت قائم ہو گئی[2] اور یہیں سے سلجوق مع اپنے توابعین کے مسلمان ہو گیا چنانچہ جامع

[1] ترکی لفظ سلجوک ہے اور عرب سلجوق کہتے ہیں ابن خلدون ج ۵ [2] حمد ترکستان گلشن بلاد ... ص ۱۲۱
علوم عمر السلاطین۔ [3] ابن اثیر کی روایت ہے کہ سلجوق نے اسی حالت میں دانشمندی سے اکار روم کو اپنا ... مانا تھا
اس وجہ سے خاتون نے اپنے شوہر کو مشورہ دیا تھا کہ وہ سلجوق کو قتل کر دے جب تنگوخاں نے ارادہ کیا تھا کہ ...
اسلام کر دیں ... کو ... لوگی چاہے سلجوق کو جب اشارہ معلوم ہوا وہ مع اپنے قبائل کے ... کو بھاگ گیا ...

سلجوقیہ میں یہ پہلا مسلمان[1] سردار تھا۔ جو مذہب اسلام کا ایک زبردست مجدد اور حامی بنگیا جس علاقہ میں سلجوق مقیم تھا۔ یہ علاقہ بیغو، شاہ ترکستان کے قبضہ میں تھا۔ اور وہ اہالیان جند سے خراج لیا کرتا تھا۔ لیکن سلجوق نے ادائے خراج سے انکار کیا۔ اور بذریعہ تلوار بیغو سے یہ علاقہ چھین لیا۔ اس فتح سے اطراف و جوانب میں سلجوق کا اقتدار بڑھ گیا اور چھوٹے چھوٹے حکمرانوں کا وہ مددگار بنگیا۔ جب سلجوق[2] کی طاقت بڑھ گئی تو اس نے اپنا صدر مقام "نور بخارا"[3] قرار دیا۔ اور اس جگہ کو مستحکم کرکے ملک گیری کی طرف متوجہ ہوا۔ سلجوق کے چار[4] بیٹے۔ اسرائیل، میکائیل، یونس، موسیٰ ارسلان ملقب بہ بیغو کلاں تھے۔ چنانچہ میکائیل ایک لڑائی میں مارا گیا۔ اور خود سلجوق بھی (۱۰۰ برس کی عمر میں) ایک تاتاری کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ اور بمقام جند دفن ہوا۔ سلجوق و میکائیل کے بعد طغرل بیگ محمد اور جغری بیگ داؤد (پسران میکائیل) قوم کے سردار ہوئے۔ اور دونوں کے مشورے سے حکومت شروع ہوئی جس زمانہ میں طغرل بیگ کی فتوحات کی ابتدا ہوئی ہے۔ اسوقت دنیائے اسلام کی یہ حالت تھی کہ خلافت بغداد کا صرف نام ہی نام رہ گیا تھا۔ اور وہ وسیع و عظیم الشان سلطنت جو کبھی بغداد کے ایک خلیفہ کے زیر نگیں تھی اس وقت

---

[1] مسٹر آرنلڈ صاحب دعوت اسلام میں لکھتے ہیں کہ ایلخانی خاندان کی لڑائیوں میں جو ترکی سردار شریک ہوئے انہیں ایک شخص سلجوق بھی تھا جو ۹۵۶ء میں کرغیز کے پہاڑی میدانوں سے اتر کر اپنی قوم کو بخارا کے اضلاع میں لایا۔ اور وہاں اس نے اور اسکی قوم نے نہایت جوش سے اسلام قبول کیا۔ اور یہی دولت سلجوقیہ کی ابتدا ہوئی جسکی فتوحات نے مسلمانوں کی مٹتی ہوئی شان و شوکت کو پھر سنبھال لیا۔ اور مغربی ایشیا کی اسلامی سلطنتوں کو ایک سلطنت میں شامل کر دیا۔" دعوت اسلام صفحہ ۲۳۸ مطبوعہ آگرہ۔ [2] تاریخ آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۵ [3] نور بخارا بخارا سے تین میل کے فاصلہ پر شاہراہ عام پر ایک مشہور گاؤں ہے اور کوہستانی ہے جہاں ترکمان بین کے فرار ہیں موسم سرما میں نور بخارا اور موسم گرما میں سغد سمرقند بمقام رہتا تھا صفحہ ۳۲۴ جلد ۱ معجم [4] کامل ابن اثیر جلد ۹ صفحہ ۱۹۳۔ بعض تاریخوں میں ینال کا نام بھی لکھا ہے۔

خلافت چند ادوار میں تقسیم ہو گئی تھی خلفائے فاطمیین مصر کے سوا کسی کو شاہنشاہی کا خطاب دیا
نہ تھا تیونس، افریقہ (جس میں مصر کا زرخیز صوبہ شامل تھا) خلافت عباسیہ کے ہاتھ سے آزاد ہو چکا
تھا شام کا شمالی حصہ اور الجزیرہ، کُرد اور عربوں کے قبضہ میں تھا جس میں سے بعض سیاسی خاندانوں
کے بانی ہوئے دولت ایران آل بویہ میں تقسیم ہو چکی تھی اور بغداد کا امیر المومنین بھی انہی کے
ہاتھوں میں تھا جس کی مذہبی عظمت کو آل بویہ کے خیالات تشیع نے ضعیف کر دیا تھا ایسی پُر
آشوب حالت میں اسلام کی مذہبی اور سیاسی کمزوری رفع کرنے کے لیے ایک زبردست قوت
کی ضرورت تھی چنانچہ خدا نے سلجوقیوں کے وجود سے اس ضرورت کو پورا کر دیا مسٹر لین پول
ایک مشہور مورخ کا قول ہے کہ "اسلام قبول کرتے ہی ان کے ناتراش اور خانہ بدوش جسموں
کی (جو شہری زندگی سے بالکل بے خبر تھے) کایا پلٹ ہو گئی۔ یہ سلجوقی مسلمانوں کی مردہ سلطنت
میں روح پھونکنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے اور فی الواقع اپنی کوششوں میں کامیاب ہوئے
سلاجقہ برق و باد کی طرح ایران، الجزیرہ، شام، ایشیائے کوچک سے گزر گئے جو مقابلہ پر آیا
اُس کو برباد کر دیا ان فتوحات کے سیلاب کا نتیجہ ہوا کہ افغانستان کی مغربی سرحد سے بحرۂ
روم تک کل ملک ایک فرمانروا کی حکومت میں آگیا اور آپس کی خانہ جنگیاں بند ہوئیں اور مسلمانوں
کے منتشر عناصر ایک قالب میں جمع ہو گئے، رومیوں کی پیش قدمی کا انسداد ہو گیا نئی ترکی نسل میں
مذہبی جوش پیدا ہو گیا یہی سبب ہے کہ دولت سلجوقیہ کو تاریخ اسلام میں مہتم بالشان درجہ ملا ہے"

۱؎ تاریخ سلاطین اسلام ذکر آل سلجوق مطبوعہ لندن

طغرل بیگ کی فتوحات ابتدا[۵۱] میں طغرل بیگ نے علی تگین خاں (ایلک خاں) حاکم ماوراء النہر اور قدر خاں حاکم ترکستان سے ربط ضبط بڑھایا۔ لیکن یہ دوستی خود غرضی پر مبنی تھی لہٰذا جنگ کی نوبت آئی۔ اور طغرل بیگ کامیاب ہوا۔ اور جغری بیگ خراسان اور طوس ہوتا ہوا۔ آرمینیہ کی طرف چلا گیا۔ اور سلطنت روم میں مذہبی لڑائیوں میں مصروف ہوا۔ والی طوس سے یہ پہلی غلطی ہوئی کہ اس نے جغری بیگ کو طوس سے گزرنے دیا جب یہ خبریں سلطان محمود تک پہنچیں تو سنہ ۴۲۶ھ/۱۰۳۵ء میں اس نے ایک قاصد طغرل بیگ کے پاس روانہ کیا۔ اور ملاقات کے لیے ایک سردار کو طلب کیا۔ طغرل بیگ نے اپنے چچا اسرائیل کو غزنی روانہ کیا جب اسرائیل دربار سلطانی میں پیش ہوا تو عزت کیساتھ بٹھایا گیا۔ اثنائے کلام میں سلطان نے پوچھا کہ "اگر مجھے فوجی مدد کی ضرورت ہو تو تم اپنے قبیلہ سے کس قدر سوار لاسکتے ہو؟" اسرائیل نے ترکش سے ایک تیر نکال کر سلطان کو دیا اور عرض کیا کہ اگر یہ تیر ہمارے خیل میں بھیجد یجئے تو ایک لاکھ سوار حاضر ہوں گے۔" اسی طرح دوبارہ اور سہ بارہ سوال کیے ہر جواب پر اسرائیل ایک ایک لاکھ سوار بڑھاتا گیا۔ اور جب پھر بھی محمود نے وہی سوال کیا تو اسرائیل نے کمان سامنے رکھدی اور عرض کیا کہ "اسکے ذریعہ سے دولاکھ بہادر صحرائی جرگوں سے جمع ہو جائیں گے۔" سلطان محمود سلجوقیوں کی کثرت سے مرعوب ہوگیا اور اسرائیل کو قلعہ کالنجر (ہندوستان) میں قید کر دیا۔ جہاں وہ سات برس قید رہا۔ اسی طرح جب سلطان محمود ہندوستان کے جہاد میں مصروف تھا تو سلجوقیوں کی ایک بڑی

[۵۱] تفصیل کے لیے روضۃ الصفا کامل ابن اثیر۔ اور صحو الاقالیم حرج سلجوقیان دیکھنا چاہیئے۔
[۵۲] تاریخ الاسلام رائٹ آنریبل سید امیر علی حالات سلطان محمود غزنوی۔

اس جنگ میں طرفین کا عظیم الشان نقصان ہوا۔ اور ایسا رن پڑا کہ جس کی نظیر چوتھی صدی میں نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ سلطنت غزنویہ کے کھنڈرات پر سلجوقی ایوان حکومت کی بنا ڈالی گئی اور آتش جنگ جو ایک مدت سے شعلہ زن تھی بجھ گئی۔ اطراف و جوانب میں عمال مقرر کر کے طغرل بیگ نے ملک کا از سر نو انتظام کیا۔ تمام ملک میں طغرل بیگ کا خطبہ پڑھا گیا۔ اور افراسیاب کی چوتھیسویں پشت میں پھر سلطنت قائم ہوئی۔ طغرل بیگ نے اپنا دار السلطنت رے قرار دیا اور چغری بیگ نے مرو کو دار الحکومت بنایا۔ لیکن یہ محض انتظاماً تھا۔ کیونکہ بڑے بھائی کے مقابلہ میں چغری بیگ حکمران بننا نہیں چاہتا تھا۔ اس عظیم الشان فتح کے بعد طغرل بیگ اور چغری بیگ نے امیر المومنین القائم بامر اللہ عباسی کو اس مضمون کی درخواست دی کہ "خاندان سلجوق ہمیشہ سے مطیع و ہوا خواہ خاندان رسالت ہے اور ہمیشہ جہاد میں مصروف رہا ہے۔ ہمارے چچا اسرائیل کو سلطان محمود نے بلا جرم و قصور گرفتار کر کے قلعہ کالنجر میں قید کر دیا ہے اس کے علاوہ ہمارے بہت سے عزیز قلعہ غزنین میں قید ہیں۔ سلطان محمود کے انتقال پر سلطان مسعود نے مصالح سلطنت پر توجہ نہ کی اور عیش و عشرت میں مشغول ہو گیا۔ ملک میں بد امنی پھیل گئی۔ تب مشاہیر خراسان نے استدعا کی کہ ہم انکی حمایت کریں اس لیے ہم سے اور مسعود سے جنگ ہوئی لیکن باقبال امیر المومنین ہماری فتح ہوئی جس کے شکریہ میں ہم نے عدل و انصاف کو پھیلا دیا ہے۔ اور ظلم و ستم کو چھوڑ دیا ہے۔ اب یہ آرزو ہے کہ ہماری حکومت امیر المومنین کے زیر فرمان ہو اور حکومت کا طرز آئین اسلام کے مطابق ہو۔" ابو اسحاق فقاعی[52] سفیر نے جب یہ درخواست امیر المومنین کے حضور میں پیش کی تو وہ بہت خوش ہوا۔ اور طغرل بیگ کو

---

[51] حمد اللہ مستوفی عہد سلجوقیہ و تاریخ آل سلجوق اصفہانی عہد طغرل بیگ۔ [52] ابن خلدون حالات طغرل بیگ خلافت قائم بامر اللہ۔

رکن الدین کا خطاب دیا اور خلعت سے سرفراز کیا اور بلادِ مفتوحہ کی سند حکومت بھی عطا کی چنانچہ سند اور خلعت ملنے پر طغرل بیگ نے جشن منایا اور دس ہزار دینار، جواہرات، قیمتی کپڑے اور چند مشک نافہ خلیفہ کے حضور میں روانہ کیے۔ علاوہ اس کے ارکانِ دولت کو پانچ ہزار دینار اور وزیر کو دو ہزار دینار بھیجے اور ہبۃ اللہ بن محمد المامونی سفیر خلیفہ کو بھی انعام و اکرام سے رخصت کیا

طغرل بیگ کی ملکی تقسیم، عراق عرب، عجم ممالک دیلم پر حملہ، خلافت سے روابط تعلقات۔

فتوحات سے مطمئن ہو کر ۴۴۳ھ میں طغرل بیگ نے انتظام سلطنت کی غرض سے بلادِ مفتوحہ کو اس طرح پر تقسیم کیا کہ

۱ جیحون سے ساوہ تک — چغری بیگ داؤد

۲ کوہستان، ہمدان — ابراہیم بن ینال

۳ بست، ہرات، سیستان، بوشنج۔ — ابو علی حسن بن موسیٰ ارسلان

۴ کرمان، طبس — قاورد بن چغری بیگ

۵ اور ماتحان، اہر، زنجان — یاقوتی بن چغری بیگ

۶ جرجان، دامغان — قتلمش بن موسیٰ ارسلان۔

اس کے علاوہ صوبہ عراق و عجم کو اپنے قبضہ میں رکھا اور ریاست میں اپنے سب سے لائق بھتیجے الپ ارسلان بن چغری بیگ کو لے لیا اور اسی تقسیم کے مطابق ملکی انتظام شروع ہو گیا

عراق عجم کی فتوحات سے فارغ ہو کر سلطان ۴۴۳ھ (۱۰۵۱ء) میں رے کو واپس آیا اور چند روز

۱؎ یہ کارروائی کسی حیثیت سے بھی اور بلادِ مفتوحہ کی سند عطا کرنے کا خلیفہ کو کوئی استحقاق حاصل نہ تھا

۲؎ آل سلجوق اصفہانی، لٹریری ہسٹری آف پرشیا جلد دوم براؤن

ٹھہر کر بغداد کو روانہ ہوا چنانچہ اس سال عید کی نماز سلطان نے بغداد میں پڑھی اور شہر میں جلوس سے سواری نکلی۔ اور خلافت مآب کی دست بوسی کا شرف حاصل کیا۔ سنہ ۴۴۳ھ/۱۰۵۲ء میں شیراز میں طغرل بیگ کا خطبہ پڑھا گیا۔ اسی طرح اطراف و جوانب کے سرداروں نے بھی اطاعت قبول کر لی امیر ابوالاسوار والی جنزہ[۵۱]، اور قریش بن بدران، والی موصل نے تمام علاقہ میں سلطان کا خطبہ پڑھوایا۔

بعد ازاں سلطان نے آرمینیہ ہوکر ملازکرد کا محاصرہ کیا، یہاں کے حاکم نے اطاعت نہیں کی تھی لہٰذا قرب و جوار کے شہروں کو تباہ کر دیا اور جہاد کرتا ہوا شہر ارزن (اروم) تک چلا گیا۔ (سلطان کی جولانگاہ جارجیا اور آئبریا تک تھی۔ اور سنہ ۴۴۰ھ/۱۰۴۸ء میں ابراہیم بن ینال سلجوقی ممالک روم پر حملہ کرتا ہوا قسطنطنیہ کے قریب پہنچ گیا تھا) غرضکہ ان لڑائیوں میں سلطان کو بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا لیکن شدت سرما سے مجبور ہوکر رے میں واپس آیا۔ کچھ عرصہ تک قیام کرکے ہمدان کی طرف مراجعت کی۔ اس مرتبہ سلطان کا یہ ارادہ تھا کہ حج خانہ کعبہ سے مشرف ہو۔ اور ملک شام سے خلفاء فاطمیہ کو بیدخل کر دے، لہٰذا حلوان کو روانہ ہوا لیکن اس زمانے میں خلیفہ القائم بامر اللہ امرائے دیالمہ[۵۲] کے مظالم سے بہت پریشان تھا۔ لہٰذا بتاریخ ۲۵ رمضان المبارک سنہ ۴۴۷ھ (مطابق دسمبر سنہ ۱۰۵۵ء) سلطان داخل بغداد ہوا۔ وزیر عمید الملک کندری بھی ہمراہ تھا۔ خلیفہ کی طرف سے رئیس الرؤسا (وزیر اعظم) اہل مناصب قاضی القضاۃ اور ذی رتبہ

---

[۵۱] جنزہ۔ صوبہ اران کا بڑا شہر ہے۔ جو شروان اور آذربائیجان کے مابین واقع ہے۔ اس شہر میں نامور علماء گذرے ہیں صفحہ ۱۵۱۔ جلد ۳۔ معجم البلدان۔

[۵۲] اس زمانہ میں بغداد پر سلاطین دیلم کی حکومت تھی اور خلیفہ انہیں کے زیر اثر تھا جن کی طاقت کو سلجوقیوں نے توڑا اور خود ان کے قائم مقام ہو گئے۔

شکست کھا کر فرار ہوگیا۔ جب طغرل بیگ کو اطلاع ہوئی تو وہ قتلمش کی امداد کو بغداد سے روانہ ہوکر موصل پہنچا۔ بساسیری تو فرار ہوگیا اور نور الدولہ، اور قریش نے سلطان کی اطاعت قبول کی اسی جگہ سلطان کا بھتیجہ یاقوتی بن جغری بیگ بھی مع فوج آکر مل گیا۔ جس کی وجہ سے سلطان کی شان شوکت اور بڑھ گئی۔ ملک پر پورا سکہ بیٹھ گیا۔ چونکہ اہل سنجار نے قتلمش کو پریشان کیا تھا۔ اور بساسیری سے ساز کر گئے تھے۔ لہٰذا اس قصور میں سلطان نے واپسی کے وقت سنجار پر حملہ کیا اور عام لوٹ ہوئی۔ رؤسا سنجار کے سر جھنڈوں پر آویزاں کیے گئے لیکن پھر قتلمش کی سفارش پر امن و امان کا اعلان کر دیا گیا جب سلطان داخل بغداد ہوا۔ تو خلیفہ نے ملاقات کے واسطے پچیسویں ذیقعدہ یوم شنبہ مقرر کیا۔ دونوں طرف سے وسیع پیمانہ پر ملاقات کا سامان کیا گیا۔ سلطان مع ارکان دولت باب الرقہ تک کشتی میں آیا۔ پھر گھوڑے پر سوار ہو جسکو امیر المومنین نے بھیجا تھا (یہ گھوڑا خاص امیر المومنین کی سواری کا تھا) اور دہلیز صحن السلام اور صحن الاسلام (ایوان خلافت) پر پہنچکر پیادہ ہوگیا۔ ارکان دولت بغیر اسلحہ، سلطان کے جلو میں تھے جب یہ شاندار جلوس ایوان خلافت تک پہنچا تو ارکان خلافت استقبال کرکے محل کے اندر لے گئے متعدد درجے طے کرنے پر نظر آیا کہ امیر المومنین حجاب کے پردوں میں روپوش ہیں جس جگہ تخت بچھا ہوا تھا اُس کی تعریف نہیں ہوسکتی ہے۔ در و دیوار سے عظمت و جلال نمایاں تھا جب سلطان مقر اشرف کے قریب پہنچگیا تو پردہ اُٹھا دیا گیا اور برائے العین امیر المومنین کی زیارت نصیب ہوئی۔ خلافت مآب ایک تخت پر جلوہ افروز تھے (یہ تخت زمین سے سات گز بلند تھا)

[۱] تاریخ آل سلجوق اصفہانی اور کامل ابن اثیر سے یہ واقعہ لکھا گیا ہے۔

کے سبب سے ردا و بردی ہوئی تھی اور عصا ہاتھ میں تھا (یہ دونوں چیزیں رسالت مآب کی تھیں)
سلطان طغرل بیگ خلیفہ کے حضور میں پہنچکر مؤدب کھڑا کیا گیا سلام اور زمین بوسی کی رسم
کے بعد سلطان کو کرسی پر بیٹھنے کی اجازت ہوئی (جو تخت خلافت کے سامنے بچھی ہوئی تھی)
محمد بن منصور کندری ترجمان ہوا (کیونکہ سلطان کی زبان فارسی تھی) معمولی بات چیت کے
بعد رئیس الرؤساء خلافت مآب کی طرف سے کھڑے ہوکر بیان کیا کہ امیر المومنین خلیفۃ المسلمین
تمہاری کوششوں کے بیحد مشکور ہیں اور تمہاری جاں نثاری کے مداح ہیں امیر المومنین کو
تمہاری حاضری سے بے حد مسرت ہوئی اور امیر المومنین نے کل بلاد کی حکومت عطا فرمائے
ہیں جس کا حکمران بعد جلشانہ نے انکو بنایا ہے اور مخلوق کے مراعات اور ان کے معاملات تمہارے
سپرد کرتے ہیں لازم ہے کہ حکومت حاصل ہونے پر اللہ سے ڈرتے رہو اور امیر المومنین کا احسان
و انعامات کو فراموش نہ کرو۔ عدل و انصاف کے پھیلانے ظلم اور جور کے روکنے اور رعیت
کی اصلاح میں نہایت دل سے ساعی رہو۔ بعد ختم تقریر ہوجانے کے بعد سلطان کو ایک دوسرے حجرہ
میں لے گئے اور وہاں سات پارچہ کا سیاہ خلعت مرحمت ہوا سر پر تاج رکھا گیا گلے میں طوق
اور ہاتھ میں کنگن پہنایا گیا معراج کے اور مشک میں ڈوبا ہوا ایک زرتار عمامہ باندھا گیا گلے
میں مرصع تلوار حمائل کی گئی جب عربی اور عجمی طرز پر سلطان خلعت میں سجا تو پھر خلیفہ کے روبرو
کرسی پر لاکر بٹھا دیا سلطان نے اس عزت افزائی کے شکریہ میں دوبارہ زمیں بوس ہونا چاہا مگر
چونکہ تاج خسروی کے گر پڑنے کا احتمال تھا لہٰذا اس رسم سے معافی دی گئی خلیفہ نے مصافحہ
کے لیے ہاتھ بڑھایا سلطان نے بعد مصافحہ ہاتھ چوما اور آنکھوں سے لگایا دست بوسی کے بعد

خلیفہ نے اپنے مبارک ہاتھ سے ایک تلوار سلطان کو مرحمت کی جو دوسری طرف گلے میں حمائل کی گئی۔ خلیفہ نے سلطان کو دو تلواریں اور تاج دستار مرحمت بخشا۔ اسکا یہ مطلب تھا کہ سلطان طغرل اب مشرق اور مغرب کا مالک ہوا اور اسکو عرب و عجم کی حکومت دی گئی۔ محمد بن منصور نے عہد نامہ پڑھ کر سنایا جس کو سلطان نے تسلیم کیا۔ اور خلیفہ نے اُسپر کاربند ہونے کی ہدایت کی۔ ان رسوم کے بعد ملاقات ختم ہوگئی۔ اور سلطان واپس گیا۔ سنہ ۴۵۰ھ ۱۰۵۸ء میں سلطان طغرل بیگ کو اپنے بھائی ابراہیم ینال سے بمقام ہمدان واسطے نیارسے کی لڑائی کرنا پڑی۔ اور جب وہ گرفتار ہوکر سامنے آیا تو سلطان نے قتل کا حکم دیدیا۔ اور اُس کے شور و شر سے ہمیشہ کے لیے فرصت مل گئی۔ موقع پاکر ارسلان بساسیری نے بغداد پر حملہ کردیا۔ اور خلیفہ کو معزول کرکے مستنصر علوی مصری کا خطبہ جامع رصافہ اور جامع منصور میں پڑھوایا۔ اور علاوہ بغداد کے کوفہ، واسط وغیرہ میں بھی یہی کارروائی کی گئی اذان میں کلمہ "حی علی خیر العمل" کا اضافہ ہوا۔ خلیفہ کو بغداد سے نکال کر قلعہ حدیثہ خاں (متصل عانہ کنارۂ نہر فرات) میں بھیجدیا۔ بغداد و قصر خلافت لوٹ لیا۔ مستنصر علوی کو مبارکباد کا خط روانہ کیا۔ خلیفہ قائم بامر اللہ پر جب یہ مصیبتیں ٹوٹ پڑیں تو اسنے نہایت درد انگیز خط لکھ کر طغرل بیگ کو طلب کیا۔ اسوقت اگرچہ سلطان خود اپنے جھگڑوں میں مبتلا تھا۔ لیکن خلیفہ کی اعانت کو فوراً بغداد پہنچا۔[ل] سلطان کی آمد سنکر بساسیری مع اہل و عیال فرار ہوگیا۔ اور چوبیسویں ذیقعدہ سنہ ۴۵۱ھ ۱۰۵۹ء میں خلیفہ بھی بغداد پہنچگیا۔ بمقام نہروان خود

[ل] صاحب نگارستان لکھتا ہے کہ جب خلیفہ کا خط سلطان کے پاس پہنچا۔ تو سلطان نے اپنے کاتب صفی الدین ابو العلا کو حکم دیا کہ اس کے جواب میں صرف یہ لکھدو کہ "آپ مطمئن رہیں۔ میں عنقریب مع فوج کے آتا ہوں" چنانچہ

عقد کر دیں۔ اس کے جواب میں خلیفہ نے ابو محمد بن تمیمی کو مقرر کیا کہ وُہ سلطان کو اس ارادے سے باز رکھے۔ کیونکہ خاندان رسالت میں ایسی شادیاں نہیں ہوتی ہیں۔ اور یہ بھی سمجھا دیا کہ اگر سلطان اپنی ضد پر قائم رہے تو تین لاکھ دینار مہر اور اعمال واسط طلب کرنا چنانچہ تمیمی نے اول وزیر عمید الملک سے ملاقات کی، بڑی بحث و مباحثہ کے بعد عمید الملک نے کہا کہ خلیفہ کو اس تقریب سے ہرگز انکار کرنا زیبا نہیں ہے۔ کیونکہ سلطان کی درخواست عاجزانہ ہے۔ باقی رہا دین مہر اور واسط کا معاملہ۔ یہ ادنیٰ درجہ کی بات ہے۔ سلطان، خلیفہ کی اُمید سے بہت زیادہ خدمت گزاری کریگا۔ لہذا مہر کے مسالہ میں خاموشی بہتر ہے" عمید الملک کی تقریر سُنکر تمیمی نے اس تصفیہ کو عمید الملک کی رائے پر چھوڑ دیا۔ اور عمید الملک نے سلطان سے جاکر عرض کیا کہ "درخواست شادی منظور ہو گئی ہے۔" یہ مژدہ سُنکر سلطان نے عمید الملک، فرامرز بن کاکویہ، سرخاب بن کامرو۔ اور دیگر سرداران دیلم کو مع ارسلان خاتون جانب بغداد روانہ کیا۔ دس لاکھ دینار، بیشمار جواہرات، اور لونڈی غلام ہدیۃً روانہ کیے۔ جب یہ سفارت نہروان کے قریب پہنچی تو۔ مجدالوزرا ابوالفتح منصور بن احمد وزیر خلیفہ نے استقبال کیا۔ اور عمید الملک کو باب النوبہ میں ٹھہرایا۔ اور ارسلان خاتون، ایوان خلافت میں اُتریں۔ خلیفہ سے عمید الملک نے واقعہ بیان کیا۔ خلیفہ[۱] سلطان کی درخواست سُنکر برافروختہ ہو گیا۔ چہرہ پر پسینہ آگیا اور عمید الملک کو تقریر کرنے سے روک دیا لیکن عمید الملک نے بہت کچھ سمجھایا اور عرض کیا کہ

---

۵ خلیفہ نے بگڑ کر عمید الملک سے یہ کہا تھا کہ "نحن بنو العباس خیر الناس فینا الامامۃ والزعامۃ الی یوم القیامۃ من تمسک بنا رشد وھدی۔ ومن ناوانا ضل وغوی۔" از آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۱۹۔

ناکامی کی صورت میں مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے خلیفہ نے کچھ سنا اور اپنی مسند پر قائم رہا
ب عبدالملک خاموش ہو کر پھر واں کر چلا گیا اور سنا وہ لباس اتار ڈالا خلیفہ کی طرف سے
ابومنصور بن یوسف اور قاضی القضاۃ مصالحت کے لیے بھیجے گئے اور عبدالملک کو واپس
لائے دوبارہ گفتگو ہوئے پر خلیفہ نے مجبوراً عبدالملک کی رائے پر اس مسالہ کو چھوڑ دیا لیکن
اس کے قبل جو کارروائی ہوئی تھی وہ عبدالملک نے سلطان کو لکھ بھیجی تھی اُس کے جواب میں
سلطان نے قاضی القضاۃ اور شیخ ابومنصور کو لکھا کہ جناب میں الخلیفہ قائم بامر اللہ نے میری
کارگزاریوں کا اچھا صلہ دیا میں نے خلیفہ کی خاطر ہی اپنے ایک بھائی کو قربان کر دیا اور
استقدر مال و دولت صرف کیا کہ میں فقیر ہو گیا اس پر بھی میری درخواست نامنظور کی جاتی ہے
اور اُسی حالت غصہ میں عبدالملک کے نام حکم بھیجا کہ خلیفہ کے قبضہ میں صرف اسقدر جاگیر
رہنے دو جو القادر باللہ کے نام تھی باقی کل جاگیر ضبط کر کے سارا علاقہ قبضہ کرو جب یہ معاملہ
خلیفہ کی نظر سے گزرا تو مجبوراً سلطان کی درخواست منظور کر لی اور خلیفہ نے عبدالملک کو وکیل
بنایا وکالت نامہ پر قاضی القضاۃ اور شیخ ابومنصور کے دستخط ہوئے اور سردار ابو الغنائم بن
المحلبان کی معیت میں عبدالملک کو مقام تبریز روانہ کیا اور اسی جگہ بروز سہ شنبہ ماہ محرم سنہ ۴۵۴ھ
(۱۰ جنوری سنہ ۱۰۶۲ء) وکالتاً نکاح ہو گیا سلطان نے رئیس العراقین کے ہمراہ ابو الغنائم کو
بغداد واپس کیا اور خلیفہ کے حضور میں تیس غلام مع ترکی گھوڑوں روانہ کیے غلام گھوڑوں پر
سوار تھے جن کی زین اور لگام مرصع بجواہر تھیں اور دس ہزار دینار خلیفہ کے واسطے اور دو
ہزار دینار اسی موتی سیدہ کے لیے روانہ کیے اور ایک لاکھ لاہوتی کا جس میں بیس دانے تھے

ہر دانہ کا وزن ایک مثقال تھا جب سلطانی قافلہ بغداد کے قریب پہنچا۔ تو خلیفہ کی طرف سے استقبال کیا گیا اور خواص و عوام نے خلیفہ اور سلطان کے اتحاد پر مبارکباد دی۔ رئیس العراقین نے خلیفہ کے حضور میں تحائف پیش کیے۔ محرم ۴۵۵ھ میں سلطان آرمینیہ سے سیدہ خاتون کو رخصت کرانے کے لیے بغداد آیا۔ وزیر فخر الدولہ بن جہیر نے بمقام نقفص[1] بڑی شان و شوکت سے استقبال کیا اور ایوان خلافت کے ایک خاص محل میں ٹھہرایا۔ چونکہ عقد وکالتاً بمقام تبریز ہوا تھا۔ لہٰذا بعض ضروری رسوم عمل میں نہیں آئی تھیں۔ وہ اب ادا ہوئیں۔ اور سیدہ کو چوتھی کی دلہن بنا کر ایک تخت زرنگار پر بٹھایا جس کے سامنے پہنچ کر سلطان کو زمین بوس ہونا پڑا لیکن دلہن کے چہرہ سے نقاب اُٹھانے کی اجازت نہیں ہوئی۔ اور ایک چاندی کا تخت سیدہ کے مقابل بچھایا گیا جس پر سلطان تشریف فرما ہوئے یہ واقعہ ماہ صفر کا ہے۔ اور اسی جگہ بتاریخ پندرہ صفر یوم دوشنبہ زفاف ہوا سلطان نے ارسلاں خاتون اور سیدہ کو ایک ایک قیمتی مالا دیا۔ اس کے علاوہ خالص چاندی کا ایک "جام خسروانی" اور فرجیہ (ایک قسم کا لباس) جو سونے کے تاروں سے بنا ہوا تھا مرحمت کیا۔ اور ایک لاکھ دینار نقد پیش کیا اور ایک ہفتہ جشن منایا۔ سلطان نے عمید الملک وزیر، ابو علی بن ملک ابی کالیجار، ہزار سپ، فرامرز بن کاکویہ، سرخاب بن بدر بن مہلہل، امرائے دولت کو بھی خلعت مرحمت فرمائے۔ اور انعامات اس کے علاوہ تھے۔ ربیع الاول میں سلطان مع سیدہ کے رے کو روانہ ہو گیا۔ اور چونکہ طبیعت ناساز تھی لہٰذا تبدیل آب و ہوا کے لیے رودبار کے پہاڑی قلعہ میں چلا گیا۔

[1] نقفص۔ بغداد کے قریب ایک مشہور گاؤں ہے جہاں خلفا تفریح کو جایا کرتے تھے۔ صفحہ ۱۴۳ جلد ۸ معجم البلدان۔

آخر کار مزاج کے خلاف ہوئی اور یہاں عارضہ کمر میں مبتلا ہوا اور کسی علاج سے خون بند نہ ہوا
اور بتاریخ ۸ رمضان المبارک ۴۵۵ھ مطابق ۴ ستمبر ۱۰۶۳ء جمعہ کے دن انتقال کیا طغرل بیگ
نے ستر برس کی عمر پائی اور چھبیس برس حکومت کی شعرا نے مرثیے لکھے چنانچہ کسی شاعر کا
یہ شعر مشہور ہے

خاک ترکے بس غریب و تمیں بود ۔۔ اور اچہ وقت مرداں بود

اور مصر جعفری بیگ میں مقام مرو دفن ہوا آل سلجوق میں نہایت نیک اور سادہ مزاج ہوا ہے

سیرت طغرل بیگ

طغرل بیگ کے مزاج میں حلم و کرم بہت تھا نماز با جماعت کبھی نہیں چھوڑی
خصوصاً جمعہ کی نماز کا خاص اہتمام کرتا تھا دو شنبہ اور پنجشنبہ کو روزہ رکھتا اور آئین قدیم کے
مطابق ہر سہ شنبہ اور چہارشنبہ کو فصل مقدمات کے لیے کچہری کیا کرتا تھا خیرات اور صدقات
برابر جاری رکھتا عیب پوشی اس کا خاص ہنر تھا پر تکلف لباس کا شائق نہ تھا بہت سفید اور
سادہ کپڑے پہنا کرتا تھا عمارات میں تعمیر مساجد کا بڑا شائق تھا اور کہا کرتا تھا کہ مجھے خدا سے
شرم آتی ہے کہ میں مکان بناؤں اور اس کے پہلو میں مسجد نہ ہو طغرل بیگ فوجی حیثیت سے
ایک سپاہی تھا اور جامع صفات سردار بھی جنگ کے موقع پر اگرچہ اس کا مزاج آگ بگولا ہوتا
تھا مگر کوئی وحشیانہ فعل کبھی صادر نہیں ہوا اپنے دشمن سے ہمیشہ راست بازی برتی اور
فیاضی کا برتاؤ رکھا اور یہی اس کی کامیابی کا بڑا راز تھا اسلام کا زبردست حامی اور مربی تھا

[1] دیکھو صفحہ ۱۵۲ ایک انگریزی مورخ نے لکھا ہے کہ طغرل بیگ نے موضع طاجرست میں انتقال کیا
[2] کامل شرح حالات طغرل بیگ

اور یہی وجہ تھی کہ خلفاے عباسیہ کی انتہائی تعظیم کرتا تھا۔ ورنہ شاہان دیالمہ نے خلفاء عباسیہ کی عظمت وشان کو اپنے مذہبی تعصب سے بالکل پامال کر دیا تھا۔ علم وفضل کا بھی قدردان تھا طغرل بیگ کا تمام دور حکومت عدل وانصاف میں ممتاز ہی۔ اور فی الحقیقت وہ سلجوقیوں میں ایک دانشمند بادشاہ تھا۔ جب موت کا وقت آگیا تو کہنے لگا کہ بیماری کی حالت میں میری وہی مثل ہی۔ کہ جب اُون کاٹنے کے لیے بھیڑ کے پاؤں باندھے جاتے ہیں، تو وہ سمجھتی ہی کہ مجھے ذبح کر ڈالیں گے۔ اس لیے خوب ہاتھ پاؤں پٹکتی ہی۔ اور جب رسی کھول دی جاتی ہی تو خوش ہو کر اُٹھ کھڑی ہوتی ہی۔ اسی طرح جب اس کو ذبح کے واسطے کستے ہیں تو وہ سمجھتی ہی کہ اون تراش کر چھوڑ دیں گے اس لیے چپ پڑی رہتی ہی، اور گلے پر چھری چل جاتی ہی" جب سلطان کے انتقال کی بغداد میں اطلاع ہوئی تو عظیم الشان ماتم ہوا۔ اور وزیر فخر الدولہ بن جہیر نے خاص مجلس عزا مرتب کی اور بزرگان بغداد ذاکر سلطان کی تعزیت کرنے لگے۔ طغرل بیگ گرچہ سپاہی منش بادشاہ تھا لیکن علم دوست اور شعر وسخن کا بھی شائق تھا۔ عمادی شہریاری اسی دربار میں تھا۔ چنانچہ عمادی کے ذیل کے اشعار مدح سلطان میں تذکرہ مجمع الفصحا میں یادگار ہیں جن کو ہم بھی بطور یادگار کے درج کرتے ہیں۔

اے زلف و رخت بسپہر و اختر   وے روے و لبت بہشت و کوثر

جز رخ امین مگس نشاید   آں جا کہ لب تو گشت شکر

سلطان سپہر قدر طغرل   کز قبہ دانشست برتر

۱؎ تاریخ آل سلجوق اصفہانی عہد طغرل[1]۔

خاکِ درِ اوست جبینِ اعظم — عشرِ کفِ اوست بحرِ اخضر

روزے کہ بلوحِ جاں نویسد — منشورِ اجل زبانِ خنجر

شمشیر چو پارہ سازد — بیماری مرگ را مرور

در آتشِ رزم پائے کوبان — بے آہ مرگ چوں سمندر

سد رحمت دست حرب — زگردن روزگار زیور

یک قوم چو کاسہ داغ بر دل — یک قوم چو کوزہ دست بر سر

علاوہ ان صفات کے طغرل بیگ میں خاص مذہبی جوش تھا اور مذہب کا ادب ہر موقع پر قائم رکھتا تھا جس کی ایک مثال یہ ہے کہ ۴۴۲ھ میں جب شہر ستاور پر قبضہ کیا تو رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ اور اس شہر کے فتح کرنے میں فوج نے بڑی کوشش کی تھی اور ہر سپاہی کا خیال تھا کہ وہ مال غنیمت سے مالا مال ہو جائیگا چنانچہ چغری بیگ داؤد نے بھی فوج نے شہر کو لوٹنا چاہا لیکن سلطان نے کہا کہ شہر الحرام میں لوٹ مار جائز نہیں ہے مزید اس سے رمضان المبارک کی ہتک ہو، میں کسی طور پر منظور نہیں کر سکتا ہوں چنانچہ آخر ہفتہ تک سپاہی خاموش بیٹھے رہے لیکن عید کے دن پھر اجازت مانگی تب سلطان نے کہا کہ خلیفہ القائم بامر اللہ نے فرمان بھیجا ہے اور اس میں ہدایت ہے کہ رعایا کے ساتھ سلوک کیا جائے اور شہر برباد نہ کئے جاویں اور خلیفۃ المسلمین کی اطاعت فرض ہے" اس جواب پر چغری بیگ نے تلوار کھینچ لی اور خودکشی پر آمادہ ہو گیا تب مجبور ہو کر رعایا سے ساپورے چالیس ہزار دینار نقد دلوا دیئے کہ وہ فوج کو تقسیم کر دیئے جائیں اور ابو بکر طوسی سفیر خلیفہ کو

تیرہ پارچہ کا خلعت دیکر رخصت کیا۔

عضدالدولہ الپ ارسلان کا عہد سلطنت

تم اوپر پڑھ چکے ہو کہ سلطان طغرل بیگ نے جیحون سے نیشاپور تک کا ملک اپنے چھوٹے بھائی جغری بیگ داؤد کے سپرد کر دیا تھا۔ اور جغری بیگ نے مرو کو اپنا دارالحکومت بنالیا تھا۔ چنانچہ[1] بمقام بلخ بتاریخ ۱۰ رجب یوم دوشنبہ ۴۵۱ھ مطابق ۲۴۔ اگست ۱۰۵۹ء جغری بیگ نے بھی ستر برس کی عمر میں انتقال کیا۔ مرحوم کے چار بیٹے الپ[1] ارسلان۔ یاقوتی[1]۔ قاورد[1] (قاروت بیگ) اور سلیمان[1] موجود تھے۔ لیکن سلطان طغرل بیگ نے اپنے اطاعت شعار بہادر، اور عزیز بھتیجے ابو شجاع محمد ملقب بہ الپ ارسلان (دلاور شیر) کو بھائی کا جانشین کرکے صوبہ خراسان کا مستقل والی (گورنر) بنا دیا۔ کیونکہ الپ ارسلان سب سے بڑا اور سب سے زیادہ لائق اور تجربہ کار تھا لیکن جغری بیگ کے انتقال پر سلطان طغرل بیگ نے اپنی بھاوج (والدہ سلیمان) سے عقد کر لیا تھا۔ اور یہ بیگم سلطان کے مزاج میں بہت دخیل تھی لہٰذا الپ ارسلان کے خلاف (والدہ سلیمان کے اصرار سے) طغرل بیگ نے انتقال کے وقت اپنے دوسرے بھتیجہ سلیمان کے حق میں وصیت کی کہ میرے بعد یہی تاج و تخت کا مالک ہوگا۔ (طغرل بیگ لاولد فوت ہوا) چنانچہ طغرل بیگ کے انتقال پر عمید[2] الملک کندری وزیر السلطنت نے یہ کوشش کی کہ الپ ارسلان محروم رہے۔ اور سلیمان تخت سلطنت کا مالک ہو۔ چنانچہ بمقام "رے" سلیمان کا خطبہ پڑھا گیا۔ جو گروہ الپ ارسلان کا طرفدار تھا اُنکو یہ امر

[1] ابوالفدا۔ جلد ثانی صفحہ ۱۸۹۔ کامل اثیر جلد ۱ صفحہ ۱۔ سرجان ملکم عہد سلجوقیہ۔
[2] ابن خلدون و کامل اثیر تخت نشینی الپ ارسلان۔

سلطان براہیم تخت نشین ہوا ہی۔ تو اس نے چغری بیگ سے یہ معاہدہ کر لیا کہ جس کے قبضہ میں اسوقت جو ملک ہے وہ بدستور اُسپر قابض رہے اور کسی کو یہ حق نہو گا کہ دوسرے پر فوج کشی کرے چنانچہ اس معاہدہ کے مکمل ہو جانے پر ملک میں امن و امان ہو گیا۔ اور اس سال سے گویا سلجوق خراسان کے مستقل بادشاہ ہوے۔[ا] چونکہ خواجہ حسن الپ ارسلاں کے ولیعہدی کے زمانہ سے اسکا کاتب، مشیر اور مصاحب تھا۔ اور الپ ارسلاں خود بھی خواجہ کی امانت و دیانت اور رائے و تدبیر سے فائدہ اُٹھا چکا تھا۔ قطع نظر اس کے ابو علی شاداں (وزیر چغری بیگ داؤد) نے الپ ارسلاں سے یہ وصیت کی تھی کہ میرے بعد خواجہ حسن کو وزارت کا عہدہ دینا۔ چنانچہ الپ ارسلاں نے تخت نشین ہوتے ہی خواجہ حسن کو وزارت کا ممتاز منصب عطا کیا۔

سلطان[۲] طغرل بیگ کے انتقال پر الپ ارسلاں نہایت بیکسی اور بے بسی کے عالم میں تھا کیونکہ اس کے چچا زاد اور علاتی بھائی (جو دوسری ماں سے ہو) تاج و تخت کے دعویدار تھے عمید الملک کندری جو چچا کا وزیر اور سب سے معزز رکن سلطنت تھا وہ سلیمان کا طرفدار تھا۔ اور طغرل بیگ کے انتقال پر علانیہ بمقام رے سلیمان کا خطبہ پڑھوا چکا تھا۔ کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ یہ حیثیت ولیعہد طغرل بیگ سلیمان کی تخت نشینی عمل میں آئی ہو۔ اور اسپر کوئی الزام نہیں آسکتا ہی۔ یہ واقعات الپ ارسلاں کے پیش نظر تھے۔ اب بجز خواجہ حسن کے اور کوئی مدبر ایسا نہ تھا۔ جو الپ ارسلاں کی مصیبت کے وقت کام آتا۔ اور خواجہ کے لیے بھی اس سے بہتر کوئی موقع اظہار خیر خواہی اور قابلیت کا نہ تھا۔ چنانچہ وہ عمید الملک اور سلیمان کے مقابلہ میں الپ ارسلاں کا مددگار بن گیا۔ اور اُن کی

[ا] کامل ابن اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۱۔ [۲] تاریخ آل سلجوق اصفہانی جلوس عضد الدولہ الپ ارسلاں۔

نام چالوں کو غارت کر دیا سلیمان ایک ناتجربہ کار شہزادہ تھا اور ملک میں اس کے ساتھ نام کو کوئی
بھی نہ تھی ایسی حالت میں اکیلا عمید الملک کیا کر سکتا تھا؟ جب عمید الملک کو اپنی غلطی کا احساس
ہو گیا تو وہ بھی الپ ارسلان کا طرفدار بن گیا اور خطبہ میں الپ ارسلان کا نام شامل کر کے اپنی
خیر خواہی کا اعلان کیا مگر الپ ارسلان ان باتوں سے خوش نہ ہوا اور مشیر کی سلطنت کو وہ پسند
نہیں کرتا تھا

رے پر فوج کشی | خواجہ حسن کو جب خبریں پہنچیں تو اس نے سلیمان پر فوج کشی کی جب وہیں
پہنچے فوجیں داخل ہو گئیں تو خواجہ حسن کی خوش سامانی اور حسن تدبر سے تمام شہر نے اطاعت قبول
کر لی عمید الملک نے حاضر ہو کر مدد بھی کی اور سلیمان کی طرف سے جو خدشہ تھا وہ بالکل جاتا رہا

قتلمش پر فوج کشی | خواجہ حسن رے کے انتظام سے فارغ ہوا تھا کہ پرچہ نگاروں نے اطلاع[1] دی کہ
شہاب الدولہ قتلمش بن ارسلان سلجوقی نے قلعہ گردکوہ سے نکل کر ملک پر تاخت و تاراج کرنا شروع
کر دیا ہے اور رے پر حملہ آور ہوا چاہتا ہے چنانچہ سلطان بھی نیشاپور سے روانہ ہوا جب دامغان
پہنچ گئے تو حس برادرانہ سے مجبور ہو کر الپ ارسلان نے قتلمش کو یہ پیغام بھیجا کہ "تم میرے بھائی
ہو میں تمہارے اس فعل کو برا سمجھتا ہوں اور حکم دیتا ہوں کہ تم اپنے ارادہ سے باز آؤ" قتلمش
نے اس پیغام پر کچھ توجہ نہ کی اور رے کے علاقہ میں لوٹ مچا دی۔ اور وادی ملح کو پانی سے بھر دیا
جس سے وہ تمام علاقہ دلدل گارا ہو گیا۔ الپ ارسلان پریشان ہوا خواجہ نے کہا کہ اطمینان رکھو میں نے
تمہارے واسطے ایسی فوج بھرتی کی ہے جس کے تیر کبھی خطا نہیں کرتے میں (خواجہ کی غرض خراسان

[1] کامل ابن اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۱۱ و تاریخ آل سلجوق اصفہانی۔ ۱۵ گردکوہ دیکھو نوٹ صفحہ ۵۲۳ حصہ اول کتاب ہذا۔

کے ان علماء و زہاد سے ہی جن کے ساتھ خواجہ احسانات کیا کرتا تھا اور جو سلطان کے حق میں دعائے خیر کیا کرتے تھے) اور یہ فوج تمہاری سب سے بہتر اعوان و انصار ہیں"۔ یہ کہکر خود اسلحہ زیب تن کیئے اور الپ ارسلان کے ہمراہ روانہ ہوا۔ سلطان نے پانی میں گھوڑا ڈالدیا۔ اور مع فوج کے صحیح و سالم نکل گیا۔ قتلمش نے سامنے آکر لڑنا پسند کیا۔ چنانچہ لڑائی ہوئی۔ اور الپ ارسلان فتحیاب ہوا۔ سلطان نے فوج کو لوٹ کا حکم دیدیا۔ بیشمار مال غنیمت ہات آیا۔ ہزاروں سپاہی قتل اور قید ہوے۔ سلطان نے قیدیوں کے قتل کا حکم دیا۔ لیکن خواجہ کی سفارش پر معافی دیکر آزاد کر دیا جب میدان کارزار کا مطلع صاف ہوا اور گرد و غبار بیٹھ گیا۔ تو قتلمش کی نعش ملی۔ سلطان کو اپنے بھائی کی موت کا سخت رنج ہوا۔ نماز جنازہ پڑھ کے دفن کرا دیا۔ موت میں اختلاف ہی۔ کامل ابن اثیر کی روایت ہی کہ وہ خوف زدہ ہو کر مر گیا۔ اور مصنف نگارستان نے لکھا ہی کہ گھوڑے سے گرا۔ سر ایک پتھر سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا۔ بہرحال جو سبب ہو الپ ارسلان کامیاب ہوا۔ اور اس فتح سے اسکا شہرہ روم تک ہو گیا۔ اور اخیر محرم ۴۵۶ھ ۱۰۶۴ء میں رے کو واپس آگیا۔ عمید الملک نے فوج و علم سے استقبال کیا۔

خواجہ نظام الملک نے اپنی کتاب دستور الوزراء (وصایا) میں بھی اس معرکہ کا ذکر کیا ہی اور لکھا ہی کہ جب لشکر وادی الملح پہنچا۔ تو سلطان نے حکم دیا کہ تمام خزانہ جو فوج کے ہمراہ ہی وہ سپاہیوں

لہ تہاب الدولہ قتلمش بن ارسلان بن سلجوق۔ الپ ارسلان کا چچازاد بھائی تھا اور یہی قتلمش سلاطین قونیہ (اقصرا سیلوقین) تو حات انگوریہ ملطیہ، قیساریہ، اماسیہ، انکسار وغیرہ کا مورث اعلی تھا۔ طغرل بیگ نے اپنی حیات میں اسکو فتوحات روم پر نامزد کیا تھا جہاں اس نے حکومت قائم کر لی تھی نجوم میں خاص مہارت تھی چنانچہ زائچہ سے معلوم کر لیا تھا کہ میں لڑائی میں کامیاب ہونگا۔ ابو الفدا ج۲ ص تالی۔

کو تقسیم کر دیا جائے' غالباً اسی تالیف قلوب کا نتیجہ تھا کہ فوج نے بھی جان توڑ کر کوشش کی اور
کامیابی حاصل کی' ان کاموں [illegible] سے الپ ارسلان خواجہ سے بہت خوش ہوا۔ عمیدالملک نے
خواجہ حسن سے بھی ایک دفعہ ملاقات کی اور مال و سامان بطور نذر پیش کیے۔ جب عمیدالملک
واپس گیا تو خواجہ حاضر خدمت ہوئی سلطان اس کی روانگی سے مشکوک ہو گیا اور خواجہ کے مشورے
عمیدالملک کو گرفتار کر کے مرورود بھیج دیا جہاں وہ ایک سال قید رہا اور اسی حالت میں تاریخ
سولہ ذی الحجہ ۴۵۶ھ[۱] کو قتل کر دیا گیا ہی۔ و تاریخ جس دن واقعہ متعقب میں الپ ارسلان کا
مستقل وزیر ہوا کہ جب تک عمیدالملک قتل نہیں ہوا خواجہ نے اسے مستقل وزیر نہیں بنایا تھا
اب ہم خواجہ حسن کو نظام الملک کے خطاب سے یاد کریں گے[۲]۔

شمالی صوبجات پر حملہ اور ہرات کی فتح

قتلمش کی لڑائی سے فارغ ہو کر سلطان الپ ارسلان معہ نظام الملک اول
۴۵۶ھ میں بقصد جہاد دشت سے آذربائیجان کو روانہ ہوا۔ جب شہر مرند میں پہنچا تو امیر طغدکین
ملاقات کو حاضر ہوا۔ وہ ایک ترکمان سردار تھا جو بلاد روم سے خوب واقف تھا اور جس کو جہاد
سے بھی خاص دلچسپی تھی لہذا سلطان مرند کو اور اس کی فوج کو ہمراہ لے کر پہاڑی گھاٹیاں طے کرتا ہوا

۱؎ عمیدالملک کندری کے حالات حصہ اول کتاب ہذا صفحہ ۴۹۰ میں دیکھو اور صفحہ ۴۹۶ (تحت حالات عمیدالملک) تما
سنہ ۴۵۶ھ کے سنہ ۴۵۵ھ اور بجائے سنہ ۴۵۵ھ کے ۴۵۶ھ پڑھا جاتا ہے کیونکہ عمیدالملک اخیر محرم ۴۵۵ھ میں قید ہوا اور
ایک سال بعد قتل کیا گیا۔ ۲؎ فتوحات اسلامیہ جلد اول صفحہ ۲۲۲
۳؎ تاریخ کامل ابن اثیر میں لکھا ہے کہ سلطان طغرل بیگ کا پہلا وزیر ابوالقاسم علی بن عبداللہ جوینی اور دوسرا
رئیس الرؤسا ابو عبداللہ حسین بن علی بن میکائیل۔ تیسرا وزیر نظام الملک ابو محمد حسن بن محمد دہستانی جو تھا اور چوتھا عمیدالملک
کندری یا خواجہ حسن طوسی۔ کامل ابن اثیر صفحہ ۱۸ جلد ۱۰۔

نقچوان تک پہنچا۔ اور نہر ارس کے عبور کرنے کو کشتیاں تیار کریں خوی، سلماس (اذربائیجان) کی رعایا نے ہنوز اطاعت نہیں کی تھی۔ لہٰذا ان کی سرکوبی کے واسطے فوجیں روانہ کیں۔ مگر عمید خراسان کی حکمت عملی سے یہ دونوں شہر قبضہ میں آ گئے۔ اور یہاں کی رعایا سلطانی فوج میں داخل ہو گئی۔ اور اطراف و جوانب کے حکمران بھی (مع فوج) شوق جہاد میں سلطان کے شریک ہو گئے۔ جب فوجیں اور کشتیاں جمع ہو گئیں تو سلطان بلاد کرج[1] کو روانہ ہوا۔ اور شاہزادہ ملک شاہ اور نظام الملک کو ایک دوسرے قلعہ کی فتح کے لیے روانہ کیا۔ جس میں رومیوں کا بڑا مجمع تھا۔ چنانچہ قلعہ فتح ہوا۔ اور قلعہ دار قتل کر دیا گیا۔ اور اہل قلعہ مقتول ہوئے۔ یہاں سے ملک شاہ اور خواجہ قلعہ سرماری[2] کو روانہ ہوئے۔ یہ قلعہ نہایت آباد تھا۔ جس میں پانی کی نہریں جاری تھیں اور سرسبز باغات بھی تھے۔ چنانچہ یہ بھی فتح ہو گیا اور خود عیسائیوں نے خالی کر دیا۔ اس کے پاس ایک دوسرا قلعہ تھا۔ وہ بھی ملک شاہ نے فتح کر لیا۔ اور اس کو تباہ کرنا چاہا۔ مگر خواجہ نے منع کیا۔ کہ یہ سرحدی مقام ہے اس کو اسلحہ اور ذخائر سے مرتب رکھنا چاہیے۔ چنانچہ یہ قلعہ امیر نقچوان کے سپرد کر دیا گیا۔ اس کے بعد قلعہ مریم نشین[3] میں پہنچے۔ یہ قلعہ رہبان اور قسیسین اور عیسائی بادشاہوں کا مسکن تھا۔ قلعہ کی فصیل زبردست پتھروں کی تھی جس میں قلعی اور لوہے سے ٹیپ کرا دی گئی تھی

---

[1] کرج۔ عیسائیوں کا ایک خاص گروہ جس کی سکونت جبال القبق میں تھی۔ اور یہ ایک طاقتور قبیلہ تھا جس کی حکومت تفلیس تک تھی اور ان کے شہر کا نام بھی کرج تھا صفحہ ۲۴۳۔ جلد ۷ معجم البلدان

[2] قلعہ شہر دو ہوں ایک نام سے موسوم ہے۔ یہ بڑا شہر ہے تفلیس اور خلاط کے مابین ہے صفحہ ۵، جلد ۵ معجم البلدان۔

[3] غالباً یہ کسی بڑی خانقاہ کا نام ہے جہاں رومن کیتھولک فرقہ کے عیسائی عبادت کیا کرتے تھے اور یہ خانقاہ حضرت مریم کے نام سے موسوم ہو گی جس کا ترجمہ خواجہ نے مریم نشین کیا ہے۔

ایک بڑی نہر میں جاری تھی چنانچہ خواجہ نے کشتیاں اور سامان جنگ فراہم کرکے اپنی جمعیت کو
اور دن رات جاری رہی جب قلعہ فتح ہوا تو سپاہی سیڑھیاں لگا کر دیواروں پر چڑھ گئے
اور قبضہ کر لیا خواجہ نظام الملک اور ملک شاہ قلعہ میں داخل ہوئے کچھ عیسائی مسلمان ہو گئے
اور اکثر قتل ہوئے اس فتح سے الپ ارسلان بہت خوش ہوا اور ملک شاہ کو اپنے پاس
بلا لیا (جہاں وہ مصروف جنگ تھا) راستہ میں ملک شاہ فتوحات کرتا اور عیسائیوں کو گرفتار
کرتا ہوا چلا گیا جب سلطان الپ ارسلان مع ملک شاہ وغیرہ شہر قیسند میں پہنچا تو یہاں ایک
زبردست لڑائی ہوئی جس میں بکثرت مسلمان شہید ہوئے مگر آخر میں حملے بچا کر یہاں
سے شہر امال لال کی طرف بڑھے یہ شہر سرحد پر ایک بلند پہاڑ پر آباد تھا جس میں بہت سے قلعے[1]
تھے اور شمالاً و جنوباً ایک بڑی نہر جاری تھی بظاہر یہ ناقابل فتح تھا مگر بڑی لڑائی کے بعد فتح
ہو گیا چونکہ عیسائیوں نے اس لڑائی میں سلطانی فوج کو دھوکا دے کر برباد کیا تھا لہذا اسلامی لشکر
نے اس کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا واقعہ رجب سنہ ۴۵۶ھ / ۱۰۶۴ء کا ہے یہاں سے آگے بڑھے اور
دبیل وردہ اور نورہ میں پہنچے یہاں کے باشندوں نے اطاعت کی پھر شہر انی کی طرف کوچ
کیا بعد میں جو قتالی پر شہر ارس کے کنارہ پر آباد تھا اور بہت مستحکم تھا اور جو بہائی حد میں
ایک دوسری نہر تھی جس کا پانی اس شدت سے بہتا تھا کہ وہ بڑے پتھروں کو بہا لے جاتا تھا اس شہر
میں پانسو سے زیادہ گرجے تھے اور آبادی بہت تھی چنانچہ اس کا محاصرہ کر لیا گیا جب فتح
کی طرف سے ناامیدی ہوئی تب الپ ارسلان نے اینٹ کا ایک برج بنوایا اور اس پر منجنیق

[1] اخبار کامل ابن اثیر جلد ۱ صفحہ ۱۳ و فتوحات اسلامیہ جلد اول صفحہ ۲۲۲

نصب کی۔ اور پتھر برسائے گئے۔ دیوار میں سوراخ ہوگیا۔ جب فوج اس طرف بڑھی تو خدا نے یہ فضل کیا کہ قلعہ کی ایک دیوار بلا سبب[1] گر گئی۔ اور مسلمان داخل شہر ہوئے۔ بیشمار عیسائی قتل و گرفتار ہوئے۔ یہاں تک کہ بہت سے مسلمان صرف اس وجہ سے شہر میں نہ جاسکے کہ مقتولوں سے راستہ رک گیا تھا۔ یہ ایک عظیم الشان فتح تھی۔ چنانچہ بغداد کو نامہ فتح لکھا گیا۔ جس کے جواب میں خلیفہ نے سلطان کی تعریف کی۔ اور اُس کو دعاء خیر سے یاد کیا۔ امیر کرج نے صلح کرلی اور جزیہ سالانہ دینا منظور کیا۔ اور سلطان مع فوجوں کے اصفہان کو واپس گیا۔

کرمان کی بغاوت اور فتح قلعہ استخر - دہین دژ (شیراز)

بردسیر ایک نہایت قدیم آبادی ہے۔ جس کو کرمان کہتے ہیں۔ اس کا بانی اردشیر بابکان ہے۔ فاروق اعظم کے عہد میں مسلمانوں نے کرمان کو فتح کیا تھا۔ جب سے اسلامی قبضہ رہا بعد ازاں ۴۳۳ھ ۱۰۴۱ء میں قاورد بن چغربیگ نے فتح کرکے بطور ایک ماتحت صوبہ کے اپنی جداگانہ حکومت شروع کی تھی۔ الپ ارسلان[2] کے زمانہ میں قرا ارسلان جو قاورد کا پوتا تھا یہاں حکمراں تھا۔ ۴۵۹ھ ۱۰۶۶ء میں قرا ارسلان نے بغاوت کا اعلان کیا۔ جس کا سبب یہ ہے کہ اس کے وزیر نے جو محض ایک جاہل شخص تھا۔ قرا ارسلان کو بہکا کر سلطان کا خطبہ بند کر دیا تھا۔ یہ خبر سُنکر خواجہ نظام الملک اور الپ ارسلان دونوں کرمان کو روانہ ہوئے۔ پہلے ہی مقابلہ میں قرا ارسلان کو شکست ہوئی۔ قرا ارسلان حاضر ہوکر قدمبوس ہوا۔ اور قصور معاف کرایا۔ سلطان نے بسبب رشتہ داری قرا ارسلان کا قصور معاف کر دیا۔ اور اُس کی بیٹیوں کی شادی کے لیے ایک ایک

---

[1] خواجہ نظام الملک نے اس واقعہ کو وصایا میں خود لکھا ہے۔ لہٰذا اس موقع پر صفحہ ۲۰۰ حصہ دوم کتاب ہذا دیکھنا چاہئے۔

[2] کامل ابن اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۱۸۔ فارس نامہ ناصری صفحہ ۲۳ و ۲۴۳ جلد دوم۔

چنانچہ خواجہ نظام الملک نے زیر قلعہ پہنچکر اس کا محاصرہ کرلیا۔ اور محاصرہ کے سولھویں دن فتح ہوگیا۔ خواجہ نے سپاہیوں کو درہم و دینار اور کپڑے انعام دیئے۔ اور سلطان الپ ارسلان بھی خواجہ سے اسی جگہ آکر ملا۔ اور خواجہ کی کارروائی سے بہت خوش ہوا۔

جنگ قیصر رومانوس خواجہ نظام الملک کے عہد وزارت میں سلطان الپ ارسلان نے جو فتوحات کیں، اُن میں سب سے مہتم بالشان رومانوس چہارم قیصر روم کا معرکہ ہے جسکی تفصیل یہ ہے۔ کہ ۴۶۲ھ ۱۰۶۹ء میں سلطان[1] دیار بکر کی طرف روانہ ہوا۔ نصر بن مروان نے نذر پیش کی اور اطاعت کا اظہار کیا۔ وہاں سے شہر آمد اور رہا کو عبور کرکے داخل حلب ہوا اور اُس کا محاصرہ کرلیا۔ آخر میں محمود بن صالح بن مرداس نے سلطان کی اطاعت کی۔ اور خلفاے عباسیہ کا خطبہ پڑھا۔ سلطان خلعت اور سند حکومت دیکر آذربائیجان کو روانہ ہوگیا۔ اس مابین میں قیصر رومانوس (دائی جینس ڈمنس)[2] نے شام کے اسلامی شہروں پر چڑھائی کی۔ اور بتاریخ ۱۹ نومبر ۱۰۶۹ء (صفر ۴۶۲ھ) شہر منبج پر پہنچکر اہل شہر کو نہایت بیرحمی سے تہ تیغ کیا۔ محمود بن صالح (حکمران حلب) اور حسان طائی اپنے قبائل بنی کلاب اور بنی طے کو جمع کرکے مقابلہ پر آئے لیکن شکست کھائی قیصر منبج پر قابض رہا۔ لیکن کچھ دنوں بعد جب شدت گرما اور کمی رسد سے فوج ہلاک ہونے لگی تو واپس چلاگیا۔ لیکن ۴۶۳ھ ۱۰۷۰ء میں قسطنطنیہ سے چلکر پھر خلاط پر فوج کشی کی۔ اسوقت قیصر کے ہمراہ روس

[1] ابن خلدون فتوحات الپ ارسلان [2] رومانوس چہارم جو عربی تاریخوں میں ارمانوس کے نام سے مشہور ہی فوج یونان کا ایک معمولی سپاہی تھا جسکو ملکہ قسطنطنیہ یوڈیشیا نے اپنی مصلحتوں سے شوہر بناکر تاج و تخت کا مالک بنادیا تھا جو شاہی محل میں شہزادہ اور شوہر ملکہ۔ اور میدان کارزار میں روم کا شہنشاہ تسلیم کیا جاتا تھا۔ یہ بڑا بہادر اور دلیر تھا۔ اور تخت نشینی کے دو مہینہ بعد قسطنطنیہ سے بغرض فتوحات نکلا تھا۔ گبن امپائر جلد ۹۔ عہد اسلام۔

اور دراصل قیصر کے تاہم رکاب سے اور دو لاکھ فوج[1] تھی جس میں رومی، فرانسیسی، روسی، کرجی،
یونانی، ارمنی، اسحاری، کچانی، عربی، اور چرکسی سپاہی شامل تھے اس[2] لشکر سے قیصر کا ارادہ
تھا کہ بغداد سے دولت عباسیہ کو اور بلاد اسلام سے مسلمان حکمرانوں کو خارج کر کے خالص عیسائی
سلطنت قائم کرے اور بغداد کی حکومت کسی جاثلیق کو سپرد کی جائے تمام مسجدیں دیر و کلیسا
کر دی جائیں چنانچہ اس جاہ و حشم کے ساتھ آکر صوبہ خلاط میں وارد ہو کر قلعہ ملازکرد کا محاصرہ کر لیا
(یہ قلعہ شہر ارض روم اور خلاط کے پاس واقع ہے)[3] عیسائیوں کی آمد کی خبر جس وقت
سلطان الپ ارسلان تک پہنچی اس وقت وہ شہر خوئی[4] (مضافات آذربائیجان) میں مقیم تھا
خبر کو سنکر غصہ سے تھرا گیا کیونکہ دشمن سر پر تھا اور بوجہ بعد مسافت کے دارالسلطنت سے
فوج آسکتی تھی اور نہ مجاہدین جمع ہو سکتے تھے اور ایک دقت یہ بھی تھی کہ اگر معاملہ واپس
جانے میں دیار اسلام تباہ و برباد ہو جاتے اور عیسائیوں کا حوصلہ بڑھ جاتا لہذا مصلحتاً خواجہ
نظام الملک کو حکم دیا کہ وہ اہل و عیال، مال و اسباب کو لیکر تبریز روانہ ہو خواجہ[5] نے عرض کیا
کہ میں قدیم خدمت گزار ہوں ہمراہ رکاب چلوں گا" سلطان نے فرمایا کہ "گو تم میری نظر سے
دور ہو گئے لیکن دل سے نزدیک ہو وہاں سے میرے حق میں دعا کرتے رہنا یہی کافی ہے"
چنانچہ خواجہ تبریز کو روانہ ہو گیا اور سلطان بنفس نفیس قیصر کے مقابلہ کے لیے طیار ہوا اسوقت

---

[1] مسٹر گبن، شبلی اور دیگر انگریزی مورخوں نے قیصر کی فوج کی تعداد ایک لاکھ اور سلطان کی فوج چالیس ہزار لکھی ہے لیکن مستند اسلامی مورخوں نے قیصر کی فوج کی تعداد دو لاکھ لکھی ہے [2] دیکھو کتاب الوصایا نظام الملک صفحہ ۲۰ کتاب ہذا [3] فتوحات اسلامیہ جلد اول صفحہ ۲۲۲ و تاریخ آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۴۰ [4] تحفۃ الدول میں شہر خوئی لکھا ہے [5] روضۃ الصفا حالات الپ ارسلان۔

سلطان کے ہمراہ پندرہ ہزار منتخب سوار موجود تھے۔ سلطان نے اُن کو مخاطب کرکے کہا کہ "اے میرے بہادر سپاہیو اگرچہ ہماری تعداد دشمن کے مقابلہ میں نہایت قلیل ہے۔ لیکن ہمکو صبر اور شکر کے ساتھ جنگ کرنا چاہیئے۔ اگر فتحیاب ہوئے تو خدا کا عظیم الشان احسان ہے ورنہ تمہاری دستِ نصیب ہوگی۔ اور میرے بعد میرا بیٹا ملک شاہ تاج اور تخت کا مالک ہوگا"۔ چنانچہ سلطان نے ایک دستہ فوج کا توکلت علی اللہ آگے بڑھایا۔ اس کا روسی فوج سے مقابلہ ہوا۔ جو تعداد میں بیس (۲۰) ہزار تھی مقابلہ میں روسی فوج پسپا ہوئی اور خود شاہ روس جو فوج کو لڑا رہا تھا گرفتار ہوا۔ جب سلطان کے سامنے پیش ہوا تو اُس نے کان اور ناک کٹوا کر زندہ چھوڑ دیا[۱]۔ اور یہی سزا کافی سمجھی۔ اور خواجہ نظام الملک کو نامہ فتح کے ہمراہ صلیب اعظم اور سپہ سالار مذکور کے ناک اور کان بھی بھیجدیئے اور لکھا کہ "بطور تحفہ یہ بغداد بھیجدیئے جائیں"۔ اس مختصر لڑائی میں بھی عیسائیوں نے بڑا جوش دکھلایا تھا۔ اور ہر ایک سپاہی کے ہات میں صلیب تھی۔ اور مذہبی علما اپنی پرجوش جزخوانی سے سپاہیوں کو اُبھار رہے تھے۔ سلطانی فوج کا افسر ضداق ترکی تھا۔ چنانچہ سلطان کو بروز سہ شنبہ بتاریخ ۴ ذیقعدہ سنہ ۴۶۳ھ مطابق جولائی ۱۰۷۰ء یہ فتح نصیب ہوئی۔ ۵ ذیقعدہ یوم چہارشنبہ کو قیصر خلاط پر بڑھا اور اُس کا محاصرہ کرلیا۔ شہر والوں کو اگرچہ یہ یقین تھا کہ خدا اسلام کی مدد کریگا۔ لیکن قیصر کی کثرت فوج اور منجنیقوں کو دیکھکر خوفزدہ ہوگئے۔ اور ڈر کر امان چاہی اور شہر کو سپرد کردیا۔ اسپر بھی عیسائیوں نے بہت سے مسلمانوں کو قید کرلیا۔ اور بہتیروں کو قتل کردیا

[۱] فتوحات الاسلامیہ جلد اول صفحہ ۲۲۰ ۔ [۲] قیصر کے ہمراہ متعدد منجنیقیں تھیں لیکن ایک سب سے بڑی تھی جس میں آٹھ درجے تھے اور جس میں بارہ سو سپاہی بیٹھکر پتھر برساتے تھے۔ اور جس کو ایک سو بیل کھینچکر لے چلتے تھے۔ تاریخ آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۳۸

حالت دیکھ کر بدھ کے دن صبح کے وقت الپ ارسلان ملازکرد کے قریب پہنچا اور نہر
کے کنارے موضع کرو تکو میں کیمپ قائم کیا قیصر کی فوجیں اس جگہ سے ایک فرسخ کے فاصلہ
پر مقام زہرہ معصم (یہ مقام خلاط اور ملازکرد کے درمیان ہے) یہاں سے سلطان الپ ارسلان
نے قیصر کے پاس سفیر بھیجا اس سفارت سے سلطان کا مقصد تھا کہ قیصر کے اصلی حالات سے
آگاہی ہو جائیگی چنانچہ سفیر نے قیصر سے جا کر عرض کیا کہ اگرچہ رومی فوج کثیر ہے لیکن جو سیج
لوکہ جس کے مقابلہ کو آئے ہو اُس کے عزوات ظاہر ہیں لہذا صلح کر لینا بہتر ہے اور اگر آپ کا
مقصود ہو تو سلطان بھی اس ارادہ میں مستقل ہیں بحالتِ صلح اہل دیجانکی اور ممالک مفتوحہ روم
میں کسی قسم کی دست اندازی نہ ہوگی، قیصر نے اس سفارت کو بنظر حقارت دیکھا اور صلیب پر
ہاتھ رکھ کر روح القدس کی قسم کھائی اور کہا کہ جب تک سلطان کی فوج ہتھیار نہ ڈال دے
اور رومی فوج میں شامل ہو اور دارالسلطنت رے ہمارے سپرد نہ کر دیا جائے اس وقت تک
درخواست صلح[1] منظور نہیں ہو سکتی ہے اور سفیر کو ذلت سے نکال دیا اور فوج کو طیاری کا حکم دیا
جواب سنکر سلطان کو بھی غصہ آگیا اور وہ بھی جنگ کے لیے طیار ہو گیا امام ابوالنصر محمد
بن عبدالملک بخاری حنفی لشکر کے ہمراہ تھے انھوں نے سلطان کو مشورہ دیا کہ آج لڑائی
ملتوی رہے اور بعد نماز جمعہ سلطان میدان جنگ کو روانہ ہوں کیونکہ یہ وہ دن ہے کہ جب تمام
ممالک اسلام میں منبر خطبہ پر دعا کر رہے ہوں گے کہ "اللہم انصر جیوش المسلمین" اور خاص و
عام آمین کہتے ہوں گے چنانچہ سلطان نے اس رائے سے اتفاق کیا اور جمعہ کو صبح سے

[1] گبن بحوالہ الپ ارسلان ص ۵۲ سرجان ملکم صاحب فتوحات الپ ارسلان

فوج میں غیر معمولی طیاریاں ہوئیں۔ اور ہر سپاہی شہادت کے لیے طیار ہو گیا۔ چنانچہ بعد نماز جمعہ سلطان نے لشکر میں اعلان کر دیا کہ "جو شخص جانا چاہتا ہے وہ اسی وقت لشکر سے چلا جائے۔ اور جو شہادت حاصل کرنا چاہتا ہے وہ میرے ساتھ ہو"۔ اور سلطان نے لباس شاہی اُتار کر ایک سفید قبا پہنی جو مشک اور عنبر سے معطر تھی (یہی گویا کفن تھا)۔ کمان کا نہ سے لٹکائی، گرز ہاتھ میں لیا، اور تلوار گلے میں حائل کی۔ اور گھوڑے پر خود زین کسا اور اُس کی دم میں گرہ لگا دی[52] جس کی کل فوج نے تقلید[53] کی اور فوج کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ جب فوج نے دیکھا کہ سلطان کفن پہنکر لڑنے کو نکلا ہے تو تمام سپاہی جوش میں آکر اللہ اکبر کا نعرہ مارتے ہوئے سلطان کے ہمراہ ہوئے۔ اس کے بعد سلطان اور اُس کی فوج نے نہایت خشوع اور خضوع سے دعا مانگی اور پھر سلطان نے سپاہیوں کے سامنے ایک تقریر کی اور میدان کو روانہ ہو گیا۔ ٹھیک دوپہر کا وقت تھا کہ سلطان قیصر کی فوج کے سامنے پہنچ گیا۔ مگر اتفاق سے ہوا گرم چلنے لگی اور لحظہ بلحظہ ترقی کرنے لگی جس کی وجہ سے مسلمان گرمی اور شدت پیاس سے تڑپنے لگے (کیونکہ نہر پر قیصر نے قبضہ کر لیا تھا) اور ہوا کا رخ اسلامی فوج کی جانب تھا۔ یہ مصیبت دیکھکر سلطان گھوڑے سے اُترا دستار سر سے اُتار ڈالی اور ٹپکا کمر سے کھولکر خاک پر سر بسجود ہو گیا اور بڑی عاجزی سے دعا مانگی کہ "اے مسبب الاسباب میرے گناہوں کا آج مواخذہ نکر اور اپنی مہربانی کی نظر اس عاجز

---

[51] اخیر مرتبہ جب فوج کا شمار کیا گیا تو صرف بارہ ہزار سوار موجود تھے صفحہ ۴۴۱ سراج الملوک طرطوشی۔
[52] اس زمانہ کا یہ دستور تھا کہ گھوڑوں کی دُمیں بہت لمبی رکھتے تھے۔ مگر میدان جنگ میں یہ طوالت باعث تکلیف تھی، لہذا دُم میں گرہ لگا دی گئی۔ یہ حالت کل فوج کے گھوڑوں کی تھی۔ [53] مختصر الدول صفحہ ۳۲۲۔

سجدہ سے جو سر ایک سجدوں کا متصل ہی سب پھر اور ہوا کا رخ دشمن کی طرف پھر گیا سلطان
کے ساتھ فوج بھی دعا میں شریک تھی۔ تھوڑی دیر میں سلطان کی دعا قبول ہوئی اور ۵

ادھر سے اُدھر پھر گیا رُخ ہوا کا

ہوا کا پھرنا تھا کہ سلطان مع فوج کے آندھی کی طرح دشمن پر ٹوٹ پڑا۔ تلواریں چلنے لگیں۔ ر
کل فوج سپہ سالار اعظم ماوگس کے ماتحتی میں تھی اول میدان قیصر کے ہات رہا اور الپ ارسلان
کی فوج کو شکست نصیب ہوئی لیکن ایک افسر کی نادانی سے قیصر کی فوج بھاگ نکلی اور اکثر
رفیق قیصر کو چھوڑ کر چلدیئے الپ ارسلان نے موقع کو غنیمت سمجھکر رومیوں پر ایک آخری حملہ
کیا اور میدان جیت لیا مورخ گبن لکھتا ہے کہ اس جنگ میں کس قدر رومی فوج قتل ہوئی اور
کسے سپاہی گرفتار ہوئے انکا ذکر ہی فضول ہے بہرحال فریقین کا عظیم الشان نقصان ہوا
اور الپ ارسلان کامیاب ہوا جب رومیوں کی فوج منتشر ہو گئی تو رومانوس اپنی مختصر
فوج کے ساتھ لڑتا رہا۔ لیکن جسم کاری زخمی ہوکر زمین پر گر گیا۔ اور ایک سوار نے آکے گرفتار
کر لیا جس سوار نے قیصر کو گرفتار کیا اسکا نام سادی تھا اور یہ ایک پستہ قامت اور کم حیثیت
شخص تھا جس کی نسبت تاریخ نگارستان میں لکھا ہے کہ افسر فوج نے جائزہ کے وقت اسی بنا پر
اس کا نام خارج کر دیا تھا لیکن سلطان نے افسر مذکور سے سفارش کی کہ اس کو بھی رہنے دو
ممکن ہے کہ یہی قیصر کو گرفتار کرے چنانچہ سلطان کی پیشگوئی پوری ہوئی گرفتاری کے بعد
قیصر تمام رات معمولی حیثیت سے لشکر میں رہا صبح کو گوہر آئین نے الپ ارسلان کے حضور میں

۵ تاریخ نگارستان میں اس سوار کا نام العبد لکھا ہے صفحہ ۱۹۹ مطبوعہ بمبئی

پیش کیا۔ سلطان کو قیصر کے گرفتار ہونے میں شک تھا لیکن جب اس نے رومی قیدیوں کے چیخنے چلانے کی آواز سنی اور بسی لیاش نے جو یونانی فوج کا سپہ سالار تھا۔ اپنے آقا کو پہچانا اور قدمبوس ہوا۔ تب سلطان کو یقین ہوا۔ اور سلاطین ایشیا کے دستور کے مطابق قیصر بادشاہ کے سامنے زمین بوس ہوا۔ اور آداب بجالایا۔ الپ ارسلان نے حالت غصہ میں اُٹھ کر قیصر کا غرور توڑنے کے لیے اپنا ایک پاؤں قیصر کے کندھے پر رکھدیا۔ گبن اس واقعہ کی نسبت لکھتا ہی کہ اس میں کچھ شبہ ہی لیکن ابنؔ خلدون وغیرہ کی روایت اس سے بھی زیادہ سخت ہی اور وہ یہ کہ سلطان نے اپنے ہاتھ سے قیصر کے تین کوڑے مارے اور کہا کہ "میں نے صلح کا پیام دیا تھا جس کو تو نے نہ مانا اور آخر یہ نتیجہ دیکھا"۔ رومانوس نے شرم سے سر نیچا کرکے عرض کیا کہ "اب مجھے زجر و توبیخ سے معاف رکھیے اور جو آپ کو کرنا ہو وہ کیجیے"۔ لیکن اس فوری کارروائی کے بعد پھر سلطان نے قیصر کے ساتھ شاہانہ برتاؤ کیا۔ چنانچہ مورخ گبن لکھتا ہی کہ سلطان نے قیصر کو زمین سے اُٹھایا اور اس سے شیک ہنڈ (مصافحہ) کیا۔ اور یقین دلایا کہ تمھاری عزت اور تمھاری زندگی بطور ایک بادشاہ کے قائم رکھی جائیگی"۔ پھر قیصر کو اپنے خیمہ کے قریب اُتارا اور اعزاز کے ساتھ مہمان رکھا۔ اور روزانہ دو مرتبہ قیصر سلطان سے آکر ملتا تھا۔ آٹھ دن کے بعد سلطان نے قیصر کو بہت سی نصیحتیں کیں اور اُن نالائق سرداروں پر نفرین کی جو قیصر کو میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ اور جو غلطیاں اس جنگ میں قیصر سے ہوئی تھیں اس کو وہ بھی سمجھائیں۔ اس کے بعد سلطان نے قیصر سے کہا کہ بتاؤ میں تمھارے ساتھ کیا برتاؤ کروں۔

---

[1] اسلامی مورخین کے علاوہ معتبر عیسائی تاریخوں میں بھی یہ روایت ہی دیکھو مختصر الدول عبطی صفحہ ۳۲۳ مطبوعہ بیروت۔

اسے کہا اگر تو ظالم ہے تو میری زندگی ختم کر دے اور اگر تو متکبر ہے تو اپنی گاڑی مجھ سے کھچوا
اور پا بجولاں اپنے دار السلطنت تک لیجا اور اگر تو اپنا فائدہ سمجھتا ہے تو تاوان لیکر چھوڑ دے[٥٢]
اور خواجہ نظام الملک[٥١] نے کتاب الوصایا میں لکھا ہے کہ قیصر نے سلطان کو یہ جواب دیا تھا کہ اگر
تو قصاب ہے تو ذبح کر ڈال اور اگر سوداگر ہے تو بیچ ڈال اور اگر بادشاہ ہے تو بخش دے" بہرحال
یہ دونوں روایتوں کا ایک ہی ہے اس سوال و جواب کے بعد سلطان نے قیصر سے دریافت
کیا کہ اگر میں گرفتار ہو کر تمہارے سامنے آتا تو تم میرے ساتھ کیا برتاؤ کرتے؟ ارمانوس نے
جواب دیا کہ میں تم کو دُرّے لگاتا۔ قیصر کا یہ جواب اگرچہ عقل و احسان مندی کے خلاف تھا تاہم
سلطان نے بہت متانت اور ایک فاتح کی شان سے مسکرا کر ٹال دیا اور قیصر کو آزاد کر دیا
اور متعدد رومی امرا اور بطریق جو قید میں تھے ان کو بھی رہا کر کے خلعت اور انعام عطا کیے الپ ارسلان
کا یہ فیاضانہ برتاؤ دیکھ کر قیصر نے سلطان سے اقرار کیا کہ وہ سالانہ[٥٣] ایک لاکھ ساٹھ ہزار دینار ادا
کرے گا اور دس لاکھ دینار بطور تاوان جنگ ادا کرے گا اور کسی ایک شہزادی کا عقد کسی شاہزادے
سے عقد کرے گا۔ اور ضرورت کے وقت رومی لشکر سلطان کی مدد کے لیے بھیجا کرے گا اور پچاس
برس کے لیے عہد نامہ لکھا گیا تکمیل معاہدہ کے بعد سلطان نے دس ہزار دینار نقد اور ایک خلعت
مرحمت فرما کر ارمانوس کو بعد معانقہ بڑی شان و شوکت کے ساتھ رخصت کیا اور بعد میں کل

---

٥١ کتاب الوصایا صفحہ ١٥٣ کتاب ہذا
٥٢ ایک روایت یہ ہے کہ قیصر کا جواب سنکر سلطان نے حکم دیا کہ اس شخص کا قتل کرنا تو فضول ہے لشکر میں منادی کر کے
نیلام کیا جاوے چنانچہ نیلام میں کوئی خریدار نہیں ملا تب آزاد کر دیا۔ سراج الملوک طرطوشی صفحہ ١٤٠
٥٣ گبن صفحہ ١٠٢٣ جلد ٦ عہد سلجوقیہ و کامل ابن اثیر جلد ١٠ صفحہ ٢٣ و تاریخ آل سلجوق اصفہانی صفحہ ٣٨

تک بطور مشایعت قیصر کے ہمراہ خود بھی گیا۔ جب قیصر اپنے سرحدی (قلعہ دوقیہ) پر پہنچا۔ تو اسکو اطلاع ہوئی۔ کہ روم کے تخت پر میخائیل ہفتم نے قبضہ کرلیا ہے۔ اور کل رعایا رومانوس کی فرمانبرداری سے انکار کرتی ہے۔ کیونکہ رعایا کا یہ خیال تھا کہ مسیح علیہ السلام رومانوس سے ناراض تھے۔ یہی باعث شکست کا تھا۔ اور جس پر مسیح کا عتاب ہو وہ لائق بادشاہت نہیں ہے۔ تاہم رومانوس قسطنطنیہ میں داخل ہوا۔ اور اپنے قول کے مطابق مبلغ تمام دو لاکھ دینار اور ایک طبق جواہرات سے بھرا ہوا (جس کی قیمت نوے ہزار دینار تھی) جمع کر کے سلطان کی خدمت میں روانہ کیے۔ اور شرعی قسم لکھی کہ اس سے زیادہ میرے پاس نہیں ہے اور اپنے تمام حالات سے سلطان کو اطلاع دی۔ الپ ارسلان رومانوس کی راستی اور ثابت قدمی سے بہت خوش ہوا اور جن لوگوں نے اس کے ملک پر قبضہ کرلیا تھا اس کی سرکوبی کو جانا چاہا۔ مگر اس درمیان میں معلوم ہوا کہ رومانوس کو اس کی نمک حرام رعایا نے اندھا کر کے قتل کر ڈالا ہے۔ لہذا روانگی ملتوی رہی۔ اس فتح کے بعد الپ ارسلان رے کو واپس گیا۔ اور لڑائی میں جو خزانہ اور نادر چیزیں ملی تھیں وہ سب قلعہ رے میں داخل کی گئیں۔ اور قلعہ دار کو ان کی حفاظت کا خاص حکم دیا گیا۔ اور امیر المومنین اور دیگر سلاطین کو نامہ فتح روانہ کیے گئے جس کے جواب میں تمام ملکوں سے مبارکباد کے خطوط آئے۔ شعرا نے قصائد پڑھے۔ تاریخ آل سلجوق میں لکھا ہے کہ اس لڑائی میں مال غنیمت کا یہ حال تھا کہ ایک دینار میں تین زرہ اور سدس دینار (۱۳ ر-۲ پائی) میں بارہ خود فروخت ہوتے تھے۔ اور سلطانی فوج کا ایک ایک سپاہی مال و دولت سے گرانبار ہو گیا تھا۔ مورخین کا قول ہے

لہ روضۃ الصفا حالات الپ ارسلان۔

کہ وسیع عہد اسلام کی فتوحات سے ملتا ہے اور لوگوں کو صحابہ کرام کا زمانہ یاد آگیا تھا۔
اس لڑائی کے بعد سلطان نے اپنے سالے کو ملک کی حکومت لینے بھیجا اور چچازاد بھائی سلیمان بن قتلمش کے سرکردگی جو بعد میں ایک بڑا حکمران اور ایک ماہر سپہ سالار ثابت ہوا جس نے جلد ہی اس حدود سلطنت کو جانب شمال بحر اسود تک اور جانب مغرب بحیرہ روم تک بڑھا لیا اور قیصر کو خراج دینے پر مجبور کیا سلیمان نے نائس (صوبہ بائیتھینیا) کو اپنا دارالحکومت بنایا جو جنگ صلیبی تک دستور رہا اور جب جنگ صلیبی میں یہ ملک نکل گیا تو قونیہ (آئیکونیم) کو صدر مقام بنایا اور یہ حصہ ملک تاتاریوں کے ہاتھ تاراج ہونے تک سلیمان کی اولاد کے قبضہ میں رہا اور ۱۳۰۰ء میں دولت عثمانیہ کے قبضہ میں چلا گیا جس کی تفصیل تاریخ عثمانیہ میں پڑھنا چاہیے

بغاوت فضلویہ شبانکارہ فتوحات روم سے فارغ ہو کر سلطان الپ ارسلان اور خواجہ نظام الملک رے کو واپس آئے اور انتظامات ملکی میں مصروف تھے لیکن فضلویہ کی بغاوت کی شہرت سن کر اس کی سرکوبی کے لیے ۴۶۴ھ / ۱۰۷۱ء میں بحر فارس کی طرف روانہ ہوئے فضلویہ کا مختصر حال یہ ہے کہ فضل بن حسن ملقب بہ فضلویہ حکمران شبانکارہ کی نسل سے تھا اور الپ ارسلان کی سفارش سے

سلہ تاریخ اسلام راشد آرمل میر علی صاحب ناظم صفحہ ۳۱۲ (مانسم) سلہ حدود اربعہ سلطنت یوں کے تھے جانب مغرب بحیرہ روم و خلیج قسطنطنیہ و بحر الروم جانب جنوب دشام و جزیرہ جانب مشرق ا سہ جانب شمال بلاد کرج و بحر الروم حصہ ایشیائے کوچک کہلاتا ہے خاتمہ مختصر الدول صفحہ ۳۰۴ سلہ کامل ابن اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۲۴ کتاب الوصایا دوسرا حصہ کتاب ہذا صفحہ ۳۰۹ مراۃ السلاطین ناصری صفحہ ۲۶ تاریخ ناصری صفحہ ۳۲۲ و ۳۲۳ جلد دوم سلہ شبانکارہ فارس کے اس حصہ کا نام ہے جو شیراز کے جنوب و مشرق میں واقع ہے اور جس کا صدر مقام ایج تھا قاضی عضد الدین عبد الرحمن ایجی مشہور مطالع الانوار محمد ایجی ملا شمس الدین ایجی (استاد علامہ جلال الدین دوانی) مشاہیر علما اسی

سلطان طغرل بیگ نے (۴۴۸ھ ۱۰۵۶ء) میں بلاد فارس کا ٹھیکہ دیدیا تھا فضلویہ نے صوبہ فارس کا عمدہ انتظام کیا تھا۔ خود داراب میں رہتا تھا۔ اور شیراز میں اُس کا نائب حکومت کرتا تھا جب الپ ارسلان روم کی مہم میں مصروف ہوا تو میدان خالی پاکر فضلویہ نے بغاوت شروع کی اور ادائے خراج سے انکار کیا۔ تب خواجہ نظام الملک کی سپہ سالاری میں فارس پر فوج روانہ کی گئی چونکہ فضلویہ میں سلطانی فوج سے مقابلہ کی طاقت نہ تھی لہذا وہ قلعہ برجہرم میں پناہ گزیں ہوا۔ یہ قلعہ قصبہ جہرم سے جانب مشرق آٹھ فرسنگ پر واقع ہی۔ اور بلحاظ اپنی نوعیت کے ناقابل فتح ہی۔ اس واقعہ کو خواجہ نظام الملک نے کتاب الوصایا میں خود لکھا ہی۔ چنانچہ خواجہ کا بیان ہی کہ قلعہ کا محاصرہ صرف ایک رات رہا۔ اور صبح کو یکا یک قلعہ سے الامان کی صدا بلند ہوئی اور فضلویہ نے خراج دینا منظور کرلیا۔ اس واقعہ پر عام حیرت تھی کہ جو قلعہ برسوں میں بھی فتح نہ ہوسکتا تھا۔ اس کے قلعہ داروں نے کیونکر اطاعت قبول کرلی لیکن تحقیق سے معلوم ہوا کہ رات بھر میں قلعہ کے تمام تالاب و حوض خشک ہوگئے تھے۔ اس لیے محصورین امان کے طالب ہوئے تھے حقیقت میں یہ خواجہ نظام الملک کی نیک نیتی اور زہد و پارسائی کا اثر تھا کہ غیب سے قلعہ کے فتح کا سامان ہوگیا اور بتاریخ ۲۹ ستمبر ۱۰۷۱ء یوم پنجشنبہ (محرم ۴۶۴ھ) یہ فتح نصیب ہوئی۔ ایک عیسائی مؤرخ[۱] نے اس واقعہ کو پڑھ کر یہ رائے لکھی ہی کہ "خواجہ حسن نظام الملک کو سپہ سالاری اور فنون حرب سے کوئی مناسبت

(بقیہ نوٹ صفحہ ماقبل) حکمرانان شبانکارہ کا سلسلہ نسب اردشیر بابک تک پہنچتا ہی۔ ابتدا میں اس خاندان کے بزرگ شاہی گلہ بان تھے۔ لہذا شبانکارہ کہلائے فضل کا باپ حسن۔ فخرالدولہ دیلمی کی فوج کا سپہ سالار تھا۔ لیکن اس خاندان میں فضل بن حسن ملقب فضلویہ سب سے زیادہ نامور ہوا ہی۔ [۱] سرجان ملکم صاحب حالات خواجہ نظام الملک۔

رہی۔ لیکن جن لڑائیوں میں وہ شریک ہوا اُس کی کامیابی کو وہ اپنی مناجات اور دعاؤں کا نتیجہ سمجھتا
تھا اور اپنی عبادت اور خدا پرستی پر بھروسہ رکھتا تھا۔ یہ ایک عجیب و غریب رائے ہے جس سے
یورپ کی دہریت اور لامذہبی نکلتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ یورپ کو دشمن کے مقابلہ میں صرف
اپنے آلاتِ حرب اور فنونِ جنگ پر بھروسہ ہوتا ہے اور علماء مذہب کا جنگوں میں خدا سے دعا
مانگنا ایک فضول کام ہے۔ حالانکہ اگر تائید غیبی اور فضل خداوندی شامل حال نہ ہو تو فوج کی کثرت
اور اُس کی قواعد دانی بالکل بیکار ہے اور ضیاء الملت والدین امیر عبدالرحمن خان مرحوم والی دولت
خداداد افغانستان تو اس قاعدہ کے بالکل خلاف تھے۔ ان کا قول مشہور ہے کہ "ایں قصہ در میدان
کار ساند" بہرحال ہم کو مورخ مذکور کی رائے سے اتفاق نہیں ہے بلکہ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ جو آصف
نظام الملک جس طرح عقل اور سیاست میں ایک بے نظیر شخص تھا۔ ویسا ہی وہ آداب لشکر کشی
سے بھی واقف تھا وہ جیسا مدبر وزیر تھا ویسا ہی ایک تجربہ کار سپہ سالار بھی۔ اب اگر کسی مدبر
سپہ سالار کا یہ خیال ہو کہ فتح اور شکست محض خدا کی طرف سے ہے تو اس پر بدگمانی کرنا کہ وہ فن حرب
سے ماہر نہیں ہے اور اپنے فن سے ناواقف ہے محض ایک ناواقف کا خیال ہے۔ قلعہ مرحوم ایک عجیب
غریب طرز کا قلعہ ہے لہذا اس کا نقشہ اور فرہنگ ثبت کی جاتی ہے جس کے ملاحظہ سے قلعہ کے اندر
اور باہر کے حصے بخوبی سمجھ میں آجائیں گے۔ نقشہ میں جو ہندسے دیئے ہوئے ہیں ان کے مطابق
فرہنگ میں دیکھنا چاہیئے

فرہنگ نقشہ قلعہ تبر جہرم منقول از کتاب مرأت البلدان ناصری رقمزدہ باقرخاں پسر عبدالحسین خان مرحوم اصفہانی

۱ - چوٹی کوہ جہرم - جو بطور پشتہ قلعہ کے چاروں طرف محیط ہے۔

۲ - سنگری۔

۳ - فاصلۂ درمیانی پشتہ کوہ و قلعہ۔

۴ - قیام گاہ نصر اللہ خاں باغی۔ عہد ناصر الدین شاہ مرحوم (تعمیر جدید)

۵ - اس حصۂ قلعہ کا نام "دہ مردہ" ہے۔ اور یہی مقام توپخانہ ہے۔

۶ - میدانی حصہ

۷ - برج فضل علی باغی۔ عہد ناصر الدین شاہ سنہ ۱۲۹۴ھ (جدید) یہ مقام قلعہ کا دروازہ ہے جسکو رگ اول کہتے ہیں

۸ - برج علم بیگ تعمیر کردہ فضل علی (جدید) اس مقام پر پہاڑ کی چوڑائی ربع فرسخ ہے۔

۹ - قلعہ تبر قدیم عہد نظام الملک۔ جس میں فضلویہ مقیم تھا۔

۱۰ - راستہ بالائے قلعہ۔ اس مقام تک ذریعہ چاہ وازونہ (الٹا کنواں) پہنچتے ہیں۔ اور پھر اس جگہ سے بذریعہ طناب (۳۰ گز) بالائے قلعہ پہنچتے ہیں۔ صرف ایک آدمی کے جانیکا راستہ ہے۔ یہ رگ دوم ہے۔

۱۱ - یہاں گودام ہے اور کسیقدر پانی کا بھی ذخیرہ رہتا ہے۔ یہ رگ سوم ہے۔

۱۲ - برج نصر اللہ خاں بہارلو۔ (جدید)

۱۳ - چشمۂ الجمع۔

۱۴ حمیدگسلہ۔

۱۵ موضع لوپ۔

۱۶ چشمہ داریاہ

۱۷ چاہ وار وہ یعنی رستہ قلعہ اس مقام سے رگ اول تک ایک گھنٹہ کی مسافت ہی

۱۸ راستہ دو مردہ، اس سے لوگ لیجاتے ہیں یہ رستہ دو گھنٹہ کا ہی

۱۹ چشمہ آب دل سالاں چشمہ پہاڑ کے نیچے ہی اور پہاڑی سوتوں سے پانی نیک کر جو وہاں
میں جمع ہوتا ہی اس چشمہ کے جانب مشرق ایک چوبائی در سنگ پر پہاڑ کے نیچے ایک سلسلہ
سیڑھیوں کا ہی جو پہاڑ تراش کر بنائی گئی ہیں

نوٹ۔ قلعہ کے دوم اور سوم حصے رسید دیکھے ہیں اور ہر برج ایک اگلا نام سے موسوم ہی دولت اراں
کی طرف سے آج کل اس قلعہ پر سروان اطور چوکی پولیس کے معین ہیں

قتل سلطان الپ ارسلان

قیصر روما نوس کی لڑائی کے بعد سلطان الپ ارسلان نے اپنی عالی حوصلگی اور بلند خیالی سے یہ ارادہ کیا کہ جو علاقہ خاندان سلجوقیہ[1] کا ابتدائی مسکن اور مولد رہا ہے اُس پر بھی قبضہ ہو جائے چنانچہ دو لاکھ فوج پیادہ اور پچاس ہزار سوار لیکر دار السلطنت سے نکلا اور دریائے جیحون پر ایک پل باندھا۔ اور تقریباً بیس دن میں جیحون کے پار ہو گیا۔ سلطان کا قصد تھا کہ شمس الملک تگیں خان بن تمغاج خان والی ماوراالنہر پر حملہ کرے۔ چنانچہ جیحون سے اتر کر پہلا مقام "فربر"[2] پر ہوا۔ اور اس جگہ تمام فوج کو دعوت دی گئی اور اسی جگہ سے ایک قلعہ پر جس کا نام "برزم" تھا (جو نہر جیحون کے کنارہ واقع تھا) حملہ کیا گیا۔ لیکن اتفاق سے یہ قلعہ فتح نہیں ہوا جب سلطان الپ ارسلان نے دیکھا کہ اگر میں قلعہ برزم کی فتح میں اُلجھا رہوں گا تو اصلی مہم جاتی رہیگی۔ لہذا یوسف خوارزمی محافظ قلعہ کو بتاریخ چھٹی ربیع الاول ۴۶۵ھ اپنے سامنے طلب کیا۔ اور گفتگو شروع ہوئی۔ یوسف نے سر دربار سلطان سے سخت کلامی کی سلطان کو اُس کی گستاخی ناپسند ہوئی۔ اور غصہ کی حالت میں حکم دیا کہ اس کو چومیخہ کر کے قتل کر دو۔ یہ سنکر یوسف اور برہم ہوا۔ سلطان کو مخاطب کر کے کہا کہ "اے مخنث کہیں مجھ ایسے بہادر بھی اس ذلیل طریقہ سے قتل کیے جاتے ہیں۔" یہ سخت جواب سنکر الپ ارسلان آپے سے باہر ہو گیا اور کمان میں سہ چوبہ تیر جوڑ کر یوسف کو نشانہ بنایا۔ الپ ارسلان ایسا قادر انداز تھا کہ اس کا تیر کبھی خطا نہیں کرتا تھا۔ لیکن یوسف پر وار خالی گیا اور ایک تیر بھی نشانہ پر نہ لگا۔ تب سلطان تخت سے اُٹھا کہ یوسف کو پکڑ کر خود سزا دے لیکن گوشۂ دامن

---

[1] تاریخ آل سلجوق اصفہانی۔ صفحہ ۴۴۔ کامل ابن اثیر و ابن خلدون۔ وفات الپ ارسلان۔ و تقویم ابو الفدا صفحہ ۲۳۱
[2] فربر = جیحون کے شرقی جانب ہے اس جگہ سے دریا کا کنارہ ایک میل ہے

اور انگریزی تاریخوں میں اسی شعر کا ترجمہ نثر میں لکھا ہوا ہے۔ جس وقت باشندگان ماوراءالنہر نے سنا کہ الپ ارسلان دو لاکھ فوج لیکر آرہا ہے تو تمام ملک میں ہلچل پڑ گئی۔ اور شہر بخارا کے مسلمانوں نے ختم قرآن کا وظیفہ شروع کیا۔ اور خدا سے دعا کی کہ وہ انکا حامی و مددگار ہو۔ چنانچہ اُن کی دعا مستجاب ہوئی اور سلطان آگے نہ بڑھ سکا۔ جب سلطان زخمی ہوکر اپنے خیمہ میں گیا تو درباریوں سے مخاطب ہوکر کہا۔ "کہ مجھ پر جو کچھ گزرا وہ میری خام خیالی کا نتیجہ تھا۔ افسوس ہے کہ میں نے ایک بزرگ کی دو نصیحتوں پر عمل نہیں کیا۔ ایک یہ کہ کسی کو نظر حقارت سے نہ دیکھنا۔ دوسرے یہ کہ اپنے آپ کو کبھی بڑا نہ سمجھنا۔[1] آج دو مرتبہ[2] نفس امارہ نے سرکشی کی۔ اول صبح کے وقت ایک ٹیلہ پر کھڑے ہوکر جب میں نے فوج کو دیکھا۔ تو کثرت فوج سے میرے دل میں یہ خیال آیا کہ آج دنیا میں مجھ سے بڑھ کر کوئی بادشاہ نہیں ہے۔ اور نہ کوئی میرا مقابلہ کرسکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ میں نے اپنی طاقت پر بھروسہ کیا حالانکہ ایک ہزار جاندار (غلامان خاصہ) میرے سامنے موجود تھے۔ مگر میں نے اُن کو منع کیا کہ وہ یوسف کو نہ روکیں۔ درحقیقت اگر میں اپنے کاموں میں خدا سے مدد مانگتا تو مجھے یہ دن نہ دیکھنا پڑتے۔ اور اب میں خدا کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔"

زخمی ہونے کے بعد سلطان نے ایک دربار کیا۔ اور اپنے بیٹے ملکشاہ کے سر پر تاج سلطنت رکھا

---

[1] اس مضمون کو شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے اپنے زمانہ میں ذیل کی نظم میں ادا کیا ہے۔

مرا پیر دانائے مرشد شہاب ۔ دو اندرز فرمود بر روئے آب

یکے آنکہ در خلق بد بیں مباش ۔ دگر آنکہ در خویش خود بیں مباش

[2] تاریخ نگارستان صفحہ ۱۷۰

کامل اسیر جلد ۱۰ صفحہ ۲۶ و ۲۵

اور اس کی رعایت کا تمام سرداروں سے حلف لیا اور ملکشاہ کو وصیت کی کہ وہ تمام سلطنت
کا انتظام نظام الملک کے مشورہ سے کرتا رہے جو ایک خدا پرست اور مدبر وزیر ہے اور اپنے
دوسرے بیٹے ایاز کے حق میں وصیت کی کہ اس کو پانچ لاکھ دینار دیئے جائیں اور قاورتک
بن داؤد کو فارس اور کرمان کی حکومت سپرد کر دی اور کسی قدر نقدی کے لیے بھی ہدایت کی اور
اُمرائے دولت سے یہ بھی اقرار لے لیا کہ میری وصیت کی تعمیل کی جائے اور اگر میرے حکم
کی تعمیل ہو تو تم تلوار سے کام لینا اس کے بعد کلمہ شہادت پڑھتا ہوا انتقال کر گیا۔

سیرت سلطان الپ ارسلان | سلطان الپ ارسلان ایک بہت خاص درجہ کا بادشاہ تھا کسی کی رعیت
کبھی بھی شہنشاہ کی تصدیق خواجہ نظام الملک نے لیے ایک تاریخی واقعہ سے کی ہے[1]
سلطنت کو اس عہد میں بڑی ترقی ہوئی اور ملی طور پر حکومت لوگ اس کو سلطان عالم کہتے تھے
خدا کی نعمتوں کا بڑا شکر گزار رہا اور بہت صدقات کا دینے والا رمضان المبارک میں پندرہ ہزار
دینار خیرات کرتا تھا دفتر میں ایک رجسٹر رہتا تھا جس میں تمام سلطنت کے ان فقرا اور مساکین
کے نام درج تھے جن کو گھر بیٹھے وظیفہ دیا جاتا تھا اس بادشاہ نے مالیہ مالگزاری کے
علاوہ کبھی رعایا سے کسی قسم کا تاوان اور جرمانہ وصول نہیں کیا۔ اور سال میں صرف دو دفعہ
خراج وصول کیا جاتا تھا اوقات فرصت میں شاہنامہ اور سکندر اعظم کی فتوحات اور
قدیم بادشاہوں کی تاریخ سنا کرتا تھا علاوہ باطنی اوصاف کے بہت خوبصورت وجیہہ
اور طاقتور تھا مذہب اسلام کا ایک زبردست حامی تھا اور مذہبی لوگوں کو ایک مدت کے لیے

[1] دوسرا حصہ کتاب ہذا صفحہ ۴۱۱

بھی جائز نہ رکھتا تھا۔ ہر شہر میں مسجدیں تعمیر کرائیں۔ ایفائے عہد میں ضرب المثل تھا۔ خلیفہ قائم بامر اللہ کا بہت ادب کرتا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ نہ بغداد جا سکا اور نہ خلیفہ کی زیارت نصیب ہوئی۔ اسکے عہد سلطنت میں ہر شہر میں مدرسے جاری ہوئے جس سے علم کا فیض عام ہو گیا۔ باشندگان فارس[1] کا یہ قول صحیح ہے۔ کہ جن وحشی تاتاریوں سے ہمکو اندیشہ تھا۔ اور جن کی حکومت کو ہم ایک آفت ناگہانی سمجھتے تھے۔ ان کے آنے سے ملک کی قسمت کھل گئی" لیکن الپ ارسلاں کو جہاں خدا نے اور نعمتیں دی تھیں۔ اُن میں سب سے بڑھ کر خواجہ نظام الملک کی ذات تھی۔ تمام مورخوں کا اسپر اتفاق ہے کہ الپ ارسلاں کے دور حکومت کی ترقی کا باعث خواجہ نظام الملک کی حکمت عملیاں تھیں۔ داڑھی بہت لانبی تھی۔ چنانچہ طاقیہ (ایک قسم کی لانبی ٹوپی) کی چوٹی سے نیچے تک داڑھی کی مقدار دو گز ہوتی تھی (از کلہ کلاہش تا پائین لحیہ) اور چوگان بازی (پولو) کی حالت میں داڑھی میں تین گرہ لگالیتا تھا۔ سیاست کا یہ حال تھا کہ ایک غلام نے کسی دیہاتی کی بکری چھین لی۔ جب وہ فریادی ہوا تو تحقیقات کی گئی۔ ایک غلام گرفتار ہوکر سامنے آیا اسی وقت قتل کا حکم دیا اور اُس کی نعش تین مہینے تک سولی پر لٹکتی رہی اور کسی کی طاقت نہ تھی کہ اُس کو دفن کرے۔ بادشاہوں کے سفیر جب سامنے آتے تھے تو اُس کی ہیبت اور جلال سے کانپنے لگتے تھے۔ وسعت سلطنت کا یہ حال تھا کہ تمام ممالک مقبوضہ میں بارہ سو[2] ماتحت حکمراں تھے۔ دسترخوان شاہی بہت وسیع تھا یہاں تک کہ میدان کارزار اور شکارگاہ میں بھی وسیع پیمانہ پر انتظام ہوتا تھا۔ علاوہ شاہی دسترخوان کے باورچی خانہ میں

[1] سرجان مالکم صاحب [2] تاریخ نگارستان صفحہ ۱۷۰ [3] دوسرا حصہ کتاب ہذا صفحہ ۳۰۴

روزانہ فقرا اور مساکین کے لیے کھانے کی رقم وقف ہوتی تھی۔ اس کے عہد میں جو عمارت بنائی
جاتی تھی اس کی نسبت حکم تھا کہ وہ بہت بلند و مستحکم اور پائدار ہو۔[1] کیونکہ سلطان کا خیال
تھا کہ یہ آثار عالی ہمتی اور دور بینی پر زمانہ آئندہ میں دلالت کرتے رہیں گے امام الحرمین
رحمۃ اللہ علیہ کی مزار پر پائدار عمارت ہوئی جس کی تفصیل یہ ہے کہ ۴۶۵ھ میں جب سلطان
الپ ارسلان کو معلوم ہوا کہ امام صاحب کے مزار پر کوئی قبہ نہیں ہے اور نہ کوئی مدرسہ ہے
تو اُس نے ابوسعد محمد بن منصور شرف الملک مستوفی کو حکم دیا کہ امام صاحب کی قبر
پر ایک قبہ اور ایک مدرسہ بنا کرایا جائے چنانچہ کام جاری ہوا اور عمارت بن کر
تیار ہو گئی رسم افتتاح مدرسہ بڑی شان سے ادا ہوئی ابوجعفر مسعود نے جو اعیان میں
اس موقع پر آنکلا تھا امام صاحب کی مدح میں یہ برجستہ اشعار پڑھے جو اسی وقت قبہ
پر لکھ دیئے گئے۔[2]

الم تر ان العلم کان مبددا   فجمعہ ھذا المغیب فی اللحد

کذالک کانت ھذہ الارض میتۃ   فانشرھا فعل العمید ابی سعد

یعنی ہم دیکھتے نہیں علم کس طرح ابتر ہو رہا تھا پھر اس شخص نے اس کو مرتب کر دیا جو اس لحد
میں مدفون ہے اسی طرح یہ زمین مردہ پڑی ہوئی تھی جس کو شرف الملک ابوسعد کی کوشش نے
دوبارہ زندہ کر دیا۔ اس خطوطہ کے زمانہ تک یہ مدرسہ قائم تھا جس کے ساتھ مسافر خانہ بھی
قائم تھا اور مسافروں کو کھانا دیا کرتا تھا۔

---

[1] تاریخ آل سلجوق اصفہانی سیر الپ ارسلان [2] تاریخ آل سلجوق صفحہ ۴۴ اخبار الدولۃ صدر ص م

سلطان الپ ارسلان کی عملداری میں جس قدر عیسائی رعایا تھی اُن کو حکم تھا کہ وہ مثل نواب[۱۵]
واس کی شکل قریب قریب کا رکے تھی) کے ایک نشان اپنی گردن میں ڈالے رہیں۔ تاکہ مسلمان اور عیسائیوں
میں فرق امتیاز باقی رہے۔ عقل اور فراست میں اپنے سب بھائیوں سے ممتاز تھا۔
اور اسی وجہ سے سلطان طغرل بیگ نے اس کو ولیعہد کیا تھا۔ چنانچہ زمانہ ولیعہدی کا یہ قصہ
مشہور ہی جس کو شمس العلما مولانا حالی نے اپنی مسدس میں نظم کیا ہی۔

الپ ارسلاں سے یہ طغرل نے پوچھا | کہ قومیں ہیں دنیا میں جو جلوہ فرما
نشاں اُن کی اقبال مندی کا ہی کیا | کہ با اقبال مند اُن کو کہنا ہو زیبا
کہا ملک و دولت ہو ہات اُن کے جبتک
جہاں ہو کمربستہ ساتھ ان کے جبتک

جہاں جائیں وہ سرخرو ہو کے آئیں | ظفر ہمعناں ہو جدھر باگ اُٹھائیں
نہ بگڑیں کبھی کام جو وہ بنائیں | نہ اُکھڑیں قدم جس جگہ وہ جمائیں
کریں مس کو گر مس تو وہ کیمیا ہو
اگر خاک میں ہات ڈالیں طلا ہو

ولیعہد کی جب کہ باتیں سنیں یہ | ہنسا سُن کے فرزانہ دوراں یہ
کہا جان عم گپ ہی گو دلنشیں یہ | مگر شرط اقبال ہرگز نہیں یہ
حوادث سے بن گزارا نہیں یہاں
بلندی و پستی سے چارہ نہیں یہاں
الخ (مسدس حالی)

[۱۵] گنج دالنت صفحہ ۱۰۴

سلطان الپ ارسلان نے انتقال سے قبل اپنے عزیزوں کو حسب ذیل ملک تقسیم کئے[۵۱]

سلیمان بن داؤد چغری بیگ	بلخ
امیر اینانج بن بیغو	ماژندران
ارسلان ارغو برادر الپ ارسلان	خوارزم
ارسلان شاہ، پسر الپ ارسلان	مرو
الیاس	چغانیہ (صغانیاں)
مسعود بن ارطاس	تخارستان
مودود بن ارطاس	ولایت بغشور (نواح بادغیس)، واسفزار

انتقال کے وقت سلطان کے حسب ذیل بیٹے موجود تھے۔

ملکشاہ۔ تتش۔ تکش۔ ارغون۔ ارسلان شاہ۔ ایاز۔ بوری برس چند بیٹیاں بھی تھیں جن میں سے۔ سارہ۔ وعائشہ، صفری خاتون۔ زلیخا خاتون مشہور ہیں۔

تخت نشینی ملکشاہ
سلطان[۵۲] الپ ارسلان کے انتقال پر سترہ سال کی عمر میں دسویں ربیع الاوّل ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء میں جلال الدولہ، ابو الفتح، ملکشاہ، اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ ملکشاہ کے اور بھائی بھی موجود تھے۔ مگر چونکہ ملک شاہ سب میں بڑا اور قابل تھا لہٰذا[۵۳] ۴۵۸ھ میں خواجہ نظام الملک کے مشورہ سے الپ ارسلان نے اپنا ولیعہد کیا تھا۔ اور رسم ولیعہدی بڑی دہوم سے مرغزار

(بقیہ نوٹ صفحہ ماقبل) مجیر الدین بیلقانی، کمال الدین نخجوانی، شام فور نیشاپوری۔ ذوالفقار، سید عضد الدین علوی بھی اسی دربار کے شاعر تھے (از دولت شاہ سمرقندی)، [۵۱] صور الاقالیم تاریخ خراسان نسخہ قلمی۔ وکامل ابن اثیر صفحہ ۷، جلد ۱۰، [۵۲] تقویم ابو الفدا صفحہ ۲۲۱
[۵۳] کامل ابن اثیر صفحہ ۱۷ و ۲۴۴۔ جلد ۱۰۔ و زینۃ المجالس صفحہ ۱۲۳۔ روضۃ الصفا صفحہ ۸۲۔

الغرض رادکان طوس میں ادا ہوئی تھی اور اسی دن الپ ارسلان کے جوش مسرت کا عالم تھا کہ جب ملک شاہ گھوڑے پر سوار ہو کر سامنے حاضر ہوا تو رکاب پکڑ کر چند قدم چلا اور مرصع تخت جو خاص اس تقریب کے لیے بنوایا گیا تھا ملک شاہ کو لیے سامنے بٹھایا اور قیمتی خلعت پہنایا اور عرصہ تک تحسین کرتا رہا۔ سرداران فوج، اُمراء اور عزیزوں سے اطاعت کا حلف لیا گیا۔ اور دربار بغداد سے بھی منظوری حاصل کر لی۔

چونکہ الپ ارسلان نے حالت سفر میں انتقال کیا تھا اور ماوراء النہر پر حملہ کی تیاریاں تھیں لہٰذا فوج کیسر ہمرکاب تھی لیکن ملک شاہ نے آگے بڑھنا مناسب جانا اور مع فوج کے تین دن میں جیحون سے اتر کر براہ خراسان نیشاپور پہنچا ایام تعزیت کے ختم ہوتے ہی جس قدر ممالک تابع فرمان تھے اُن کے حکمرانوں کو تخت نشینی کی باضابطہ اطلاع دی گئی۔ بعد ازاں حرمین شریفین اور بیت المقدس میں ملک شاہ کا خطبہ پڑھا گیا۔

جنگ قاورد بیگ، خواجہ کی تنگ عملی ملک شاہ ہنوز اپنے باپ کے غم میں مبتلا تھا اور تخت نشینی کا جشن بھی نہ ہونے پایا تھا کہ شعبان ۴۶۵ھ میں سلطان کا چچا قاورد بیگ تاج و تخت کا دعوی دار ہو کر کرمان سے رے کی طرف بڑھا۔ خاندان میں قاورد بیگ سے بزرگ اور نامور کوئی باقی نہ تھا اس کے علاوہ تمام ارکین سلطنت اور سرداران فوج قاورد سے درپردہ مل چکے تھے اور آئندہ کے لیے خاص مراعات کے اُمیدوار کیے گئے تھے اب ملک شاہ کا رُخ اور محسن خواجہ نظام الملک تھا جس کے مددگار شرف الدولہ مسلم بن قریش۔ اور بہاء الدولہ

سلہ کامل ابن اثیر صفحہ ۲۶، جلد ۱۰ آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۴۴

منصور بن دبیس تھے۔ یہ عربی قبائل کے سردار تھے جن کی ماتحتی میں قوم کرد کے جانباز سپاہی تھے۔ چنانچہ سلطان و وزیر بھی مدافعت کے لیے تیار ہو کر نیشاپور سے روانہ ہو گئے اور ۴ شعبان کو ہمدان کے قریب میدان کرج میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہو گیا۔ تین شبانہ روز خونریز جنگ رہی۔ اور ملک شاہ فتحیاب ہوا۔ قاوردبیگ گرفتار ہو کر سامنے آیا اور عفو قصور کا طالب ہوا۔ سلطان نے معافی نہیں دی فتح کے بعد فوجی سردار مبارکباد کے لئے حاضر ہوئے اور خواجہ سے عرض کیا کہ اس فتح کے صلہ میں ہماری تنخواہ میں اضافہ کیا جائے چنانچہ خواجہ نے فوجی مشاہرہ میں سات لاکھ دینار کا اضافہ کر دیا اور قاوردبیگ کو مصلحت ملکی سے مار ڈالا۔ ملک میں امن و امان ہو گیا۔ ملک شاہ نے کرمان کی حکومت بدستور قاوردبیگ کے خاندان میں رہنے دی۔ اور اس کارگزاری کے صلہ میں خواجہ نظام الملک کی جاگیر میں اضافہ کر دیا۔ اور اتابک کا خطاب دیکر سلطنت سلجوقیہ کا مالک بنا دیا، اور امرا عرب اور کردوں کو بھی خلعت سے ممتاز کیا۔ سپہ سالار اعظم ساوتگین کو علاوہ جاگیر و منصب کے عمادالدولہ کا خطاب دیکر علم و نقارہ بھی مرحمت کیا۔ اور ملک شاہ اطمینان سے سلطنت کرنے لگا، کیونکہ سلطان کا ایک بھائی ایاز جو الپ ارسلاں کے انتقال پر بلخ میں حکمراں ہو گیا تھا۔ وہ بھی فوت ہو گیا تھا۔

اب ہم خواجہ کے وہ خاص حالات لکھتے ہیں۔ جس کا تعلق عہد ملکشاہ سے ہے۔

خواجہ نظام الملک نے قاوردبیگ کے قتل میں جو حکمت عملی برتی وہ اس کے صائب الرائے

لہ ابن خلدون تحت نشینی ملکشاہ ۶۵ ۴ اس موقع پر حصہ اول کا صفحہ ۱۵۹۔۱۶۰ دیکھنا چاہیئے جس میں واقعہ کی تصریح ہے۔

ہونے کی ایک کامل شہادت ہے لیکن ذیل کے واقعات سے بھی ظاہر ہوگا کہ نظام الملک کس درجہ عقل اور مدبر و دوربیں تھا

خواجہ کی رائے فوج کی تخفیف پر

۴۸۲ھ میں ماہ شعبان سلطان ملک شاہ نے تمام ترکی فوج کا جائزہ لیا اور سات ہزار سواروں کو ضرورت سے زیادہ سمجھ کر موقوف کر دینا چاہا خواجہ نے عرض کیا کہ یہ سپاہی ہیں، کاتب، تاجر اور خیاط نہیں ہیں جو اپنی معاش کو قائم رکھ سکیں سپہ گری اُن کا دوسرا پیشہ نہیں ہے آخر یہ لوگ کہاں جائیں گے ضرور ہے کہ کسی دوسری سلطنت میں رجوع کریں گے یا کسی کو سردار بنا کر ملک میں غارتگری کریں گے اور ان کی وجہ سے اس قدر شورش ہوگی کہ بزرگوں کے جمع کئے ہوئے خزانے خالی ہو جائیں گے اور امن عامہ میں مخل انداز ہوں گے لہٰذا انکا موقوف کرنا عقل و حکمت کے خلاف ہے لیکن ملکشاہ نے خواجہ کی نصیحت پر عمل نہ کیا اور فوجی رجسٹر سے سات ہزار جوانوں کا نام کاٹ دیا چنانچہ یہ گروہ تکش برادر ملکشاہ سے ملگیا اور ان لوگوں کی مدد سے تکش نے توشیح، امرورود، مرو، سنجان، ترمذ وغیرہ پر قبضہ کر لیا اور نیشاپور کی تیاریاں ہونے لگیں لیکن تکش کے حملہ سے پہلے نظام الملک اور ملک شاہ نیشاپور پہنچ گئے سلطان کی خبر سنکر تکش قلعہ ترمذ میں پناہ گیر ہو گیا اور آخر میں صلح ہو گئی لیکن نتیجہ وہی ہوا جو اول خواجہ نے کہا تھا

ملکشاہ کو رومیوں کی بدعہدی سے خبردار کرنا

ملکشاہ[2] کے تخت نشین ہونے کے بعد جب قیصر روم نے

---

[1] کامل ابن اثیر صفحہ ۴۴ جلد ۱۰ دستور الوزراء ۲۴۴۔

[2] راحۃ الصدور صفحہ ۰، نگارستان صفحہ ۱۱۱ روضۃ الصفا بحوالہ تاریخ گزیدہ۔

خانہ جنگی اور بغاوتوں کا حال سنا۔ تو وہ بھی بقصد ملک گیری ایران کی طرف بڑھا ملک شاہ بھی
مقابلہ کے لیے نکلا۔ دونوں لشکر تھوڑے سے فاصلہ پر خیمہ زن تھے۔ لیکن ملکشاہ کی شان و شوکت
سے متاثر ہو کر قیصر صلح کا خواستگار تھا۔ اور شرائط صلح کے لیے سفیروں کی آمد و رفت جاری
تھی۔ چنانچہ انہی دنوں کا واقعہ ہے کہ سلطان ملکشاہ چند سواروں کو ہمراہ لیکر شکار کے لیے نکل گیا
اور رومیوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا۔ سلطان نے سواروں کو سمجھا دیا کہ میرا ادب و لحاظ
نہ کرنا۔ اور مجھ سے معمولی برتاؤ کرنا۔ تاکہ افشاء راز نہ ہو۔ جب خواجہ کو اطلاع ہوئی تو اس نے
چند سوار لشکر سے باہر روانہ کیے اور بعد نماز مغرب اعلان کر دیا کہ سلطان شکار سے واپس
آگیا ہے۔ اور خود رومی لشکر میں جا کر قیصر سے ملاقات کی۔ قیصر نے خواجہ کو بڑے تپاک سے لیا۔
اور مسائل صلح پر خواجہ سے مدد کا طالب ہوا۔ اثناء کلام میں قیصر نے کہا کہ کل چند آدمی آپ کی
فوج کے گرفتار ہوئے ہیں۔ ان کو بھی اپنے ہمراہ لیتے جانا خواجہ نے کہا کہ مجھے ان لوگوں کی
خبر نہیں ہے۔ نہ لشکر میں کسی نے ذکر کیا تھا۔ بہر حال قیدی سامنے آئیں تو معلوم ہو چنانچہ قیدی
پیش ہوئے۔ خواجہ نے ان کو مخاطب کر کے کہا کہ "تم بڑے بیوقوف ہو۔ جو لشکر سے علٰحدہ ہو کر
گرفتار ہو گئے۔ اگر قتل کر دیئے جاتے تو دونوں سلطنتوں کی بدنامی ہوتی کہ صلح کے زمانے
میں قیدی قتل ہو گئے۔ بعد ازاں ان کو چلے جانے کا حکم دیدیا۔ جب خواجہ قیصر سے رخصت ہو کر
رومیوں کی حد سے دور نکل آیا۔ تب گھوڑے سے اتر کے ملکشاہ سے معذرت کی اور عرض کیا
کہ قیصر کے سامنے جو گفتگو کی تھی وہ مصلحت پر مبنی تھی۔ اور ملکشاہ کی واپسی پر بڑی خوشی منائی
گئی۔ جب قیصر کو معلوم ہوا تو وہ حیرت زدہ رہ گیا اور خواجہ کی عقل و فراست کی بڑی تعریف کی

اس واقعہ کے خاتمہ پر مصنف نگارستان نے حسب ذیل اشعار لکھے ہیں

حکم کنی کہ بعد بر ساحل آب شدے ۔۔ بہ جیحون حوالہ بہ مزد جیرہ و گذار

کہ گر موافق حکم قضاست مقدرت ۔۔ بہ کام دل رسی از کار خویش خواہ

وگر مخالف آن است ایزد بے معدود ۔۔ کسی کہ دارد از انوار عدل سر تنہا

جیحوں کے ملاحوں کا اُجرت جاری ہونا | خواجہ نظام الملک کو ہمیشہ مد نظر رہا کہ ملکشاہ کی شان و شوکت کی وسعت صفحات تاریخ میں باقی رہے چنانچہ مشہور ہے کہ ۴۷۱ھ میں جب سلطان ملکشاہ حاکم سمرقند کی گوشمالی کے لیے روانہ ہوا اور مقصد میں کامیاب ہو گیا تو واپسی کے وقت خواجہ نے جیحون کے ملاحوں کو (جن کی کشتیاں کرایہ کی گئیں تھیں) بجائے نقد کرایہ ادا کرنے کے حاکم انطاکیہ (ملک شام) کے نام ہنڈی (حکم حوالہ) جاری کی کہ وہ ملاحوں کو یہ رقم حوالہ سے ادا کرے۔ چنانچہ ملاحوں نے اس کی ملکشاہ سے شکایت کی تب سلطان نے خواجہ سے پوچھا کہ اس میں کیا حکمت ہے خواجہ نے عرض کیا کہ جب ہم دنیا میں نہ ہوں گے سب لوگوں کو معلوم ہو گا کہ ملکشاہ کی سلطنت اس قدر وسیع تھی کہ ملاحان جیحون کی اُجرت خراج انطاکیہ سے دلائی گئی تھی سلطان اس نکتہ سے خوش ہوا خواجہ کی تعریف کی اور فرمایا کہ اب میرے حکم سے انہیں ملاحوں کو اسی جگہ کرایہ دیکر رخصت کر دیجئے۔[۱]

قیصر روم کی دستگیری کا سفیر | واقعہ مندرجہ بالا کے قریب قریب یہ واقعہ ہے کہ ۴۶۴ھ میں ملکشاہ نے اصفہان میں خضر خاں حاکم ماوراء النہر پر اصفہان سے فوج کشی کی روم کا سفیر اس وقت

[۱] نامہ سروان صفحہ ۵۵ ۔ روضۃ الصفا جلد چہارم سلاطین سلجوقی ۔ [۲] کامل ابن اثیر صفحہ ۵ جلد ۱

سالانہ خراج لیکر حاضر ہوا تھا، خواجہ نظام الملک اس مہم میں سفیر کو بھی اپنے ہمراہ لے گیا۔ اور کاشغر پہنچکر خراج لیا۔ اور سفیر کو یہاں سے رخصت کیا۔ اس میں یہ حکمت تھی کہ رومی سفیر کو دولت سلجوقیہ کی وسعت کا اندازہ ہو اور یہ تاریخی واقعہ ہوجائے۔ کہ قیصر روم کا سفیر خراج لیکر باب کاشغر تک آیا تھا۔

فیوڈل سسٹم کا اجراء اسلام سے پہلے دنیا میں جو عظیم الشان سلطنتیں تھیں اُن کا یہ اصول تھا کہ ملک میں جو باثر امراء سپہ گری کا جوہر رکھتے تھے اُن کو بڑی بڑی جاگیریں دیکر یہ عہد لیا جاتا تھا کہ جنگی مہمات کے وقت اپنی فوج (ایک خاص تعداد معین تھی) لیکر حاضر ہوں گے۔ چنانچہ تقسیم جاگیرات کا یہ سلسلہ یہاں تک ترقی کر گیا تھا۔ کہ بڑے جاگیردار بطور خود اپنے علاقہ کو شکمی طریقہ پر تقسیم کر دیتے تھے اور ان سے بھی وہی معاہدہ کرتے تھے جس کے خود پابند تھے۔ لیکن براہ راست ان ماتحتوں کو سلطنت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اور اس فوجی اصول کا نام فیوڈل سسٹم تھا اور یہ طریقہ یونان، رومۃ الکبریٰ، اور ایران میں جاری تھا۔ لیکن اُصول سیاست سے یہ انتظام غیر منتظم تھا اور کبھی کبھی جاگیردار باغی ہو کر تباہی سلطنت کا باعث ہوتے تھے۔ جسکی نظیر خود روم کی عظیم الشان سلطنت تھی۔ لہٰذا اسلام کے نامور فاتح اور مشہور مدبر امیر المومنین فاروق اعظم نے اپنے عہد خلافت میں فوج کی تنخواہ مقرر کر دی تھی۔ اور جاگیرداری کے قدیم قانون پر عمل نہیں کیا تھا۔ چنانچہ اس عہد سے خلفاء عباسیہ اور دیگر سلاطین میں تقسیم تنخواہ کا قاعدہ جاری تھا[1] جب سلجوقیوں کا دور حکومت ہوا۔ تو گزشتہ خونریزیوں اور خانہ جنگیوں سے

---

[1] طبقات الشافعیہ جلد سوم حالات نظام الملک۔

ملک ویران ہوگیا تھا اور ہر صوبہ کا پورا اخراج وصول نہ ہوتا تھا۔ لہذا خواجہ نظام الملک نے قدیم قاعدہ کو توڑ کر جاگیرداری کا از سرِ نو انتظام کیا[1] اور اس عملدرآمد سے ملک آباد ہوگیا اور ملکی پیداوار میں غیر معمولی ترقی ہوگئی۔ یہ انتظام خواجہ نے اس لیے کیا تھا کہ سلطنت سلجوقیہ کے تحفظ اور عروج و ترقی کا مدار فوج پر تھا اور فوج کے سردار اکثر ترکی النسل اور بادشاہ کے غلام ہوا کرتے تھے جن پر بادشاہ کا غیروں سے زیادہ اعتبار تھا اور اُن سے بغاوت کا خطرہ بھی کم تھا اور یہی غلام بادشاہ کے محافظ جان بھی ہوتے تھے لہذا مشہور قلعے اور اقطاع ان کے سپرد کر دیے گئے یہی جاگیریں فارسی میں مقطع اور شام کا حصہ منقسم تھا جس کے محاصل سے جاگیردار فائدہ اٹھاتے تھے اور فوج مرتب رکھتے تھے موسم بہار میں اس قسم کی عام فوج کو حاضر رہنا پڑتا تھا اور موسم سرما میں ان کی کچھ ضرورت ہوتی تھی البتہ سرحد پر ضرورت اسکی تھی[2]۔

فیوڈل سسٹم کا طریقہ عام طور پر نہایت مردود ہے اور یورپ کی کسی سلطنت میں بھی جاری نہیں ہے مگر اس وقت ملکی مصلحت سے مفید تھا جس کو خواجہ نے جاری کیا تھا اور سلطان صلاح الدین کے زمانہ میں بھی ملک مصر میں یہی آئین تھا جو خواجہ کی یادگار تھا

امرا شعر پر ریس اور اس کا انسداد

خواجہ نظام الملک کے اخلاق و عادات کے تذکرہ میں لکھا جا چکا ہے کہ سلطان طغرل بیگ سلجوقی کے دورِ حکومت میں وزیر عمید الملک کندری نے تمام ممالک محروسہ میں یہ اعلان کر دیا تھا کہ خطبہ میں رافضیوں پر لعن کیا جائے اس کے بعد

[1] تاریخ سلجوق اصفہانی صفحہ ۵۰ [2] دیباچہ جناب صلاح الدین نوشتہ مسٹر لین پول صاحب

یہی حکم اشاعرہ کی نسبت بھی جاری کردیا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ۴۵۶ھ میں امام الحرمین[1] اور ابو القاسم[2] قشیری۔ حافظ ابوبکر[3] بیہقی جیسے نامور ائمہ نیشاپور سے مکہ معظمہ کو ہجرت کرگئے اور ان بزرگوں کے ہمراہ اور تمام علما بھی چلے گئے۔ چنانچہ اس سال حرمین شریفین میں چار سو قاضی حنفی اور شافعی مذہب کے جمع تھے۔ لیکن خواجہ نظام الملک نے وزیر ہوتے ہی یہ حکم جاری کردیا کہ روافض و اشاعرہ[4] پر جو لعن کیجاتی ہے وہ بند کیجائے۔

عمید الملک کے اس حکم سے جو فتنہ و فساد خراسان میں پیدا ہوا اُس کی تفصیل کے قبل عقائد اشعریہ سمجھ لینا چاہیے۔ کیونکہ یہی عقائد باعث لعن و طعن ہوئے تھے

۱۔ خدا کو جائز ہے کہ انسان کو اس کام کی تکلیف دے جو اُس کی طاقت سے باہر ہو۔
۲۔ خدا کو حق ہے کہ وہ مخلوقات کو عذاب دے۔ بغیر اسکے کہ انکا کوئی جرم ہو یا انکو ثواب ملے۔
۳۔ خدا کو پہچاننا شریعت کی رو سے واجب ہے نہ عقل کی رو سے۔
۴۔ میزان (ترازو) حق ہے اور اس طرح کہ خدا نامہ اعمال کے دفتروں میں وزن پیدا کردیگا۔

یہ وہ عقائد ہیں کہ اشعریہ کے نزدیک سنت اور اعتزال میں حد فاصل[5] ہیں۔ اس کے علاوہ ذات صفات اور افعال الٰہی کے مسائل ہیں جس کا اجمالی بیان امام غزالی نے احیاء العلوم کے شروع میں کیا ہے۔

طبقات[6] الشافعیہ الکبریٰ میں لکھا ہے کہ ابو سہل بن الموفق۔ رے کے ایک رئیس تھے جو فیاضی

---

[1] امام ابو الحسن علی اشعری پر دیکھو نوٹ صفحہ ۔ ۵ احصہ اول [2] علم الکلام صفحہ ۶۰ [3] طبقات جلد ثانی تذکرہ علی بن اسمٰعیل از صفحہ ۲۴۵ لغایۃ ۲۶۱۔

اور اخلاق میں ضرب المثل تھے ان کے مکان پر ہمیشہ علماء کا مجمع رہا کرتا تھا اور شوافع و احناف
کے علما وہاں مناظرہ بھی کیا کرتے تھے ابو سہل فرقہ اشعریہ میں داخل تھے اور مذہبی معلومات
بھی خوب رکھتے تھے۔ چنانچہ یہ خبر مشہور ہو گئی کہ ابو سہل وزیر السلطنت ہونے والے ہیں جب
عمید الملک نے سنا تو پریشان ہو گیا اور یہ تدبیر کی کہ طغرل بیگ سے فرقہ معتزلہ پر لعن کی
اجازت حاصل کی اور اسی زمرہ میں اشعریہ کو بھی داخل کر دیا اور علمائے اشاعرہ کو درس و تدریس
اور وعظ و نصیحت سے روک دیا اور بعض عہدیداروں کو جو اپنے آپ کو حنفی کہتے تھے اپنا ہمنوا بنا لیا
اور سلطان کو علمائے اشاعرہ سے عموماً اور اشعریت خصوصاً بدظن کر دیا اور جمعہ کے دن علانیہ توہین
و تذلیل ہونے لگی جس طرح بنی امیہ کے عہد میں سر منبر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی توہین
ہوا کرتی تھی چنانچہ ابو سہل اس فتنہ کے دور کرنے کے لیے اٹھے اور طرح طرح سے امداد چاہی مگر
وزارت کے اثر سے کامیابی نہ ہوئی اور نہ سلطان تک رسائی ہو سکی مجبوراً تمام ملک کے
علما کو توجہ دلائی گئی اور عمید الملک کو بھی اطلاع دی گئی اس موقع کو غنیمت سمجھ کر عمید الملک
نے بنام سعادت منشوری سلطانی ابو سہل رئیس الفراتی امام قشیری اور امام الحرمین کی
گرفتاری کا وارنٹ جاری کر دیا ابو سہل تو اجرائے حکم سے پہلے اپنے گھر سے چلے گئے اور امام
الحرمین بھی گریزاں ہو کر حجاز کو تشریف لے گئے لیکن امام قشیری اور رئیس الفراتی گرفتار ہو گئے
اور قلعہ قہندز (کہن دز) میں قید کر دیئے گئے۔ قید میں کچھ ہی دن گزرا تھا کہ ابو سہل
نے باخرز سے ایک جنگجو جماعت فراہم کر کے قہندز پر حملہ کا قصد کیا۔ اور قلعہ دار سے
قیدیوں کو مانگا اس نے انکار کیا اور مقابلہ پر آمادہ ہوا چنانچہ مقابلہ میں قلعہ دار زخمی ہو گیا اور

رئیس العراقی اور امام قشیری رہا ہو کر ادھر اُدھر چلے گئے۔ عمید الملک نے سلطان سے واقعہ بیان کرکے ابوسہل کی گرفتاری کا حکم حاصل کیا۔ اور بمقام رے اگر گرفتار کر لیا اور تمام مال و اسباب و جائداد کو ضبط کرکے نیلام کیا۔ اور ابوسہل کو کسی قلعہ میں قید کر دیا۔" چنانچہ خواجہ نظام الملک نے وزیر ہو کر اس فتنہ کا استیصال کیا۔ اور عمید الملک عبرت انگیز طریقہ سے قتل کر دیا گیا جو علماء و فقہاء کی بددعاؤں کا اثر تھا۔

فرقہ اشعریہ کے متعلق علماء کے فتوی | واقعہ مذکورہ کے ذیل میں یہ بھی قابل تحریر ہے کہ مخالفین اشعریہ کی نسبت علماء نے سنہ ۴۳۶ھ میں حسب ذیل فتوی لکھا تھا۔

استفتار

ا ائمہ دین کا اس گروہ کی نسبت کیا حکم ہے جو فرقہ اشعریہ کی تکفیر اور لعن و طعن کرتا ہے اور وہ کس سلوک کا مستحق ہے؟۔

جواب

اصحاب حدیث کا اتفاق ہے کہ امام ابوالحسن اشعری، ائمہ حدیث میں سے ہیں۔ اور ان کا وہی مذہب ہے جو اہل حدیث کا ہے۔ انھوں نے اصول دیانات میں اہل سنت کے طریقہ کو ملحوظ رکھکر مخالفین اہل سنت کی خوب تردید کی ہے معتزلہ، روافض خوارج کے لیے وہ ایک برہنہ شمشیر تھے۔ جس نے انپر لعن و طعن کیا یا سب و شتم سے پیش آیا۔ اُس نے گویا تمام اہل سنت پر لعن و طعن کیا۔ کتبہ عبد الکریم بن ہوازن القشیری۔" اور امام صاحب کے دستخط کے بعد علماء ذیل کے دستخط تھے۔

محمد بن علی البخاری، الشیخ ابو محمد جوینی، عبداللہ بن یوسف، ابو الفتح شاشی، علی بن احمد جوینی
ناصر العمری، احمد بن محمد ایوبی، علی بن محمد ایوبی، ابو عثمان الصابونی، ابو نصر بن ابو عثمان
الصابونی، شریف بکری، محمد بن الحسن، ابی الحسن ملقاباذی،

ان کے علاوہ عبدالجبار اسفرائنی نے زبان فارسی یہ عبارت لکھی "این ابوالحسن اشعری
آن امام ست کہ خداوند عزوجل این آیت در شان وے فرستاد فسوف یاتی اللہ بقوم یحبہم
ویحبونہ مصطفی علیہ السلام دراں وقت بدو وے اشارت کرد ابو موسیٰ اشعری عالم
دوم ہوا
کتبہ عبدالجبار علی بن محمد اسفرائنی"

۲ اسی مضمون کا دوسرا استفتاء علمائے بغداد سے حاصل کیا گیا جس کا جواب یہ
"جس نے ایسا کیا اس نے بدعت کی اور وہ فعل ناجائز کا مرتکب ہوا امیر وقت کو
اس کی تادیب لازم ہے تاکہ خود اسکو اور دوسروں کو ایسے امور کے ارتکاب کی جرأت ہو"
"کتبہ قاضی القضاۃ ابو عبداللہ الدامغانی الحنفی"

اور قاضی صاحب کے دستخط کے بعد علمائے ذیل نے اپنے دستخط ثبت کئے

شیخ ابو اسحاق شیرازی، ابراہیم بن علی فیروزآبادی، محمد بن احمد شاشی معروف بہ فخر الاسلام
شاشی، ابو الخطاب بن الجلولی، ابو عبداللہ بیردانی، سعد الہمی، ابو الوفا بن عقیل حنبلی، ابو
مسعود الرزاز، ابو الفرج اسفرائنی، ابو الحسن بن الخل، ابو الحسن علی بن الحسین قزوینی حنفی، ابو بکر
قزوینی، عمر بن احمد الحلفی ریحانی۔

چنانچہ یہ استفتاء زمانہ دراز تک قائم رہا اور علمائے مابعد کی بھی وہی رائے قائم رہی جو

علما، مذکورۂ بالا لکھ چکے تھے۔

خواجہ نظام الملک کے خطاب و القاب خواجہ حسن کا پورا نام مع القاب و خطابات حسب ذیل ہے۔

"وزیر کبیر، خواجۂ بزرگ، تاج الحضرتین، قوام الدین، نظام الملک، اتابک، ابو علی حسن رضی امیر المومنین" اور اس کی تشریح یہ ہے۔

۱۔ وزیر کبیر — چونکہ دولت سلجوقیہ میں خواجہ حسن سے بڑھ کر کوئی دوسرا وزیر نہیں ہوا لہذا ملک میں اس کا عام لقب وزیر کبیر تھا۔

۲۔ خواجہ بزرگ — سلطان ملکشاہ بزمانہ ولیعہدی خواجہ کی اتالیقی میں تھا لہذا ملکشاہ تعظیماً خواجہ بزرگ کہا کرتا تھا۔

۳۔ تاج الحضرتین — دولت سلجوقیہ کے دو نامور بادشاہ الپ ارسلان اور ملکشاہ کے عہد میں خواجہ وزیر السلطنۃ رہا ہے۔ لہذا تاج الحضرتین مشہور ہوا۔

۴۔ قوام الدین — یہ مذہبی خطاب ہے۔ اور علما و فقہا کا عطیہ ہے۔

۵۔ نظام الملک — شہرت عام کی بنا پر یہ خطاب خواجہ کے نام سے بھی زیادہ مشہور و معروف ہے۔ سلطان طغرل بیگ سلجوقی نے سب سے اول اپنے وزیر ابو محمد حسن بن محمد دہستانی کو نظام الملک کا خطاب دیا تھا۔ اس کے بعد ابو نصر محمد بن منصور کُندری کو عمید الملک کا خطاب دیا۔ اور کندری کے قتل کے بعد الپ ارسلان نے جب خواجہ کو وزیر اعظم مقرر کیا تو خلعت وزارت کے ساتھ نظام الملک کے خطاب سے سرفراز کیا۔ اور خواجہ بالعموم اسی

خطاب سے تمام عالم میں روشناس ہو۔ یہ خطاب اس درجہ معزز تھا کہ
ہے کہ ایران و ہندوستان میں بھی سلاطین نے اپنے فاضلترین وزرا کو
نظام الملک کا خطاب دیا ہے۔ گویا یہ خطاب وزیر کے فضل و کمال اور حیثیت
کا ایک گراں بہا اور مرصع تمغہ ہے۔

۶۔ **اتابک** ملک شاہ نے تخت نشین ہو کر جب اپنی عظیم الشان سلطنت کا خواجہ حسن
کو مالک بنا دیا اس وقت خلعت وزارت کے ساتھ اتابک کا خطاب
مرحمت کیا۔ اس کے معنے بزرگ و اتالیق کے ہیں اور ترکی زبان کا
لفظ ہے۔

۷۔ رضی امیر المومنین ۴۶۵ھ میں خلیفہ المقتدی بامر اللہ نے خواجہ حسن کو رضی امیر المومنین کا
خطاب عنایت کیا تھا اور خطاب کے ساتھ جو خلعت ملا تھا اس پر یہ نقش
تھا کہ "الوزیر العالم العادل نظام الملک رضی امیر المومنین"
اور بقول واقعہ نظام الملک یہ وہ خطاب تھا کہ جو ابتدائے دولت اسلام
سے اس وقت تک کسی وزیر کو نہیں ملا تھا۔

عرب و عجم میں جس قدر چھوٹی بڑی خود مختار حکومتیں قائم تھیں ان کے
فرمانروا خلافت عباسیہ سے خطاب اور خلعت حاصل کرنا بہت
بڑی عزت سمجھتے تھے اور جب تک دربار خلافت سے خطاب و حکم
نہ ہو ملک کی نظروں میں وہ معزز نہیں ہو سکتے تھے اور یہ صرف مذہبی

عظمت کا اثر تھا۔ ورنہ خلفا خود ان حکمرانوں کے ماتحت تھے۔

مہر وزارت خواجہ کی مہر وزارت پر یہ کلمہ منقش تھا "الحمد للہ علی نعمہ"

خواجہ کی جاگیر سلطان الپ ارسلان نے اپنے عہد حکومت میں خواجہ نظام الملک کو طوس کا ضلع جاگیر میں دیدیا تھا۔ اور طوس چونکہ خواجہ کا وطن اور محل ولادت تھا۔ اس لیے خواجہ کو طوس کی ترقی اور سرسبزی کا بہت خیال تھا۔ اور قدرتی طور پر بھی صوبہ خراسان میں یہ ضلع نہایت زرخیز تھا۔ اور سیر و تفریح کے لیے جلبٹ۔ آبگینہ، حبس، اسپاکبود، یاقوتی، سلطان میدان، پل خاتون، صفد جلبہ اور رادکان، جیسی مشہور و معروف مرغزار موجود تھے چنانچہ رادکان کی نسبت جغرافیہ نگاروں کا دعویٰ ہے کہ غوطہ دمشق، صغد سمرقند، شعب بوان، اور مرج شدان (دنیا کی چار جنت ہیں) کے بعد رادکان کا درجہ ہے الپ ارسلان نے یہاں شاندار عمارتیں بنوائی تھیں۔ اور ملکشاہ بھی مع ترکان خاتون کے اکثر رادکان میں رہا کرتا تھا۔

له طوس کی مفصل تاریخ حصہ اول میں لکھی گئی ہے۔ اور صفحہ ۲۰ پر ایک طویل حاشیہ ہے جس کا یہ ضمیمہ سمجھنا چاہیئے طوس کے قریہ رادک میں خواجہ نصیر الدین طوسی نے ایک برج بنایا تھا۔ جس میں سال کے حساب سے بارہ ۱۲ دروازے تھے۔ اور ہر مہینہ کا ہلال اپنے مقابل کے دروازہ سے نظر آتا تھا۔ چنانچہ یہ برج خواجہ کے کمال ریاضی دانی کا نتیجہ تھا۔ خواجہ کی مدح اور موت کے متعلق یہ اشعار بھی یادگار ہیں۔

مدح {
زاول اندر طوس کردند آں سہ کس اختیار　　آں یکے عالم، دوم شاعر سیم دیگرشاں وزیر
در براعت، در فصاحت، در وزارت برگذشت　　از نظام الملک و نوائی و فردوسی نصیر

مادہ وفات {
ہفدہم از ماہ ذی الحجۃ دوشنبہ، وقت شام　　سال ہجرت ششصد و ہفتاد و دو ناقص ۲ تام
خواجہ عالم نصیر الدین طوسی از قضا　　نقل کرد از خطہ بغداد تا دار السلام

سله صور الاقالیم حالات طوس نسخہ قلمی۔

طوس | جاگیر کا دوسرا ضلع طوس ذکر میں آیا طوس جبل طبرستان سے ملحق ہے جس میں دامغان،[1] اور بسطام جیسے عظیم الشان شہر واقع ہیں چنانچہ ملک شاہ نے تخت نشیں ہو کر جنگ ورد کے بعد ہی یہ ضلع خواجہ کو دے دیا تھا، ان اضلاع کی آمدنی خواجہ کے ذاتی مصارف کو کافی تھی۔ اس کے علاوہ ہر تقریب اور خاص کارگزاریوں کے موقع پر انعام ملا کرتے تھے

مصارف آمد | خواجہ نظام الملک نے اپنی انتیس سالہ عہد وزارت میں تعمیر رفاہ عام املاک کی کوشش برابر جاری رکھی تھی سلطنت کی طرف سے بھی ہمیشہ بڑے پیمانہ پر کام جاری رہا تھا لیکن عجب در حقیقت اپنی ذاتی جاگیر سے بھی خواجہ نے اس مد میں لاکھوں دینار صرف کر دیئے تھے ملک محروسہ کے ہر بڑے شہر اور قصبہ میں خواجہ نے سرائے، رباط، مساجد، اور شفاخانے بنوائے تھے اور یہی حال تعمیر مدارس کا تھا تفصیل نظامیہ کے حالات میں ہے چنانچہ بغداد کی سرائے نظامیہ، اور نیشاپور کا شفاخانہ نظامیہ بہت مشہور ہے، تجار کا راستہ اول بہت خطرناک اور

---

[1] دامغان رے اور نیشاپور کے درمیان واقع ہے اور دامغان سے دو منزل کے فاصلہ پر بسطام ہے دونوں مقامات مشہور چھوٹے شہروں کے ہیں جو اب آباد ہیں خصوصاً بسطام بکثرت کی سرسبزی ہے موجودہ آبادی ۹ نو سو مکانات کی ہے جن میں اثنا عشری، خراسانی، اور ترکمانی قبائل آباد ہیں۔ اس شہر کی خصوصیات میں بات ہے کہ کوئی مسافر مرض حتی میں مبتلا نہیں ہوتا اور اگر کوئی ہو اور وہ خاص پانی پیا کرتا ہو جو یہاں آتا ہے تو پانی کا ایک گلاس اسکے عشق کو زائل کر دیتا ہے دوسری بات یہ ہے کہ کوئی شخص درد چشم میں بھی مبتلا نہیں ہوتا ہے یہاں ایک قلعہ موجود ہے ہوا معتدل ہے باغات کی کثرت ہے میوہ اور غلہ خوب پیدا ہوتا ہے سیلے اور حمام بھی موجود ہیں بازار میں روغن کا مال بکثرت موجود رہتا ہے امام محمد بن جعفر صادق ع کے مزار پر سنگ مرمر کا ایک منارہ نقش گر کا طولانی موجود ہے جو عمارات سے ہے۔ صفحہ ۱۱۱ گنج دانش و مرآۃ البلدان صفحہ ۲۔

سنگ لاخ تھا جس کو خواجہ نے قافلوں کی گذر کے لائق بنا دیا۔ اور حرمین شریفین میں محض حجاج اور زائروں کے قیام کے لیے مکانات بنوائے۔ اور مصارف کے لیے اوقاف جاری کر دیئے۔[1]

دیوان الانشاء سلاطین عجم نے انتظام ملکی کے واسطے اہلکاروں کی جو تقسیم کی تھی اس میں سب سے بڑا عہدہ وزارت کا تھا چنانچہ عہد اسلام میں بھی با دنی تغیر یہ عہدہ قائم رکھا گیا۔ جو صدر اسلام اور عہد بنی امیہ سے ترقی کرتا ہوا خلافت بنی عباس میں انتہائے عروج پر پہنچ گیا۔ اور اس عہد میں علمائے سیاست نے وزارت کو دو درجوں پر تقسیم کر دیا تھا۔

اول وزارت تفویض[2] یہ وزارت ایسی تھی کہ جس میں خلیفہ کسی شخص کو وزیر مقرر کر کے تمام سلطنت کے سیاہ و سفید کا مالک بنا دیتا تھا۔ چنانچہ برامکہ اور خواجہ نظام الملک اسی درجہ کے وزیر تھے۔

دوسری وزارت تنفیذ تھی۔ اس وزارت میں خلیفہ اور سلطان کے احکام و قوانین کا اجرا کرنا صرف وزیر کا کام تھا۔ اور وہ زیر سلطنت اور رعایا کے مابین صرف ایک واسطہ ہوتا تھا جسکو اعلیٰ عہدہ داروں کے عزل و نصب اور انتظام سلطنت میں کسی قسم کا اختیار نہ ہوتا تھا بہرحال دونوں وزارتوں کے ماتحت ایک منتخب عملہ ہوتا تھا جس میں متعدد اقسام کے منشی ملازم ہوتے تھے اور پھر ہر ایک میں ایک خاص شخص افسر ہوتا تھا جس کی ماتحتی میں چھوٹے چھوٹے اہلکار مقرر ہوتے تھے اور اس بڑے دفتر کا نام دیوان الانشار تھا۔ جو زمانہ حال میں سکرٹریٹ آفس

[1] طبقات الکبریٰ جلد سوم حالات نظام الملک ۱۲ [2] الاحکام السلطانیہ صفحہ ۲۱۔

کے نام سے تبدیل ہوگیا تھا چنانچہ خواجہ نظام الملک کی ماتحتی میں حسب ذیل وزیر اعظم محمد سعد (سکرٹری)
علاوہ اُن کے ناموں کے تھے جن کی تفصیل[1] یہ ہے۔

نمبر	نام	عہدہ
۱	کمال الدولہ ابوالرضا فضل اللہ بن محمد	صاحب دیوان الانشاء والطغرا
۲	سدید الدولہ ابوالمحاسن محمد بن کمال الدولہ	نائب دیوان الانشاء والطغرا
۳	شرف الملک ابوسعد محمد بن منصور بن محمد	صاحب دیوان الزمام والاستیفاء
۴	استاد ابوغالب الاردستانی	نائب دیوان الزمام والاستیفاء
۵	مجد الملک ابوالفضل اسعد بن محمد البلاسانی	مستوفی الممالک
۶	ابن بہمنیار الفارسی ملقب بہ عمید الدولہ	کاتب
۷	فخر الدولہ ابوالفتح علی بن حسین الاردستانی	کاتب الرسائل
۸	سدید الملک ابوالمعالی المفضل بن عبدالرزاق بن عمر	عارض الحشم
۹	تاج الملک ابوالغنائم المرزبان بن خسرو فیروز	منتظم خزانہ، و دارالحرم (وارڈروب سکرٹری) کا عالی

عہدہ دار۔ ان مذکورہ بالا اپنے لیے جن میں اصحاب تھے جن کی سوانح عمری لکھنے کا موقع نہیں ہے البتہ اُن کے فرائض کا مختصر بیان لکھنا ضروری ہے، تاکہ زمانہ قدیم کی بعض مصطلحات دفتر کا ناظرین کو علم ہوجائے۔

انشاء در اسلام دنیا کی تمام قوموں کو علم انشاء کی طرف ہمیشہ خاص توجہ رہی ہے اور عبارت و نظم کی شستگی تو غیر معمولی تھی فن ہمیشہ سلطنت کے ساتھ ترقی کرتا رہا ہے چنانچہ عربی ادیبوں نے

[1] تاریخ آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۷۵ لغایت ۷۶۔

فصاحت و بلاغت اور مختصر نویسی میں جو کمال پیدا کیا تھا اس کے ہزاروں نمونے ادبی کتابوں میں موجود ہیں۔ خلفاء اور سلاطین ہمیشہ ایسے انشاء پردازوں کی تلاش میں رہا کرتے تھے جو اپنے فن میں کامل ہوں۔ چونکہ دربار سے عمال اور والیان ملک کے نام احکام و فرامین جاری ہوتے تھے، اور دیگر سلاطین کو بھی اُن کی مراسلات کا جواب دینا پڑتا تھا۔ اس وجہ سے دیوان الانشاء اور دیوان الرسائل ایک بڑا دفتر ہو گیا تھا جس کی شاخوں کا بیان تاریخ العلوم میں درج ہے۔

کاتب جو شخص علم انشاء میں عدیم النظیر ہوتا تھا، وہ دربار کا کاتب مقرر کیا جاتا تھا۔ خلفاء اور سلاطین اسلام کے عہد میں کتابت کا منصب وزارت سے کچھ ہی کم ہوتا تھا۔ تمام فرامین اور توقیعات کاتب خود ہی لکھتا، اور آخر میں اپنے دستخط ثبت کرتا، اور مہر شاہی کے بعد اجرا کرتا تھا۔ اس عہدہ پر ہمیشہ وہی شخص مقرر کیا جاتا تھا جو فضل و کمال کے ساتھ جوہر شرافت بھی رکھتا ہو۔ اور اخلاق و آداب میں بھی کامل ہو۔ اور رازداری و انصاف پسندی میں بھی ممتاز ہو۔ اور علاوہ علم ادب کے تاریخ، قصص اور سیرت میں بھی دخل رکھتا ہو۔

طغرا سلطان کی شان و شوکت کے لیے جس طرح پر تاج، تخت، علم، رایت، طبل و طنبور، سکہ، خطبہ، مُہر، طراز (نشان و مارکہ) مختص علامتیں ہیں، یا خلفاء بنی امیہ اور بنی عباس کے لیے چادر، انگوٹھی اور عصا خاص علامتیں تھیں۔ اسی طرح طغرا بھی سلطنت کا ایک مہتم بالشان مارکہ ہے جو فرامین، مراسلت شاہی اور سندات جاگیر وغیرہ پر ہوتا تھا۔ طغرا میں بادشاہ کا نام معہ القاب و خطاب بخط جلی لکھا جاتا تھا اور طغرا نویسی بھی خوش نویسی کا ایک شعبہ ہے۔ چنانچہ طغرا نویس

کا تعلق بھی دفتر انشاء سے ہوتا تھا اور وہ کوئی جداگانہ محکمہ نہ تھا اور دولت سلجوقیہ میں، دیوان
الانشاء کا نام بھی دیوان الطغرا رکھ دیا گیا تھا اور طغرا شاہی دستخط کے قائم مقام ہوتا تھا
سلطان کو بکثرت خاص سے خطوط و فرامین پر کچھ لکھنے کی ضرورت نہ رہتی تھی سلطان
ابوالفتح مسعود بن محمد بن ملکشاہ کا مامور وزیر مؤید الملک ابو اسمٰعیل حسین بن علی اصفہانی متوفی
۵۱۵ھ/۱۱۲۱ء کتابت طغرا کا موجد ہے اور یہی پہلا شخص ہے جو طغرائی کے خطاب سے ممتاز ہوا ہے۔

دیوان الزمام خلافت راشدہ کے مبارک دور میں خلفاء کرام سلطنت کے تمام چھوٹے بڑے
کام خود انجام دیتے تھے۔ ہر عامل اور والی تقویٰ، امانت و دیانت کا مجسم نمونہ ہوتا تھا اس لیے
اُن کی کارگزاری کی نگرانی سے مستغنی تھی، اور خود خلفاء کی ذاتی جاگیریں نہ تھیں جس کے لیے
مستقل عملہ کی ضرورت ہو، بلکہ بیت المال کے معمولی وظیفہ پر گذر اوقات ہوتی تھی لیکن
جب خلافت نے دینی پہلو چھوڑ کر دنیاوی سلطنت کا انداز اختیار کیا، اور قیصر و کسریٰ کے
دستور العمل پر اسلامی سلطنت کا مدار ٹھہرا تو سلطنت کا ہر صیغہ ظہور پذیر ہوا اور پھر ہر صیغہ
میں متعدد عملہ کی ضرورت پیش آئی، سب سے بڑے دفتر یعنی وزارت کے بعد جو محکمے نظام
سلطنت کے لیے ضروری سمجھے گئے اُن میں دیوان الضیاع اور دیوان الزمام کا شمار درجۂ اعلیٰ
میں ہے، جس عہدہ دار کے ہاتھ میں سلطان کی ذاتی املاک اور آراضیات کا انتظام سپرد ہوتا تھا
وہ افسر دیوان الضیاع ہوتا تھا اور سلطنت کے محاصل کا جس صیغہ سے تعلق تھا وہ دیوان الخراج
(خراج میں مالگذاری، آبپاشی، جزیہ، صدقات، معدنیات، جنگلات، بحری ٹیکس جس کی
ٹکسال کی آمدنی شامل تھی) کہلاتا تھا اس دفتر کا وہ حصہ جو فوجی اور ملکی اخراجات سے متعلق تھا

اسکا نام دیوان الزمام تھا، جو اسلامی ریاستوں میں آج بھی بخشی گری کے خطاب سے ممتاز ہے

دیوان الاستیفار دیوان الخراج کی جو تشریح اوپر بیان کی گئی ہی، اُس کا عملدرآمد خلفا بنی امیہ و بنی عباس کے عہد سلطنت میں تھا، لیکن دولت سلجوقیہ میں محاصل سلطنت کا جو دفتر تھا وہ دیوان الاستیفا کہلاتا تھا اور مستوفی اس کا وہ اعلیٰ عہدہ دار تھا جو زمانہ حال کی اصطلاح میں مہتمم دفتر محاسبی اور اکاونٹنٹ جنرل کہلاتا ہی، اور وزارت کے بعد یہ سب سے بڑا منصب ہے۔

دیوان الجند فوجی دفتر کا نام دیوان الجند ہی، جس کے بانی امیر المومنین فاروق اعظمؓ ہیں، ابتداءً اس دفتر کا نام صرف دیوان تھا، لیکن بنی امیہ اور بنی عباس کے عہد دولت میں جب فوج کا باضابطہ انتظام وسیع پیمانہ پر ہوا، تو محکمہ کا پورا نام دیوان الجند قرار پایا۔ اور اس محکمہ نے عہد اسلام میں اس قدر ترقی کی ہی جس کی ایک مستقل تاریخ لکھی جا سکتی ہی۔ جو افسر فوج کا جائزہ لیا کرتا تھا۔ اسکا نام عارض تھا۔ دولت سلجوقیہ میں سپہ سالار اعظم کے بعد عارض کا درجہ تھا فوجی معائنہ جس کا دوسرا نام جائزہ، اور ریویو ہی، یہ نہایت قدیم طریقہ ہی۔ چنانچہ سلاطین یونان اور سلاطین عجم بذات خاص فوج کا معائنہ کرتے تھے جس میں سوار و پیادوں کی جسمانی حالت اُن کے اسلحہ، اور سواری اور تمام لوازمہ کی جانچ کی جاتی تھی۔ اور یہی طریقہ صدر اسلام سے اخیر تک قائم رہا۔ سلاطین مغلیہ میں اورنگ زیب۔ عالمگیر کو جائزہ کی طرف نہایت توجہ تھی۔ اور اُس کی وسعت نظر کی تعریف نہیں ہو سکتی ہی۔ سلطان طغرل بیگ و الپ ارسلان جنگ کے موقع پر فوج کا جائزہ لیا کرتے تھے۔ اور ناقص و ناکارہ سپاہی چھانٹ دیتے تھے۔

لطیفہ خلیفہ المعتمد عباسی کے فوجی صیغہ کا ناموَر منتظم، عمرو بن لیث ایک دن فوج کا جائزہ

لے رہا تھا کہ ناظر نے ایک ترک سپاہی کا گھوڑا ازحد لاغر اور کمزور دیکھا۔ عمرو نے سوار سے کہا، تمھارے گھوڑے کا جو صرفہ ملتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ تم اسی خود کو کھلا کر اس کو دبلا رکھ رہے ہو اور گھوڑے کو دبلا کر رکھا ہے۔ حالانکہ یہ تمھاری ترقی اور انعام کا ذریعہ ہے" سوار نے جواب دیا حضور عالی! اگر میں جانتا میاں ایسی کوشش کرتا تو اس میں شک نہیں ہے کہ آپ سے دیکھ کر آپ میرے گھوڑے کو موٹا تازہ پاتے اور پاس کر دیتے" عمرو سوار کا یہ جواب سن کر ہنس دیا اور اسی وقت انعام دے کر حکم دیا کہ ایک دوسرا گھوڑا خرید لو"۔

خزانہ | خزانچی، یا مہتمم خزانہ، منصب بھی لوازمہ سلطنت میں سے ہے۔ خلفا اور دولت سلجوقیہ میں اکثر معتبر غلام اس خدمت پر مقرر ہوا کرتے تھے۔ اور "خازن دار"[1] کہلاتے تھے

---

[1] ان عہدوں کی صراحت مقدمۂ ابن خلدون، ابن الاثیر فی رحمت اللہ ولی، تاریخ آل سلجوق اصفہانی، اور الاحکام السلطانیہ میں ہے ہم نے اس کا خلاصہ لے لیا ہے

خواجہ نظام الملک کا علمی ذوق۔ مدرسہ اعظم نظامیہ بغداد کی تعمیر علوم و فنون کی اشاعت صیغہ تعلیم کی اولیات

اسلامی علوم و فنون کی تدوین و اشاعت کے لحاظ سے خلافت عباسیہ کے دوسرے تاجدار ابو جعفر منصور کا عہد حکومت بھی تاریخ اسلام میں ایک ممتاز درجہ رکھتا ہے۔ تخت نشینی کو ابھی سات ہی سال ہوے ہیں کہ ۱۴۳ھ میں اسلامی علوم کی تدوین شروع ہو گئی قیصر روم سے یونانی کتب علمیہ کے عربی ترجمے منگائے جاتے ہیں جن کو پڑھ کر علماے اسلام یونانی علوم کے شوق میں دیوانے ہو رہے ہیں۔ بیت الحکمۃ میں یونان، ایران، اور ہندوستان سے ہر مذہب و ملت کے علما و حکما آ آ کر داخل ہو رہے ہیں۔ گویا بغداد میں علم کا سیلاب اُمڈا چلا آتا ہے۔ تصنیفات کے ساتھ باقاعدہ تعلم و تعلیم کا بھی آغاز ہو گیا ہے، اور ترقی کا ہر قدم آگے بڑھ رہا ہے۔ المنصور کے بعد ہارون الرشید اور مامون الرشید کا دور آتا ہے۔ یہ وہ عہد سعادت ہے جس میں علم کا آفتاب نصف النہار پر پہنچکر سارے عالم کو اپنی نورانی شعاعوں سے منور کر دیتا ہے۔ چنانچہ اس ذوق اور شغف علمی کا یہ نتیجہ ہوا کہ دو تین صدیوں میں دنیاے اسلام ائمہ، مجتہدین اور محققین سے بھر گئی، اور ہر فرد ایسا جوہر کامل ہو کر نکلا جس کی نظیر نو سو برس کی تاریخ پیش نہیں کر سکتی ہے۔ یہی وہ دور اولیں کے علما تھے جنہیں سے ہر ایک کی ذات پر "زندہ کالج" کا صحیح اطلاق ہو سکتا تھا۔ یہ تو سب کچھ ہوا لیکن سخت تعجب ہے کہ ہنوز دار الخلافت کی چار دیواری میں کسی دار العلوم (کالج) اور مدرسہ (سکول) کی شاندار

عمارت نظر نہیں آتی ہے۔ منصور عباسی نے قصر الذہب، قصر الخلد، قبۃ الخضراء اور بغداد کی
رصد ربیع کے لیے دو کروڑ درہم (ایک درہم چار آنہ) صرف کر ڈالے مگر مؤرخ (بحث)
میں عمارتِ مدرسہ کے لیے ایک پائی کی رقم مسطور نہیں کی گئی اور یہ حالت بصرف عمارت
آتی ہے، بلکہ تمام دنیائے اسلام اس صفت میں مشترک ہے یہ تاریکی ۴۰۰ھ تک جو کہ پانچویں صدی ہجری
تک قائم تھی کہ یکایک ساحلِ مصر سے کچھ روشنی نمودار ہوئی اور طلبائے علوم منتظر بیٹھے
ہوئے تھے　　دُور سے امید نے جھلکی سی اک دکھلائی ہے
ایک کشتی ڈوبتے مرے کو بسی آئی ہے
اور خدا کا شکر بجا لاتے کہ اپنی آنکھوں نامرادے ۳۹۵ھ میں ایک شاندار مدرسہ دار الخلافہ
مصر میں بنایا یہ سب سے پہلا مدرسہ تھا۔ جو ایک سلطنت کی طرف سے رعایا کے لیے قائم ہوا
اس مدرسہ کا سنگِ بنیاد ایسی ساعتِ سعید میں رکھا گیا تھا کہ وہ سلاطین اور اُمرا و دولت
کے لیے چراغِ ہدایت بن گیا چنانچہ نیشاپور میں عام قومی چندہ سے ایک مدرسہ استاد ابو بکر
فورک کے لیے تعمیر ہوا جنہوں نے ۴۰۶ھ میں وفات پائی اس کے بعد اسی شہر میں اور بھی
مدرسہ بیہقیہ قائم ہوا جس کے مدرس اعظم ابوالقاسم اسکاف اسفراینی تھے افسوس ہے کہ بیہقیہ
کی تاریخ تعمیر کا کسی مورخ نے کچھ ذکر نہیں کیا ہے لیکن شیخ ابو محمد عبداللہ جوینی اور امام الحرمین
جوینی کے حالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدرسہ بھی مصری درسگاہ کے بعد قائم ہوا
ہے اور امام الحرمین (استاد علامہ غزالی) نے ابتدائی کتابیں اپنے والد شیخ ابو محمد عبداللہ سے

[1] حسن المحاضرہ جلد دوم صفحہ ۱۴۱ ذکر الحوادث الرسہ [2] ابن خلکان جلد اول حالات ابن فورک۔

پڑہیں۔ اور اُن کے انتقال پر ۴۳۰ھ / ۱۰۳۸ء میں داخل مدرسہ بیہقیہ ہوئے۔ اس مدرسہ میں تعلیم کا انتظام اعلیٰ پیمانہ پر تھا۔ اور اسی بنا پر بعض مورخوں نے لکھا ہی کہ اسلامی دنیا میں سب سے پہلا مدرسہ بیہقیہ ہی، پھر ۴۱۰ھ / ۱۰۱۹ء میں سلطان محمود غزنوی نے دارالسلطنت غزنین میں ایک مدرسہ جاری کیا۔ اور فتوحات ہندوستان کا ایک قیمتی حصہ اسپر صرف کر دیا اور مصارف کے لیے دوامی جاگیر بھی وقف کی۔ بھائی کو دیکھکر امیر نصر بن سبکتگین نے بھی نیشاپور میں ایک مدرسہ بنایا[۱]۔ اور سعیدیہ نام رکھا۔ چوتھا مدرسہ علامہ ابو اسحٰق اسفرائنی متوفی ۴۱۸ھ / ۱۰۲۷ء کے لیئے قائم ہوا۔ پانچواں مدرسہ سلطان طغرل بیگ سلجوقی کے حکم سے تعمیر ہوا۔ اس مدرسہ کی نسبت حکیم ناصر خسرو علوی اپنے سفرنامہ[۲] میں لکھتا ہی کہ "روز شنبہ یازدہم شوال ۴۳۷ھ / ۱۰۴۶ء در نیشاپور شدم چہار شنبہ آخریں ماہ کسوف بود۔ حاکم زمان طغرل بیگ محمد بود برادر جغری بیگ سلجوقی و مدرسہ فرمودہ بود بہ نزدیک بازار "سراجان" و انرا عمارت میکردند" چھٹا مدرسہ ابو سعد اسمٰعیل بن علی بن المثنیٰ استرآبادی صوفی اور واعظ کا تھا۔ یہ صرف ایک شہر نیشاپور کی حالت تھی۔ اور ان مدارس کو مورخین[۳] نے "اُمہات المدارس" کا خطاب دیا ہی لیکن عراق عرب اور عجم ہنوز خواجہ نظام الملک طوسی کی فیاضی کا منتظر تھا۔ آخر وہ وقت بھی آگیا کہ بغداد اور نیشاپور وغیرہ میں خواجہ کی طرف سے مدرسوں کی بنیادیں پڑیں۔ سب سے اول ہم نظامیہ بغداد کے حالات لکھتے ہیں۔

[۱] حسن المحاضرہ صفحہ ۱۰۵ [۲] سفرنامہ ناصر خسرو حالات نیشاپور [۳] انسائیکلوپیڈیا برطانیہ میں لکھا ہی کہ سب سے پہلا مدرسہ وہ تھا جس کو مامون الرشید نے بزمانہ ولیعہدی خراسان میں قائم کیا تھا لیکن اسکی تصدیق عربی، فارسی تاریخوں سے نہیں ہوتی۔

بغداد کا موقع

لیکن دنیا میں شاید موجود نہیں ہیں بہر ہدایت سے اول اس کا موقع و محل دیکھنا ضروری ہے کہ وہ بغداد میں کس جگہ تھا اور اس غرض کے لیے چند سطریں بطور تمہید کافی ہیں خلیفہ منصور[1] عباسی نے جب دار الخلافہ کی تعمیر کا قصد کیا تو عراق عرب میں موجودہ بغداد کی بابت معروف مشرق عمدہ قطعات اراضی کی تلاش کی چنانچہ مغربی گوشہ میں وہ جگہ پسند آئی جس کا نام "کرخ" تھا یہ ایک موضع تھا جس کو شاپور ذوالاکتاف نے آباد کیا تھا اور مشرقی حصہ میں ساباط کو انتخاب کیا یہ بھی ایک مشہور گاؤں تھا جہاں نوشیرواں عادل نے ایک باغ لگایا تھا اور اس جگہ وہ اکثر مقدمات بھی فیصل کیا کرتا تھا لہذا یہ مقام باغ داد کے نام سے مشہور تھا چنانچہ خلیفہ منصور نے کرخ میں نئے شہر کی بنیاد ڈالی اور شہر کو شکل دائرہ بنا کر مرکز میں ایوان خلافت تعمیر کیا اور دریائے دجلہ (وادی السلام) کو وسط میں لے لیا اور شہر کو بڑی بڑی سڑکوں پر تقسیم کر دیا ہر سڑک کی چوڑائی چالیس گز قرار دی گئی اور شہر پناہ میں چار دروازے نصب کیے گئے جن کے نام یہ ہیں باب الکوفہ[2] باب خراسان[3] باب البصرہ باب الشام[4] اور ایک دروازہ سے دوسرے کا فاصلہ ایک میل تھا نہروں کے ذریعہ سے شہر کے مکانات اور حمامات میں پانی آتا تھا اور مختلف مقامات پر عبور کے لیے ایک سو چھپن پل (جسر) دجلہ پر بنائے گئے تھے اور نہروں میں نہر عیسیٰ خاص اہتمام سے بنوائی گئی تھی اب اس نہر کے آثار المعدومہ کے نام سے مشہور ہیں منصور کے بعد جب خلیفہ مہدی کا زمانہ آیا تو اس نے دار الخ

---

[1] جغرافیہ بغداد مصنفہ پروفیسر سوئلس مطبوعہ بیروت ۱۸۹۴ء و ترجمہ العلوم جزو اول سلوکی ذکر بغداد
[2] ذکر حدود مرکز بغداد۔

کو مغرب سے جانب مشرق منتقل کر دیا۔ اور شاہی محلات میں اضافہ کیا۔ اور خلیفہ ہارون الرشید و مامون الرشید نے بھی اسی حصّہ کو پسند کیا۔ چنانچہ یہ مشرقی حصہ جنت کا نمونہ بن گیا۔ اور "رصافہ" کے نام سے شہرت پذیر ہوا۔ اور ہنوز "بغداد جدید" کے نام سے مشہور ہی۔ عہد ہارون الرشید میں بغداد کا طول ۱۲ میل اور عرض ۴½ میل تھا اور مردم شماری کا صحیح تخمینہ بیس لاکھ۔ خلیفہ المعتصم نے کثرت غلاموں سے مجبور ہو کر دار الخلافت کو بغداد سے سامرہ[۱] منتقل کر دیا۔ اور خلیفہ المعتضد نے بغداد پسند کیا، گویا اکسٹھ برس کے بعد آب رفتہ بجو آمد۔ بعد ازاں خلیفہ مستظہر باللہ ۴۸۷ھ تا ۵۱۲ھ نے بغداد میں ترمیم کی، اور خندق و فصیل کو از سر نو بنایا۔ اور مشرقی حصہ میں چار دروازے قائم کیے۔ چنانچہ پہلا دروازہ دجلہ کے سرے پر تھا جس کا نام باب السلطان تھا۔ دوسرا باب الصفریہ۔ تیسرا باب الخلیہ۔ چوتھا باب البصلیہ تھا۔ اس کے بعد مشرقی حصہ میں جب آبادی غیر معمولی ہو گئی تو اندرون شہر میں باب[۲] المراتب اور باب الازج وغیرہ اور دروازے بڑہائے گئے۔ اس تفصیل کے بعد اب مدرسہ نظامیہ کا موقع آسانی سے معلوم ہو جائیگا جس کا ذکر عہد قدیم کے سیاحوں اور زمانہ حال کے مورخوں نے اپنی کتابوں میں کیا ہی۔

ابن جبیر کی شہادت: یہ نامور سیاح[۳] مہینہ صفر ۵۸۰ھ ۱۱۸۴ء میں بغداد پہنچا ہی اور لکھتا ہی کہ بغداد میں

---

[۱] "سامرا" اصلی نام سُرَّ مَن رَای تھا۔ جو کثرت استعمال سے سامرا ہو گیا۔ بغداد اور تکریت کے مابین دجلہ کے شرقی کنارہ پر ہی اور بغداد سے ۶۰ میل کا فاصلہ ہی۔ المعجم جلد ۳ [۲] تمام شاہی محلات اور طبقہ اعلیٰ کے مکانات باب المراتب میں تھے اور یہ گویا شاہی محلہ تھا۔ باب الازج بھی بہت بڑا محلہ تھا جسمیں مثل شہر کے اور متعدد محلے آباد تھے۔ باب البصلیہ کی آبادی جنوب اور مشرق میں تھی اور مشرقی حصہ باب کلواذی سے متصل تھا۔ المعجم جلد اول

[۳] ترجمہ سفر نامہ ابن جبیر حالات بغداد ۱۲۔

میں تین مدرسے ہیں اور سب شرقی حصہ میں ہیں ہر مدرسہ کی عمارت خوبصورتی میں [illegible]
ہے سب سے بہتر اور سب سے بڑا اور ستھرا مدرسہ نظامیہ ہے

ابن بطوطہ کی تصدیق | ابن بطوطہ[2] ۷۲۷ھ/۱۳۲۷ء میں داخل بغداد ہوا ہے۔ اور مشرقی بغداد کے
حالات میں لکھا ہے کہ بغداد کے مشرقی حصہ میں بڑی رونق کی آبادی ہے اور بازار کثرت سے
اور سب سے بڑا بازار سوق الثلاثا[3] ہے جس میں ہر پیشہ کا کارخانہ جدا ہے اور اسی بازار کے وسط میں
نظامیہ ہے جس کی عمارت حسن و خوبی میں ضرب المثل ہے نظامیہ کے آخر میں مدرسہ مستنصریہ[4] ہے

مصنف حالات بغداد کی رائے | مدرسہ نظامیہ کے موقع کے متعلق زمانہ حال کی تحقیقات کا خلاصہ
یہ ہے کہ مسٹر لی اسٹرینج صاحب اپنی کتاب حالات بغداد میں لکھتے ہیں کہ نظامیہ
کا رخ باب الازج اور ساحل دجلہ کے درمیان میں واقع تھا جو شہر پناہ کے باب البصلیہ کے
قریب تھا، اور اس سڑک پر تھا جو باب البصلیہ سے ہوتی ہوئی باب المراتب تک محلات شاہی

---

[2] سفرنامہ ابن بطوطہ حالات بغداد ۷۲۷ھ [3] الثلاثا اس بازار کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہاں صرف سہ شنبہ کو بازار لگتا تھا یہ حالت آبادی بغداد سے قبل کی ہے جب منصور کے زمانہ میں یہاں مسلمان بسے تھے اور اطراف بغداد کے لوگ یہاں سے سودا خریدنے جاتے تھے نظامیہ کے وقت یہ سب سے آباد بازار تھا [4] مستنصریہ خلیفہ المستنصر باللہ نے ۶۲۵ھ/۱۲۲۷ء میں دجلہ کے کنارے اس مدرسہ کی بنیاد رکھی اور چھ سال میں عمارت پوری ہوئی تمام خلفاء عباسیہ میں بجز مستنصر کے کوئی عمارت کسی خلیفہ کے نام سے نہیں مذاہب اربعہ کے علاوہ شیخ الحدیث، شیخ النحو، شیخ القراءۃ، شیخ الطب، درس کے لیے مقرر ہوئے کتب خانہ ساتھ ہی تھا دونوں پر لاکھوں روپیہ صرف کیا اس مدرسہ میں تیس طلبہ کو مدرسہ کی طرف سے مکان، فرش، خوراک، روشنی کا عمدہ انتظام وغیرہ دیا جاتا تھا اس کے علاوہ ایک بڑی نہر جاری تھی اور طلبہ کو ساڑھے چار ہزار [illegible] کی جاگیر وقف تھی ایوان مدرسہ میں ایک عجیب قسم کی گھڑی لگی تھی جس کو عقل میں علم مطلق نہ سمجھ سکتا تھا انتخاب رسائل شبلی صفحہ ۲۷۰

کے کنارے کنارے چلی گئی تھی "سوق نظامیہ" ان اطراف میں ایک بہت بڑا گزر گاہ عام تھا جو شارع (ایک مشہور محلہ کا نام ہے) سے ملحق واقع ہوا تھا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کالج دجلہ کے کنارہ رہا ہوگا"

صاحب موصوف کی تحقیقات نہایت صحیح ہے۔ اور اسلامی جغرافیوں کے بالکل مطابق ہے نظامیہ فی الحقیقت دجلہ کے کنارے تھا جس کی صراحت آگے ہے۔

حافظ عبدالرحمن امرتسری ہندوستان کی تحقیق

حافظ صاحب[1] تحریر فرماتے ہیں کہ "مدرسہ نظامیہ بغداد کے اس حصہ میں (جس کو مورخین نے رصافہ سے تعبیر کیا ہے۔ اور آج کل اس کو بغداد نو کہتے ہیں۔ زمانہ کی دست برد نے نظامیہ کی عمارت کو ایسا ملیا میٹ کیا ہے کہ اب اُس کا کوئی نشان تک باقی نہیں۔ باخبر لوگوں نے بیان کیا کہ جس جگہ نظامیہ تھا اب وہاں حارۃ الیہود کے نام سے ایک محلہ آباد ہے جس میں یہودیوں کے مکانات بنے ہوئے ہیں بغداد کے آثار قدیمہ کی بربادی کچھ نظامیہ ہی سے مختص نہیں۔ مدرسہ مستنصریہ جو خلیفہ المستنصر باللہ کی یادگار اور ساتویں صدی کے نامور مدارس میں شمار ہوتا تھا اس وقت ترکی کسٹم ہاؤس (دیرمٹ جنگی سائر کا دفتر) کا آفس بنا ہوا ہے اور طالب العلموں کی جگہ کلرک اس میں کام کرتے ہیں۔ زبیدہ خاتون کے مقبرہ کے سوا جو "کرخ" یعنی بغداد کہنہ میں ہے۔ خلفائے عباسیہ میں سے کسی کی عمارت کا نام و نشان تک نہیں۔ مقبرہ بھی سطح زمین کے برابر ہونے کو تھا کہ حضرت سلطان المعظم

---

[1] حافظ صاحب جب دوسری مرتبہ سفر کو روانہ ہوئے ہیں تو کانپور میں وقت رخصت میں نے عرض کیا تھا کہ بغداد پہنچ کر نظامیہ کے موقع محل کی تحقیقات ضرور کیجئے گا۔ چنانچہ واپسی سفر پر حافظ صاحب نے ۲۰ ستمبر ۱۹۱۲ء کو امرتسر سے خط لکھا جسکا خلاصہ درج کیا گیا ہے

کہ کسی بانی کا نام یا نشان صرف کرکے اس کی مرمت کرادی جاتی تھی۔ ایران سے[۱]
بغداد کا ہی خورشیدہ خاتون کی طرف سے کہ مکہ معظمہ اور عرفات کے درمیان زائرین بیت الحرام
کی آسائش کے واسطے نہر کے متعلق عمل میں آئی تھی۔

پروفیسر سولس کی تحقیقات پروفیسر صاحب اپنی جغرافیہ بغداد میں[۱] لکھتے ہیں کہ سنہ ۴۵۷ھ
اسس نظام الملک مدرسہ عالیہ سماہا بالنظامیہ ومن آثارہا الموجودہ الان
المحرک (کسٹم ہاؤس)

الغرض ان تمام تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے کہ مدرسہ نظامیہ بغداد کے سب سے آباد مشرقی
حصہ میں دریائے دجلہ کے کنارے واقع تھا اور موقع کے لحاظ سے اس سے بہتر دوسری
جگہ نہ تھی شاہی محلات اور آباد بازار سب نظامیہ سے ملحق تھے اور خواجہ نظام الملک کے
خود بڑا بازار بنوایا تھا جس کی وجہ سے نظامیہ کی شان و شوکت بہت بڑھ گئی تھی افسوس
ہے کہ زمانہ کے حوادث نے جس طرح اسلامی سلطنتوں اور اسلامی علوم وفنون کو مٹادیا اسی
طرح اس عظیم الشان بیت العلوم کو بھی صفحہ ہستی سے محو کر دیا۔
پروفیسر سولیس کی تحقیقات کے مطابق اس کے آثار کا سلسلہ کسٹم ہاؤس سے جاکر
ملجاتا ہے اور شاعر کا یہ شعر اس کے حسب حال ہے

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ　　　آثار پدید است صنادید عجم را

مدرسہ نظامیہ خواجہ نظام الملک کے حالات میں لکھا جاچکا ہے کہ وہ اپنے زمانہ کا ایک مشہور

---

[۱] تحفۃ الساری فی جغرافیہ بغداد صفحہ ۱۱ مطبوعہ بیروت۔

فقیہ اور محدث تھا۔ اور اس کی مجلس ہمیشہ علماء و صوفیہ سے بھری رہتی تھی۔ ایسا روشن خیال اور مدبر وزیر ملک کی فلاح و بہبود سے کبھی غافل نہیں رہ سکتا ہی کیونکہ ملک اور قوم میں ترقی فارغ البالی، اور عزت کا ذریعہ صرف اعلیٰ تعلیم و تربیت ہی۔ اور عام تعلیم بغیر ایک قومی بیت العلوم (یونیورسٹی) کے محال ہی۔ اس خیال سے خواجہ نظام الملک نے بڑے پیمانہ پر ایک درسگاہ بنانیکا قصد کیا تھا۔ اور اس[1] ارادہ کی تحریک یوں ہوئی کہ ایک دن شیخ الشیوخ ابو سعد صوفی نیشاپوری خواجہ سے ملنے آئے اور کہا کہ آپ کے نام سے مدینۃ السلام میں ایک مدرسہ تعمیر کرنا چاہتا ہوں، جس کے ذریعہ سے آپ کا نام قیامت تک زندہ رہیگا۔ خواجہ نے کہا بہت خوب، آپ ضرور بنائیے۔ چنانچہ خواجہ نے فراہمی سامان کے لیے اپنے وکلا کو اسیوقت حکم دیدیا۔ اور شیخ نے دجلہ کے کنارے ایک خوبصورت قطعہ اراضی خرید کیا اور بروز منگل[2] مہینہ ذیقعدہ ۴۵۷ھ مطابق ۲۵ اکتوبر ۱۰۶۵ء مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اور پورے دو سال کی مدت میں[3] بماہ ذیقعدہ ۴۵۹ھ (ستمبر ۱۰۶۷ء) عمارت مدرسہ بنکر مکمل ہوگئی شیخ ابو سعد نے عمارت پر خواجہ نظام الملک کا نام نقش کیا۔ مدرسہ کے چاروں طرف بازار آباد کیے گئے، اور حمامات بنائے گئے۔ اور بہت سے دیہات مصارف کے لیے وقف کیے گئے اور مدرسہ کی لاگت تعمیر ساٹھ ہزار دینار (ایک دینار پانچروپیہ کا ہوتا ہی) ہوئی۔ اور خواجہ نے اس صرفہ کو منظور کیا۔ اور رقم شیخ ابو سعد کو ادا کر دی گئی" عمارت میں ہمیشہ اضافہ ہوتا رہا۔ لیکن ۵۰۴ھ ۱۱۱۰ء میں بہت کچھ ترمیم و تجدید ہوئی[4]۔

---

[1] سراج الملوک صفحہ ۱۴۰ [2] توفیات صفحہ ۱۲۲ [3] حسن المحاضرہ [4] سفرنامہ ابن جبیر

دار الکتب نظامیہ کی عمارت میں ایک حصہ خزانۃ الکتب (لائبریری) کے لیے خاص تھا
اور عمارت کی تکمیل کے بعد خواجہ نے ہزاروں کی تعداد سے نادر اور بیش قیمت کتابیں
داخل کر دی تھیں افتتاح کے بعد علامہ ابو زکریا تبریزی کتب خانہ کے مہتمم مقرر ہوئے علامہ
کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ ایک حد تک بیباک اور بعض مزاج امیر تھے۔ دن رات عیش و طرب
کے جلسوں میں رہا کرتے تھے لوگوں نے خواجہ سے شکایت کی اور خواجہ نے بچشم خود تبریزی
کی حالت دیکھی اور شکایت کو صحیح پایا۔ صبح کو تنخواہ میں دو چند اضافہ کر دیا اور کہلا بھیجا کہ
مجھے پہلے سے آپ کے مصارف کا علم نہ تھا ورنہ اول ہی دن کافی مشاہرہ مقرر کیا جاتا
تبریزی پر خواجہ کی اس علمی قدردانی کا اس قدر اثر پڑا کہ اپنے افعال سے تائب ہو گیا علامہ[1]
تبریزی کے بعد یعقوب بن سلیمان اسفرائنی مہتمم مقرر ہوئے۔

طبقات[2] الشافعیہ میں لکھا ہے کہ طبقہ علماء میں سے جب کوئی عالم خواجہ کو تحفہ دیتا تو وہ
صرف کتابیں ہوا کرتی تھیں اور یہ نادر کتابیں خواجہ کتب خانہ مدرسہ میں داخل کر دیا کرتا
باوجود اس کے کتب خانہ مکمل نہیں تھا اور اس کمی کو خلیفہ الناصر لدین اللہ نے پورا کر دیا کہ سنہ ۵۸۹ھ (۱۱۹۳ء)
میں خلیفہ مذکور نے شاہی کتب خانہ سے نادر کتابیں مدرسہ میں داخل کر دیں[4] سنہ ۵۱۰ھ (۱۱۱۶ء) میں
کتب خانہ میں آتش زدگی ہوئی اور بہتیں یک لخت جل کر راکھ ہو گئیں مگر خواجہ کی نیک نیتی کا اثر تھا
کہ ایک کتاب بھی نہ جلنے پائی اور سب نکال لی گئیں خواجہ کو جب بغداد آنے کا اتفاق ہوا[5]

۱؎ نامۂ خسروان صفحہ ... ۲؎ طبقات الکبریٰ جلد ۳ صفحہ ۳۲ حالات عبد السلام مصری ۳؎ طبقات جلد ۳ صفحہ ۱۴۱
۴؎ کامل ابن اثیر جلد ۱۲ صفحہ ۳۴ ۵؎ کامل جلد ۱ صفحہ ۲۸

تو وہ مدرسہ ضرور دیکھتا تھا اور کتب خانہ میں جاکر کتب بینی کرتا، اور حدیث روایت کرتا۔[1]

نظامیہ کے اطراف وجوانب

اول تو نظامیہ کا موقع قدرتی طور پر دلکش تھا لیکن اُس کی زیب و زینت کے لیے علاوہ بازاروں کی آبادی کے خواجہ نے ایک تدبیر یہ بھی کی تھی کہ مدرسہ کے قریب اپنی سکونت کے لیے ایک حویلی بنائی تھی جس کی تقلید میں خواجہ کے بیٹوں جمال الملک اور موید الملک نے بھی کوٹھیاں تعمیر کی تھیں اور اُس میں رہا کرتے تھے[2] جس کی وجہ سے مدرسہ کی نگرانی بھی خوب ہوتی تھی۔ اور مدرسہ کے زریں متن پر یہ سنہرے حاشیے اور بھی غضب ڈھاتے تھے

نظامیہ کی وسعت

افسوس ہے کسی تاریخ میں ہماری نظر سے یہ نہیں گزرا کہ جس اراضی پر نظامیہ تھا اس کا رقبہ کس قدر تھا لیکن مورخین کا بیان ہے کہ نظامیہ کی عمارت جیسی عظیم الشان تھی ویسی ہی وسیع بھی تھی اور شاہی محلات کے ہم پلہ۔ علامہ ابو اسحق شیرازی کے حالات میں لکھا ہے کہ جس دن علامہ درس کے لیے مدرسہ تشریف لائے ہیں تو علاوہ ہجوم طلبار کے سارے بغداد کا نظامیہ کے اندر مجمع تھا۔" یہ زمانہ (عہد خلیفہ القائم بامر اللہ) اگرچہ انحطاط کا تھا۔ تاہم دس اور پندرہ لاکھ کے بین بین مردم شماری سمجھنا چاہیئے۔ اس آبادی کا انتخابی حصہ بھی قابل غور ہے کہ وہ کسقدر ہوگا۔ اور نظامیہ کے ہال کتنے لمبے چوڑے تھے جس نے اس مجمع کو جذب کر لیا تھا۔

تاریخ کامل[3] میں اردشیر بن منصور واعظ کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کے حلقہ وعظ میں ایک دن بڑا مجمع ہوا۔ تب لوگوں کو خیال ہوا کہ حلقہ کی پیمائش کی جائے چنانچہ پیمائش کی گئی تو حلقہ ۱۷۰ گز طول اور ۱۲۰ گز عرض کا تھا۔ جو سامعین سے بھرا پڑا تھا اور یہ مجلس وعظ ہمیشہ عمارت مدرسہ کے اندر

---

[1] واقعات ۴۵۹ھ کامل ابن اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۲۵ و تاریخ آل سلجوق صفحہ ۴۲، [2] کامل جلد ۱۰ صفحہ ۳۶ [3] کامل جلد ۱ صفحہ ۸۰

مسقف ہوا کرتی تھی۔ اس پیمائش سے جو ایک حصہ عمارت کی ہے نظامیہ کی کل وسعت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے

رسم افتتاح جب مدرسہ بن کر مکمل ہوگیا تو بروز شنبہ دسویں ذیقعدہ ۴۵۹ھ کو مدرسہ کا افتتاح ہوا۔ خواجہ نظام الملک کا مدرسہ، خلفائے عباسیہ کا دارالخلافہ، علم و فضل کا بازار اور جشن کا دن، جہاں اس قدر سامان جمع ہوں اس جلسہ کی شان و شوکت کی تصویر صرف عالم خیال ہی میں کھنچ سکتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس علمی مرکز میں سارا بغداد امنڈ آیا تھا اور جواہرات فضل و کمال تھے ان کا درحقیقت یہیں گھر ہی تھا۔ ادائے مراسم کے لیے علامہ شیخ ابو اسحٰق شیرازی کا انتخاب کیا گیا تھا جو اس عہد میں شیخ الشیوخ اور استاد کل کا درجہ رکھتے تھے چنانچہ علامہ[1] مدرسہ کی طرف آ رہے تھے کہ راستہ میں ایک لڑکے نے شیخ کو مخاطب کرکے کہا "یا شیخ کیف تدرس فی مکان مغصوب" چنانچہ محض اس شبہ پر کہ نظامیہ کی تعمیر اراضی مغصوبہ پر ہوئی ہے شیخ راستہ سے لوٹ گئے، اور روپوش ہوگئے حاضرین جلسہ جب انتظار کرتے کرتے پریشان ہوگئے اور دوپہر کا وقت آگیا تو شیخ عمید الملک[2] ابو منصور یوسف نے جو اعیان بغداد میں نہایت عالی مرتبت تھے، حاضرین جلسہ سے خطاب کیا کہ طلبا اور شائقین کا ہجوم ہے اور درس کا ہونا بھی لازمی ہے لہذا مناسب ہے کہ ابو نصر ابن صباغ مصنف شامل جو مدرسہ میں تشریف رکھتے ہیں وہ درس دیں۔ چنانچہ حاضرین جلسہ کی عام رائے سے ابو نصر مسند پر جلوہ افروز

[1] ابن خلدون حسن المحاضرہ [2] تاریخ آل سلجوق صفحہ ۲۲۲

ہوئے۔ اور مدرسہ کا افتتاح کیا۔ اور بخیر و خوبی جلسہ ختم ہو گیا۔

نظامیہ کا عملہ | مدرسہ نظامیہ کے عام انتظامات اور نگرانی کاروبار کے لیے اسی قدر علا کی ضرورت تھی جس قدر ایک چھوٹی سی ریاست کے لیے ہوا کرتی ہی۔ ادنے درجہ کے کسقدر ملازم تھے اس کی تفصیل معلوم ہونا مشکل ہی لیکن طبقہ اعلیٰ کے عہدہ دار حسب ذیل تھے۔

متولی ۱ | متولی کا منصب آج کل کی اصطلاح میں سکرٹری کا درجہ رکھتا ہی متولی ہمیشہ مدرسہ میں رہا کرتا تھا اور تمام انتظامی امور کا وہ ذمہ دار ہوتا تھا۔ یہ خدمت مستقل تھی۔ مگر بعض اوقات مدرس اعظم (پرنسپل) کے بھی سپرد ہو جایا کرتی تھی جو تمام شیوخ مین صدر اعظم کا درجہ رکھتا تھا۔

شیوخ ۲ | فقہ، حدیث، تفسیر، صرف، نحو، ادب، علم کلام وغیرہ کے مدرس جدا گانہ تھے اور ہر مدرس "شیخ" کے خطاب سے ممتاز تھا۔ ہر شیخ اپنے علم و فن میں یگانہ روزگار ہوتا تھا۔ نظامیہ میں کسی عالم کا مدرس مقرر ہو جانا اُس کی ذات کیلئے ایسی عزت تھی کہ جس سے بڑھکر کوئی دوسرا اعزاز نہ تھا۔ اور یہ وقار قیام مدرسہ تک قائم رہا۔ انتخاب کا قاعدہ جس طرح مدرسوں (پروفیسرس) کے لیے جاری تھا۔ ویسی ہی سختی سے نائبوں کا بھی انتخاب ہوتا تھا۔ ہر نائب اپنے شیخ سے فضل و کمال میں دوسرے درجہ کا مانا جاتا تھا اس کی تصدیق حالات علما سے ہوگی مثلاً امام احمد غزالی، اور فخر الاسلام کیا ہراسی، یہ نائب تھے جنکا درجہ امام محمد غزالی کے بعد تھا اور یہ خصوصیت اول سے اخیر تک قائم رہی۔ ہر شیخ کی تنخواہ بیش قرار تھی۔

خازن ۳ | کتب خانہ کا مہتمم (لائبریرین) یہ بھی معزز عہدہ تھا۔ اور اس خدمت پر ہمیشہ مشاہیر سلما، ممتاز رہے۔ یہ عہدہ دار "خازن" کہلاتا تھا۔

معید ۴ | اکثر اوقات یہ خدمت فاضل ترین طلبہ کو سپرد کی جاتی تھی جن کا انتخاب طلبہ درس سے ہوتا تھا اور بعض اوقات جداگانہ علماء بھی مقرر ہوتے تھے معید کے لیے ضروری تھا کہ وہ بلند آواز ہو تاکہ شیخ کے الفاظ سامعین تک پہنچ جاویں

مستملی ۵ | نسخ نویسی کے لیے جداگانہ عملہ تھا اور خاص حالتوں کے سوا شیخ العداد سبع العرائس کو نسخ نگاری کی خدمت سپرد نہ ہوتی تھی

واعظ ۶ | جب باہر سے کوئی مشہور اور نامور عالم آتا تھا تو علاوہ جامع مسجدوں کے مدرسہ نظامیہ میں بھی اس کا وعظ ضرور ہوتا تھا لیکن عام ہدایت اور حسن سماعی کے لیے بھی مستقل واعظ مدرسہ کی طرف سے ملازم تھے اور کبھی کبھی مدرسوں میں سے بھی کوئی وعظ کہا کرتا تھا۔

ناظر وقف ۷ | نظامیہ بغداد اور اس کے ماتحت مدارس (تفصیل آگے درج ہے) کے لیے جس قدر جائداد وقف تھی اس کے تحفظ اور انتظام کے لیے ایک عہدہ دار مقرر تھا جو ناظر وقف کہلاتا تھا خواجہ ابو نصر بن نظام الملک بھی اس خدمت پر رہا ہے اور اس کی ماتحتی میں دوسرے علماء کام کرتے تھے

نظامیہ کے سالانہ مصارف | اسلامی مورخین نے چھ یا سات لاکھ دینار سالانہ صرف مدارس کا لکھا ہے اور یہ وہ رقم ہے جو خواجہ نظام الملک نے خزانہ شاہی سے مقرر کی تھی اس کے علاوہ اپنی ذاتی گرہ

سے سراج الملوک طرطوشی میں سات لاکھ کی رقم لکھی ہے اور گس صاحب نے ۲ لاکھ دینار لکھے ہیں جو صرف نظامیہ بغداد کے کسی خاص حصہ کا صرفہ ہو سکتا ہے

سے دسواں حصہ مقرر کر دیا تھا اور زکوٰۃ وخیرات کا روپیہ اس کے علاوہ تھا اور مصنف سراج
الملوک نے لکھا ہے کہ خواجہ نے بھی اپنی رقم سرکاری عطیہ کے برابر کر دی تھی۔ بہرحال صیغۂ
تعلیم پر پچاس لاکھ روپیہ سالانہ سے کم خرچ نہ ہوتا ہوگا۔ اور بظاہر یہ رقم کچھ زیادہ نہیں ہے کیونکہ
خواجہ نظام الملک دولت سلجوقیہ میں صرف وزیر ہی نہ تھا۔ بلکہ وہ ایک خودمختار بادشاہ
تھا۔ جو چاہتا تھا کر گزرتا تھا۔ لیکن خواجہ کے دشمن تاج الملک وغیرہ اُس کے تمام صیغوں پر نکتہ
چینی کیا کرتے تھے۔ اور خواجہ کی شکایتیں ملکشاہ سے کرتے رہتے تھے چنانچہ نظامیہ کے مصارف
معلوم ہونے پر ملکشاہ سے کہا گیا کہ اُس قدر روپیہ میں ایسی فوج مرتب ہو سکتی ہے جس سے
قسطنطنیہ فتح ہو سکتا ہے۔ اور یہ زمانہ عیسائی سلاطین کا ہے جن کا مقابلہ سلطان کو کرنا پڑتا ہے
مگر خواجہ کا یہ حال ہے کہ وہ فضول کاموں میں بیت المال کو خالی کیے دیتا ہے" جب سلطان
سے یہ شکایت چند مرتبہ کی گئی تو اُس نے ایک دن معمولی طریقہ سے خواجہ سے کہا کہ "پیارے
باپ! چھ لاکھ دینار کے صرفہ سے تو ایک جرار لشکر مرتب ہو سکتا ہے جن لوگوں پر آپ زر کثیر
لٹا رہے ہیں۔ اُن سے کیا کام نکل سکتا ہے؟" ملک شاہ کا یہ سوال سُنکر خواجہ آبدیدہ ہو گیا۔ اور
کہا کہ "جان پدر! میں تو بوڑھا ہو گیا ہوں اگر نیلام کیا جاؤں تو پانچ دینار سے زیادہ بولی
نہ ہوگی لیکن تم ایک نوجوان ترک ہو۔ تاہم مجھے امید نہیں ہے کہ تیس دینار سے زیادہ تمہاری
بھی قیمت آئے۔ اسپر خدا نے تم کو بادشاہ بنایا ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ تم لذات دنیوی میں

[1] رؤسا، اور امراء جائدادیں نظامیہ میں وقف کر دیا کرتے تھے چنانچہ ابو سعد صوفی نے انتقال کے وقت
سنہ ۴۷۹ھ میں تمام جائداد وقف کر دی۔ کامل جلد ۱۰ صفحہ ۵۰۔ [2] اعلام صفحہ ۸۲۔

سہمے رہتے ہو نیکیوں کے معاملہ میں گناہوں کا ملمع جاری ہو رہا ہے ممالک فتح کرنے کے
لیے تم فوج بھرتی کرنا چاہتے ہو اُن کی تلواریں دو گز کی ہوں گی اور اُن کے تیر سو قدم
سے زیادہ نہیں جا سکتے ہیں لیکن میں جو فوج تیار کر رہا ہوں اُن کی دعاؤں کے تیر فرش سے
عرش تک جائیں گے، جو کام ان کی دعاؤں سے ہوگا وہ تمہاری فوجیں نہیں کر سکتی ہیں" غرض
وزیر کا یہ جواب سنکر ملک شاہ بہت رویا اور کہا کہ بابا ایسی فوج جس قدر ممکن ہو
تیار کرو۔

کامیاب طلبہ

مسٹر اگنس لکھتے ہیں کہ مختلف اوقات میں نظامیہ سے چھ ہزار طلبہ پڑھ کے
کامیاب ہو کر نکلے جن میں امراء اور اہل حرفہ دونوں کے لڑکے شامل تھے۔ ہمارے خیال میں
تعداد نظامیہ کی عمر کے لحاظ سے بہت کم ہے اور اس میں اضافہ کثیر کی گنجائش ہے مگر افسوس ہے
کہ نظامیہ کے عہد میں وہاں کا سند یافتہ اپنے نام کے ساتھ نظامی نہیں لکھتا تھا، بلکہ اپنے
استاد کے نام سے شہرت پاتا تھا ورنہ اسمائے رجال سے آج فیصلہ ہو جاتا کہ دراصل اس عہد
میں کس قدر ارباب کمال مدرسہ نظامیہ سے مستفیض ہوئے۔ غالباً اس غلطی سے متاثر ہو کر
جامع ازہر (مصر) کے طلبہ اپنے نام کے ساتھ ازہری اور ہمارے قومی کالج، مدرسۃ العلوم علی گڑھ
کے نوجوان علیگ اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے متعلم ندوی، اور ممالک یورپ کے تعلیم یافتہ
آکسن (منسوب آکسفورڈ)، وغیرہ لکھتے ہیں یہ طریقہ نہایت اچھا ہے اور ہر مدرسہ کے طلبہ کو اس کی
تقلید کرنا چاہیے کہ زمانہ آیندہ کے مورخین کو شمار دینے میں ہماری طرح مصیبت نہ اٹھانا پڑے
بہرحال اگر ہم مسٹر اگنس کی رائے کو صحیح تسلیم کر لیں کہ نظامیہ نے اپنی مدت العمر میں چھ ہزار طالب علم

کیے تو بھی نظامیہ کے فخر و مباہات کے لیے کافی ہی کیونکہ ان میں سے ہر ایک آسمان علم کا آفتاب و ماہتاب ہوگا۔

نظامیہ کے نتائج اور اثرات | نظامیہ بغداد کے قیام کی جب علمائے ماوراء النہر کو خبر ہوئی تو انھوں نے ایک بزم ماتم منعقد کی جب لوگوں نے اس اظہار غم کے وجوہ دریافت کیے تو انھوں نے کہا کہ علم ایک شریف ملکہ ہی جس کو نیک نفس اور قدسی صفات لوگ حاصل کیا کرتے تھے اب جب کہ حصول علم کے لیے وظیفہ مقرر ہوگیا تو وہ ہر کس و ناکس کا حصہ ہوگیا۔ اب ذلیل و کمی علم کے ذریعہ سے جاہ و ثروت حاصل کریں گے۔ اور کوئی شخص علم کو من حیث العلم حاصل نہ کریگا۔"[سلہ]

اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہو کہ نظامیہ کے اجراء سے علماء میں ایک خاص مذہبی جوش پیدا ہوگیا تھا۔ اور سلاطین و امراء میں مقابلہ کی تحریک شروع ہوگئی تھی۔ اور محض نظامیہ کی تقلید میں مصر، شام، اور عراقین میں بہت سے مدرسے کھل گئے تھے۔ اور علم کا علم ساری دنیا میں بلند ہوگیا تھا۔ اگر صرف نظامیہ کے ایک سو برس بعد کے مدرسوں کی تاریخ لکھی جائے تو ایک کتاب بن جائے۔"

نظامیہ کا سب سے پہلا اثر تو یہ ہوا کہ چھٹی صدی کے ختم ہونے تک تمام دنیائے اسلام میں (باستثنائے اندلس) علم کی روشنی پھیل گئی۔ اور علماء جو مسجدوں، خانقاہوں اور حجروں میں درس دیا کرتے تھے وہ منظر عام پر آگئے۔ اور ہر مدرسہ کے لیے ارباب علم مشرق و مغرب کے گوشوں سے ڈھونڈھ کر نکال لیے گئے۔"

سلہ روضتین صفحہ ۲ و طبقات الشافعیہ۔

نظامیہ سب سے پہلا مدرسہ ہے جس نے طلبہ کے لیے وظیفہ مقرر کیا اور ان کو جدید کتب اور
فراہمی سامان خورد و نوش سے بے نیاز کر دیا۔ اور سرکاری خدمات کے لیے نظامیہ کا تعلیم
یافتہ سند یافتہ قرار پایا۔ خواجہ نظام الملک کی نسبت مشہور ہے کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے
اسلامی دنیا میں سب سے اول مدرسہ قائم کیا۔ اور ابن خلکان کا بھی یہی خیال ہے لیکن واقعات
مذکورۂ بالا سے ظاہر ہو چکا ہے کہ خواجہ کی ولادت سے قبل مصر میں اور اس کے بعد نیشاپور میں
مدرسے قائم ہوئے لہذا اولیت کا فخر نظام الملک کے حصہ میں نہیں آ سکتا ہے اور نہ نظامیہ
پہلا مدرسہ ہے۔ علامہ سیوطی کا قول ہے کہ نظام الملک نے خاص فقہا کے لیے مدرسہ بنایا ممکن
ہے کہ نظامیہ ایسے اعلیٰ پیمانہ پر قائم ہوا کہ جس کی عالمگیر شہرت و عظمت نے تمام پچھلی یادگاروں
کو دلوں سے مٹا دیا اور وہ سب کا سرتاج بن گیا اور سب سے پہلا مدرسہ مشہور ہوا۔

نظامیہ اور محققین | مدارس بھی نظامیہ کی خصوصیات میں ہے کہ دنیا کے دور دراز حصوں سے
طلبا آتے تھے اور مدرسہ کے یہاں رہ کر علمی تحقیقات میں مصروف رہتے تھے کتب تاریخ
و طبقات میں ایسے لوگوں کا جا بجا ذکر آیا ہے۔

درس نظامیہ | مدرسہ نظامیہ کا کوئی خاص نصاب تعلیم (کورس) نہ تھا بلکہ ہر مدرس اپنے
متعلقہ علم و فن پر خطبہ (لکچر) دیتا تھا اور اس کے ذیل میں تمام علمی نکات حل کر دیا جاتا
یورپ میں ایک کتاب درس نظامیہ کے نام سے شائع ہوئی ہے اور ہندوستان میں بھی
ایک صاحب نے درس نظامیہ پر خامہ فرسائی کی ہے۔ مگر دونوں مصنف تحقیقات کی سرحد

۱؎ حسن المحاضرہ و سراج الملوک ۱۲

منزلوں دور ہیں" "درس نظامیہ" یہ لفظ خاص ہندوستان کی علمی زبان کا سرمایہ ناز ہے" اس کو نظامیہ بغداد سے منسوب کرنا نہ صرف ظلم بلکہ جہالت ہے"

ہندوستان کے تمام شہروں میں جس طرح لکھنؤ چشم و چراغ کا درجہ رکھتا ہے۔ اسی طرح لکھنؤ میں فرنگی محل کا مرتبہ ہے۔ اور علمائے فرنگی محل میں ملا نظام الدین وہ مشہور و معروف علامہ تھے جن کے نام نامی سے درس نظامیہ منسوب ہے۔ تمام ہندوستان میں مولانا کے عہد سے آج تک جسقدر عالم ہوئے ہیں اور جو درس کے سلسلے اس وقت ہندوستان میں قائم ہیں وہ سب مولانا کے اسم گرامی سے وابستہ ہیں اور ہر عالم اسپر فخر کرتا ہے۔ مدرسہ نظامیہ کی طرح درس نظامیہ کی بھی ایک مستقل تاریخ ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

نظامیہ کی عمر مدرسہ نظامیہ وسط آٹھویں صدی ہجری (چودھویں صدی عیسوی) تک قائم رہا۔ اور اس تین سو اسی برس کی عمر میں جیسے نامور شاگرد نظامیہ نے پیدا کیے وہ اس کے اعزاز، شہرت اور بقائے دوام کے لیے کافی ہے۔ شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی جو چھٹی صدی ہجری کے طالب العلم ہیں جنھوں نے مدرسے کے وظیفہ سے تعلیم پائی تھی۔ قابلیت اور فضل و کمال کے جانچ کے لیے یہی ایک نام کافی ہے۔ "قیاس کن زگلستان من بہار مرا"

مدرسہ نظامیہ بغداد کے مشاہیر شیوخ و علما کی فہرست

طبقات الشافعیۃ الکبری، ابن خلکان، کامل ابن اثیر اور تاریخ آل سلجوق میں نظامیہ کے جن مشاہیر علما کا تذکرہ ہے۔ اس کی فہرست پیش کی جاتی ہے۔ سوانح عمری لکھنا طوالت سے خالی نہ تھا

ناقص اصل کتاب میں حالات ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ غالب حستہ واقعات کا طبقات سے ماخوذ ہیں۔ اور ابن خلکان وغیرہ سے معمولی اضافہ ورمیم کا کام لیا گیا ہے۔

۱ شیخ ابو اسحاق کے بعد سے امام ابو نصر عبدالسید بن محمد بن عبدالواحد بن احمد بن جعفر المعروف بابن الصباغ صاحب الشامل والکامل جو مشہور فقیہ و محدث تھے مدرس میں درس دیتے رہے لیکن ابو منصور بن یوسف اور عمید ابو سعد کی ناخوشی سے بعد چند ماہ تک شیخ ابو اسحاق شیرازی نے مدرسہ کی خدمت منظور کر لی اور ابو نصر ان کے بعد اس خدمت سے علیحدہ کیے گئے۔

۲ شیخ جمال الدین ابو اسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی سنیچر کے دن ذی الحجہ ۴۵۹ھ کو مدرسہ میں تشریف لائے اور درس شروع ہو گیا اور عرصہ تک علمی مشاغل میں مصروف رہے پھر دوبارہ ۴۶۲ھ میں مدرس مقرر ہوئے اور اسی سال میں ابن الرزاز رسم تعزیت میں ان کے بیٹے خواجہ مؤید الملک بن نظام الملک نے مدرسہ بند کر دیا جب نظام الملک نے سنا تو بیٹے پر ناراض ہوا اور فرمایا کہ علامہ کے اعزاز میں ایک سال تک مدرسہ کو بند رکھنا چاہیے تھا۔ سبحان اللہ کیا علمی قدر دانی تھی۔

۳-۴ علامہ کے انتقال پر عبدالرحمن بن مامون بن علی بن ابراہیم المعروف بابو سعید متولی مقرر ہوئے۔ اور کچھ دنوں کے بعد علیحدہ ہو گئے اور امام ابو نصر صباغ دوبارہ مدرس مقرر ہوئے اور ۴۸۵ھ تک علمی خدمات انجام دیتے رہے۔

لہ ابن الاثیر، مصری صفحہ ۱۴ جلد اول۔ ابو نصر صباغ کے حالات ابن خلکان اور طبقات الشافعیہ میں مختصر ملیں گے۔

۵ علی بن المظفر بن حمزہ بن زید بن محمد العلوی الحسینی، المعروف ابوالقاسم بن ابی یعلی دبوسی، فقہ، اصول، لغت، نحو، نظر، جدل میں امام مانے گئے ہیں۔ ۴۷۹ھ (۱۰۸۶ء) سے ۴۸۲ھ (۱۰۸۹ء) تک مدرس رہے۔

۶ - ۷ امام ابو عبداللہ الحسین بن علی طبری اور قاضی ابو محمد عبدالوہاب بن محمد بن عبدالوہاب بن محمد بن عبدالواحد فارسی شیرازی حسن اتفاق سے ۴۸۳ھ (۱۰۹۰ء) میں داخل مدرسہ ہوئے۔ منتظمین نے یہ فیصلہ کیا کہ دونوں استاذ ایک ایک دن درس دیا کریں۔ چنانچہ یہ سلسلہ جاری ہوگیا۔ طبری نے ۴۹۵ھ (۱۱۰۱ء) میں اور قاضی ابو محمد نے ۵۰۰ھ (۱۱۰۶ء) میں انتقال کیا۔

۸ امام محمد بن محمد بن احمد، حجۃ الاسلام ابو حامد غزالی طوسی۔ امام صاحب نے ۴۸۴ھ (۱۰۹۱ء) سے ۴۸۸ھ (۱۰۹۵ء) تک نظامیہ میں قیام کیا۔ پھر زیارت حرمین کے حیلہ سے ملک شام کو تشریف لے گئے۔ اور جامع دمشق میں جاکر معتکف ہوگئے۔

۹ ابوالفتوح امام احمد بن محمد بن احمد غزالی طوسی ملقب بہ مجدالدین علامہ غزالی کے چھوٹے بھائی، مشہور صوفی، واعظ، متوفی ۵۲۰ھ (۱۱۲۶ء)۔

۱۰ شمس الاسلام، ابوالحسن علی بن محمد بن علی ملقب بہ عمادالدین المعروف بہ کیا الہراسی فقیہہ (غزالی ثانی)، متوفی ۵۰۴ھ (۱۱۱۰ء)

۱۱ فخرالاسلام ابوبکر محمد بن احمد بن الحسین بن عمر شاشی المعروف بالمستظہری متوفی ۵۰۷ھ (۱۱۱۳ء)

---

[1] امام صاحب سعادت آخرت کے لیے دنیا سے قطع تعلق کرنا چاہتے تھے، مگر درس و تدریس سے اس کا موقع نہ ملتا تھا۔ جذبۂ الٰہی نے یکایک کھینچا اور مدرسہ چھوڑ کر ملک شام کو روانہ ہوگئے۔ امام صاحب نے یہ حالات نہایت تفصیل سے اپنی کتاب المنقذ من الضلال میں لکھے ہیں۔

۱۲ | ابوالحسن علی بن ابی زید محمد بن علی النحوی المعروف بہ فصیحی استرآبادی متوفی ۵۱۶ھ / ۱۱۲۲ء

۱۳ | ابوالفتح احمد بن علی بن محمد الوکیل بن برہان الاصولی، رہے مستعد مدرس کے نماز صبح سے عشا تک درس دیا کرتے تھے۔ غزالی، شاشی اور کیا ہراسی کی شاگردی کا فخر حاصل تھا متوفی ۵۲۰ھ / ۱۱۲۶ء

۱۴ | امام ابوالفتح اسعد بن ابونصر میہنی دو مرتبہ مقرر ہوئے اول ۵۰۷ھ / ۱۱۱۳ء بعد ازاں دوبارہ ۵۱۷ھ / ۱۱۲۳ء متوفی ۵۲۳ھ / ۱۱۲۹ء۔

۱۵ | الحسن بن سلمان بن عبداللہ نہروانی متوفی ۵۲۵ھ / ۱۱۳۱ء۔

۱۶ | عبدالرحمن بن الحسین بن محمد طبری المعروف بہ ابو محمد متوفی ۵۳۱ھ / ۱۱۳۶ء

۱۷ | شیخ ابومنصور سعید بن محمد بن عمر المعروف بالرزاز متوفی ۵۳۹ھ / ۱۱۴۴ء

۱۸ | عبدالرزاق بن عبداللہ بن علی بن اسحق طوسی برادر زادہ خواجہ نظام الملک ۵۱۵ھ تک یہیں رہا پھر سلطان سنجر سلجوقی کا وزیر ہو گیا متوفی ۵۱۵ھ / ۱۱۲۱ء

۱۹ | محمد بن عبداللطیف بن محمد بن ثابت بن الحسن بن علی ابوبکر الخجندی متوفی ۵۵۲ھ / ۱۱۵۷ء

۲۰ | شیخ ابوالنجیب سہروردی صوفی، زاہد، فقیہ متوفی ۵۶۳ھ / ۱۱۶۷ء

۲۱ | ابوطالب المبارک بن المبارک کرخی، خوشنویس درجہ اعلیٰ متوفی ۵۸۵ھ / ۱۱۸۹ء

۲۲ | فخر الدین ابوالقاسم محمود بن المبارک بن علی بن المبارک بن الحسن عراقی متوفی ۵۹۲ھ / ۱۱۹۵ء

۲۳ | مجد الدین یحییٰ بن الربیع بن سلمان بن حراز بن سلمان العدوی العمری متوفی ۶۰۶ھ / ۱۲۰۹ء

۲۴ | قاضی ابوبکر ابن القاسم بن المظفر قاضی تکریت متوفی ۶۱۸ھ / ۱۲۲۱ء

۲۵ | محمد بن واثق بن علی بن الفضل ابن ہبۃ اللہ بغدادی متوفی ۶۲۳ھ

۲۶ | عبداللہ بن ابی الوفا، محمد بن الحسن متوفی ۶۵۴ھ

۲۷ | محمود بن احمد بن محمود ابوالمناقب زنجانی متوفی ۶۵۶ھ

مُعید ۲ | ۱ الحسن بن علی بن محمد (بزمانہ مدرسی اسعد مہینی)

۲ | عبداللہ بن یوسف بن عبدالقادر آذربائیجانی

۳ | احمد بن یحیی بن عبدالباقی بن عبدالواحد بن محمد بن عبداللہ بن عبیداللہ بن عبدالرحمن ابوالفضل زہری بغدادی المعروف بابن شقران (صوفی، واعظ) متوفی ۵۶۰ھ

۴ | السدید محمد بن ہبۃ اللہ بن عبداللہ السلماسی فقیہہ متوفی ۵۷۴ھ

۵ | علی بن ابی المکارم بن فتیان۔ ابوالقاسم دمشقی متوفی ۵۷۹ھ

۶ | احمد بن عمر بن الحسن کردی۔ ابوالعباس المعروف بالوجیہ متوفی ۵۹۱ھ

۷ | منصور بن الحسن بن منصور۔ امام ابوالمکارم زنجانی متوفی ۵۹۷ھ

۸ | ابوالحسن علی بن علی بن سعادت فقیہہ متوفی ۵۹۸ھ

۹ | ابوحامد محمد بن یونس بن محمد بن منعۃ بن مالک بن محمد الملقب عماد الدین فقیہہ متوفی ۶۰۸ھ

مفتی۔ ۳ | ۱ شیخ رضی الدین ابوداؤد سلیمان بن المظفر شافعی

واعظ۔ ۴ | ۱ احمد بن محمد بن حسن بن محمد بن ابراہیم ابوبکر الغورکی، امام ابوبکر بن فورک کے نواسہ تھے۔ نیشاپور سے بغداد آکر سکونت اختیار کر لی تھی۔ خدمت وعظ کے علاوہ اشعری علم کلام پر درس بھی دیا کرتے تھے متوفی ۴۷۸ھ

۲۔ امام ابونصر بن استاد ابوالقاسم قشیری کا وعظ بھی بڑے معرکہ کا تھا ۴۶۹ھ میں آپ نے مدرسہ میں وعظ کہا چونکہ امام صاحب اشعری تھے لہذا حنابلہ سے جنگ ہو گئی اور دونوں نظامیہ میں بڑی خونریزی ہوئی، اس جنگ و جدال میں ایک فریق علامہ ابواسحٰق شیرازی بھی تھے (کامل جلد ۱ صفحہ ۳۹)

۳۔ اردشیر بن منصور ابوالحسین واعظ عبادی مروزی۔ بڑے فصیح اللسان واعظ تھے علامہ غزالی اور مشاہیر صوفیہ وعظ میں شریک ہوا کرتے تھے تاریخ کامل میں صرف ایک مجلس وعظ کا بیان ہے جو جمادی الاولیٰ ۴۸۶ھ میں ہوئی تھی۔

۴۔ ابومنصور محمد بن محمد بن سعد بن عبداللہ الہروی فقیہہ متوفی ۵۱۱ھ

۵۔ احمد بن اسمٰعیل بن یوسف بن محمد بن العباس قزوینی طالقانی بڑے زبردست واعظ تھے جب منبر پر بیٹھتے تو حاضرین سے روایت کرتے اور جب خواہش سامعین حال روایت جن کتاب و تفسیر کی فرمائش کی جاتی اسی کے مطابق بیان شروع ہو جاتا تھا حافظ عمر بن ... بابا تھا متوفی ۵۹۰ھ۔

اس عہد میں یہ عام دستور تھا کہ بعد نماز جمعہ ہر جامع مسجد اور مدرسہ نظامیہ میں وعظ ہوا کرتا تھا ابن جبیر نے حالات بغداد میں، شیخ جمال الدین ابی الفضل بن علی الجوزی، شیخ رضی الدین قزوینی، امام شافعیہ اور مدرس مدرسہ نظامیہ کے وعظ کا مفصل بیان لکھا ہے چنانچہ شیخ رضی الدین کے وعظ کا حال ہم نقل کرتے ہیں جس سے مجلس وعظ کی بعض خصوصیات کا

حال معلوم ہوگا۔

میں[۱] پہلی مرتبہ شیخ رضی الدین قزوینی کی مجلس وعظ میں شریک ہوا۔ یہ شخص علوم دین میں اس نواح کے علماء سے مشہور اور ممتاز ہیں۔ پانچویں صفر ۵۸۰ھ ۱۱۸۴ء کو جمعہ کے دن مدرسہ نظامیہ میں مجلس وعظ ہوئی۔ واعظ جب منبر پر چڑہا۔ تو قاریوں نے منبر کے سامنے کرسیوں پر بیٹھکر بڑی خوش الحانی سے قرأت شروع کی۔ اس کے بعد شیخ نے بہت متانت اور وقار سے خطبہ پڑہا اور علوم وفنون میں متل تفسیر وحدیث کے گفتگو شروع کی۔ گفتگو میں ہر طرف سے علمی مسائل پر سوال ہونے لگے۔ شیخ نے معقول جوابوں سے سب کی تسکین فرمائی۔ اور چشم وابرو سے کسیطرح کا انقباض ظاہر نہیں ہوا بعض نے تحریری سوال پیش کیے، ان سب کو اپنے ہات میں لیکر ہر ایک کا جواب لکھکر حوالے کیا۔ یہ مجلس نہایت خیر وبرکت کی تھی۔ متحمل سے متحمل آدمی کے بھی بے اختیار آنسو جاری تھے۔ خصوصاً اختتام کے وقت تو لوگ بیقرار ہوگئے۔ آنکھوں سے مینھ برسانے لگے، چاروں طرف سے توبہ کا شور بلند ہوا۔ اکثر نے شیخ کے ہات پر توبہ کی اور بہت سی پیشانیوں کے بال تراشے گئے۔ (اس زمانہ کا یہ بھی دستور تھا کہ جب مجلس وعظ میں خوب رقت ہوتی اور لوگ توبہ واستغفار کرنے میں مشغول ہوتے تو بعض سامعین واعظ کے سامنے اپنی گردن جھکا دیتے۔ اور واعظ اپنے ہات سے پیشانی کے کسیقدر بال تراش دیتا اور سر پر دست شفقت پھیر کر اُس کے واسطے دعاے خیر کرتا۔) اس کے بعد مجلس ختم ہوئی۔"

ناظروقف ۵ | ۱ خواجہ ابو نصر احمد بن نظام الملک۔

---

[۱] ترجمہ سفرنامہ ابن جبیر صفحہ ۱۹۵

٢ | الحسن بن سعد بن الحسن الکوخی (رمائے نو بصرہ)

٣ | محمد بن عبداللطیف بن محمد بن عبداللطیف الخجندی۔

٤ | محمد بن علی بن ابو نصر احمد بن نظام الملک۔

٥ | عبدالودود بن محمد بن المبارک بن علی (معید) متوفی ٦١٨ھ / ١٢٢١ء

٦ | عبدالرحیم بن محمد بن حسن ابوالرضا سبط ابوالقاسم بن فضلان (معید) متوفی ٦٢٩ھ / ١٢٣٢ء

متولی ٦ | ابوسعد عبدالرحمن اصول الله، علامہ میں زبردست عالم تھے بعد وفات شیخ ابواسحٰق مدرس مقرر ہوئے اور ٤٧٦ھ میں معزول ہو گئے کیونکہ خواجہ نظام الملک ابوسعد سے ناراض تھا لیکن ابن صباغ کے بعد پھر مقرر ہوئے اور اخیر عمر تک رہے مگر ابوسعد سے [illegible] خوش نہ تھے متوفی ٤٧٨ھ / ١٠٨٦ء

مدرس نظامیہ ٧ | ١ ابو اسحٰق ابراہیم بن یحییٰ بن عثمان بن محمد کلبی۔

٢ | یاقوت مہذب الدین مشہور شاعر متوفی ٦٢٢ھ / ١٢٢٥ء

٣ | علامہ خطیب تبریزی مصنف شرح حماسہ، سبع معلقات وغیرہ امام ہو کر علوم ما وراء سے تھے لہذا علم ادب کا درس بھی دیا کرتے تھے متوفی ٥٠٢ھ / ١١٠٩ء

٤ | قاضی بہاء الدین بن شداد، چار سال تک معید رہے پھر سلطان صلاح الدین کی خدمت میں چلے گئے اور وہاں قاضی عسکر مقرر ہو گئے قاضی صاحب نے سلطان کی سوانح عمری بھی لکھی ہے جو چھپ گئی ہے اور انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

نظامیہ بغداد کے ماتحت مدارس

نظامیہ بغداد کے افتتاح کے بعد تمام ممالک محروسۂ دولت سلجوقیہ میں مدرسے کھل گئے تھے کوئی بڑا شہر ایسا نہ تھا جس میں مدرسہ نہو۔ جو مدرسے خواجہ نظام الملک نے قائم کیے وہ سب نظامیہ کہلائے۔ اور اپنے شہروں کی نسبت سے مشہور ہوئے۔ نظامیہ کے علاوہ ہر بڑے شہر میں امراء و رؤسا کے مدارس موجود تھے لیکن ہم اُن کے تاریخی حالات سے بحث نکریں گے۔ نظامیہ بغداد اپنے عہد میں ایک اسلامی یونیورسٹی (بیت العلوم) تھی جس کے ماتحت بکثرت مدارس (کالج) تھے۔ اور خواجہ نظام الملک کے عہد وزارت میں اس کا سب سے نمایاں کارنامہ اجراے نظامیہ بغداد ہی۔ یہی نظامیہ تھا جس کی اعلیٰ تعلیم و تربیت نے، اس عہد کے مسلمانوں کو ایک زندہ قوم بنا دیا تھا۔ ہندوستان کے مسلمان بھی اگر چاہتے ہیں کہ ان کا علمی عہد سعادت اور شاندار زمانہ ماضی پھر واپس آجائے۔ اور وہ ایک زندہ قوم کی حیثیت سے دنیا میں ممتاز ہو کر رہیں تو اُنکا پہلا فرض ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے قومی کالج، مدرستہ العلوم علی گڑھ کو جس طرح ممکن ہو یونیورسٹی کے درجہ تک پہنچادیں۔ یہی یونیورسٹی انشاء اللہ ان کی سود و بہبود اور قوت و عظمت کا ذریعہ ہوگی۔ بسبیل تذکرہ یہ چند سطریں لکھی گئی ہیں۔ امید ہو کہ اس کتاب کے ناظرین بھی اس قومی مسئلہ پر توجہ کریں گے اور اپنی فیاضی سے مدرستہ العلوم کو محروم نہ رکھیں گے۔ نظامیہ کے ماتحت مدارس کے مختصر حالات حسب ذیل ہیں۔

نظامیہ نیشاپور (۱)

صوبہ خراسان کا مشہور شہر ہے کتب جغرافیہ میں وہ باب المشرق کے خطاب سے ممتاز ہے۔ یہ شہر ہمیشہ دارالعلم اور معدن فضل و کمال رہا ہے فقہ، حدیث، ادب، تاریخ، لغت کا مرکز تھا اس شہر کے علماء کا حصر و شمار نہیں ہوسکتا ہے چونکہ طغرل بیگ اور الپ ارسلان سلجوقیوں نے نیشاپور کو دارالسلطنت بنایا تھا اس لئے خراسان میں یہ نہایت آباد شہر تھا اور بڑے بڑے مدرسے جاری تھے لیکن سرکاری مدرسہ کوئی نہ تھا۔ لہذا[۲] امام الحرمین کی واپسی پر (امام صاحب حرم سے تشریف لائے تھے) خواجہ نظام الملک نے خاص امام صاحب کے لیے ایک شاندار مدرسہ بنایا اور امام الحرمین مسلسل تیس سال تک اس مدرسہ میں درس دیتے رہے امام صاحب کے حلقہ درس میں روزانہ تین سو کا مجمع رہا کرتا تھا جس میں طلبہ اور علما دونوں ہوتے تھے نظامیہ بغداد سے یہ مدرسہ دوسرے درجہ پر تھا ہر جمعہ کی نماز کے بعد وعظ ہوا کرتا تھا اس مدرسہ کی فضیلت میں یہی کہنا کافی ہوگا کہ علامہ امام غزالی طوسی جیسے نحریر روزگار عالم اسی مدرسہ کے ایک نامور طالب علم تھے مدرسہ کے مشہور شیوخ حسب ذیل ہیں

عبدالملک بن عبداللہ بن یوسف بن محمد بن عبداللہ بن حیویہ جوینی المعروف بامام الحرمین ابوالمعالی، متوفی ۴۷۸ھ

عبدالواحد بن عبدالکریم بن ہوازن مدرس و واعظ متوفی ۴۹۴ھ

۱؎ طبقات صفحہ ۲۴۹ جلد ۳ ۔ ۲؎ امام الحرمین کے مفصل حالات حصہ اول کتاب ہذا میں درج ہیں

۳۔ حجۃ الاسلام امام غزالی طوسی دمشق کے سفر سے واپس آکر قیام کیا۔ پھر طوس میں تا مِس ایک اپنا مدرسہ جاری کیا۔[1] متوفی ۵۰۵ھ / ۱۱۱۱ء۔

۴۔ مسعود بن احمد بن محمد بن المظفر الخوافی متوفی ۵۵۶ھ / ۱۱۶۱ء

۵۔ ابو المعالی مسعود بن محمد بن مسعود المعروف بہ قطب الدین نیشاپوری متوفی ۵۵۸ھ / ۱۱۹۱ء

نظامیہ اصفہان (۲)

عراق عجم میں اصفہان بھی اول درجہ کا شہر ہے۔ ایرانیوں نے اس کی تعریف میں بہت مبالغہ کیا ہے۔ اصفہان کے منجم اور طبیب مشہور ہیں لیکن دیگر ارباب کمال کی بھی کمی نہیں ہے جس کی علمی تاریخ شاہد ہے۔ یہ ملک شاہ سلجوقی کا دارالسلطنت تھا اور اس میں نہایت شاندار عمارتیں بنائی گئی تھیں خصوصاً قلعہ تبرک، تاریخی شہرت رکھتا ہے۔ علمی مدرسے بھی بکثرت تھے مگر خواجہ نظام الملک نے یہاں بھی مدرسہ بنایا۔ اس کا درجہ نظامیہ نیشاپور کے بعد تھا۔ مشہور مدرس حسب ذیل ہیں۔

۱۔ محمد بن ثابت بن الحسن بن علی بن ابوبکر خجندی متوفی ۴۸۳ھ / ۱۰۹۰ء

۲۔ ابو سعید احمد بن محمد بن ثابت خجندی رئیس شافعیہ متوفی ۵۳۱ھ / ۱۱۳۶ء

۳۔ الحسن بن محمد بن الحسن بن احمد بن یحییٰ بن ثابت الورکانی المعروف شیخ فخر الدین ابو المعالی متوفی ۵۵۹ھ / ۱۱۶۴ء

---

[1] تمس الاسلام کیا ہرسی کے انتقال پر نظام الدین احمد بن نظام الملک نے امام صاحب کو نظامیہ بغداد کے لیے طلب کیا تھا مگر امام صاحب معذرت کی اور طوس سے نہ گئے۔ مراسلت مجموعہ خطوط امام صاحب میں حسب تفصیل ہے درج ہے۔ دیکھو فضائل الانام من رسائل حجۃ الاسلام صفحہ ۴۴-۴۲

نظامیہ مرو (۳)

ماوراء النہر اور اصفہان کے بعد مرو کا درجہ ہے۔ شہر مرو شاہجہان اور مرو شاہجہان کے نام سے تاریخ میں مشہور ہے۔ اس سرزمین پر بڑی خونریزیاں ہوئیں اور اس کی تاریخ واقعات عبرت انگیز سے مالامال ہے۔ خلیفہ مامون الرشید عباسی کے عہد میں یہ تا آخر دار السلطنت رہا۔ آخر سلطان سنجر سلجوقی نے دار السلطنت بنایا۔ مرو کی ہمیشہ علمی مرکز رہا ہے۔ اس مدرسہ کے اساتذہ میں اسعد بن محمد بن ابی نصر ابو الفتح المیہنی مشہور ہیں۔

نظامیہ خوزستان (۴)

خوزستان مشہور صوبہ ہے جس کے حدود عراق عرب، کردستان اور فارس سے متصل ہیں۔ شستر، اہواز، عسکر مکرم اس کے مشہور شہر ہیں۔ اس صوبہ میں چودہ (۱۴) شہر ہیں۔ معلوم نہیں کہ خواجہ کا مدرسہ کس شہر میں تھا۔ مگر تاریخ کامل میں نظامیہ خوزستان لکھا ہے اور اس کے مدرسین میں یوسف دمشقی متوفی ۵۶۳ھ کا نام مشہور ہے۔

نظامیہ موصل (۵)

موصل اسلامی شہر ہے اور لطف خدا آباد ہے۔ یہاں کا قلعہ اور شہر پناہ ضرب المثل ہے اور عرب کے شہروں میں سے مشہور ہے۔ مدرسہ نظامیہ موصل کے مشہور شیوخ یہ ہیں

۔احمد بن نصر بن الحسین ابو العباس انباری معروف بہ شمس الدین متوفی ۵۹۹ھ
۔ابو حامد محمد بن القاضی کمال الدین شہرزوری متوفی ۵۸۲ھ۔
۔محمد بن ابی الفرج بن معالی بن برکتہ بن الحسین ابو المعالی (معید) متوفی ۶۲۱ھ

نظامیہ جزیرہ ابن عمر (۶)

شہر موصل[1] سے تین دن کی مسافت پر یہ جزیرہ واقع ہے۔ سفرنامہ ابن بطوطہ میں لکھا ہے کہ یہ شہر بہت بڑا ہے۔ اور چونکہ اس کے چاروں طرف ایک ندی محیط ہے اس لیے وہ جزیرہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس شہر کا بڑا حصہ ویران ہے۔ مگر سب باشندے ارباب فضل وکمال ہیں" بہر حال یہ جزیرہ دنیا کے ایک گوشہ میں گمنامی کی حالت میں پڑا تھا لیکن خواجہ نظام الملک کی علمی فیاضی سے یہ جزیرہ بھی محروم نہ رہا۔ مصنف روضتین[2] نے لکھا ہے کہ آج کل یہ رضی کے نام سے مشہور ہے۔ اس مدرسہ کے اور مزید حالات معلوم نہیں ہوئے۔

نظامیہ آمل (۷)

آمل، مازندران کا شہر ہے۔ اور طبرستان کے ذیل میں اس کے حالات کتب جغرافیہ میں تحریر ہیں۔ ایک عورت آملہ[3] کی یادگار میں بنایا گیا تھا لہذا آمل مشہور ہوا۔ اور ہمیشہ سبزگاہ سلاطین ایران رہا ہے۔ آج بھی موجود ہے۔ آثار قدیمہ میں قلعہ کا ایک حصہ باقی ہے جہاں قا[4]فلے

[1] المعجم حالات جزیرہ ابن عمر [2] روضتین صفحہ ۲۰۵ [3] گنج دانش

ٹھہرتے ہیں مدرسہ نظامیہ کے مدرس ہبۃ اللہ بن سعد بن طاہر الرومانی متوفی [illegible] مشہور ہیں

نظامیہ بصرہ (۸)

عراق عرب میں بغداد کے بعد بصرہ کا مرتبہ تھا۔ یہ خاص اسلامی شہر ہے جو فاروق اعظم کے عہد میں آباد ہوا۔ کسی زمانہ میں یہ علم نحو کا گھر تھا بصرہ کے نحوی امام فن اور مجتہد مانے جاتے تھے اور جب انحطاط کا زمانہ آیا تو ابن بطوطہ نے سفرنامہ میں عجائبات لکھا ہے کہ امام جامع مسجد جمعہ کا خطبہ غلط پڑھا کرتا رہا تھا گویا بصرہ میں کوئی نحوی باقی نہ تھا۔ خلفاء عباسیہ کے عہد کے بعد واقعی بصرہ میں جہالت چھا گئی تھی اور یہاں علمی روشنی کی ضرورت تھی جو مدرسہ نظامیہ سے وجود پذیر ہوئی۔ ابن الجوزی کی روایت ہے کہ نظامیہ بصرہ کی عمارت وسعت میں نظامیہ بغداد سے بڑی تھی اور حضرت زبیر بن العوام کے مزار کے متصل واقع تھا۔ معتصم باللہ کے آخر زمانہ میں مدرسہ برباد ہوا اور اس کا تمام سامان بغداد میں منتقل ہو گیا۔ فخر الاسلام شاشی کے داماد اور علامہ ابو اسحٰق شیرازی کے شاگرد محمد بن عمان بن حامد بن الطیب ابو الفضل ایک زمانہ تک درس دیتے رہے انہوں نے [illegible] میں وفات پائی۔

نظامیہ ہرات (۹)

افغانستان کے شمال میں ہرات واقع ہے۔ عہد سلجوقیہ میں یہ شہر صوبہ خراسان میں بہت مشہور تھا خواجہ نظام الملک نے جب مدرسہ بنایا تو مدرسہ کے لیے محمد بن علی بن حامد کو غزنین سے طلب کیا تمام شہر کو سخت صدمہ ہوا مگر مجبوراً وزیر اعظم کے حکم سے علامہ کو ہرات

جانا پڑا اور وہیں ۵۰۹ھ / ۱۱۱۵ء میں انتقال کیا۔

نظامیہ بلخ (۱۰)

صوبہ خراسان میں بلخ ایک قدیم شہر ہی۔ منوچہر بن ایرج بن فریدوں نے آباد کیا تھا۔ آتشکدہ نوبہار اسی جگہ تھا جس کے متولی برامکہ تھے۔ عہد سلجوقیہ میں بہت آباد تھا چنانچہ سلطان سنجر سلجوقی کی مسجد کے آثار ہنوز موجود ہیں۔ مدرسہ نظامیہ بلخ بہت مشہور ہوا۔ اور صدیوں تک قائم رہا مشہور مدرس حسب ذیل ہیں۔

عبداللہ بن طاہر بن محمد بن شہفور اسفرائنی متوفی ۴۸۸ھ / ۱۰۹۵ء

عبداللہ بن عمر بن محمد بن الحسین بن علی ابوالقاسم بن الظریف بلخی۔

عمر بن احمد بن اللیث الطالقانی ابوحفص متوفی ۵۳۷ھ / ۱۱۴۲ء۔

نظامیہ طوس (۱۱)

صورالاقالیم تاریخ خراسان کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہی کہ خواجہ نے سب سے اول ایک مختصر مدرسہ طوس میں بنایا تھا۔ اور اس کے بعد نظامیہ بغداد تعمیر کیا۔ اگر ایسا ہو تو تعجب نہیں کیونکہ طوس خواجہ کا وطن اور مولد تھا اور ہر انسان کو سب سے اول اپنے گھر کی فکر ہوتی ہی اس مدرسہ کے تفصیلی حالات نہیں معلوم ہو سکے۔"

افسوس ہی کہ نظامیہ کے ماتحت مدارس میں ہم نے صرف گیارہ مدرسوں کا ذکر کیا ہی حالانکہ

تمام دنیا اس دمشق میں کہ عراق عرب، عجم، شام، بیت المقدس، دیاربکر وغیرہ میں کوئی ایسا
شہر نہ تھا جہاں خواجہ نظام الملک نے مدرسہ بنایا ہو لیکن مورخین کی کوتاہی سے آج ہم
صرف شہروں کی فہرست بھی پیش نہیں کر سکتے ہیں خواجہ نظام الملک کی سوانح عمری کو ہم نے
طوس کے ذکر سے شروع کیا تھا اور آج طوس پر کتاب کا خاتمہ کرتے ہیں

تم الکتاب بحمد اللہ وفضلہ وعونہ وحسن توفیقہ وصلی اللہ علی سیدنا
محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم

تمام شد

ضمیمہ

ترکمانی صولت اور مغلی جلادت ہم میں تھی
عزم کردی ہم میں تھا بدوی حمیت ہم میں تھی

تذکرہ ملکشاہ سلجوقی

خواجہ نظام الملک کی سوانح عمری ختم ہوگئی۔ وزارت سے جسقدر سلطنت کا تعلق تھا، اُس کا بھی مجمل و مفصل بیان ہو چکا۔ لیکن ملک شاہ "رائل ہیروز آف اسلام" (نامور فرمانروایان اسلام) میں عموماً اور طبقہ سلاجقہ میں خصوصاً ایک ممتاز درجہ رکھتا ہے۔ اور سلاجقہ عراق میں تو "واسطۃ العقد" کا تمغہ خاص اسی کے لیے ہے۔ لہذا مختصر پیمانہ پر ملک شاہ کی سوانح عمری پیش کی جاتی ہے۔ اور مفصل تذکرہ کے لیے ناظرین کو ہماری "تاریخ آل سلجوق" کا انتظار کرنا چاہیے جس کا ایک معتدبہ حصہ لکھا جا چکا ہے۔

نسب نامہ ولادت تعلیم و تربیت تخت نشینی | ملک شاہ سلطان الپ ارسلان سلجوقی کا سب سے بڑا بیٹا اور چغری بیگ، داؤد کا پوتا ہے۔ دولت سلجوقیہ میں عروج و اقبال و عظمت و جلال کا ملکشاہ کی ذات پر خاتمہ ہو گیا۔ یہ فخر خاندان بتاریخ ۱۹۔ جمادی الاول ۴۴۷ھ (جولائی ۱۰۵۵ء) پیدا ہوا[۱]۔ اور الپ ارسلان

---

[۱] آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۴۲

کے سایہ عاطفت اور خواجہ نظام الملک کی اتالیقی میں تربیت پذیر ہوا مشاہیر علما اس کے معلم
تھے۔ تاریخوں[1] میں لکھا ہے کہ ملک شاہ عربی، فارسی، علم و شعر پر قادر تھا اور شعر و سخن سے خاص
دلچسپی رکھتا تھا[2] اور باوجود کم عمری کے حسن ظاہری کی طرح صفات باطنی میں بھی شمار تھا عقل و دانش
کے ساتھ شجاعت پائی جاتی تھی ملک شاہ ہنوز سترہ سالہ نوجوان تھا کہ سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا
نو عمری میں سریر سلطنت پر پاؤں دھرے اور چتر شاہی تاج پر جلوہ افگن ہوا دسویں ربیع الاول
۴۶۵ھ (دسمبر ۱۰۷۲ء) کو رسم تاج پوشی عمل میں آئی اور تخت نشینی کے بعد[3] سلطان العادل
جلال الدولہ ابو الفتح ملک شاہ کے نام سے مشہور عالم ہوا۔ اور خلافت بغداد سے مسند
حکومت کے ساتھ یمین امیر المومنین کا معزز خطاب بھی مرحمت ہوا۔ حرمین، آمد،
بغداد، عراقین، ماوراء النہر اور شام میں ملک شاہ کا خطبہ پڑھا گیا اور ملک میں سکہ جاری ہوا

حدود سلطنت — ملک شاہ[4] کے زمانہ میں معین السلطنت خواجہ نظام الملک کی بدولت سلطنت
کو فوق العادت ترقی ہوئی ماوراء النہر سے چین تک اور حدود دمشق سے اقصائے شام تک
سلجوقی پھریرا اڑتا تھا سلطنت روم باجگزار تھی قیصر تین لاکھ دینار سالانہ اور تیس ہزار جریاں
ادا کرتا تھا قسطنطنیہ کی ٹکسال کے طلائی و نقرئی سکے نیشاپور اور اصفہان کے بازاروں میں
چلتے تھے مختصر یہ کہ خلفائے متقدمین کے بعد اسلام میں دولت سلجوقیہ سے بڑی سلطنت نہیں

---

[1] نامہ دانشوران ناصری صفحہ ۲ تاریخ علم ادب فارسی پروفیسر براؤن [2] ملک شاہ کی رباعی تذکروں میں ثابت ہیں جن سے اسکا
معلوم ہوتا ہے [illegible]
[3] آل سلجوق حالات ملک شاہ [4] آل سلجوق کا حال آثر [illegible]

بغاوت و فتوحات | تخت نشینی کے بعد سلطان کے چچا تاوردبیگ نے بغاوت کی اور شکست کھائی ۴۶۵ھ میں حقیقی بھائی تکش برسرِ مقابلہ ہوا، اور ذلّت اُٹھا کر صلح پر فیصلہ کیا۔ ۴۸۲ھ میں سلیمان خاں، خاقانِ سمرقند نے سرکشی کی جس کے لیے خود سلطان کو جانا پڑا تھا۔ جنگ اور نتیجہ کی تصویر ملک الشعرا امیر معزی نے اس طرح پر کھینچی ہے۔

فتح سمرقند

خدای ہرچہ دہد بندہ را ز فتح و ظفر — بدین پاک دہد یا بہ عقل یا بہ ہنر
بہ بیں کہ از ظفر تیغ شہ بشرق و بغرب — ہزار گونہ دلیل است و صد ہزار اثر
چو زآب جیحوں بگذشت روزگار نبرد — کشید تا بسمرقند رایت و لشکر
کشادہ کرد سمرقند را بروز نخست — بچشم عدل سوے خاص و عام کرد نظر
چو دید خصم کہ دادند شہر و آمد شاہ — گرفت راہ حصار و ز شاہ کرد حذر
ز بہر او سپہے بر حصار گرد شدند — ہمہ سپہر تن و خاک جسم و کوہ جگر
سپاہ خویش پراگندہ کرد گرد حصار — روانہ گشت ز ہر سو مبارزے دیگر
غبار تیرہ چو ابر و خدنگ چوں باراں — سنان نیزہ چو برق و تبیرہ چوں تندر
فرو گرفتہ حصارے کہ گر کنم صفتش — دراں صفت سخنم بگذرد ز وہم و فکر
چنانش کرد کہ بینندہ گفتی اے عجبا — مگر ز زلزلہ شد ایں حصار زیر و زبر
ہم از حصار کشیدند شاں بحضرت شاہ — چنانکہ اہل گنہ را کشند در محشر
ہمہ ز کردہ پشیماں شدند و در مثل است — کسے کہ بد کند آخر ز بد کشد کیفر

اگر کشادن روم و عرب عجائب بود
کنون کشادن چین و چگل عجائب تر

حسب[1] سلیمان خان گرفتار ہو کر سامنے لایا گیا سلطانی کا فاشلہ اس کے کندھوں پر رکھا گیا
اور سر پر ایک سپاہی (بنام موضع) سے خاقان کے محلات تک ہمراہ رکاب دوڑتا ہوا آیا، بعد
سمرقند سے اصفہان کے قلعہ میں روانہ کر دیا گیا اور وہاں عرصہ تک قید رہا۔ سلیمان کی گرفتاری
کی انتہائی سرگرمی درمیان فتح ممالک کے بعد تاج بخشی ملک شاہ کا خاصہ تھا جیسا کہ قیصر روم اور
دیگر حاکمین و سرداران عرب کے ساتھ کیا گیا ملک شاہ کے عہد میں سعادتیں کثرت اور نوبت بہا
اکثر ہوئیں امیر اتسز کی سپہ سالاری میں روم پر فوج کشی ہوئی، قیصر نے خراج دینا تسلیم کر لیا
تاج الدولہ تتش (برادر سلطان) نے حلب، حران، رہا، قلعہ جابر، منبج، لاذقیہ، کفرطاب،
حامیہ پر قبضہ کر کے ملک شام کو مستحکم کر دیا سعد اللہ گوہر آئین نے رسید و عدن اور بلاد یمن کو
فتح کیا مصر و بلاد مغرب پر بھی فوج کشی ہوئی اب ان فتوحات کو نقشہ میں دیکھو تو معلوم ہوگا کہ شرق
سے بیت المقدس تک طول میں اور قسطنطنیہ سے بلاد الخزر تک عرض میں سلطنت پھیلی ہوئی ہے

ملکی دورہ

ملک شاہ کو سیر و سیاحت کا بہت شوق تھا جس کی مفصل رسالہ ملکشاہی[2] میں ہے،
روضۃ الصفا میں لکھا ہے کہ "سلطان نے انطاکیہ سے حدود ما وراء النہر تک دو مرتبہ دورہ کیا"
اور مؤرخین صاحب لکھتے ہیں کہ "ملک شاہ نے ملک کے اس حصہ میں جس پر کبھی دور خلفاء میں حکم ان تھے

[1] آل سلجوق صفحہ ۲۲ و ۲۳ [2] آل سلجوق صفحہ ۲۲۶ [3] ابن خلدون [4] رسالہ ملکشاہ کا سفرنامہ ہے جو خود اس نے
لکھا ہے اس کتاب کے حوالے تاریخوں میں کئے ہیں ایک نسخہ انڈیا آفس لندن میں ہے

بارہ مرتبہ دورہ کیا"۔ لیکن سرجان مالکم صاحب کی رائے کے مطابق "اس سیر و سیاحت سے وہ ممالک خارج ہیں جو سلطان کے باجگزار اور زیر اثر تھے۔ اور اگر وہ شامل کیے جائیں تو بارہ مرتبہ ان میں دورہ کرنا محال ہے۔ ہمارے نزدیک بھی یہ رائے صحیح ہے۔ سلطان نے صرف عراق عجم اور عرب کے مشہور شہروں کا دورہ کیا تھا۔ ٤٧٩ھ میں کرمان کا سفر کیا۔ اور تین مرتبہ دار السلام بغداد میں حاضر ہوا جس کی تفصیل یہ ہے۔

١۔ اول مرتبہ چوتھی ذی الحجہ ٤٧٩ھ (مارچ ١٠٨٧ء) کو داخل بغداد ہوا۔ وزیر السلطنت ابو شجاع نے خلیفہ المقتدی بامر اللہ کی طرف سے شاندار استقبال کیا۔ داخلہ کے تیسرے دن سلطان نے حلبہ (شرقی بغداد میں باب الازج کے قریب ایک بڑا محلہ ہے) میں پولو (چوگان بازی) کھیلا۔ خلیفہ نے عمدہ عمدہ گھوڑے نذرانہ میں پیش کیے۔ اور ٢٧ محرم ٤٨٠ھ (اپریل ١٠٨٧ء) کو قصر خلافت میں سلطان نے خلیفہ سے ملاقات کی اور تقریباً چالیس ارکان سلطنت و رشتہ داران سلطان خلیفہ کے حضور میں نام بنام پیش کیے گئے۔ سلطان کو سات پارچہ کا خلعت اور طوق و کنگن مرصع مرحمت ہوا۔ اور دو تلواریں گلے میں حمائل کی گئیں جس کے شکریہ میں سلطان آداب بجا لایا اور مسندہ شریفہ کو دو مرتبہ بوسہ دیا۔ اسی زمانہ میں سلطان نے امام موسیٰ رضا، حضرت معروف کرخی، امام احمد بن حنبل اور امام ابو حنیفہ کے مزارات کی بھی زیارت کی۔ فاتحہ پڑھا۔ فقرا اور مساکین کو صدقات دیئے گئے۔ اور مہینہ صفر ٤٨٠ھ میں خراسان کو واپس گیا۔

٢۔ دوسری مرتبہ بتاریخ ٢٠ رمضان ٤٨٤ھ (اکتوبر ١٠٩١ء) پھر آیا۔ اور ٨ ذیقعدہ کو

سلہ ابن خلکان جلد اول حالات ملکشاہ۔ سلہ آل سلجوق صفحہ ٧٣، وکامل جلد ١٠ صفحہ ٥۔ سلہ کامل جلد ١٠ صفحہ ٧٠ و ٧٩

یعنی یکم جنوری ۱۰۹۲ء کو جامع سلطان کی بنیاد ڈالی بہرام منجم نے سمت قبلہ قائم کی
اور جس بنیاد رکھی دھوم سے کی گئی شعرا نے قصائد پڑھے خواجہ نظام الملک دو مہینہ بعد
تیسری مرتبہ ۱۰ رمضان ۴۸۵ھ (۲۸ اکتوبر ۱۰۹۲ء) کو بعد انتقال خواجہ نظام الملک
داخل بغداد ہوا اور اسی جگہ مہینہ شوال میں انتقال کیا۔

فوج سپاہی | مسٹر گبن نے دولت سلجوقیہ کے صرف سواروں کی تعداد سینتالیس ہزار لکھی ہے
اور زمانۂ خسرواں کی روایت ہے کہ دارالسلطنت میں ہر وقت پچاس ہزار سوار موجود رہتے تھے غالباً
انگریزی مورخوں نے ایسی ہی روایات پر قیاس کر لیا کہ فوجی قوت صرف اسی قدر تھی
ہر سلطنت میں دارالسلطنت کے علاوہ تمام صوبوں اور سرحدی چھاؤنیوں میں فوج رہا کرتی ہے
اور جس بادشاہ کی سلطنت اس قدر وسیع ہو اس کے پاس صرف چھیالیس سینتالیس ہزار سوار
ہوں یہ قرین قیاس نہیں ہے اگرچہ فیوڈل سسٹم کی وجہ سے فوج نظام دولت سلجوقیہ میں کم تھا
مگر باوجود اس کمی کے چار لاکھ مستقل فوج تھی جس میں غالباً سوار اور پیادے دونوں شامل ہوں گے
اور یہ تعداد خواجہ نظام الملک نے سیاست نامہ میں لکھی ہے اور اس کے علاوہ ضرورت کے وقت کافی
فوج مہیا ہو جاتی تھی اور باوجود کثرت فوج، کوچ و مقام میں ہر جنس کا سستا اور ارزاں رہنا تھا جس سے
محکمہ کمسریٹ کی خوبی کا اندازہ ہوتا ہے

خراج سلطنت | تمام سلطنت کی کس قدر آمدنی تھی ہمیں معلوم نہیں مگر سلطان کی ذاتی جاگیر
کی آمدنی اکیس ہزار تومان زرسرخ اور دس ہزار دینار صرف خاص تھا

لے ابن خلکان حالات ملکشاہ ۔ ۲ے مجمل بستان ۔

رفاہ عام | ملک شاہ کو رعایا کی فلاح اور ملک کی آبادی کا از حد خیال تھا۔ ہر ضلع میں شفاخانہ۔ سرائیں، مدارس موجود تھے۔

زراعت و تجارت | ترقی زراعت کے لیے تمام ملک میں نہروں کا جال پھیلا دیا تھا۔ اور ترقی تجارت کے لیے سڑکیں بنائی گئی تھیں جنگلوں میں سرائیں موجود تھیں پل بنائے گئے تھے اور حفاظت کے واسطے پولیس کی چوکیاں قائم تھیں۔

امن و امان | سلطان[1] کا عہد دولت نہایت پر امن تھا۔ ماوراء النہر سے اقصائے شام تک قافلے بلا خوف و خطر آتے جاتے تھے۔ اور یہی حالت اکا دکا مسافروں کی تھی۔ خوشحالی، رفاہیت اور امن و امان میں ملک شاہ کا عہد حکومت رومی، اور عربی[2] کی متوں سے کم نہ تھا۔

معافی چنگی | ترقی تجارت کی غرض سے سلطان نے تمام ملک کی چنگی معاف کردی تھی اور یہ محصول اس عہد میں مکوس کے نام سے مشہور تھا۔

فارسی علم ادب علم خط کی ترقی | آل سلجوق[3] کے ابتدائی دور میں دفتر عربی زبان میں تھا لیکن وزیر عمید الملک کندری نے فارسی میں تبدیل کر دیا تھا چنانچہ علاوہ دفاتر کے فارسی علم ادب کو بڑی ترقی ہوئی تھی۔ اور چونکہ ملکشاہ خود شاعر تھا لہٰذا مشاہیر شعرا کا دربار میں مجمع رہتا تھا اور ادبی ترقیات کے ساتھ خوشنویسی اور خطاطی کی طرف بھی عام توجہ تھی۔ کیونکہ اس عہد میں شاہزادوں اور امراء و وزراء کی اولاد کو خوشنویسی خاص طور پر سکھائی جاتی تھی۔ اور دفتر انشاء کی ملازمت کے لیے خوشنویسی لازمی تھی۔ چنانچہ خواجہ نظام الملک بھی خط نستعلیق اور رقاع میں استادی کا

[1] ابن خلکان و کامل [illegible] سر ہیں اُنٹ ازبیل سید امیر علی [illegible] کامل ابن اثیر ابن خلکان — [3] دولت شاہ سمرقندی

ماہِ نو، نوبہار، گرما افزا، روز افزوں، جہانتاب، جہاں آرا، مہرکاں، خزاں، شرر افزا، شب افروز، آتش افروز، سال افزوں۔[12]

داتی شوق | ملک شاہ کے روزمرہ کے مشاغل میں سب سے زیادہ دل خوش کن شکار کا شوق تھا۔ روضۃ الصفا میں لکھا ہے کہ ایران و توران کی شکارگاہوں میں سے کوئی ایسی جگہ باقی نہیں ہے، جہاں ملکشاہ کے نعلِ اسپ کے نشانات نہ ہوں"۔[13] شکار کا ایک باضابطہ رجسٹر تھا جس میں روزانہ شکار کی تعداد درج ہوا کرتی تھی۔ مصنف راحت الصدور نے خود اس رجسٹر کو دیکھا تھا جس کا نام "شکار نامہ" تھا۔ اور یہ رجسٹر مشہور شاعر ابو طاہر خاتونی مصنف مناقب الشعراء کا لکھا ہوا تھا"۔ ملکشاہ نے عمر بھر میں دس ہزار شیر شکار کیے۔ جو کمال تیر اندازی کی دلیل ہے۔ اور چونکہ شکار محض شوقیہ اور بلا ضرورت ہوا کرتا تھا۔ لہٰذا ملکشاہ نے خوفِ خدا سے ڈر کر یہ قاعدہ مقرر کر دیا تھا کہ فی شکار ایک دینار (پانچ روپیہ) صدقہ دیا کرتا تھا۔

شکار کی یادگار | تاریخ آل سلجوق میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ کوفہ میں سلطان کا قیام تھا کہ حج کے واسطے قافلہ روانہ ہوا۔ سلطان بھی بہ نظر حصول ثواب قافلہ کی مشایعت میں چلا اور چند منزلوں تک برابر چلا گیا۔ رستہ میں شکار بھی خوب ہوا تھا۔ لہٰذا سلطان نے حکم دیا کہ شکاری جانوروں کے سینگوں

---

[12] تاریخ علم ادب فارسی پروفیسر براؤن صاحب [13] تاریخ آل سلجوق میں لکھا ہے کہ سلطان کوفہ سے وادی العذیب گیا۔ وہاں سے سبعیہ پہنچا، پھر سبعیہ واقصہ گیا اور اسی جگہ مینار بنایا گیا۔ کوفہ سے مکہ معظمہ کو جاتے ہوئے یہ متعدد منزلیں ہیں چنانچہ واقصہ سے کوفہ تین دن کی راہ ہے اور یہ ایک کشادہ میدان ہے جہاں پانی کی افراط ہے۔ اور کتب جغرافیہ میں اس کا نام واقصۃ الحزون بھی ہے۔ اس جغرافیہ کا بیان ہے کہ اینٹوں کا منارہ ہے اور عمود کی شکل ہے۔ منارہ میں جو پہل اور ہشت پہل حاتم سندی کی ہوئی ہے۔ تمام منارہ پر ہرن کے سینگ نصب ہیں اور دور سے سیاہی (خارپشت) کی پیٹھ کی طرح چمکتا ہے۔

ایک مغنیہ سے بھی عقد کیا تھا۔ یہ مغنیہ گانا سنانے آئی تھی۔ مگر سلطان اس کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو گیا اور اپنی محبت کا اظہار کیا۔ مغنیہ سلطان کا منشا سمجھ کر بولی کہ حضور مجھ ایسی حسین عورت جہنم کا ایندھن بنے یہ میری غیرت تقاضا نہیں کرتی۔ اور حلال و حرام میں صرف ایک کلمہ ہی کا تفرق ہے۔ اس برجستہ جواب سے سلطان نے عقد کر لیا۔

محبت اولاد سلطان کو اپنی اولاد سے غیر معمولی محبت تھی۔ جب شاہزادہ داؤد کا انتقال ہوا، تو فرط غم سے تجہیز و تکفین ملتوی کر دی۔ جب نعش متعفن ہو گئی تو امراء نے دفن کی، اور سلطان کو ہلاکت سے بچایا۔ جب سنجر کی ولادت ہوئی، تب سلطان کا غم غلط ہوا۔[1]

خلفاء عباسیہ سے رشتہ داری سب سے اول ۴۵۴ھ میں طغرل بیگ نے اپنی بھتیجی ارسلان خاتون کا عقد خلیفہ القائم بامر اللہ سے کیا تھا۔ اور ۴۶۴ھ میں الپ ارسلان نے اپنی دختر صفری خاتون کا عقد المقتدی بامر اللہ سے کر دیا۔ اور ۴۸۰ھ میں ملکشاہ نے بھی اپنی ایک بیٹی کا عقد المقتدی سے کیا۔ یہ رشتہ داری خلفاء عباسیہ کی مذہبی عظمت اور ارادت کی بنا پر ہوئی تھی اور ملکی مصلحتیں بھی تھیں۔

منصف مزاجی معدلت گستری اور نصفت شعاری ملکشاہ کا خاصہ تھا۔ اور اس کا عام لقب سلطان العادل تھا۔ اس کا ہر فیصلہ انصاف پر مبنی ہوتا تھا۔ انصاف کے وقت رشتہ دار اور اغیار برابر تھے، تمام مورخین نے اس واقعہ کو بنظر استحسان لکھا ہے کہ سلطان کا حقیقی بھائی تکش باغی ہو کر مقابلہ کو آ رہا تھا۔ اور سلطان بھی مدافعت کو جا رہا تھا کہ راستہ میں مشہد امام علی بن

[1] کامل ابن اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۴۱ [2] کامل جلد ۱۰ صفحہ ۲۲ - ۴۱ [3] شادی کے تفصیلی حالات میں دیکھو کتاب ہذا حصہ اول صفحہ ۲۵۔

کے بعد کی تھی جس کی نسبت روضۃ الصفا میں لکھا ہے کہ خاقان اعظم نے عہد ہمایوں کا ڈولہ کی
سان شکوہ سے نشاپور روانہ کیا تھا اور جب یہ داخل شہر ہوئی ہے تو تمام شہر آراستہ کیا
گیا تھا ایک ہزار ترکی غلام ڈولہ کے جلو میں تھے اور ہر ایک کے ہاتھ میں ایک طشت زر
تھا جس میں مشک عنبر عود و کافور کی گولیاں جلوس پر نثار کیجاتی تھیں دوسرا عقد
ایک بیوی میں برکیارق خانوں سے خود سلطان نے کیا تھا یہ معزز اور معتمد بیگم تھی اور کی
اسلام میں داخل تھی محمود اسکا بیٹا تھا تیسرا عقد زبیدہ سے ہوا تھا جو ملک شاہ کے چچا یاقوتی
بن داؤد کی بیٹی تھی برکیارق اس کے بطن سے تھا اور خواجہ نظام الملک اسی کو ولیعہد سلطنت
کرنا چاہتا تھا اور ترکان خاتون اپنے نابالغ بیٹے محمود کو چاہتی تھی یہی بنا مخاصمت تھی جس نے
نظام الملک کو دربار سے معزول کرایا اور ملک شاہ کے انتقال پر یہی دونوں شاہزادے
خانہ جنگی کا باعث ہوئے۔ ملکشاہ نے قیصر روم الکسس کامنی نس کی جیسہ وحسلہ دختر سے
شادی کا پیام دیا تھا اور باوجودیکہ قیصر اس رشتہ کو مسرت سے منظور کرلیتا مگر سلطان کی قبل از
وقت موت نے مشرق و مغرب کے اتحاد کو روک دیا۔ الکس مسٹر گبن تحریر کرتے ہیں کہ خود شہزادی
نے اس درخواست کو نامنظور کر دیا "محققین کے نزدیک یہ [illegible] سے دور کی بات
درحقیقت یہ ہے کہ سلطان کی موت نے نامہ و پیام کا خاتمہ کر دیا تھا ورنہ اس سے بڑھ کر قیصر کے
لیے اور کیا عزت ہو سکتی تھی ابن خلکان کی روایت سے پایا جاتا ہے کہ سلطان نے بیرے کی

لہ دیکھو نوٹ صفحہ ۱۷ ترکان خاتون سلہ کامل اثیر سلہ دیکھو صفحہ ۱۷ ۱۰۲ سلہ دیکھو نوٹ سلہ
صفحہ ۱ سلہ تاریخ [illegible] استار مل [illegible]

کے بعد) کی تھی جس کی نسبت روضۃ الصفا میں لکھا ہے کہ خاقانِ اعظم نے مہد ہمایوں کا ڈولا ترکی
ستان و شکوہ سے اصفہان روانہ کیا تھا اور جب وہ داخل شہر ہوئی ہے تو تمام شہر آراستہ کیا
گیا تھا ایک ہزار ترکی غلام ڈولہ کے جلو میں تھے اور ہر ایک کے ہات میں ایکسا درتحہ
ترکسان کا تھا مشک عنبر عود کا بخور کی گولیاں جلو میں برسار کھی تھیں دوسرا عقد
سنہ ۴۸۰ھ میں ترکان خاتون سے خود سلطان نے کیا تھا[1] بہت معزز اور معتمد بیگم تھی اور لڑکی
اسلام میں داخل تھی۔ محمود اسکا بیٹا تھا تیسرا عقد رسیدہ[2] سے ہوا تھا جو ملک شاہ کے چچا یاقوتی
بن داؤد کی بیٹی تھی برکیارق اس کے بطن سے تھا اور خواجہ نظام الملک اسی کو ولیعہد سلطنت
کرنا چاہتا تھا اور ترکان خاتون اپنے نابالغ بیٹے محمود کو چاہتی تھی یہی نامخاصمت[3] تھی جس نے
نظام الملک کو وزارت سے معزول کرایا اور ملک شاہ کے انتقال پر یہی دونوں شاہزادے
خانہ جنگی کا باعث ہوئے[4] ملکشاہ نے قیصر روم الکسس کامی نس کی حسینہ و جمیلہ دختر سے
شادی کا پیام دیا تھا اور باجگذار قیصر اس رشتہ کو مسرت سے منظور کر لیتا مگر سلطان کی قبل از
وقت وفات نے مشرق و مغرب کے اتحاد کو روک دیا۔ لیکن مسٹر گبن تحریر کرتے ہیں کہ خود شہزادی
نے اس درخواست کو نامنظور کر دیا" محققین کے نزدیک یہ امر صداقت سے دور ہے بات
دراصل یہ ہے کہ سلطان کی موت نے نامہ و پیام کا خاتمہ کر دیا تھا ورنہ اس سے بڑھ کر قیصر کے
لیے اور کیا شرف ہو سکتی تھی ان ملکان کی روایت سے پایا جاتا ہے کہ سلطان نے بربے کی

---

[1] دیکھو نوٹ صفحہ ۱۰ ترکان خاتون [2] کامل ابن اثیر [3] دیکھو صفحہ ۱۰ ، ۱۷۲ [4] دیکھو نوٹ ستہ
صفحہ ۱ [5] تاریخ مسٹر جسٹس امیر علی

ایک مغنیہ سے بھی عقد کیا تھا۔ یہ مغنیہ گانا سنانے آئی تھی۔ مگر سلطان اس کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو گیا اور اپنی محبت کا اظہار کیا۔ مغنیہ سلطان کا منشا سمجھکر بولی کہ حضور مجھ ایسی حسین صورت جہنم کا ایندھن بنے یہ میری غیرت تقاضا نہیں کرتی۔ اور حلال و حرام میں صرف ایک کلمہ ہی کا تو فرق ہے۔ اس برجستہ جواب پر سلطان نے عقد کر لیا۔

محبت اولاد سلطان کو اپنی اولاد سے غیر معمولی محبت تھی جب شاہزادہ داود کا انتقال ہوا، تو فرط غم سے تجہیز و تکفین ملتوی کر دی جب نعش متعفن ہو گئی تو امرا نے دفن کی، اور سلطان کو ہلاکت سے بچایا جب سنجر کی ولادت ہوئی، تب سلطان کا غم غلط ہوا۔[1]

خلفاء عباسیہ سے رشتہ داری سب سے اول ۴۴۸ھ میں طغرل بیگ نے اپنی بھتیجی ارسلان خاتون کا عقد خلیفہ القائم بامر اللہ سے کیا تھا۔ اور ۴۶۴ھ میں الپ ارسلان نے اپنی دختر صفری خاتون کا عقد المقتدی بامر اللہ سے کر دیا۔ اور ۴۸۰ھ میں ملکشاہ نے بھی اپنی ایک بیٹی کا عقد المقتدی سے کیا۔ یہ رشتہ داری خلفاء عباسیہ کی مذہبی عظمت اور ارادت کی بنا پر ہوئی تھی اور ملکی مصلحتیں بھی تھیں۔

منصف مزاجی معدلت گستری اور نصفت شعاری، ملکشاہ کا خاصّہ تھا۔ اور اس کا عام لقب سلطان العادل تھا۔ اس کا ہر فیصلہ انصاف پر مبنی ہوتا تھا۔ انصاف کے وقت رشتہ دار اور اغیار برابر تھے، تمام مورخین نے اس واقعہ کو بنظر استحسان لکھا ہے کہ سلطان کا حقیقی بھائی تکش باغی ہو کر مقابلہ کو آ رہا تھا۔ اور سلطان بھی مدافعت کو جا رہا تھا کہ راستہ میں مشہد امام علی بن

[1] کامل ابن اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۴۱ [2] کامل جلد ۱۰ صفحہ ۲۴-۴۱ [3] شادی کے تفصیلی حالات میں دیکھو کتاب ہذا حصّہ اول صفحہ ۱۲۵۔

موسیٰ رضا گیا سلطان نظام الملک کے ہمراہ روضہ کے اندر گیا اور فاتحہ پڑھ کر واپس ہوا
اور خواجہ سے پوچھا کہ آپ نے کیا دعا مانگی خواجہ نے کہا کہ میں نے آپ کی فتح و نصرت
کی دعا مانگی ہے ملک شاہ نے کہا کہ میں نے تو یہ دعا کی ہے کہ اگر میرا بھائی مسلمانوں پر حکومت
کرنے میں مجھ سے زیادہ صلاحیت رکھتا ہے تو خدا اس کو فتحیاب[1] کرے۔

۲ ایک مرتبہ[2] اصفہان کے جنگل میں شکار کھیل رہا تھا کسی گاؤں میں قیام ہوا غلاموں
نے ایک غریب کی گائے کو لاوارث سمجھ کر ذبح کیا، اور کباب بنانے لگے ایک بیوہ عورت
کی تھی اور تین بچوں کی پرورش اس کے دودھ سے ہوتی تھی جب اس نے یہ حال سنا
تو وہ مدہوش ہو گئی اور صبح کو زندہ رود اصفہان کی مشہور نہر کے پل پر کھڑی ہو گئی
جب سلطان سامنے آیا تو نہایت بیباکی سے بولی کہ اے الپ ارسلان کے بیٹے! میرا
انصاف نہر کے پل پر کرے گا یا پل صراط پر، جو جگہ پسند ہو انتخاب کر لے" سلطان گھوڑے
سے اتر پڑا اور کہا پل صراط کی طاقت مجھ میں نہیں اسی جگہ فیصلہ کرنا چاہتا ہوں جب یہ کل
حال سنا تو عورت کو ستر گائیں معاوضہ میں دیں اور جب اس نے کہا کہ میں راضی ہوں
تب گھوڑے پر سوار ہوا۔

(۳) کسی امیر[3] کے غلام نے ایک غریب دہقانی سے زبردستی خربوزے چھین لیے اتفاق کو وہ دہقانی
نے سلطان سے شکایت کی اور تحقیقات پر خربوزہ برآمد ہوا سلطان نے حال پوچھا تو امیر
نے کہا کہ میرے سپاہی کہیں سے لائے تھے سلطان نے اُن سپاہیوں کو طلب کیا تو

۱؎ کامل ابن اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۴۰، ۲؎ روضۃ الصفا صفحہ ۱۰۳، ۳؎ ابن خلکان حالات ملک شاہ

امیر نے عرض کیا کہ وہ کہیں باہر چلے گئے ہیں۔ سلطان نے امیر کے دروغ مصلحت آمیز کو سمجھ لیا تھا، لہٰذا حبشی سے کہا کہ یہ امیر میرا غلام ہی اور میں تجھ کو تربوز کے بدلے میں انعام دیتا ہوں چنانچہ امیر نے تین سو درہم (پچھتر روپیہ) دیکر حبشی کو رضا مند کیا اور غلامی سے نجات پائی۔

زندہ دلی | ملک شاہ ایک زندہ دل و ربا مذاق سلطان تھا۔ ایک مرتبہ نیشاپور کے جنگل میں شکار کھیل رہا تھا، کہ اردلی کے سواروں سے الگ ہو کر ایک گاؤں میں جا پہنچا۔ شدت سے بھوکا تھا۔ لہٰذا کھانے کی فکر میں ایک کاشتکار کے پاس گیا جو اپنے کھیت میں ہل جوت رہا تھا۔ اور دونوں میں اس طرح پر گفتگو شروع ہوئی[1]

سلطان۔ میں مسافر ہوں بھوک نے خستہ کر دیا ہی، تم میری دعوت کر سکتے ہو۔

کاشتکار۔ ہاں جناب! میرے پاس روٹیاں تو ضرور ہیں مگر وہ میری خوراک سے زیادہ نہیں ہیں

سلطان۔ میں تیرا مہمان ہوں، فضول بک بک سے کوئی نتیجہ نہیں ہی۔

کاشتکار۔ سبحان اللہ! فضول گو وہی ہی جو زبردستی کا مہمان ہو۔

سلطان۔ میرا چاقو لیجاؤ۔ اور دو ٹکڑے روٹی کے تراش لاؤ۔

کاشتکار۔ حضرت معاف کیجئے۔ یہ مرصع دستہ کا چاقو کسی باورچی کو دکھائیے وہ روٹیوں کی قیمت میں لے لیگا۔

سلطان۔ میں خوشی سے چاقو دیتا ہوں اسے قبول کرو اور کھانا لاؤ۔

کاشتکار۔ میری آپ کی کبھی کی جان پہچان بھی نہیں ہی۔ آپ تشریف لیجا دیں میں دعوت

---

[1] زینۃ المجالس صفحہ ۲۵۹۔

سے محفوظ رہوں

یہ جواب سن کر ملک شاہ روانہ ہو گیا جب تھوڑی دور نکل گیا تو کاشتکار دوڑا اور رکاب پکڑ کر بوسہ دیا اور عرض کیا کہ معافی کا خواستگار ہوں مجھے مذاق کی عادت ہے تشریف لے چلیے چنانچہ سلطان واپس آیا کاشتکار نے فوراً ایک بکری ذبح کر کے کباب لگائے اور اچھی طرح سے کھانا کھلایا اور اپنی باتوں سے سلطان کو خوب ہنسایا اس عرصہ میں اردلی کے سوار آ گئے، سلطان روانہ ہوا اور کاشتکار ہل جوتنے لگا وقت رخصت سلطان نے کہا کہ دار السلطنت میں حاضر ہونا کاشتکار نے عرض کیا کہ مہماں سے روٹیوں کی قیمت لینا میرا شعار نہیں ہے سلطان کو یہ جواب پسند آیا اور وہی گاؤں جس کا وہ کاشتکار تھا جاگیر میں دیا

علمی مذاق | ملکشاہ کی آرزو تھی کہ شرفا کی اولاد تعلیم پائے اور ادنیٰ طبقہ کے لوگوں کو تعلیم نہ دی جائے چنانچہ دو لاکھ درہم کا مدرسہ محض اس بنا پر منظور کر دیا جس کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ نیشاپور کے ایک کاشتکار نے خواجہ نظام الملک کو رضامند کر کے سلطان سے سفارش[1] کرائی کہ اس کے بیٹے کو تعلیم کی اجازت دی جائے سلطان خواجہ پر غصہ ناک ہوا اور کہا کہ "تمہاری سفید داڑھی اور خدمات قدیمانہ کا ادب مانع ہوا ورنہ آج تمہاری رسوائی میں کچھ شبہ نہ تھا اگر میں یہ درخواست قبول کروں تو آئندہ زمانہ میں لوگ یہی کہیں گے کہ ملک شاہ نے رشوت لیکر نااہلوں کو حصول علم کی اجازت دیدی"

آخری ایام | ملک شاہ کی زندگی کے اخیر دو تین سال نہایت افسردگی میں گزرے

---

[1] دولت شاہ سمرقندی صفحہ   اور تاریخوں میں بھی اسے نقل کیا گیا ہے

خصوصاً موت کا سال نہایت خراب تھا۔ خواجہ نظام الملک کی معزولی اور تاج الملک
کی وزارت اسی سال میں ہوئی۔ اور دفتر انشار کے بھی قدیم عمال میں رد و بدل کیا گیا۔
چنانچہ یہ انتخاب سزاوار نہ ہوا۔ سلطان کا بھی انتقال ہوا۔ اور محرم ۴۸۶ھ (۱۰۹۳ء) میں تاج الملک
بھی بری طرح سے قتل کیا گیا۔ فرقہ باطنیہ کا زور رہا۔ اور خلیفہ المقتدی سے انتہائی مخالفت
پیدا ہوئی جس کا سبب یہ تھا کہ سلطان اپنے نواسہ ابوالفضل جعفر کو ولیعہد کرنا چاہتا تھا۔ اور
خلیفہ نے اپنے دوسرے بیٹے مستظہر باللہ کو ولیعہد کر کے جعفر کو محروم کر دیا تھا۔ چنانچہ[1] خلیفہ
کی معزولی کے لیے ۲۴ رمضان ۴۸۵ھ کو سلطان بغداد آیا اور ماہ صیام کے بعد ۳ شوال
۴۸۵ھ (۷ نومبر ۱۰۹۲ء) کو شکار کے لیے روانہ ہوا۔ نہر دجیل (ما بین تکریت و بغداد) کے
کنارے شکار کھیل رہا تھا۔ کہ بیمار پڑا۔ بیماری کی وجہ یہ بیان کیجاتی ہے کہ ایک دن گورخر شکار
کیا تھا۔ اس کے کباب خوب شوق سے کھائے۔ گرانی معدہ سے بخار آگیا اور نہایت شدت
ہوئی۔ تب بغداد آیا۔ اطبا نے فصد لی۔ مگر کوئی نفع نہ ہوا۔ اور واپسی کے دوسرے دن
۱۵ شوال ۴۸۵ھ (۱۸ نومبر ۱۰۹۲ء) کو انتقال ہو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ؀ "

چون کہ ہای نشت عرب دآں تو حال خلق — وقتی ز آب پر شود و نوبت تہی
این بر کہ حیات مسلم تہی شود — از آب زندگانی داز فربہی
دیر است زود مرگ نباشد ازاں گریز — فرخندہ نیکنامی و خوش وقت آگہی

ترکان خاتون نے سلطان کے واقعہ موت کو چھپا دیا۔ اور نہایت خاموشی سے نعش

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھو نوٹ مندرجہ صفحہ ۱۸۴ حصہ اول۔

ملک شاہ کے انتقال پر دولت سلجوقیہ حسب ذیل طبقات پر تقسیم تھی

نام طبقہ	ایام سلطنت (یوم ماہ سال)	تعداد حکمراں	ابتدا و انتہا	مختصر کیفیت
طبقہ عراق	۱۵-۵-۱۶۱	۱۴	۴۲۹ھ / ۱۰۳۷ء لغایۃ ۵۹۰ھ / ۱۱۹۴ء	یہ طبقہ سلاجقہ اعظم کہلاتا تھا جس پر ملک شاہ کے بعد برکیارق حکمراں ہوا۔
طبقہ کرمان	۰۰ — ۱۵۰	۹	۴۳۳ھ / ۱۰۴۱ء لغایۃ ۵۸۳ھ / ۱۱۸۷ء	عمادالدین قرا ارسلان قاورد بیگ بن جغری بیگ داؤد اسکا بانی تھا۔
طبقہ روم	۰۰۰-۲۳۲	۱۴	۴۷۰ھ / ۱۰۷۷ء لغایۃ ۷۰۰ھ / ۱۳۰۰ء	یہ سلطنت ایشیائے کوچک میں قتلمش بن اسرائیل بن سلجوق اعظم نے قائم کی تھی۔

ان شاخوں کے علاوہ شام میں تتش بن الپ ارسلاں اور کردستان میں مغیث الدین محمود حکمراں تھا۔ مگر یہ حکمراں درجہ اول کے جاگیرداروں میں داخل تھے۔ اور حقیقت میں سلاجقہ اعظم کے ماتحت تھے۔ ہر شاخ اپنی مستقل تاریخ رکھتی ہے جسکی تفصیل انشاءاللہ تاریخ آل سلجوق میں ہوگی۔"

خاتمہ

اے خدا! تیرا شکر و احسان ہے کہ برسوں کی آرزو آج پوری ہوئی اور قلم کے مسافر کو دائرہ قلمدان میں دم لینے کا موقع ملا، میری ذات کے لیے یہ ایک عجیب اتفاق تھا لیکن جس میں البرامکہ سے حقوق وفا کا طالب ہوں، جس کو "نظام الملک" کا غیر معمولی انتظار کرنا پڑا، واقعہ یہ ہے کہ دسمبر سنہ ۱۹۰۹ء تک چار سو صفحات صاف کر مسودہ کتاب ختم ہو گیا تھا اور اسی زمانے میں ریاست بھوپال کے ایک بڑے پرگنہ کی تحصیلداری پر میرا تقرر ہوا، چنانچہ حال گیر ہو کر تاریخ اسلام کی تکمیل کا عذاب بیو امر پیچ، وصول مالگذاری اور فیصلہ مقدمات (مال، فوجداری، دیوانی) کے کام پر اہم فرائض کو چھوڑ کر یہ کتاب ختم کی گئی اور اندروں تاریخ آل سلجوق حیات رشید اعظم (ہارون الرشید عباسی) اور ایک قدیم سفرنامہ (اصل مع ترجمہ و حواشی) کی ترتیب و تالیف میں مصروف ہوں، خدا سے دعا یہ ہے کہ ارحم الراحمین نظام الملک کی عمر میں برکت دے اور میری اس خدمت کو قبول کرے آمین!

خاکسار
محمد عبد الرزاق ابن منشی الٰہی بخش
صاحب مرحوم رسالدار وحکیم ہمدرد - کانپوری

یوم دوشنبہ ۲ ذی الحجہ سنہ ۱۳۲۸ھ
مطابق ۲ جنوری سنہ ۱۹۱۱ء ۲۰
اسفندار سنہ ۸۳۳ جلالی ملکشاہی

قلعہ سنگم گنج (سیہور) بھوپال (سنٹرل انڈیا)۔

فہرست کتب جن سے کتاب نظام الملک طوسی ماخوذ ہے

نمبر شمار	نام کتاب	نام علم و فن	نام زبان	نام مصنف
۱	سیر الملوک (سیاست نامہ)	سیاست	فارسی	خواجہ نظام الملک طوسی متوفی سنہ ۴۸۵ھ مطبوعہ پیرس دار السلطنۃ فرانس سنہ ۱۸۹۷ء
۲	دستور الوزراء (وصایا)	″	″	خواجہ نظام الملک طوسی نسخہ قلمی عہد قدیم
۳	احکام السلطانیہ والولایات الدینیہ	″	عربی	امام ابو الحسن علی ماوردی متوفی سنہ ۴۵۰ھ ۱۰۵۸ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۲۹۸ھ
۴	عقد الفرید (اخلاق)	″	″	وزیر ملک سعید متوفی سنہ ۶۵۲ھ مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۱۱ھ
۵	آثار الاول فی ترتیب الدول	″	″	حسن بن عبد اللہ عباسی متوفی سنہ ۸۱۱ھ ۱۴۰۸ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۰۵ھ
۶	معید النعم و مبید النقم	″	″	تاج الدین عبد الوہاب سبکی مطبوعہ مصر
۷	سلوک المالک فی تدبیر الممالک	″	″	شہاب الدین احمد مطبوعہ مصر سنہ ۱۲۸۶ھ
۸	فتوح البلدان	تاریخ	″	امام ابو العباس احمد بن یحییٰ بن جابر بغدادی بلاذری متوفی سنہ ۲۷۹ھ ۸۹۲ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۱۸ھ
۹	سراج الملوک	″	″	ابوبکر محمد طرطوشی مالکی اندلسی متوفی سنہ ۵۲۰ھ ۱۱۲۶ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۰۶ھ
۱۰	تاریخ السلجوقیین فی العراق	″	″	امام عماد الدین محمد بن محمد بن حامد اصفہانی متوفی

نمبر شمار	نام کتاب	نام علم و فن	نام زبان	نام مصنف
		تاریخ	عربی	سنہ [illegible] مطبوعہ مصر ۱۳۲۱ء
۱۱	الفخری فی الآداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ	"	"	محمد بن علی بن طباطبا المعروف ابن الطقطقی مطبوعہ مصر ۱۳۱۷ھ
۱۲	المعارف	"	"	ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ کاتب دینوری متوفی ۲۷۶ھ/۸۸۹ء مطبوعہ مصر ۱۳۰۰ھ
۱۳	مروج الذہب و معادن الجوہر	"	"	قطب الدین ابو الحسن علی بن حسین مسعودی متوفی ۳۴۶ھ/۹۵۷ء مطبوعہ مصر ۱۳۰۳ھ
۱۴	تاریخ ملوک الارض	"	"	حمزہ بن الحسن اصفہانی (چوتھی صدی ہجری) مطبوعہ کلکتہ ۱۸۶۶ء
۱۵	کامل	"		ابو الحسن علی المعروف بابن الاثیر جزری متوفی ۶۳۰ھ/۱۲۳۲ء مطبوعہ مصر ۱۳۰۳ھ
۱۶	کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین			شہاب الدین مقدسی شافعی المعروف بابی شامہ متوفی ۶۶۵ھ/۱۲۶۶ء مطبوعہ مصر ۱۲۸۸ھ
۱۷	مختصر الدول	"	"	علامہ مسیحی گریگوریوس ابو الفرج بن ہارون الطبیب الملطی معروف بابن العبری متوفی ۶۸۵ھ/۱۲۸۶ء مطبوعہ بیروت ۱۸۹۰ء

نمبر	نام کتاب	نام علم وفن	نام زبان	نام مصنف
۱۸	ابن خلدون	تاریخ	عربی	ولی الدین ابوزید عبدالرحمٰن بن محمد بن خلدون مغربی متوفی سنہ ۸۰۶ھ / ۱۴۰۶ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۱۱ھ
۱۹	کتاب المواعظ والاعتبار فی ذکر الخطط والآثار	"	"	علامہ تقی الدین احمد بن علی بن عبدالقادر محمد المعروف بالمقریزی متوفی سنہ ۸۴۵ھ / ۱۴۴۱ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۲۷۰ھ
۲۰	الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام	"	"	قطب الدین محمد بن احمد حنفی نہروالی (نویں صدی ہجری) مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۰۳ھ۔
۲۱	تاریخ الخلفاء	"	"	جلال الدین سیوطی متوفی سنہ ۹۱۱ھ / ۱۵۰۵ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۰۵ھ
۲۲	حسن المحاضرہ فی اخبار مصر القاہرہ	"	"	" " " " " سنہ ۱۳۲۱ھ
۲۳	تاریخ الحکماء	"	"	شہرزوری قلمی کتبخانہ ندوۃ العلما لکھنؤ۔
۲۴	اخبار العلماء باخبار الحکماء	"	"	وزیر جمال الدین قفطی۔ مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۲۶ھ
۲۵	ابوالفدا	"	"	سلطان ملک المؤید۔ عماد الدین اسمٰعیل مطبوعہ مصر سنہ ۱۲۸۶ھ
۲۶	دول الاسلامیہ	"	"	سید احمد بن زینی دحلان متوفی سنہ ۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۶ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۰۶ھ
۲۷	فتوحات الاسلامیہ	"	"	سید احمد بن زینی دحلان متوفی سنہ ۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۶ء

نمبر شمار	نام کتاب	نام علم و فن	نام زبان	نام مصنف
		تاریخ	عربی	مطبوعہ مصر ۱۳۱۱ھ
۲۸	طلوع الارب فی احوال العرب	"	"	آلوسی زادہ سید محمود شکری آفندی بغداد ۱۳۱۴ھ
۲۹	مساحۃ الطرب فی مقدمات العرب	"	"	توفیق آفندی طرابلسی مطبوعہ بیروت
۳۰	الوافی فی المسائل الشرقیہ (جلد اول)	"	"	امین بن ابراہیم شمیل لبنانی (۱۸۹۱ء تک بقید حیات تھا) مطبوعہ اسکندریہ ۱۲۹۷ھ
۳۱	الخطط التوفیقیہ	"	"	علی پاشا مبارک مصری ۱۳۱۱ھ مطبوعہ مصر ۱۳۰۶ھ یہ کتاب مقریزی کا ذیل ہے
۳۲	اخبار الدول و آثار الاول	"	"	ابو العباس بن احمد قرمانی مطبوعہ بغداد ۱۲۸۲ھ
۳۳	آثار الادہار (تراجم)	"	"	سلیم جبرئیل خوری مطبوعہ بیروت ۱۸۷۵ء
۳۴	مقدمہ ابن خلدون	فلسفہ تاریخ	"	طبع مصر ۱۸۹۱
۳۵	کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون	تاریخ علوم	"	کاتب چلپی مطبوعہ قسطنطنیہ ۱۳۱۱ھ
۳۶	اکتفاء القنوع بما ہو مطبوع	تاریخ کتب مطبوعہ	"	ایڈورڈس کرنیلیوس وان ڈائیک مطبوعہ الہلال مصر ۱۳۱۳ھ ۱۸۹۶ء
۳۷	ملل و نحل	تاریخ العقائد والمذاہب		ابو الفتح محمد بن عبدالکریم شہرستانی متوفی ۵۴۸ھ ۱۱۵۳ء مطبوعہ بمبئی ۱۳۱۴ھ

نمبر شمار	نام کتاب	نام علم و فن	نام زبان	نام مصنف
۳۸	الفصل فی الملل	تاریخ العقائد والمذہب	عربی	امام ابو محمد علی ابن احمد بن حزم الظاہری متوفی سنہ ۴۵۶ھ / ۱۰۶۳ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۱۷ء
۳۹	دیباچہ تاریخ آل سلجوق	تاریخ	فرنچ	ایم ہاوٹسما۔ ایک فرنچ عالم ہے جس نے تاریخ آل سلجوق اصفہانی کو اپنے اہتمام سے بمقام لیڈن چھپوایا ہے اُس نے اصل کتاب پر یہ دیباچہ لکھا ہے۔
۴۰	گبن امپائر (عہد اسلام)	"	انگریزی	مطبوعہ لندن سنہ ۱۹۰۰ء
۴۱	خلافت بغداد	"	"	لی۔ اسٹرینج۔ مطبوعہ لندن۔
۴۲	لٹریری ہسٹری آف پرشیا	تاریخ علم ادب فارسی	"	پرفیسر ای۔ جی۔ براؤن مطبوعہ لندن سنہ ۱۹۰۶ء
۴۳	شاہنامہ	تاریخ	فارسی	فردوسی طوسی۔ مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۲۷۶ھ
۴۴	المعجم	"	"	فضل اللہ شیرازی مطبوعہ اصفہان سنہ ۱۲۷۹ھ
۴۵	وصاف	"	"	شرف الدین عبداللہ بن فضل اللہ شیرازی مطبوعہ اصفہان۔
۴۶	صور الاقالیم (تاریخ خراسان)	"	"	ابو زید احمد بن سہل بلخی۔ قلمی۔
۴۷	جامع التواریخ رشیدی	"	"	فضل اللہ بن ابوالخیر رشیدی مطبوعہ پیرس سنہ ۱۸۴۴ء
۴۸	روضۃ الصفا	"	"	میر خوند مورخ۔ مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۲۷۱ھ جلد چہارم

نمبر شمار	نام کتاب	نام علم وفن	نام زبان	نام مصنف
۴۹	تاریخ بیہقی	تاریخ	فارسی	ابوالفضل بیہقی مطبوعہ کلکتہ سنہ ۱۸۶۲ء
۵۰	طبقات ناصری	"	"	منہاج الدین سراج مطبوعہ کلکتہ سنہ ۱۸۶۴ء
۵۱	نگارستان	"	"	قاضی احمد بن محمد غفاری مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۲۷۵ھ
۵۲	آئین اکبری	"	"	علامہ ابوالفضل مطبوعہ دہلی سنہ ۱۲۷۲ھ جس کو آنریبل سر سید احمد خاں بہادر مرحوم نے اپنی ایڈیٹری سے شائع کیا تھا
۵۳	ہفت اقلیم (تذکرہ)	"	"	امین رازی لکھنؤ۔
۵۴	نامہ خسرواں	"	"	جلال الدین مرزا مطبوعہ بمبئی
۵۵	زینۃ المجالس	"	"	مجدالدین محمد حسینی مجدی مطبوعہ اصفہان سنہ ۱۳۱۲ھ
۵۶	ناسخ التواریخ	"	"	لسان الملک مرزا محمد تقی سپہر سوی طہران سنہ ۱۳۰۹ھ
۵۷	کسریٰ نامہ	"	"	مطبوعہ کلکتہ سنہ ۱۳۲۱ھ
۵۸	تاریخ ہند	"	"	جان ٹامس ترجمہ مولوی عبدالرحیم صاحب گورکھپوری مطبوعہ کلکتہ۔
۵۹	تاریخ ایران	"	"	سرجان ملکم مطبوعہ بمبئی
۶۰	فارس نامہ ناصری	"	"	حاجی مرزا حسن شیرازی مطبوعہ اصفہان سنہ ۱۳۱۳ھ
۶۱	جامع التواریخ	"	"	مولوی ظہیر محمد مطبوعہ کلکتہ سنہ ۱۸۳۶ء

نمبر شمار	نام کتاب	نام علم و فن	نام زبان	نام مصنف
۶۲	قند الجواہر فی احوال الجواہر	تاریخ ہند	فارسی	ملا محمد عباس شروانی مطبوعہ بمبئی ۱۳۱۲ھ
۶۳	دبستان مذاہب اردستانی	"	"	مطبوعہ کلکتہ ۱۸۰۹ء (ذو الفقار)
۶۴	دعوت اسلام	"	اردو	ٹی ڈبلیو آرنالڈ صاحب سابق پروفیسر مدرسۃ العلوم علیگڑھ مترجمہ مولوی عنایت اللہ دہلوی مطبوعہ مفید عام آگرہ ۱۸۹۸ء
۶۵	تاریخ ہند (عہد اسلام)	"	"	آنریبل الفنسٹن صاحب مطبوعہ ہندوستانی علی گڑھ ۱۸۷۶ء
۶۶	تمدن عرب	تاریخ تمدن	"	مترجمہ شمس العلما سید علی بلگرامی مطبوعہ مفید عام پریس آگرہ ۱۸۹۸ء
۶۷	معجم البلدان	جغرافیہ	عربی	امام شہاب الدین ابو عبد اللہ یاقوت الحموی متوفی ۶۲۶ھ ۱۲۲۹ء مطبوعہ مصر ۱۳۲۴ھ
۶۸	تقویم البلدان	"	"	سلطان ملک المؤید عماد الدین اسمٰعیل بن ملک الافضل نور الدین علی صاحب حماۃ المعروف بابو الفدا دمشقی متوفی ۷۳۲ھ ۱۳۳۱ء [illegible]
۶۹	مراصد الاطلاع علی اسماء الامکنۃ والبقاع	"	"	امام شہاب الدین ابو عبد اللہ یاقوت مطبوعہ مصر ۱۳۱۰ھ
۷۰	خریدۃ العجائب فریدۃ الغرائب	"	"	عمر بن الوردی الملقب زین الدین

نمبر شمار	نام کتاب	نام علم وفن	نام زبان	نام مصنف
		جغرافیہ	عربی	[illegible] مطبوعہ مصر ۱۲۹۳ھ
۷۱	المرآۃ الوصفی الکرۃ الارضیہ	〃	〃	کرنیلیوس وانڈیک امریکانی متوفی ۱۸۹۵ء مطبوعہ بمبئی۔
۷۲	زہرۃ القلوب (تاریخ)	〃	فارسی	حمداللہ مستوفی قزوینی مطبوعہ بمبئی ۱۳۱۱ھ
۷۳	گنج دانش	〃	〃	محمد تقی خان حکیم مطبوعہ اصفہان ۱۳۰۵ھ
۷۴	جام جم	〃	〃	شاہزادہ فرہاد میرزا مطبوعہ اصفہان ۱۲۷۲ھ
۷۵	مرآۃ البلدان ناصری	〃	〃	صنیع الدولہ محمد حسن خان مطبوعہ طہران ۱۲۹۴ھ
۷۶	ہسٹوریکل ہینڈ اٹلس	اٹلس	جرمنی	مرتبہ ڈاکٹر ریچرڈ اینڈری جرمنی مطبوعہ جرمنی ۱۸۸۶ء
۷۷	سفرنامہ ناصر خسرو	سفرنامہ	فارسی	حکیم ناصر خسرو علوی بلخی متوفی ۴۸۱ھ مطبوعہ دہلی [illegible]
۷۸	رحلہ محمد بن جبیر اندلسی	〃	اردو	ابوالحسن محمد بن احمد جبیر متوفی ۶۱۴ھ/۱۲۱۹ء مترجمہ حافظ احمد علی شوق مہتمم کتب خانہ ریاست رامپور
۷۹	تحفۃ النظار فی غرائب الامصار مشہور برحلہ ابن بطوطہ	〃	عربی	ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الملقب شمس الدین ابن بطوطہ طنجی متوفی [illegible] مطبوعہ مصر [illegible]
۸۰	آثار العجم	〃	فارسی	میرزا محمد نصیر فرصت شیرازی مطبوعہ بمبئی ۱۳۱۴ھ
۸۱	سفرنامہ پروفیسر ویمبری	〃	اردو	مترجمہ دفتر پیسہ اخبار لاہور ۱۹۰۳ء
۸۲	خیابان فارس	〃	〃	ترجمہ سفرنامہ لارڈ کرزن بہادر [illegible]

نمبر شمار	نام کتاب	نام علم	نام زبان	نام مصنف
۸۳	وفیات الاعیان	سیر و تراجم	عربی	[illegible] قاضی ابو العباس احمد بن خلکان برمکی متوفی سنہ ۶۸۱ھ مطبوعہ مصر سنہ ۱۲۸۳ھ
۸۴	فوات الوفیات	"	"	صلاح الدین محمد شاکر کتبی متوفی سنہ ۷۶۴ھ مطبوعہ مصر سنہ ۱۲۹۹ھ
۸۵	طبقات الشافعیۃ الکبریٰ	"	"	قاضی تاج الدین ابو نصر عبد الوہاب بن تقی الدین سبکی مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۲۴ھ
۸۶	عیون الانباء فی طبقات الاطباء	"	"	موفق الدین بن ابی اصیبعہ متوفی سنہ ۶۶۸ھ مطبوعہ مصر سنہ ۱۲۹۹ھ
۸۷	کتاب الاتحاف بحب الاشراف	"	"	شیخ عبد اللہ شبراوی متوفی سنہ ۱۱۷۱ھ مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۱۶ھ
۸۸	الدر المنثور فی طبقات ربات الخدور	"	"	مصنفہ سیدہ زینب مصری مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۱۲ھ
۸۹	دمیۃ القصر وعصرۃ اہل العصر	تذکرہ	"	ابو الحسن علی الباخرزی شافعی قلمی کتبخانہ نواب سید محمد مرتضیٰ خاں صاحب نبیرۂ والاجاہ نواب صدیق حسن خاں بہادر مرحوم۔
۹۰	تذکرۃ الائمہ	"	فارسی	ملا محمد باقر قلمی سنہ ۱۰۹۶ھ

نمبر شمار	نام کتاب	نام علم و فن	نام زبان	نام مصنف
۹۱	آثار الوزرا	تذکرہ	فارسی	حاجی سعدالدین عقیلی قلمی موجود پبلک اوریئنٹل لائبریری پٹنہ
۹۲	دولت شاہ سمرقندی	"	"	مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۳ھ [illegible]
۹۳	آتشکدہ	"	"	حاجی لطف علی بیگ آذر مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۲۷۷ھ
۹۴	تذکرۃ الاولیا	"	"	مولانا فریدالدین عطار مطبوعہ لاہور سنہ ۱۸۹۱ء
۹۵	نفحات الانس			مولانا عبدالرحمن جامی مطبوعہ کلکتہ سنہ ۱۸۵۸ء
۹۶	مرآۃ الخیال	"	"	شیر خاں لودی کلکتہ
۹۷	مجمع الفصحاء	"	"	ہدایت۔ طہران سنہ ۱۲۹۵ھ
۹۸	نامۂ دانشوران ناصری	"	"	مرزا ابوالفضل ساوجی، مرزا حسن طالقانی، ملا عبدالوہاب قزوینی، ملا محمد مہدی طہران سنہ ۱۲۹۶ھ
۹۹	سلسلۃ الذہب	تصوف	"	مولانا عبدالرحمن جامی قلمی
۱	کشف المحجوب	"	"	مولانا علی بن عثمان ہجویری مطبوعہ لاہور
۱۱	تہذیب الاخلاق	اخلاق	عربی	ابن مسکویہ مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۲۱ھ
۱۲	کتاب الذریعہ الی مکارم الشریعہ	"	"	راغب اصفہانی متوفی سنہ ۵۰۲ھ / ۱۱۰۸ء مصر سنہ ۱۳ھ [illegible]
۱۳	التبر المسبوک فی نصائح الملوک	"		امام غزالی مطبوعہ مصر سنہ ۱۳ھ [illegible]
۱۴	اخلاق جلالی	"	فارسی	ملا جلال الدین محقق دوانی مطبوعہ لکھنؤ سنہ [illegible]

نمبر شمار	نام کتاب	نام علم وفن	نام زبان	نام مصنف
۱۰۵	منتخبات سعیدہ	اخلاق	فارسی	حافظ محمد سعید ۔ مطبوعہ قدیم لکھنؤ۔
۱۰۶	عقد الفرید	ادب ومحاضرات	"	ابن عبدربہ اندلسی متوفی ۳۲۸ھ مطبوعہ مصر ۱۳۰۵ھ
۱۰۷	ادب الدنیا والدین	"	"	ابو الحسن الماوردی متوفی ۴۵۰ھ مطبوعہ مصر ۱۳۱۰ھ
۱۰۸	الصادح والباغم	"	عربی	سید شریف نظام الدین ہباری متوفی ۱۱۱۵ھ مطبوعہ بیروت ۱۸۸۶ء
۱۰۹	المستطرف فی کل فن مستظرف	"	"	شہاب الدین احمد متوفی ۸۵۰ھ مطبوعہ مصر ۱۳۰۸ھ
۱۱۰	کشکول	"	"	شیخ محمد بہاء الدین بن حسین عاملی متوفی ۱۰۳۱ھ
۱۱۱	کتاب المخلاۃ	"	"	مطبوعہ ۱۳۱۷ھ
۱۱۲	چہار مقالہ (طبعیات)	"	فارسی	نظامی عروضی سمرقندی مطبوعہ طہران ۱۳۰۵ھ
۱۱۳	رباعیات عمر خیام	"	"	مرتبہ پروفیسر راس، ہیرن ایلن۔ لندن، نسخہ جات مطبوعہ بمبئی وکلکتہ۔
۱۱۴	تحفۃ العراقین	"	"	خاقانی ۔ مطبوعہ آگرہ ۱۸۵۵ء
۱۱۵	دیوان لامعی	"	"	حکیم لامعی جرجانی ۔ مطبوعہ بمبئی ۱۳۰۲ھ
۱۱۶	کشاف اصطلاحات الفنون	قاموس العلوم	عربی	شیخ محمد علی تھانوی (۱۱۵۸ھ) ایشیاٹک سوسائٹی بنگال (کلکتہ) ۱۸۶۲ء
۱۱۷	دائرۃ المعارف	"	"	پطرس بستانی متوفی ۱۸۸۳ء مطبوعہ بیروت [illegible]